تفسیر سروری

جلد سوم

تفسیر سروری

(جلد سوم)

Tafsīr-e-Sarwarī — Vol. 3 (Urdu)
A Commentary of the Holy Quran
by
Ḥaḍrat Syed Muhammad Sarwar Shah[ra]

First Published in the UK in 2026

© **Islam International Publications Ltd.**

Published by:
Islam International Publications Limited
Unit 3, Bourne Mill Business Park,
Guildford Road, Farnham, Surrey UK, GU9 9PS

For more information, please visit
www.alislam.org

Cover design by: Asifah Wahab Mirza

ISBN: 978-1-83596-004-2
(*Tafsīr-e-Sarwarī – 5 volume set*)

مضمون	صفحہ
آیت90تا92: وَ لَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ.....اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔	1
مصدق نبیؐ اور مصدق کتاب	4
قرآن کریم کی دوسری الہامی کتب پر افضلیت	5
قرآن مجید کسی کا ممنون احسان نہیں	6
قرآن مجید کا احسانِ عظیم گزشتہ تعلیمات کے بارہ میں	7
يَسْتَفْتِحُوْنَ بمعنے فتح و نصرت	8
آنحضرتؐ کامل کتاب کے لانے والے ہیں	8
نبیؐ اور کتاب کے بارہ پہلے خبر دی گئی تھی	9
پہلی اور دوسری آمد سے مراد	10
پہچانی ہوئی کتاب کے منکر کا انجام	10
اِشْتَرَاءٌ بمعنے خرید و فروخت	11
خرید کے معنے کرنے میں دقّت اور اس کا حل	13
بَايَعُوْا کی بجائے اِشْتَرَوْا میں ایک اشارہ	14
بنی اسرائیل کی سرکشی کا بیان اور اسکی تردید	14
نبوت موروثی چیز نہیں بلکہ فضلی ہے	15
مشیئت ایزدی کسی قوم سے خاص نہیں	16
نبوت بنی اسمٰعیل میں	16
باوجود علم کے یہودیوں نے نبیؐ کا انکار کیا	17
بَآءُوْ کے معنے اور مطلب	17
غضب سے یہاں دو غضب مراد ہیں	18
عذاب کا ذکر کفر کے باعث ہے	19

مضمون	صفحہ
بنی اسرائیل قوم کا سرکشی کی وجہ سے انکار کرنا	20
قرآن کریم مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ہے	21
مَاوَرَآءَهٗ سے مراد	22
مَاوَرَآءَهٗ سے مراد قرآن ہی ہے	22
حق کے معنے	24
مصدق پر ایمان لانے کا فائدہ	25
اہل کتاب کے قول کی تردید	25
خلاصہ مطلب	26
یہود پر لعنت پڑنے کی وجہ	27
بنی اسرائیل پر انعام کیوں نہ نازل ہوا؟	28
ناقابل اعتبار پر ایمان کیوں؟	30
یہود کی سابقہ کتابوں پر ایمان کی نفی کی دلیل	31
آیت93تا94: وَ لَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ.....اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔	32
سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا کا مطلب و تشریح	34
بنی اسرائیل کو دراصل تین حکم دیئے گئے	36
بنی اسرائیل کی طرف سے تین حکموں کا جواب	37
اسلام میں اعمال کے مدارج کا بیان	37
یہودیوں کا اعمال کو غیر ضروری خیال کرنا	38
کفر پر رہنے کی وجہ گوسالہ کی محبت اور مفسرین	38
یہود کے ایمان کی کیفیت	40
خلاصہ مطلب	41
عہد کو یہود نے توڑا اور اس کا انجام	41

مضمون	صفحہ
احکام الٰہی کا انکار	42
آیت95تا97: قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ..... بِمَا يَعْمَلُوْنَ۔	43
یہود کی آرزوؤں کا بیان	45
یہود کی دو آرزوؤں کا خلاصہ اور انجام	46
موت سے مراد	47
موت کی تمنا نہ کرنے کی وجہ	49
مفسرین کے مطابق یہاں یہود سے مراد موجودہ زمانہ کے یہود ہیں	49
لَتَجِدَنَّ سے مراد	51
بدیوں پر دلیر ہونے کی وجہ انکے عقائد ہیں	54
قرآن مجید میں گزشتہ واقعات کا بطور عبرت بیان	57
سیّدوں کے متعلق عقیدہ	57
آیت98تا99:قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ.....فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ۔	59
کافروں کا جبرئیل کا دشمن ہونا اور اسکی وجہ	61
مفسرین کی روایات	62
بخت نصر کو قتل کرنے سے جبرئیل نے روکا	63
خلاصہ مطلب	64
آیت100: وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ۔	66
احیاء اللہ اور اعداء اللہ کی تشریح	67
خلاصہ مطلب	68

مضمون	صفحہ
آیت101تا102: اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا..... كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔	70
لغت کے ماہرین کے نزدیک حروف استفہام کا یہاں مطلب	72
فاسق ہونے کا مطلب	73
عہد کیا ہے؟ یہاں کسی عہد کی تخصیص نہیں ہے	74
مفسرین کی تشریح عہد توڑنے والوں کے بارے میں	75
اصل مطلب و خلاصہ	75
تصدیق کے اصل معنے اور تشریح	76
تصدیق کے چار معنوں کا ذکر اور اصل معنے	77
وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ الخ میں کسی رسول کی تخصیص نہیں	78
علم کے باوجود وہ لاپرواہی کرتے ہیں	79
خلاصہ مضمون	79
خلاصہ آیت	80
آیت103تا104: وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ..... كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔	82
مفسرین کے نزدیک شیطان سلیمان کی سلطنت کے خلاف کیا پڑھتے تھے؟	86
سحر کی تعریف اور علماء	87
سحر کی اصل تعریف اور حقیقت	88
مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ کی حقیقت	89
حضرت سلیمان پر جادو کا الزام اور جواب	89

مضمون	صفحہ
حضرت سلیمانؑ سے سحر کی نفی مدلل انداز میں	90
شیاطین کفر کے علاوہ سحر بھی سکھاتے تھے	91
حضرت سلیمانؑ پر لگنے والے بہتان کی نفی	91
ظاہری اور حقیقی اسباب سے سحر کی نفی	92
بابل کے دو فرشتے	93
فرشتوں کی تشریح	94
مَآ اُنْزِلَ سے مراد خفیہ کمیٹیاں اور فرشتوں کی حقیقت	96
قابل غور چار امور	98
مفسرین کے نزدیک ہاروت ماروت کے آنے کی غرض	100
بابل کے دو فرشتے کیا سکھاتے تھے؟	101
ان کے علم کا اثر اور اس کے نتائج	101
رسول کریم ﷺ کے خلاف بابل والوں کی طرح کے منصوبے بنانے کا ردّ	102
کفار کی تدبیروں کا انجام ان کے لئے تکلیف کا باعث ہو گا	103
فرشتے سکھانے سے پہلے بتا دیتے تھے کہ ہم آزمائش ہیں	104
اہل تفاسیر کا اعتراض اور جواب	105
علم مضر ہونے کے باوجود سیکھنا	105
برائی کے علم کے باوجود اسکا ارتکاب کرنا	106
اللہ خیر ہی دیتا ہے خواہ ایمان والا ہو یا نہ ہو	108
اللہ کی طرف سے ثواب بہتر ہے	109
اللہ کی طرف سے تھوڑا ثواب بھی بہت بہتر ہے	110
حضرت سلیمانؑ کا مقام اور ان پر الزامات	112
ہاروت وماروت پر جو نازل ہوا اس کا مقصد	113
فرشتوں کی نصیحت کو بھولنے کا انجام	113
حبّ دنیا	114
آیت105: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا ..... عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔	116
رَاعِنَا کا لفظ مرکب و مفرد مستعمل ہے	118
یہود کی حالت کا بیان اور حدیث سے مثال	118
شریر کافروں کا انجام	120
کافروں کے نجویٰ اور ان کی خفیہ انجمن	120
معاندین کا حیلہ اور اس کا نقصان	121
شریروں کا رَاعِنَا کہنا	123
کافروں کے دردناک عذاب کا ذکر اور وجہ	124
آیت106: مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ..... وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔	125
یہود کے کرتوت کی وجوہات	126
مفسرین کا ایک نکتہ اور اس کی تفصیل	127
کافروں کی تین درجہ کی مذمت	129
اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے مراد	130
عام کفر کی بجائے خاص کفر کا بیان	130
خدا تعالیٰ کی ربوبیت کے آثار عام ہیں	131

مضمون	صفحہ
آیت 107 تا 108: مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ ..... وَّلَا نَصِيْرٍ۔	134
مفسرین کے نزدیک قرآن کریم میں نسخ	135
مفسرین کے نزدیک ان آیات کا سبب نزول	136
مفسرین کی تفسیر سے اختلاف	137
مسلمان کیونکر کسی آیت کو ردّ کر سکتا ہے	139
مسلمان خود آیات کو منسوخ کرتے رہے	140
نسخ آیات کا قرآن کریم سے ردّ	141
نسخ کا اعتقاد	142
ان آیات سے مراد مطلق نشان ہیں	143
سیاق سباق سے آیات کی سمجھ آجاتی ہے	143
پہلے یہود کے کس سوال کی تردید کی گئی ہے	144
آنے والا نبی بنی اسماعیل سے ہو گا	145
خَيْرٌ سے مراد	146
قرآن مجید میں بہت سی چیزوں کو آیت قرار دیا	147
اللہ کی شان کا ذکر	148
خدا تعالیٰ کی قدرت کا اظہار	149
حقیقی بادشاہت صرف خدا تعالیٰ کی ہے	150
دو باغوں کی مثال سے استنباط	151
گزشتہ سوالوں کی تردید چار طریق سے	152
آیت 109: اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ ..... فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ۔	154

مضمون	صفحہ
ضروری نہیں کہ آیت واقعہ کی مناسبت سے نازل ہو	156
ضعیف القلب مومنوں کو بہکانے کا ذکر	157
اس آیت کے سمجھنے میں مفسرین کو دقت	158
حق کھلنے پر کفر کرنیوالے ضرور بہک جاتے ہیں	159
آیت 110 تا 111: وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ ..... اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔	160
مصیبتوں سے علاج کا گُر	162
اللہ تمہارے کاموں کو دیکھنے والا ہے	162
آیت 112 تا 113: وَ قَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ ..... وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔	164
مفسرین کی آراء	166
مفسرین کی ایک مشکل اور اس کا حل	167
ایک جماعت اور ان کی تین باتوں کا ذکر	167
دنیا کی جنت اور آخرت کی جنت	168
جنّت خاص لوگوں کے لئے ہے	169
مومنوں پر تباہ کرنے والے دکھ نہیں آتے	170
آیت 114: وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى ..... فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ۔	171
یہاں مشرکین عرب مخاطب ہیں	172
اہل کتاب اور ان کی جاہلیت	173
قیامت سے مراد مصیبت کا دن	174
آیت 115 تا 116: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ ..... اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔	175

مضمون	صفحہ
اللہ تعالیٰ مشرق و مغرب کا مالک اور اس کے اصل معنے	177
آیت 117 تا 118: وَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا... فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔	178
مذکورہ تین قوموں کے دلائل کا ردّ	179
اللہ کی ذات بیٹے یا متبنّٰی سے پاک ہے	180
آیت 119: وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ..... قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ۔	181
آیت 120: اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ۔	183
آیت 121 تا 122: وَ لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ..... فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔	184
تورات پر کامل ایمان لانیوالے رسول کریمؐ پر ضرور ایمان لائیں گے	186
آیت 123 تا 124: يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا ..... وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ۔	187
آیت 125 تا 130: وَ اِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ... اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔	189
رسول اللہ اور کتاب اللہ کے آنے کا ثبوت	194
آیت 131 تا 135: وَ مَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ... وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔	195
آیت 136 تا 139: وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى..... صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ۔	198
حقیقی اصطباغ اللہ کی فرمانبرداری ہے	200
آیت 140: قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِى اللّٰهِ..... وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ۔	201

مضمون	صفحہ
آیت 141 تا 142: اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ..... عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔	202
آیت 142 تا 148: سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ..... مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ۔	204
اللہ تعالیٰ کا خانہ کعبہ کو مسلمانوں کے لئے قبلہ بنانے میں مضمر وعدہ	209
حق کو چھپانے والے فریق کا ذکر	210
آیت 149 تا 153: وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا... وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ۔	212
کعبہ کی طرف توجہ پھیرنے کا حکم	214
آیت 154 تا 164: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا..... اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ۔	216
آیت 165 تا 168: اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ ..... وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ۔	220
آیت 169 تا 177: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا..... فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ۔	223
ہر قسم کی بغاوت سے بچو	226
آیت 178 تا 183: لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا..... فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔	227
وراثت اور وصیت کے بارے میں احکام	230
آیت 184 تا 189: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ..... بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔	232
نفلی روزوں کا ذکر	237
روزہ مکالمہ الٰہیہ کا ایک اعلیٰ ذریعہ	240
روزہ رکھنے کا وقت	240

مضمون	صفحہ
اللہ کی حدود کی پابندی کا ذکر	241
بنی اسرائیل پر خدا تعالیٰ کی ایک تعریض کا ذکر	242
آیت190 تا197: يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ .....وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔	243
آیات کے سمجھنے میں ماقبل اور مابعد کی اہمیت	246
کفار سے جنگ میں تعدی سے بچنے کا ارشاد	247
آپؐ کا وجود عذاب الٰہی سے بچانے کا باعث	249
مسجد حرام کی حرمت	250
جہاد کی ضرورت	250
حج وعمرہ کے موقع پر قربانی کا ذکر	251
آیت198 تا211: اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ...وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ۔	253
حج کے مہینے	257
حج کی شرائط	258
زادِ راہ رکھنے کی حکمت	258
زمانہ جاہلیت میں حج کے بعد کی رسومات	261
آیت212 تا217: سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ... وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔	266
بنی اسرائیل کا تبدیلِ نعمت کرنا اور سزا پانا	269
انبیاء اختلاف کی وجہ نہیں	271
ایمان لانے والوں کی آزمائش	273
مفسرین کے نزدیک سببِ نزول	275
آیت218 تا222: يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ...لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ۔	279

مضمون	صفحہ
حرمت والے مہینے	284
ان آیات میں فتح مکہ کا نقشہ بیان ہوا ہے	285
آیت223 تا229: وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ...وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔	290
شیعوں کی اَنّٰی شِئْتُمْ کی غلط تشریح	297
لغو قسم کون سی ہے؟	301
علماء کا اختلاف	304
آیت230 تا232: اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ ...اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔	309
آیت233 تا236: وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ .....اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ۔	316
آیت کا سبب نزول	320
رضاعت کا بیان	321
عدّت کا بیان	323
آیت237 تا243: لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ...لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔	326
حق مہر کا بیان	328
صلوٰۃ وسطیٰ	330
آیت244 تا249: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا .....اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔	334
دِيَارِهِمْ سے مراد	339
طالوت اور تابوت	341
آیت250 تا254: فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ...وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ۔	344
بعض رؤیا جسمانی نقشہ میں دکھائے جاتے ہیں	347

مضمون	صفحہ
جالوت ایک وصفی نام	350
آیت255تا258:یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا...هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ۔	355
کرسی کے معانی	359
طاغوت سے مراد	360
آیت259تا261:اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ ...وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ۔	362
قَرْیَةٌ سے مراد	367
ابن عباسؓ کی طرف منسوب اقوال	370
اَنّٰی یُحْیٖ کہنے کی غرض	375
حضرت ابراہیمؑ کا كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی کہنے سے مراد	376
فَصُرْهُنَّ سے مراد	378
آیت262تا267: مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ ...الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ۔	380
انفاق فی سبیل اللہ کرنیوالوں کی خصوصیات	384
مفسرین کے نزدیک شانِ نزول	385
مالی قربانی کرکے بدظنی سے بھی بچیں	391
آیت268تا274:یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا ...مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ۔	394
جس کو حکمت دی گئی اس کو خیر کثیر دی گئی	399
حکمت کے متعلق مفسرین کی آراء	400
صدقات چھپاکر اور ظاہر اًدینے میں حکمت	401
صدقات کی تفسیروں میں تقسیم	401

مضمون	صفحہ
انفاق ایک مفید چیز ہے	403
آیت275تا282: اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ ... وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ۔	405
انفاق اور بخل	408
سود خواروں کی حالت	411
آیت283-284:یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ... وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ۔	416
دَین کی اقسام	420
كَمَا میں کاف تشبیہ کے لئے	421
سَفِیْهٌ سے مراد	422
عورت کے مقابل مرد کی گواہی	424
کتابت کے شہادت کا بیان	425
استثناء منقطع بمعنے لٰكِنَّ	427
آیت285تا287:لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ...عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ۔	432
نسخ ومنسوخ کہنے کا آغاز	435
قرآن کے نزول پر دو گروہوں کا بننا	436
رسولوں کی تفریق سے مراد	438
لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ سے مراد	439
خطاء اور نسیان کے معنی	439
نسیان، خطاء اور گناہ کا مؤاخذہ	440
اِصْرٌ کے معنے	441

آیت 90 تا 92: وَ لَمَّا جَآءَهُمۡ كِتٰبٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمۡ وَ كَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ يَسۡتَفۡتِحُوۡنَ عَلَى الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَلَمَّا جَآءَهُمۡ مَّا عَرَفُوۡا كَفَرُوۡا بِهٖ فَلَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ۔ بِئۡسَمَا اشۡتَرَوۡا بِهٖۤ اَنۡفُسَهُمۡ اَنۡ يَّكۡفُرُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بَغۡيًا اَنۡ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ فَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ وَ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ۔ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا نُؤۡمِنُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا وَ يَكۡفُرُوۡنَ بِمَا وَرَآءَهٗ وَ هُوَ الۡحَـقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمۡ قُلۡ فَلِمَ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ۔

تشریح الفاظ:

لَمَّا کے معنے جب کے ہیں اور اس کے بعد ایک شرط ہوتی اور دوسرا جملہ جزاء ہوا کرتا ہے۔ لیکن یہ قاعدہ ہے کہ جب وہ جملہ طول پکڑ جاتا ہے جو کہ شرط ہوتا ہے تو جزاء کے قریب جا کر پھر لَمَّا کو اس شرط کے ساتھ پر مختصر کر کے پھر دوہرا دیتے ہیں اور چونکہ یہ دوسرا لَمَّا کوئی دوسرا نہیں ہوتا بلکہ نسبائی کے باعث بعینہٖ وہی پہلا مکرر کیا جاتا ہے اس لئے اس کی جزاء نہیں ہوتی اور ایک ہی جزا آتی ہے جو کہ پہلے لَمَّا کی ہوتی ہے اور یہاں پر بھی ایسا ہی ہوا ہے کہ پہلے لَمَّا کے بعد جَآءَ سے لے کر کَفَرُوۡا تک اس کی شرط چلی گئی ہے۔ اور دوسرے لَمَّا کے بعد جو کَفَرُوۡا بِهٖ ہے وہ اس کی جزاء ہے اور شرط کی طوالت کے باعث لَمَّا کو جَآءَهُمۡ الخ کے ساتھ (جو کہ پہلی شرط کا اختصار ہے) مکرر ذکر کیا ہے۔ ہاں دوسرے لَمَّا کے بعد بجائے جَآءَهُمۡ كِتٰبٌ کے جَآءَهُمۡ مَّا عَرَفُوۡا کیوں لایا گیا ہے اس کی وجہ انشاءاللہ آگے بیان ہو گی۔

مُصَدِّقٌ۔ تَصۡدِيۡقٌ سے اسم فاعل ہے جس کے معنے ہیں تصدیق کرنے والا اور تصدیق

عام استعمال کا لفظ ہے جس کے معنے سچا کرنے اور سچا ٹھہرانے اور کسی کی سچائی کا اظہار کرنے اور اس کا فتویٰ اور فیصلہ دینے کے ہیں۔

مَعَ کے معنے ساتھ کے اور پاس کے ہیں۔

یَسْتَفْتِحُوْنَ۔ اِسْتِفْتَاحٌ سے ہے اور اِسْتِفْتَاحٌ۔ فَتْحٌ سے بنا ہوا ہے اور فَتْحٌ کے دو معنے مشہور ہیں ایک کھولنے کے دوسرے نصرت اور غلبہ پانے کے۔ مثلاً اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ [1] (النصر:2) میں اس کے نصرت اور غلبہ کے معنے ہیں اور اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ [2] (البقرۃ:77) میں اس کے کھولنے اور بات ظاہر کرنے اور بتانے کے ہیں اور جب کسی لفظ کو باب استفعال میں لے جاتے ہیں جیسا نَصَرَ سے اِسْتَنْصَرَ اور فَتَحَ سے اِسْتَفْتَحَ تو کبھی بلکہ اکثر اصلی معنوں سے زائد چاہنے کے معنے پیدا ہو جاتے ہیں اور کبھی اصلی ہی معنے رہتے ہیں۔ پس یَسْتَفْتِحُوْنَ کے معنے یہ ہوئے کہ کھولتے ہیں یا کھولنا چاہتے ہیں اور مدد اور نصرت چاہتے اور مانگتے ہیں۔ پر چونکہ اس کے پہلے کَانُوْا مِنْ قَبْلُ آ گیا ہے اس لئے بجائے حال اور استقبال کے اب اس کے معنے ماضی کے ہو گئے ہیں یعنی کھولتے تھے الخ۔

بِئْسَمَا میں بِئْسَ کے معنے ہیں کیا ہی بُرا ہے اور مَا کے معنے یہاں پر شَے اور چیز کے ہیں۔

اور اِشْتَرَوْا۔ اِشْتِرَاءٌ سے ہے اور وہ شِرَاءٌ سے بنایا ہوا ہے جس کے معنے میں نے پہلے بیان کر دیئے ہوئے ہیں کہ اصل معنے تو خریدنے کے ہیں۔ جیسے کہ بَيْعٌ کے اصل معنے بیچنے کے ہیں۔ لیکن کثرت کے ساتھ اوّل بمعنے فروخت اور دوم بمعنے خریدنے کے آ جاتا ہے اور آگے ہم انشاء اللہ بتائیں گے کہ مفسرین یہاں پر دونوں معنوں کی طرف گئے ہیں اور دونوں کی تفصیل عنقریب آتی ہے۔

بَآءُوْ۔ بَوْءٌ سے ہے، جس کے معنے گرفتار اور ہلاک ہونے اور لوٹنے کے ہیں۔

مُهِيْنٌ۔ اِهَانَةٌ سے اسم فاعل ہے جس کے معنے ذلیل و حقیر کرنے کے ہیں۔

وَرَاءٌ کے لفظ کو اکثر لوگوں نے اضداد الفاظ سے لکھا ہے جو کہ دو ضدوں کے لئے آیا کرتے ہیں کیونکہ اس کے معنے بھی آگے اور پیچھے دونوں آتے ہیں۔ لیکن محققین نے لکھا

[1] ۔ جب اللہ کی مدد اور کامل غلبہ آ جائے گا۔ (تفسیر صغیر)

[2] ۔ کیا تم انھیں وہ باتیں جو اللہ نے تم پر کھولی ہیں بتاتے ہو۔ (تفسیر صغیر)

ہے کہ خواہ یہ آگے اور پیچھے دونوں میں مستعمل ہوتا ہے جو کہ ضد ہیں لیکن پھر بھی یہ اضداد سے نہیں ہے۔ اس لئے کہ اضداد تو وہ ہوتے ہیں جو کہ دو ضدوں کے لئے جدا جدا وضع کے ساتھ موضوع ہوں۔ اور یہ اصل میں توستر اور پوشیدہ کے لئے موضوع ہے یہی وجہ ہے کہ مُوَارَاتٌ اور تَوَارِیٌ جو کہ اس سے ہیں پوشیدہ کرنے اور ہونے کے معنوں میں آتے ہیں۔ پس جب اس کے معنے پوشیدہ کے ہوئے تو پھر جو چیز انسان سے پوشیدہ ہو گی خواہ وہ آگے ہو یا پیچھے ہو اس پر وَرَاءٌ بولا جائے گا مگر اس وجہ سے کہ وہ پوشیدہ ہے نہ اس وجہ سے کہ وہ آگے ہے یا پیچھے۔ پس جس طرح فَرَسٌ گھوڑے پر بولا جاتا ہے خواہ سیاہ ہو یا سفید اور باوجود سیاہ اور سفید پر اطلاق ہونے کے اضداد سے شمار نہیں ہوتا اسی طرح وَرَاءٌ کا بھی یہی حال ہے اور کبھی بمعنے ماسوا کے بھی آتا ہے۔ اور یہاں پر اکثروں نے اس کے یہی معنے لئے ہیں ہاں بعض نے مابعد اور پیچھے کے معنے بھی لئے ہیں۔

ترجمہ:

اور جب ان کے پاس اللہ کے پاس سے عظیم الشان کتاب آگئی جو کہ اُس کے پرکھنے (یا سچا کرنے) والی ہے جو کہ ان کے پاس ہے۔ اور حال یہ ہے کہ وہ متصل اس کے پہلے کھولتے (یا کھولنا چاہتے (یعنی بتاتے یا بتانا چاہتے) یا نصرت مانگتے) تھے اُن پر جو منکر ہوئے تھے۔ پس جب ان کے پاس وہ کچھ آگیا جس کو انہوں نے خوب پہچان لیا تو اس کے منکر ہو گئے۔ پس ان منکروں پر اللہ کی لعنت ہو۔ وہ کچھ کیا ہی بُرا ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانیں بیچ دیں (یا جس کے ساتھ انہوں نے اپنی جانیں خرید لیں) وہ اس سے ان کا انکار کرنا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اُتارا ہے تا کہ سرکشی کریں اس سے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنے فضل سے کچھ اُتارے۔ پس غضب پر غضب کے ساتھ گرفتار (یا تباہ) ہوئے (یا لوٹے) اور ان کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے اور جب ان کو کہا گیا کہ اُس پر ایمان لاؤ جس کو اللہ نے نازل فرمایا ہے تو انہوں نے کہا کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں (اور لاویں گے) جو ہم پر اُتارا گیا ہے اور (یا حالانکہ) وہ اس کا انکار کرتے ہیں جو کہ اس کے سواء (یا اس کے پیچھے ہے۔ حالانکہ وہی حق ہے اس کو پرکھتا (کھرا کرتا) ہوا (یا سچا کرتا ہوا) جو کہ

ان کے پاس ہے۔ کہو تم اس سے متصل پہلے اللہ کے نبیوں کو کیوں قتل کرتے تھے اگر تم ایمان لانے والے تھے؟

تفسیر:

وَ لَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ یہاں پر چند باتیں بیان فرمائی گئی ہیں جو کہ مَا جَاءَ بِهِ النَّبِیُّ کے ماننے کا موجب تھیں۔ اوّل یہ کہ جو کچھ ان کے پاس لایا گیا ہے وہ کتاب ہے اور کتابی باتیں اور کتابی وحی بہ نسبت زبانی پراگندہ باتوں اور الہاموں کے اس وقت میں زیادہ قابل اعتبار تھیں کیونکہ اس وقت سوائے اہم امور کے اور کچھ نہ لکھا جاتا تھا۔ پھر وہ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ اور سب نقصوں سے پاک اور سب صفات کاملہ کی جامع ذات کے پاس سے وہ کتاب آئی ہوئی ہے اور معمولی عالم اور حکیم کی کتاب اور معمولی حاکم کا پروانہ اس قابل نہیں ہوتا کہ لاپروائی کے ساتھ ردّ کر دیں۔ تو اس علام الغیوب اور حکیم مطلق کی کتاب حکیم اور احکم الحاکمین کا ایسا عظیم الشان پروانہ کب اس قابل ہو سکتا ہے کہ لاپروائی کے ساتھ اس کو ردّ کیا جائے۔ پھر فرمایا کہ جو کتاب مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ان کے پاس آئی ہے وہ اس کی مصدق ہے جو کہ ان کے پاس ہے۔

مصدق نبیؐ اور مصدق کتاب:

اور میں پہلے مفصل طور پر لکھ چکا ہوں کہ مصدق ہونے کے دو معنے ہیں۔ اور ان میں سے جو ظاہر اور یقینی ہے وہ یہ ہے کہ پہلی سب الہامی کتابیں کچھ عرصہ کے بعد اس قدر فرقوں کے دست وبرد کے شکنجہ میں آجاتی تھیں کہ ان کی ظاہری صورت بالکل بدل جاتی یا مسخ اور متغیر ہو جاتی تھی اور جس قدر کچھ باقی رہ جاتا تھا وہ فرقوں کے اختلاف مذاہب اور تغائر مذاق کے پاؤں کے نیچے اس قدر روندا جاتا تھا کہ جس کی کوئی حد باقی نہ رہتی تھی۔ تاویلات اور توجیہات کی کثرت سے اگر پہلے وہ اختلاف مٹانے والی تھی تو اب وہ اختلاف کا گھر ہو جاتی ہے۔ پہلے اگر وہ توحید قائم کرنے کے لئے آئی تھی تو اب بڑی جرأت اور دعوے کے ساتھ اس سے شرک ثابت کیا جاتا ہے اور یہی سنت اللہ جاری رہی ہے کہ جب یہ حالت پیدا ہوتی تھی خداوند کریم کوئی حکم اور مصلح رسول یا کتاب بھیجتا تھا۔ پس جس کو وہ حق کہتے

وہ حق ہوتا اور جس کو باطل قرار دیتے وہ باطل ٹھہرتا اور اس کا نام تصدیق ہے اور ایسا نبی اور ایسی کتاب مصدق ہوتے ہیں۔ یہ وہ معنے ہیں جو کہ حکمت الٰہیہ کے مقتضا سے دنیا کے سب محکم جات میں مروج و مستعمل ہیں اور افسروں کی تصدیق یہی معنے رکھتی ہے کہ حق و باطل کا فیصلہ کر دیں اور پہلے سے مقدر تھا اور انبیاءؑ کے نوشتوں میں درج تھا اور امتوں کی زبانوں کا ورد تھا کہ جب یہ اختلاف حاوی اور عام ہو کر اپنی انتہاء کو پہنچ جاوے گا تب سید الرسل خاتم الانبیاءؐ پر وہ مہیمن کتاب مہیمن خدا کی طرف سے نازل ہو گی جو پُرانے اور نئے صحیفوں کی سب صداقتوں پر مشتمل سب ہدایتوں کی جامع اور سب اختلافوں میں حکم اور فیصلہ کن ہو گی۔ جس کو وہ حق کہے گی وہ حق ہو گا اور جس کو وہ باطل قرار دے گی وہ باطل ٹھہرے گا اور پھر یہ فیصلہ ابدی ٹھہرے گا اور پھر نہ اس کا قبول کیا ہوا مردود ہو گا اور نہ اس کا مردود کبھی مقبول ٹھہرے گا اور اس کے اس وصف اور اس کام کا نام تصدیق ہے اور وہ سب سے بڑی اور قوی مصدق ہے۔ اور دوسرے معنے مصدق کے جو کہ خفی اور کمزور ہیں وہ یہ ہیں کہ جو کتابیں اہل کتاب کے پاس موجود تھیں ان میں اس کامل اور مہیمن کتاب کی نسبت بہت پیشین گوئیاں مذکور تھیں۔ پس اس کتاب کے نزول سے ان کی اور ان کی پیشین گوئیوں کی تصدیق ہوتی اور سچائی ظاہر ہوتی تھی اور اس کے نہ آنے سے ان کی تکذیب ہوتی تھی۔

قرآن کریم کی دوسری الہامی کتابوں پر افضلیت:

ایک تیسرے معنے بھی ہو سکتے ہیں اور چونکہ وہ میں نے نہ کسی کتاب میں دیکھے ہیں اور نہ کسی سے سنے ہیں اس واسطے ان کو علیحدہ اخیر پر لکھ دیتا ہوں ہاں وہ مجھے بہت پسند ہیں اور مشاہدہ اور تجربہ اور موجودہ حالت بڑے زور سے ان کی شہادت دیتے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ اس میں بالکل شک نہیں کہ جس طرح دنیا اور انسانی فطرت اور اس کے علوم اور تجربے ترقی کرتے گئے ہیں اسی طرح تعلیم و تفہیم اور اثبات و تسلیم کے طریقوں اور ذریعوں میں بڑا بھاری فرق پڑتا گیا ہے۔ اسی وجہ سے کلام الٰہی کے طور و انداز میں بھی نمایاں تفرقہ پایا جاتا ہے۔ پہلی کتابوں کو غور سے پڑھو نہ ان میں اپنے منجانب اللہ ہونے کا ثبوت ہے اور نہ رسول کی رسالت کا اور نہ ہی ان اہم سے اہم مسائل کی کوئی دلیل درج

ہے جو کہ ان میں مذکور ہیں اور نہ ہی ان شکوک و شبہات کا ازالہ درج ہے جو کہ عام طور پر ایسے امور کی نسبت پیدا ہوتے ہیں بلکہ ان سب امور کے لئے اسی قدر کافی سمجھا جاتا تھا کہ کتاب لانے والے کی زندگی میں بعض اشخاص کے سامنے کوئی نشان اس سے ظاہر ہو گیا ہو۔ اور پھر اس کی کتاب میں جو درج ہو اس عنوان کے ساتھ بیان ہو کہ خداوند خدا یوں فرماتا ہے اور بس اور پھر تو یہ نسلاً بعد نسلٍ کے لئے کافی ہے۔ لیکن جس زمانہ میں قرآن مجید کا نزول ہوا ہے یا اس کے بعد کا زمانہ کہ جس میں اس کی حکومت مسلسل رہنے والی تھی یہ وہ زمانہ نہ تھا کہ اس میں کوئی بات بے ثبوت مانی یا منوائی جائے یا شبہات کے لشکر کی پیٹھ توڑنے کے سوائے کوئی سر تسلیم خم کرے۔

قرآن مجید کسی کا ممنون احسان نہیں:

لہٰذا قرآن مجید ایسے طرز و انداز پر نازل ہوا کہ نہ تو وہ اپنے منجانب اللہ ہونے کے ثبوت میں کسی اور کا ممنون احسان اور مرہون منت ہے اور نہ اپنے کسی چھوٹے سے چھوٹے اور معمولی سے معمولی مسئلہ اور دعوے کے اثبات میں کسی دوسرے کا دست نگر ہے بلکہ اپنے لئے اور اپنے ہر ایک دعوے کیلئے اس قدر کثرت سے زبردست دلائل بیان کرتا ہے کہ بشرط فہم اور غور و فکر پڑھنے اور سننے والا سیر ہو جاتا ہے اور ہر ایک دعوے کے متعلق جس شبہ کو قیامت تک کوئی واہمہ تجویز یا خیال کر سکتا ہے اس کا ازالہ ضرور اس میں درج ہے اور آج دن تک اس کے کسی مسئلہ پر کسی طرز اور رنگ اور علم و صناعت کا کوئی سوال ایسا پیدا نہیں ہوا اور نہ انشاء اللہ آئندہ ہو گا کہ جس کا جواب پہلے سے اس میں درج نہ ہو۔ اور ناظرین خیال کر سکتے ہیں کہ اس پُرانے زمانہ میں وہ پُرانے لوگ اگرچہ اس پُرانے طرز کے پُرانے صحیفوں کو منجانب اللہ اور ان کے مسائل بے دلائل کو صحیح تسلیم کر سکتے تھے اور کرتے رہے پر اس ترقی اور دلائل و براہین اور جرح و قدح اور چھان و بین اور جانچ پڑتال کے زمانہ میں اور پھر خصوصاً ایسی کتاب الٰہی کے موجود ہوتے ہوئے جو کہ ہر ایک امر میں براہین سے سیر اور شبہات کے غبار کو دُور کر کے روز روشن کی مانند بات کو منقّٰی کر دیتی ہے۔ ایسے صحیفوں کو ایک لمحہ کے لئے بھی کون منجانب اللہ تسلیم کر سکتا ہے جبکہ ان کے لانے

والوں کے معجزات کی خبریں تاریخی اور علمی نظر میں فسانوں سے کچھ زیادہ وقعت نہ حاصل کر سکتی ہوں اور اگر کوئی کسی وجہ سے تسلیم کا احسان عظیم ان کی گردنوں پر رکھے گا تو پھر ایمان کی دوسری جزو جو کہ یقین ہے اور جو کہ اطاعت اور تعمیل کا انجن ہے وہ کب اور کس طرح کسی کے دل میں پیدا ہو سکتا ہے؟

قرآن مجید کا احسانِ عظیم گزشتہ تعلیمات کے بارہ میں:

پس ایسی حالت میں قرآن مجید کا یہ کس قدر عظیم الشان ان پر احسان ہے کہ اس نے اگرچہ ایک طرف ان کی بہت سی غلط باتوں کی غلطی کا اور ان کے معتقدین کی غلط تاویلات اور غلط تراجم کا اظہار کیا ہے پر دوسری طرف یہ کہا کہ یہ غلط باتیں اور غلط تراجم اور غلط تاویلیں اگرچہ ان کے اتباع کے باعث ان میں آگئی ہیں پر اصل میں یہ کتابیں خدائے حکیم کی طرف سے نازل شدہ تھیں اور قرآن مجید کے منجانب اللہ کہنے سے اس کے ارب ہا نام لیووں نے ان کو کتاب اللہ تسلیم کیا پس قرآن مجید کے اس احسان عظیم کو تصدیق کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور میں بڑی تفصیل سے پہلے یہ ثابت کر آیا ہوں کہ تصدیق کے یہاں پر یہ معنے ہر گز نہیں ہو سکتے کہ قرآن مجید نے ان کے ہر ایک رطب و یابس کو سچا کہہ دیا ہے اس لئے کہ جنہوں نے قرآن مجید کو پڑھا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ قرآن مجید نے ان کے بہت سے غلط مسائل کو بڑے زور و شور سے برملا طور پر ردّ فرمایا ہوا ہے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس نے کبھی ان کے رطب و یابس کو سچا نہیں کہا ہے اور یہ تینوں معنے ایسے ہیں کہ ہر ایک ان میں سے اس کو چاہتا ہے کہ ضرور اہل کتاب اس کتاب کو مانیں اور اس پر ایمان لاویں جو کہ علاوہ منجانب اللہ ہونے کے ان کتابوں کی ان تین معنوں کے ساتھ مصدق ہے۔ کیا جس کتاب نے ایسا اختلاف مٹایا اور ان کی کتابوں سے غلط تاویلوں کو دُور کیا اور غلط تراجم کی تردید کی یا جس کتاب نے آکر ان کے دلائل و براہین کے بیکس اور بے بس ہونے کی حالت میں ان کی صداقت کے لئے ایک بھاری شہادت قائم کر دی ہے یا جس نے باوجود ان کے بے دلیل دعاوی کا مجموعہ ہونے کے اور باوجود غلط بلکہ اغلط ترین باتوں پر مشتمل ہونے کے پھر بھی ان کو منجانب اللہ کہہ کر اپنے کروڑہا متبعین کے

دلوں میں ان کے منجانب اللہ ہونے کا وہ راسخ اعتقاد پیدا کر دیا ہے جس کے پیدا کرنے سے وہ ابد الآباد کے لئے قاصر تھیں۔

یَسْتَفْتِحُوْنَ بمعنے فتح و نصرت:

اور اس کے بعد اس کی نسبت یہ ذکر فرمایا ہے کہ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ يَسْتَفْتِحُوْنَ کے دو معنے ہوتے ہیں۔ ایک فتح اور نصرت طلب کرنے کے۔ دوسرے کھولنے اور ظاہر کرنے یعنی بتانے اور سکھانے کے۔

اور اکثر مفسرین نے پہلے معنے لئے ہیں اور مطلب یہ بتایا ہے کہ اوس اور خزرج جو کہ مدینہ منورہ میں نبی کریمؐ کی تشریف آوری سے پہلے آباد تھے اور یہ اور دوسرے بنی اسرائیل مدینہ کے قرب وجوار میں اس لئے آکر آباد ہوئے تھے کہ ان میں سے اہل علم اور اہل کشف وغیرہ کو جب نبی کریمؐ کے قرب بعثت کا علم ہوا اور پہلی کتابوں کی پیشین گوئیوں سے صاف پایا جاتا تھا کہ مکہ میں رہنے والے بنی اسمٰعیل سے آنحضرت ﷺ ہوں گے اور دار ہجرت حضورؐ کا مدینہ منورہ ہو گا اور پھر دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ مکہ میں واپس آویں گے۔ تو محض حضورؐ کی زیارت اور صحبت اور قرب کے حاصل کرنے کی غرض سے یہ لوگ وہاں آکر آباد ہوئے اور نسلاً بعد نسلٍ ان میں آنحضرتؐ کی برکات کا ذکر اور ان پہلی پیشین گوئیوں کا چرچا ہوتا رہتا تھا۔ تو جب اوس اور خزرج کا جنگ کفار سے ہوتا تھا تو اس وقت کتب سابقہ کی ان پیشگوئیوں کو نکال کر آنحضرتؐ یا آنحضرتؐ کی کامل بابرکت کتاب کو وسیلہ گردان کر یعنی یہ کہہ کر (کہ ہم تو اس نبیؐ اور اس کتاب کے شوق سے یہاں پر آئے ہیں۔ پس ان کی برکت اور ان کے وسیلہ سے اے قادر مطلق خدا ہمیں ان پر غلبہ اور فتح دے) دعا مانگا کرتے تھے اور بعض نے دوسرے معنے لئے ہیں اور حق بھی وہی ہیں کیونکہ اگر پہلے ہوتے تو پھر مقام کے مناسب یہ تھا کہ کتاب یا نبی کے ذریعہ اور وسیلہ ہونے کا ضرور اظہار کیا جاتا اور بِهٖ يَسْتَفْتِحُوْنَ یا يَسْتَفْتِحُوْنَ بِهٖ فرمایا جاتا۔

آنحضرتؐ کامل کتاب کے لانے والے ہیں:

ہاں ایک اور صورت ہے کہ اس میں پہلے معنے بھی درست ہو جاتے ہیں پر مفسرین نے

وہ نہیں لکھے اور وہ یہ ہیں کہ کافروں پر فتح مانگنے کا یہ مطلب نہ لیا جاوے کہ اس کتاب یا اس نبی کی برکت سے فتح چاہتے تھے تاکہ یہ کہا جائے کہ عبارت سے یہ مطلب ظاہر نہیں ہوتا بلکہ از خود بنایا جاتا ہے اور اگر یہ ہوتا تو پھر یہ ضرور ہوتا بلکہ اس کا یہ مطلب لیا جائے کہ اہل کتاب کو کتب سابقہ کی پیشین گوئیوں سے جس طرح اور بہت سے احوال معلوم تھے اسی طرح ان کو یہ بھی ضرور معلوم تھا کہ جب آنحضرتؐ وہ کامل کتاب لے کر آویں گے اور کفار کو دعوت الی الحق کریں گے تو وہ مقابلہ پر اور ایذاء رسانی اور قتل و مقاتلہ پر اُتر آویں گے اور ان کا یہی جوش ہجرت کا موجب ہو گا وغیر ذالک۔ تو اس مقابلہ اور مقاتلہ کو مد نظر رکھ کر پہلے سے وہ کفار پر فتح چاہتے تھے۔ یا یہ کہ جب نبی کریمؐ مکہ معظمہ میں مبعوث ہوئے اور ابھی ہجرت نہ ہوئی تھی اور مدینہ کے قرب وجوار والے اہل کتاب نے اس مقابلہ مقاتلہ کی گرم بازاری سنی تو ہجرت سے پہلے پہلے تو کفار پر فتح پانے کی دعائیں کیا کرتے تھے لیکن جب آپؐ مبعوث ہوئے یا مدینہ میں تشریف لے آئے تو خود کافر بن کر مقابلہ پر تُل آئے اور یہ معنے بالکل بے تکلّف اور واضح تر ہیں اور محض فضل سے مجھے ان کا فہم دیا گیا ہے فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِكَ[1]۔

اور جن مفسرین نے دوسرے معنے لئے ہیں انہوں نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ چونکہ اہل کتاب کو کُتب سابقہ سے آنحضرتؐ اور آپ کی جامع اور کامل کتاب کی نسبت بہت کچھ معرفت حاصل تھی تو جب ان کو بعثت کے قرب کا علم ہوا تو کفار پر ظاہر کرتے اور ان کو بتاتے پھرتے تھے کہ بہت بابرکت زمانہ قریب آرہا ہے جس میں ایسا بابرکت سید الرسل فخر الانبیاء اور ان کی بابرکت کتاب آنے والے ہیں۔ بہر حال پہلے معنے ہوں یا دوسرے ہوں اور پہلے معنوں کا وہ مطلب ہو جو عام مفسرین نے لیا ہے یا وہ جو کہ خدائے حکیم و علیم نے مجھے سمجھایا ہے جب وہ پہلے ایسا کرتے تھے تو اب لازم تھا کہ ضرور ہی اس کتاب کو مان لیتے بلکہ اوروں کو بھی منواتے اور ماننے کی ترغیب دیتے۔

نبیؐ اور کتاب کے بارہ میں پہلے خبر دی گئی تھی:

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ۔ میں نے پہلے یہ قاعدہ بتایا ہے کہ جب شرط طوالت

[1]۔ پس اس پر تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ (از مرتب)

پکڑ جاتی ہے تو جزاء سے پہلے اس شرط کو پھر مختصراً دوہرا دیتے ہیں اور اسی قاعدہ کے مطابق کَفَرُوْا بِہٖ سے پہلے جو کہ جزاء ہے لَمَّا جَآءَھُمْ الخ پھر ذکر فرمادیا ہے ہاں بجائے جَآءَھُمْ کے یا جَآءَھُمْ کِتٰبٌ کے جَآءَھُمْ مَّا عَرَفُوْا اس لئے فرمایا ہے تاکہ اس بات کا بھی اظہار ہو جائے کہ یہ نہیں کہ خالی اس قدر تھا کہ انہوں نے اپنے بزرگوں اور عالموں سے سنا یا کتابوں میں پڑھا تھا کہ ایسا نبی اور ایسی کتاب آئے گی اور یہ علم نہ تھا کہ یہ نبی اور یہ کتاب حقیقت میں وہی ہے اور جو صفات ہم نے سُنی ہوئی ہیں وہ ان میں موجود ہیں۔ بلکہ ان کو خوب علم ہو چکا تھا کہ حقیقت میں یہ وہی نبی ہے اور یہ وہی کتاب ہے جن کی نسبت ہمیں پہلے خبر دی گئی تھی اور جو صفات ہمیں بتائے گئے تھے وہ سب کے سب ان میں موجود ہیں۔ پس اس فائدہ کے اظہار کے لئے جَآءَھُمْ کے بعد مَا عَرَفُوْا فرمایا ہے۔

پہلی اور دوسری آمد سے مراد:

اور اگر وَکَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ الخ کے وہ معنے کئے جاویں جو کہ نصرت اور غلبہ لینے پر میں نے کئے ہیں کہ "جب آنحضرتؐ مکہ میں مبعوث ہوئے اور کفار کا مقابلہ اور مقاتلہ شروع ہوا اور مدینہ کے گردونواح کے بنی اسرائیل کو اس کی خبریں پہنچیں تو وہ نبی کریمؐ کی فتح اور نصرت کی دعائیں کرنے لگے" تو اس صورت میں فَلَمَّا جَآءَھُمْ مَّا عَرَفُوْا الخ کے یہ معنے کرنے بہت ہی عمدہ ہوں گے کہ جب آنحضرتؐ مکہ سے مدینہ میں تشریف لے گئے جن کو وہ خوب پہچان چکے تھے تو الخ اور اس صورت میں دونوں لَمَّا جَآءَھُمْ کِتٰبٌ اور فَلَمَّا جَآءَھُمْ مَّا عَرَفُوْا سے جدا جدا آمد مراد ہو سکتی ہے۔ پہلی آمد سے مطلق بعثت اور کتاب کا نزول مراد ہے اور دوسری آمد سے مدینہ کی تشریف آوری اور اس کتاب کا بلاواسطہ سننا مراد ہے اور اس صورت میں دوسرے لَمَّا کو پہلے کا تکرار بنانا ضروری نہیں بلکہ دوسرے لَمَّا کی شرط جَآءَھُمْ مَّا عَرَفُوْا اور جزاء کَفَرُوْا بِہٖ ہو گی اور یہ سارا جملہ پہلے لَمَّا کی جزاء ٹھہرے گا۔

پہچانی ہوئی کتاب کے منکر کا انجام:

فَلَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ۔ اس میں تو شک نہیں کہ جو حقیقی کافر ہوتا ہے جس کا اللہ کے علم میں کفر ہی پر خاتمہ ہونے والا ہوتا ہے اس پر ضرور لَعْنَۃُ اللّٰہِ نازل ہوتی ہے لیکن یہاں پر

نہ اس کا موقع ہے اور نہ یہ مقصود ہے بلکہ یہاں پر اَلْکٰفِرِیْنَ سے اس قسم کے کفار مراد ہیں جن کا یہاں پر ذکر ہوا ہے یعنی جن کے پاس مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ آئے اور وہ لوگوں کے آگے اس کے منجانب اللہ ہونے کی نسبت کھول کر بیان دے چکے ہوں اور اس کی اور اس کے لانے والے کی نصرت و فتح کے لئے دعائیں بھی مانگتے ہوں۔ لیکن جب یہ پہچانی ہوئی کتاب ان کے پاس آ جائے اور خود ان کو اس کی اطاعت کی تبلیغ کی جائے تو باوجود ان سب پہلی باتوں کے پھر دیدہ و دانستہ اس کے صاف منکر ہو جاویں۔

پس خداوند تعالیٰ نے ایک قاعدہ کلیہ کے رنگ میں خبر دی ہے کہ ایسے کافروں پر لَعْنَةُ اللّٰهِ ہوتی ہے۔ اور لَعْنَةُ اللّٰهِ جس پر ہو چونکہ وہ ہمیشہ کے لئے رحمت الٰہیہ سے دُور اور محروم ہو جاتا ہے۔ پس قطع نظر اس معقول بات کے کہ جو حق کو معلوم کر کے محض دنیوی اغراض سے یہ فیصلہ کر لے کہ اس کو قبول ہی نہیں کرنا اور اس کا عنید بن جائے وہ کبھی حق کو قبول نہیں کرتا۔ یہ دوسری وجہ ہے کہ جب وہ ہمیشہ کے لئے رحمت الٰہیہ سے محروم ہو گئے اور حق کا قبول کرنا رحمت الٰہیہ میں داخل ہونا ہے لہٰذا وہ ہمیشہ حق سے محروم رہیں گے اور کبھی اس کو قبول نہ کریں گے۔ اس کی پوری تفسیر ان آیتوں میں ہے۔ كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَ شَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۔ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا[1] (آل عمران:87 تا89)

اِشْتِرَاءٌ بمعنے خرید و فروخت:

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ۔ میں نے پہلے بتایا ہے کہ اِشْتِرَاءٌ کے معنے خرید اور فروخت دونوں کے آیا کرتے ہیں اگرچہ اس کے اصلی معنے فروخت کے ہیں۔ یہ تو باعتبار لُغت کے تھا پر مفسرین بھی دونوں طرف گئے ہیں۔ اکثروں نے تو یہاں پر

[1]۔ جو لوگ ایمان لانے کے بعد (پھر) منکر ہو گئے ہوں اور شہادت دے چکے ہوں کہ (یہ) رسول سچا ہے اور (نیز) ان کے پاس دلائل بھی آ چکے ہوں انھیں اللہ کس طرح ہدایت پر لائے اور اللہ (تو) ظالم (لوگوں) کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ اور فرشتوں (کی) اور لوگوں (کی) سب ہی کی لعنت ہو۔ وہ اس (لعنت) میں رہیں گے۔ (تفسیر صغیر)

اس کے معنے فروخت کے لئے ہیں اور مطلب یہ بتایا ہے کہ انہوں نے کفر کو لے کر اپنی جانیں دوزخ اور ہمیشہ کے عذاب کے لئے دے دیں۔ تو خداوند کریم نے یہاں پر بتایا ہے کہ کیا ہی بُری ہے وہ چیز کہ جس کے عوض انہوں نے اپنی (عزیز) جانیں (عذاب کے لئے) دے دی ہیں (اور وہ چیز) ان کا کفر کرنا ہے اُس کے ساتھ جو اللہ نے نازل کیا ہے۔ اور بعض نے اس کے معنے یہاں پر خرید کے کئے ہیں اور مطلب یہ بیان کیا ہے کہ جب کسی مذہب کے معتقد انسان سے کوئی قصور ہو جاتے ہیں جن کے باعث سے وہ اپنے آپ کو مستحق عذاب خیال کرتا ہے تو پھر وہ کچھ ایسے کام کرتا ہے جن کو وہ خیال کرتا ہے کہ یہ میری نجات کے موجب ہیں پس ان کے کرنے سے گویا وہ اپنی جان کو عذاب سے خریدتا ہے۔ پس جن بداعمالیوں سے وہ اپنے آپ کو مورد عذاب خیال کرتے تھے ان کا کفارہ اور ان کی پاداش سے اپنی جانوں کو بچانے کا ذریعہ یہ بنایا کہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ سے انکار کیا اور اس کو اپنے مذہب کی اعلیٰ مددوں سے یقین کر کے تعصب اور تمرد میں قدم آگے بڑھایا۔ تو خداوند کریم نے خبر دی کہ جس شَے کے ساتھ انہوں نے اپنے زعم میں اپنی جانوں کو عذاب شدید سے خریدا ہے وہ کیا ہی بُری ہے (اور وہ ہے) ان کا مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ سے انکار کرنا۔

پر اس میں شک نہیں کہ پہلے معنوں سے مطلب تو ٹھیک بن جاتا ہے لیکن اِشْتَرَوْا کے اصلی معنے سے بے وجہ اور سوائے کسی قرینہ کے پھیرا جاتا ہے اور دوسرے معنوں میں لفظ کے معنے تو اصلی لئے جاتے ہیں پر جو مطلب بیان کیا گیا ہے وہ بہت بعید اور پُر از تکلّف ہو جاتا ہے کیونکہ مَا عَرَفُوْا کے بعد یہ کس طرح متصور ہو سکتا ہے کہ وہ مَا عَرَفُوْہُ کے انکار کو بجائے ہلاکت کے اپنی نجات کا ذریعہ یقین کریں تا کہ یہ کہنا صحیح ہو کہ اس انکار کے ساتھ انہوں نے اپنی جانیں عذاب سے خرید لیں۔

حضرت مولانا خلیفۃ المسیحؑ نے بھی دوسرے ہی معنے کئے ہیں لیکن آپ نے خرید کرنے کا مطلب وہ نہیں قرار دیا جو کہ مفسرین کے حوالہ سے اوپر بیان کیا گیا ہے بلکہ جناب نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ۔ (التوبۃ:111) (بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس کے

عوض خرید لئے ہیں کہ ان کے لئے جنت ہے) سے صاف ثابت ہے کہ خداوند کریم نے مومنوں کی جانیں جنت کے ساتھ خریدی ہوئی ہیں تو ان میں بنی اسرائیل کی جانیں بھی خدائے ذوالجلال نے خریدی ہوئی تھیں یا ایمان کے بعد خریدی جاتیں۔ پر انہوں نے مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کے انکار کے ساتھ خدائے رحیم سے خرید کر کے واپس کر لیں۔ پس اس صورت میں معنے بھی اصلی لئے گئے ہیں اور مطلب بھی واضح اور بے تکلّف ہے۔

خرید کے معنے کرنے میں ایک دقّت اور اس کا حل:

لیکن اس صورت میں ایک یہ دقّت ضرور پیش آتی ہے کہ خرید میں تو ایک شَے کسی دوسرے کو دی جاتی ہے اور ایک شَے اس سے لے جاتی ہے تو ان معنوں میں ایک شَے کا دوسرے سے لینا تو بے شک درست ہو گیا ہے کہ انہوں نے خداوند کریم سے اپنی وہ جانیں واپس لے لیں جو کہ جنت کے عوض خداوند تعالیٰ نے پہلے سے لی ہوئی تھیں۔ لیکن کسی چیز کا دوسرے کو دینا یہاں پر صادق نہیں آسکتا اس لئے کہ دوسری شَے یہاں پر مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کا انکار بتایا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ انہوں نے لیا ہے پر جس سے انہوں نے اپنی جانیں لے لی ہیں (یعنی خداوند تعالیٰ سے) اس کو انہوں نے یہ انکار ہر گز نہیں دیا۔ پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں پر اس صورت میں خریدنا صادق نہیں آتا۔ پس اصل بات یہ ہے کہ اگر مطلب وہ لیا جاوے جو کہ حضرت مخدوم مولانا خلیفۃ المسیحؑ کی طرف نسبت کر کے میں نے پہلے بیان کیا ہے تب تو اِشْتَرَوْا کے معنے جس طرح فروخت کے نہیں اسی طرح خریدنے کے بھی نہیں بلکہ اس صورت میں اس کے مجرد لینے کے ہوں گے۔ اور بِہٖ میں جو بَا ہے وہ بھی اس وقت بمعنے بدلہ اور عوض کے نہ ہو گی بلکہ اس کے معنے سبب اور ذریعہ کے ہوں گے۔ اور اگر اس بات پر نظر کی جاوے کی حقیقت میں انہوں نے کفر کو لیا ہے اور جس کفر کو لیا ہے اس کے عوض اپنی جانوں کو خدا سے واپس کر کے خود نہیں لیا بلکہ پہلے اگر جنت کے لئے خداوند تعالیٰ کو دی ہوئی تھیں تو اب اس کفر سے عذاب الیم کے لئے اسی خدائے قہار کو دے دی ہیں۔ تو پھر ضرور اس کے معنے فروخت ہی کرنے کے کرنے پڑیں گے۔ اور میں پہلے بیان کر آیا ہوں کہ اس کا مطلب واضح اور بے تکلّف ہے۔ ہاں نقص یہ تھا کہ اصلی معنے

سوائے قرینہ اور ضرورت کے ترک ہوتے تھے۔ لیکن جبکہ یہ ثابت ہو گیا کہ اس مقام پر کفر لیا گیا ہے اور اس کے ساتھ جانیں عذاب کے لئے خداوند تعالیٰ کو دی گئی ہیں تو اب ضرورت اور قرینہ دو ہی اعلیٰ درجہ کے پائے گئے اور یہ پہلے بتا چکا ہوں کہ فروخت کے معنوں میں بھی بکثرت اس کا استعمال موجود ہے تو اب ان کے لینے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ضرور ہی لینے چاہئیں۔

بَایَعُوْا کی بجائے اِشْتَرَوْا استعمال کرنے میں ایک اشارہ:

ہاں اس وقت اس کی وجہ معلوم کرنی ضروری ہو گی کہ جب یہاں فروخت ہے تو پھر بجائے اِشْتَرَوْا الخ کے بَایَعُوْا کیوں نہ فرمایا جس کے اصلی معنے فروخت کے ہیں اور اس کی بجائے اِشْتَرَوْا کو کیوں اختیار کیا جس کے اگرچہ یہ معنے بھی آئے ہیں لیکن اس کے اصلی معنے خریدنے کے ہیں۔

پس واضح ہو کہ اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے اور وہ یہ ہے کہ اِشْتَرَوْا کو اس لئے اختیار کیا ہے تا کہ اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ جانوں کا دینا اور پھر قہار خدا کے عذاب کے لئے دینا تو ایسا امر ہے کہ کسی اعلیٰ سے اعلیٰ اور پیاری سے پیاری چیز کے مقابلہ میں بھی انسان شوق سے ان کو ہر گز نہیں دے سکتا۔ لیکن انہوں نے ان کو کفر جیسی بدترین چیز کے عوض میں اس شوق سے ان کو عذاب شدید کے لئے حوالے کر دیا کہ جس شوق سے کسی ادنیٰ سی چیز کے عوض اپنی جانوں کو عذاب الیم سے بچایا اور خرید کیا جاتا ہے۔ پس اس اشارہ اور لطیف ترین اشارہ کے لئے اس لفظ کو اختیار کیا گیا ہے۔

بنی اسرائیل کی سرکشی کا بیان اور اس کی تردید:

بَغْیًا اَنْ یُّنَزِّلَ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ۔ اس میں عزیز جانوں کو دے کر مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کے کفر کو خریدنے کی وجہ بیان فرمائی ہے کہ اس بات سے سرکشی کرنے کے لئے کہ اللہ نے بنی اسرائیل کے سوا کسی اسمٰعیلی پر نبوت کا انعام کیوں کیا ہے اور اس پر کیوں وحی نازل کی ہے؟ یہ وہ امر ہے جس پر بنی اسرائیل کے کفر اور عناد کا بڑا دار و مدار ہے اور یہی ان کا بڑا بھاری اعتراض تھا کہ وہ آنے والا نبی تو بنی اسرائیل سے آنے والا تھا اور یہ جو

مدّعی ہے یہ اسرائیلی نہیں بلکہ اسمٰعیلی ہے۔ اور اس کے ثبوت کے لئے انہوں نے بہت کچھ ہاتھ اور پاؤں مارے تھے اور بڑی کوشش سے جو کچھ انہوں نے مہیا کر کے اس کے ثبوت کے لئے پیش کیا تھا اس کا ذکر قرآن مجید نے کیا ہے اور ساتھ ہی اس کی تردید بھی ذکر کی ہے۔ جہاں وہ ذکر آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ مفصل بیان کیا جائے گا۔

نبوت موروثی چیز نہیں بلکہ فضلی ہے:

ہاں یہاں پر جو ان کے بنی اسرائیل کے سواء دوسروں پر اور خصوصاً بنی اسمٰعیل پر نبوت اور وحی نازل ہونے کو بُرا ماننے کا اور اس کو ایک اَن ہونی بات یقین کرنے کا ذکر ہوا ہے اس کی بڑی تفصیل کے ساتھ یہاں پر بھی تردید کر دی ہے۔ چنانچہ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ میں اللہ کے لفظ کو ذکر فرما کر بتایا ہے کہ اس کا اسرائیلیوں کے سواء بنی اسمٰعیل پر نازل کرنے والا اللہ ہے اور اس کے سوا دوسرے کسی کا یہ کام نہیں ہے۔ اور اللہ سب نقصوں سے پاک اور سب صفات کاملہ کا جامع ہے۔ جس کے حکیم و علیم اور پاک ہونے سے اس کے کسی فعل پر اعتراض کی گنجائش نہیں اور جو اپنے قادر مطلق ہونے سے کسی ارادے کے پورا کرنے میں قاصر اور عاجز نہیں۔ اور جس کے رَبُّ الْعَالَمِيْنَ ہونے سے کسی خاص قوم کے ساتھ خصوصیت نہیں جو کہ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ[1] (ھود:108) اور يُنَزِّلُ مِنْ رَّحْمَتِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ[2] اور لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ[3] (الانبیاء:24) ہے۔

پھر مِنْ فَضْلِهٖ فرما کر بتایا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عرصہ دراز تک نبوت جاری رہی ہے لیکن اس کی یہ وجہ نہ تھی کہ وہ موروثی چیز ہے بلکہ اس کے سلسلہ پر نظر کرنا ہی اس کی کافی دلیل ہے کہ یہ موروثی چیز نہیں اور نہ ہی یہ کوئی ایسی معمولی چیز ہے جو کہ کسی کام کے اجر اور مزدوری میں مل سکے بلکہ یہ فضلی چیز ہے۔ اور ظاہر ہے کہ فضل نہ کسی قوم کے ساتھ خصوصیت سے وابستہ ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اور نہ اس کا مفہوم خصوصیت کے قابل ہے

---

[1]۔ وہ جو چاہتا ہے اسے کر کے رہتا ہے۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ وہ جس پر چاہتا ہے اس پر اپنی رحمت میں سے نازل کرتا ہے۔ (از مرتب)

[3]۔ جو کچھ وہ کرتا ہے اس کے متعلق وہ کسی کو جواب دہ نہیں ہوتا۔ (تفسیر صغیر)

اور نہ عقل ہی اس کو جائز قرار دے سکتی ہے۔ پس اس سے ثابت ہے کہ نبوت جو کہ فضلی چیز ہے اور موروثی اور کسبی نہیں ہے یہ کوئی بنی اسرائیل کے ساتھ مختص اور وابستہ نہیں اور بنی اسمٰعیل سے کچھ ممنوع نہیں۔

مشیئت ایزدی کسی قوم سے خاص نہیں:

پھر اس کے بعد عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ فرما کر یہ ظاہر کیا ہے کہ نبوت اور ہر ایک فضلی شَے کے نزول کا دارومدار مشیئت ایزدی پر ہے اور مشیئت ایزدی کسی قوم سے خصوصیت نہیں رکھتی۔ پھر اس کے بعد مِنۡ عِبَادِہٖ فرما کر یہ ظاہر کیا ہے کہ مشیئت تو بے شک اللہ کے اختیار میں ہے اور دوسرے کسی کے لئے اس میں دخل نہیں لہٰذا وہ جس پر چاہتا ہے فضل کرتا اور نبوت بخشتا ہے۔ لیکن ہاں ایک چیز اس کی مخصص اور جاذب بھی ضرور ہے اور وہ عبودیت خالصہ ہے۔ پس جس شخص میں خالص عبودیت ہوتی ہے تو مشیئت الٰہیہ اور فضل الٰہی کو اس کی عبودیت جذب کر لیتی ہے اور جس میں یہ نہیں ہوتی وہ ہرگز نہیں کھینچ سکتا۔ اور خداوند تعالیٰ نے اس میں اشارہ فرمایا ہے کہ مشیئت اور فضل اور نبوت ملنے کا جس پر مدار ہے (یعنی عبودیت) وہ اب تم میں نہیں ہے اور کتب سابقہ میں بنی اسرائیل کو صاف بتایا گیا تھا کہ جب تک فضل کا جاذب تم میں موجود رہے گا تب تک یہ فضل (جواب ہم نے تم پر کیا ہوا ہے یعنی نبوت) تم میں جاری رہے گا۔

نبوت بنی اسمٰعیل میں:

اور جب تم اس جاذب کو ہاتھ سے چھوڑ دو گے تو پھر یہ فضل ہم تم سے چھین لیں گے تب وہ وقت آئے گا کہ جس پتھر کو معماروں نے چھوڑا ہوا ہے وہ کونے کا پتھر ہو گا اور جن اپنے بھائیوں کو تم اس وقت ذلیل اور اس فضل کے ناقابل تصور کرتے ہو ان میں یہ جذب اعلیٰ درجہ کا پیدا ہو گا۔ اور اسمٰعیل کی مانند خداوند کی عبادت میں ذبیح اللہ ثانی پیدا ہو گا تب موسیٰ جیسا نبی ان کے ان بھائیوں میں مبعوث ہو گا۔ تب یہ اس کونے کے پتھر پر گریں گے پس وہ ان پر گر کر ان کو پیس ڈالے گا۔ لیکن باوجود اس سارے علم کے پھر بھی جب وہ نبی مبعوث ہوا تو انہوں نے ان سب باتوں کو پس پشت ڈال کر محض اس وجہ سے کفر اختیار کر لیا

کہ اسرائیلیوں میں کیوں کوئی مبعوث نہیں ہوا اور اسمٰعیل سے کیوں ہوا ہے۔ اور نہ اس حکم سابق سے اس کو مانا اور نہ اس کے ماننے کے ان وجوہات کی پروا کی جو کہ خداوند کریم نے یہاں پر اور دیگر مقامات پر مفصل بیان کر دی ہوئی ہیں اور نہ ہی اپنی دنیوی تباہی اور اخروی ہلاکت کے یقینی علم سے کچھ خوف کھا کر اس کفر سے باز رہے۔

باوجود علم ہونے کے یہودیوں نے نبیؐ کا انکار کیا:

پس اسی کے اظہار کے لئے خداوند کریم نے اس کے بعد یہ فرمایا کہ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ یعنی جب ان کو پہلے ہی سے یہ بتایا گیا تھا کہ وہ تم سے نہیں ہو گا بلکہ بنی اسمٰعیل سے ہو گا اور یہ بھی کہ تم اگر اس کی مخالفت کرو گے تو دنیا اور آخرت میں تمہارے لئے سخت تباہی کا سامنا ہو گا۔ لیکن باوجود اس کے جب وہ نبیؐ آیا اور مہیمن کتاب لایا اور انہوں نے ان کے منجانب اللہ اور وہی موعود ہونے کو خوب معلوم بھی کر لیا تو پھر بھی محض اس سرکشی اور بغاوت سے ان کا انکار کر دیا کہ کیوں اسرائیلی کوئی مبعوث نہیں ہوا اور اسمٰعیلی کیوں ہوا۔ پس مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ سے انکار کرنے اور وہ بھی باوجود پہلے علم اور پچھلی شناخت کے اور پھر باوجود اس دنیوی اور اخروی تباہی کے علم کے جو اس انکار کی وجہ سے ہونے والی تھی۔ اور پھر محض اس وجہ سے یہ سخت انکار کرنے سے کہ اسمٰعیلی پر یہ فضل کیوں نازل ہوا ہے غضب پر غضب میں گرفتار اور غضب پر غضب کے ساتھ تباہ ہوئے۔ پس یہ فَاء سببیت کے واسطے ہے۔ یعنی ان کا ایسا اور اس وجہ سے انکار کرنا ایسے غضب میں گرفتار ہونے کا باعث اور سبب ہوا ہے۔

بَآءُوْ کے معنے اور مطلب:

اور بَآءُوْ کے معنے مفسرین نے عام طور پر رجوع اور لوٹنے کے کئے ہیں۔ اور رجوع کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ پہلے تو گویا وہ خداوند تعالیٰ کے قرب کی طرف چل رہے تھے پر یہ انکار ان سے سرزد ہوا تو وہ قرب الٰہی سے پھر واپس ہو گئے۔ پر یہ نہیں کہ کچھ رحمت اور فضل لے کر واپس ہوئے جو کہ قرب کی طرف جانے کی اصل غرض تھی بلکہ غضب پر غضب لے کر واپس ہوئے۔ اور اس میں شک نہیں کہ بَاءَ کے معنے رجوع کے آتے ہیں۔

لیکن لُغت کی کتابوں میں صاف صاف تصریح موجود ہے کہ یہ معنے اس وقت ہوتے ہیں جبکہ اس کے بعد اِلیٰ آتا ہے اور ظاہر ہے کہ نہ یہاں پر اِلیٰ مذکور ہے اور نہ کوئی شَے کھلی کھلی ان کا مرجع معلوم ہوتی ہے۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ رجوع بغیر ایک تاویل کے یہاں پر صادق بھی نہیں آتا۔

یہی وجوہات ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیحؑ نے ان معنوں کو پسند نہیں فرمایا بلکہ بجائے ان کے آپ نے اس کے معنے گرفتار ہونے کے فرمائے ہیں۔ لیکن چونکہ یہ معنے میری نظر سے نہیں گزرے اس لئے میں ان کی تائید سے قاصر ہوں۔ بعض لوگوں نے اس کے معنے قتل کے بھی کئے ہیں اور وہ آئے بھی ہیں پر وہ ایسے موقع پر جہاں بَاءَ بِفُلَانٍ (قتل کیا گیا فلاں کے بدلے) جیسی عبارت ہو۔ لیکن میرا اپنا خیال یہی ہے کہ یہاں پر اس کے معنے اُٹھانے کے ہیں اور کتب لغت میں بَاءَ بِہٖ کے معنے اِحْتَمَلَہٗ کے آئے ہیں اور اس صورت میں مطلب بالکل ظاہر ہے کسی توجیہ یا تاویل کی ضرورت نہیں یعنی انہوں نے اپنے پر غضب پر غضب اُٹھا لیا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں پر اس کے معنے اقرار کرنے کے ہوں کیونکہ بَاءَ بِہٖ کے معنے اَقَرَّ بِہٖ کے کتب لغت میں درج ہیں اور اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ جب ان کو پہلے سے علم تھا اور آنے پر پہچان بھی لیا تھا اور لوگوں کو اس کے منجانب اللہ اور حق ہونے اور غالب اور فتح یاب ہونے کی نسبت باتیں بھی سنایا کرتے تھے تو اس کے بعد ان کا انکار کرنا گویا اپنے پر غضب پر غضب کا اقرار کرنا ہے۔

غضب سے یہاں دو غضب مراد ہیں:

اور غضب پر غضب سے اکثر مفسرین نے دو غضب لئے ہیں پس بعض نے تو کہا ہے کہ یہ دو غضب ان دو سببوں سے ہیں۔

ایک بچھڑے کی عبادت سے، دوم نبی کریمؐ کے انکار سے اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی منقول ہے۔ اور بعض نے کہا ہے اور وہی قتادہؓ کا قول ہے کہ ایک انجیل کا انکار ہے اور دوسرا قرآن مجید کا اور بعض نے بجائے ان کے حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت ﷺ کا انکار بتایا ہے۔ اور حضرت مولانا خلیفۃ المسیحؑ نے بھی دو ہی غضب لئے ہیں اور فرمایا ہے کہ

پہلا غضب تو قوم کے انبیاءؑ کی مخالفت سے ان پر نازل ہوا جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لُعِنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ (المائدۃ:79) (بنی اسرائیل کے کافروں پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبانی لعنت کی گئی) اور دوسرا غضب آنحضرتؐ کی مخالفت اور عناد سے ان پر وارد ہوا۔

لیکن فَبَآءُوۡ الخ میں فاء کا آنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ دو غضب ہوں یا ایک ہو یا بہت ہوں لیکن بہر حال اس کے سبب سے اور اس کے بعد اس پر مرتب ہونے والے ہوں جو کہ اس سے پہلے بیان ہوا ہے۔ پس اگر یہ وَ لَمَّا جَآءَهُمۡ کِتٰبٌ الخ پر مرتب ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے تب تو یہ غضب محض قرآن مجید اور نبی کریم ﷺ کی مخالفت کے باعث سے ہیں اور کسی پہلے کفر کا ان میں دخل نہیں اور اگر وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ[1] الخ (البقرۃ:88) پر مرتب ہے تو اگرچہ یہ خلاف ظاہر ہے پر اس وقت بے شک پہلے کفر بھی اس غضب کے اسباب قرار دیئے جاسکتے ہیں۔ لیکن عُزَیۡرُ ابۡنُ اللّٰہِ[2] (التوبۃ:30) اور یَدُ اللّٰہِ مَغۡلُوۡلَۃٌ[3] (المائدۃ:65) وغیرھا جو کہ پہلے بالکل مذکور نہیں ان کا لینا صریح غلط ہے۔

اور بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ غَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ سے کوئی خاص دو غضب مراد نہیں بلکہ غضب کا تہ بہ تہ اور پے در پے اور بہت ہونا مراد ہے اور ایسا بہت آتا ہے یہاں پر تو عدد کی تصریح موجود ہی نہیں پر قرآن مجید میں بہت سے ایسے مقامات موجود ہیں کہ جن میں کسی خاص تعداد اور معین عدد کی تصریح موجود ہے اور پھر بھی وہاں پر وہ معین عدد مراد نہیں بلکہ مطلق کثرت کا اظہار مراد ہوتا ہے۔

عذاب کا ذکر کفر کے باعث ہے:

وَ لِلۡکٰفِرِیۡنَ عَذَابٌ مُّهِیۡنٌ۔ حق تو یہ تھا کہ یہاں پر بجائے اس کے وَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِیۡنٌ فرمایا جاتا کیونکہ جب کسی شَے کا پہلے ذکر ہو جاتا ہے تو جب آگے اس کو ذکر کرنا ہوتا ہے تو بجائے اس کے اس کی ضمیر ذکر کر دیتے ہیں جو کہ اس کی طرف پھرا کرتی ہے۔ پس چونکہ

---

[1]۔ اور ہم نے (یقیناً) موسیٰ کو کتاب دی تھی۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔ (تفسیر صغیر)

[3]۔ اللہ کے ہاتھ میں زنجیر پڑی ہوئی ہے۔ (تفسیر صغیر)

یہاں پر بھی کفار بنی اسرائیل کا متصل پہلے ذکر چلا آتا تھا تو پھر بجائے وَلِلْكٰفِرِيْنَ کے وَلَهُمْ آنا چاہیئے تھا لیکن یہ عام قاعدہ ہے کہ ضمیر کے موقع پر کسی نکتہ کے لئے اسم ظاہر کو بھی ذکر کر دیا کرتے ہیں۔ اور یہاں پر بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ اور وہ نکتہ یہ ہے کہ اگر لَهُمْ کہا جاتا تو اس سے یہ ثابت نہ ہوتا کہ ان کے لئے عَذَابٌ مُّهِيْنٌ کیوں ہے بلکہ یہ سمجھا جاتا کہ یہ عذاب محض ان کی ذاتوں کے لئے ہے اور وہی اس کی مقتضی اور وہی ان کی علت ہیں کیونکہ ضمیر اوصاف وغیرہ پر دال نہیں ہوتی۔ پس اس وجہ سے وَلِلْكٰفِرِيْنَ فرما دیا تا کہ یہ ظاہر ہو جاوے کہ یہ غضب پر غضب جس طرح ان پر ان کے مذکورہ بالا کفر کے سبب سے ہوا ہے اسی طرح یہ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ بھی ان کے لئے ان کے اسی کفر کے باعث سے ہے۔ الْكٰفِرِيْنَ سے ظاہر تو یہی ہے کہ یہی مذکورہ بالا اسرائیلی کافر مراد ہوں لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سب کافر مراد ہوں جن میں مذکورین بھی داخل ہیں۔

قواعد کے لحاظ سے لِلْكٰفِرِيْنَ کو عَذَابٌ مُّهِيْنٌ کے بعد ذکر کرنا چاہیئے تھا اور بارہا یہ کہہ دیا گیا ہے کہ جب کوئی پیچھے آنے والا جزو پہلے ذکر کیا جاتا ہے تو وہ مفید حصر اور تخصیص کا ہوا کرتا ہے۔ پس یہاں پر اس کے مقدم کرنے سے یوں معنے ہو گئے کہ خاص ان کافروں کے لئے (یا کافروں کے لئے) ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ تو اگر مذکورہ بالا ہی کفار مراد ہوئے تب ذلیل کرنے والا عذاب ایسے ہی کاموں اور صفتوں والے کفار سے مخصوص ہو گا۔ اور اگر عام ہوئے تب سب کفار سے مخصوص ہو گا۔ اور قرآن مجید میں بجز کفار کے اور کسی قسم کے لوگوں کے لئے عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ذکر نہیں ہوا۔

بنی اسرائیل قوم کا سرکشی کی وجہ سے انکار کرنا:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا پہلے بَغْيًا الخ میں یہ بتایا تھا کہ ان کا مذکورہ بالا انکار محض اس سرکشی کے سبب سے واقع ہوا ہے کہ بنی اسرائیل کے سوا کسی دوسرے پر خداوند عالم نے یہ فضل کیوں کیا ہے۔ اور ساتھ ہی ان کے اس خیال کی تردید بھی بیان کر دی ہے۔ اور وَاِذَا قِيْلَ الخ کے ساتھ اس کا ثبوت دیا جاتا ہے کہ بے شک اسی

سرکشی کی وجہ سے انہوں نے یہ انکار کیا ہے۔ تو اس کے ثابت کرنے کے واسطے انہی کے ایک قول کو ذکر فرمایا ہے جو کہ ایک سوال کے جواب میں وہ کہا کرتے تھے۔ اور وہ سوال یہ ہے کہ جب ان کو کہا گیا کہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ پر ایمان لاؤ۔ یعنی جب تم اللہ کے بندے کہلاتے ہو اور توریت کو اس لئے مانتے اور اس کی شریعت کو اپنا مذہب بناتے ہو کہ اللہ نے اس کو نازل کیا ہے جو کہ سب نقصوں سے پاک اور سب کمالات کا جامع ہے جو کہ تابعداری پر بڑے بڑے انعام کرتا اور کر سکتا ہے۔ اور نافرمانی پر عذاب دیتا اور دے سکتا ہے۔ تو پھر توریت وغیرھا کی تخصیص کیا ہے۔ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے سب کو مان لو اور سب کو ماننا چاہیئے اور خداوند کریم نے پہلے بیان فرمادیا ہے کہ قرآن مجید کو وہ خوب جان چکے تھے کہ وہ کِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ ہے بلکہ اس کو لوگوں کے آگے پہلے ظاہر بھی کر چکے تھے۔ تو جب سب مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ پر ایمان لانا ضروری ہوا اور وہ جانتے ہیں کہ قرآن مجید بھی مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ ہے تو پھر اس پر بھی ایمان لانا چاہیئے۔ لیکن خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس معقول اور حق سوال کے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ ہم اسی پر ایمان لاتے ہیں اور لاویں گے جو کہ ہم پر نازل کیا گیا ہے۔ پس یہ وہ جواب ہے جس سے ان کی سب شرارت کُھل جاتی ہے کیونکہ اس جواب سے صاف صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسی مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کے ماننے کا اقرار کرتے ہیں جو ان پر اُتارا گیا ہو۔ بلکہ وہ بجائے مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْنَا کے مَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا کہہ کر یہ بھی بتا چکے کہ جو ہم پر نازل ہوا ہے اس کے ماننے میں یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ بھی ہو بلکہ اُتارنے والا کوئی ہو۔ ہاں ضرور ہم پر اُترا ہو لیکن مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کے ماننے کے لئے یہ شرط لگاتے ہیں کہ ہم پر نازل ہونا بھی اس پر صادق آئے۔ پس اس جواب میں انہوں نے صاف صاف بتادیا کہ قرآن مجید کے مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ ہونے سے ہم اس کو نہیں مان سکتے۔ ہاں اس کو ہم تب مانتے کہ وہ ہم پر نازل کیا جاتا۔ پس اب ان کے اپنے منہ سے اس سرکشی کا ثبوت ہو گیا جو کہ بَغْیًا الخ میں بیان ہوئی ہے۔

قرآن کریم مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ ہے:

واضح ہو کہ اس سوال و جواب سے جس طرح ان کی مذکورہ بالا بغاوت ثابت ہوتی ہے

اور کھلی کھلی ان کی زبانی ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح اس سے ایک اور بات کا بھی پتہ لگتا ہے اور وہ ان کا قرآن مجید کو مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ جاننا ہے۔ کیونکہ جب قرآن مجید کے مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ ہونے کے باعث سے ان کو کہا گیا تھا کہ اس پر ایمان لاؤ تو اگر وہ قرآن مجید کے مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ ہونے کو نہ جانتے یا اس کا انکار وہ آسانی سے کر سکتے تو پھر آسان اور ٹھیک با قاعدہ جواب یہ ہوتا کہ ہم سب مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ پر ایمان لاتے ہیں۔ لیکن قرآن مجید مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ نہیں ہے یا یہ کہ اس کا مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ ہونا پہلے ثابت کرو۔ لیکن وہ یہ جواب نہیں دیتے کیونکہ وہ دے سکتے ہی نہ تھے بلکہ عذر نامعقول کی طرح ایک ایسا گندہ جواب دیتے ہیں جس سے اور بھی الزام کے نیچے آجاتے ہیں۔

مَا وَرَآءَہٗ سے مراد:

وَیَکْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَہٗ کو بعض مفسرین نے تو قَالُوْا الخ پر عطف کیا ہے اس صورت میں یوں معنے ہوں گے کہ جب ان کو کہا جاتا ہے کہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ پر ایمان لاؤ تو وہ یہ کہتے ہیں اور مَا وَرَآءَہٗ سے انکار کرتے ہیں۔ لیکن اگر قَالُوْا کو اُٹھا کر یَکْفُرُوْنَ کو اس کی جگہ پر رکھ دیں جیسا کہ عطف کی صحت کی شرطوں سے ہے تو یوں معنے ہو جاویں گے کہ جب ان کو کہا جاتا ہے کہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ پر ایمان لاؤ تو وہ اس کے (یعنی مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کے) ماسواء سے انکار کرتے ہیں الخ اور ظاہر ہے کہ یہ معنے غلط ہو جاتے ہیں اور بعض مفسرین نے اس کو حال قرار دیا ہے اور حضرت مولانا خلیفۃ المسیحؑ نے بھی اس کو حال ہی قرار دیا ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے اس حالت میں نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا کہا کہ وہ انکار کر رہے ہیں اس کے غیر سے۔

مَا وَرَآءَہٗ سے مراد قرآن ہی ہے:

عام مفسرین نے مَا وَرَآءَہٗ سے قرآن مجید لیا ہے اور واقدی نے قرآن مجید اور انجیل دونوں کتابیں لی ہیں۔ لیکن حق اوّل ہی ہے کیونکہ مقام اسی کو چاہتا ہے خواہ مَا وَرَآءَہٗ کا لفظ بھی قرآن مجید کے علاوہ انجیل کو بھی شامل ہے اور وہ انجیل سے بھی منکر ہیں اور اس عبارت کو اس لئے بڑھایا ہے کہ نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا سے بظاہر تو مَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا پر ایمان لانا ہی ثابت ہوتا ہے۔ رہا اس کے غیر سے انکار کرنا تو اس میں کوئی ایسا لفظ یا ترکیب

نہیں جو اس پر دلالت کرے اور مقصد (یعنی مذکورہ بالا بغاوت کا ثبوت) تب حاصل ہوتا تھا کہ وہ مَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا کے سواء سے انکار کریں نہ فقط اس سے کہ مَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا پر ایمان لاویں۔ پر چونکہ حقیقت میں ان کا اس قول سے یہی منشاء تھا کہ خاص اسی پر ایمان لاتے ہیں اور لاویں گے جو کہ ہم پر نازل ہوا ہے اور اس کے سوا کسی اور مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کو ہرگز نہیں مانتے اور نہ مانیں گے جیسا کہ اس سوال کے جواب میں اس قول کے بولنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے اور یہود کی عادت میں بھی داخل تھا کہ ایسا کلام بہت استعمال کرتے تھے جس سے ظاہر کچھ ہوتا ہو اور ان کی مراد کچھ اور ہو اور قرآن مجید میں ان کے ایسے اقوال اور بھی بہت مذکور ہیں۔ لہٰذا خداوند کریم نے ان کے اس منشاء اور مقصد کو ظاہر کر دیا جو کہ اس سوال کے جواب میں اس قول کے بولنے سے ان کا تھا اور فرمایا کہ نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا کہنے سے وہ انکار کرتے ہیں اس سے جو کہ اس کے سواء اور اس کے غیر ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ حق تو یہ تھا کہ جس طرح قَالُوْا ماضی لایا گیا ہے اسی طرح يَكْفُرُوْنَ بھی بلفظ ماضی لایا جاتا اور اس کی بجائے وَ كَفَرُوْا بِمَا وَرَآءَهٗ کہا جاتا لیکن اس لئے اس کو مضارع لایا گیا ہے کہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی عجیب واقعہ ہو تو خواہ وہ گزشتہ زمانہ میں ہو چکا ہو تو بھی اس کو بلفظ حال بیان کرتے ہیں تاکہ اس گزشتہ حال کی حکایت ہو کر (کہ جس میں وہ واقع ہوا تھا) وہ نقشہ پھر سامنے آجائے۔ اور یہ کوئی عربی زبان ہی سے مخصوص نہیں بلکہ قریباً ہر ایک زبان میں ایسا ہوتا ہے جیسا کہ اردو زبان میں گزشتہ قصہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کیا دیکھتا ہوں کہ وہ آرہا ہے وغیرہ ذالک۔ تو چونکہ باوجود ایسے علم کے پھر انکار کرنا بہت ہی قابل تعجب امر تھا۔ خصوصاً جبکہ اس کی سخت ترین سزا کا بھی علم ہو تو اس لئے حال گزشتہ کی حکایت کی گئی ہے تاکہ اس کا نقشہ آنکھوں کے آگے آجائے۔ اور یا اس لئے مضارع کا لفظ اختیار کیا گیا ہے تاکہ ان کے اس کفر کا استمرار بیان کیا جاوے۔ کیونکہ مضارع کا لفظ آئندہ استمرار کے لئے بہت آتا ہے پس یہاں پر اس لئے مضارع اختیار کیا گیا تاکہ اس سے یہ مفہوم ہو کہ ان کا یہ کفر ہمیشہ جاری رہے گا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ان کے ایمان کے امید نہ رکھنی چاہیئے۔

حق کے معنے:

وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ۔ حق کے معنے یہاں پر یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ باطل نہیں۔ یا یہ کہ صدق ہے اور کذب نہیں یا یہ کہ یہ ہمیشہ رہنے والی چیز ہے۔ چونکہ مفسرین نے حق کے معنوں پر بخوبی غور و فکر نہیں کیا لہٰذا انہوں نے کہا ہے کہ عبارت سے جو حصہ ظاہر ہوتا ہے (کہ وہی ماسوا حق ہے نہ وہ جو ان پر نازل ہوا ہے یا جس پر وہ ایمان لاتے ہیں) وہ کسی طرح درست نہیں ہو سکتا اس لئے کہ مَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا سے خواہ توریت مراد ہو یا توریت و انجیل دونوں بہر حال ہر ایک ان میں سے حق تو ضرور ہے۔ اور بعض نے کہا تھا کہ اگرچہ مجرد حق کا حصر ٹھیک نہیں مگر حق مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ کا حصر صحیح ہے۔ کیونکہ توریت حق اور مصدق نہیں بلکہ محض حق ہے اور قرآن مجید حق اور مصدق ہے۔ لیکن دوسرے مفسرین نے اس کو یوں ردّ کر دیا ہے کہ اوّل تو توریت بھی حق اور پہلی کتابوں کی مصدق ہو سکتی ہے۔ پر اس میں تو شک نہیں کہ انجیل تو ضرور حق اور مصدق ہے۔ پس حق اور مصدق کوئی قرآن مجید پر ہی منحصر نہیں ہے۔ لیکن جب حق کے معنے باطل کے مقابل یا صدق کے لئے جاویں تب تو اس طرح حصر صحیح ہے کہ تحریف کے ساتھ ان میں باطل اور جھوٹ مل گیا ہوا ہے بخلاف قرآن مجید کے کہ ایک یہی وہ کتاب ہے جو کہ محض حق ہے اور کوئی شائبہ باطل یا جھوٹ کا اس میں نہیں ملا ہوا۔ اور اگر ہمیشہ رہنے والی چیز کے معنے لئے جاویں تو بھی حصر حق ہے اس لئے کہ تحریف اور ترجمہ در ترجمہ اور باطل اور جھوٹ کے ملنے سے وہ تو باقی نہیں رہیں بخلاف قرآن مجید کے کہ وہ ہمیشہ کے لئے موجود ہے اور موجود رہے گا۔ لیکن حق پہلے ہی دو معنے ہیں۔

پس معنے یہ ہوئے کہ حالانکہ وہی (ماسواء) بطلان سے پاک اور سچ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس میں بطلان اور جھوٹ مل جاتا ہے وہ اعتبار کے قابل ہر گز نہیں رہتی اور جو ان سے پاک ہو وہی ایمان لانے اور دستور العمل بنانے کے قابل ہے۔ لیکن ان کی عجیب حالت ہے کہ جو ایمان لانے اور دستور العمل بنانے کے قابل نہیں اس پر تو ایمان لاتے ہیں اور جو ایمان اور عمل درآمد کے قابل ہے اس کا انکار کرتے ہیں۔ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ کی تفسیر پہلے

گزر چکی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ ماسواء ہی حق ہے اور جو تمہارے پاس ہے وہ خالص حق نہیں بلکہ باطل اور جھوٹ سے ملا ہوا ہے جو کہ دستور العمل بنانے کے قابل نہیں۔

مصدق پر ایمان لانے کا فائدہ:

ہاں ایک ہی طریق اس کے دستور العمل بنانے کا ہے اور وہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے کوئی مصدق آئے اور اس کے حق و باطل اور سچ اور جھوٹ کو ممتاز کر دے۔ تو خداوند کریم نے بتایا ہے کہ وہ جو ماسوا اس کے ہے وہی حق ہے اور اس کا مصدق ہے جو کہ ان کے پاس ہے۔ پس حق تو یہ تھا کہ اس حق اور مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ پر ضرور ایمان لاتے اور اس کے احسان کا شکر کرتے کہ ان کے پاس کی کتابیں جو کہ باطل اور جھوٹ کے ملنے سے ردّی اور ناقابل عمل ہو چکی تھیں ان میں حق و باطل اور صدق و کذب کا امتیاز کر کے ان کو صاف کر دیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس مصدق ہونے کا فائدہ تب ان کو پہنچتا کہ پہلے وہ اس مصدق پر ایمان لاتے اور پھر اس کے بیان کے مطابق اور اس کے کھرا کھوٹا قرار دینے کے موافق وہ اپنی کتابوں کی تصحیح کر لیتے لیکن خداوند کریم نے بتایا ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ باوجودیکہ وہ ماسواء ہی حق اور مصدق ان کی کتابوں کا ہے لیکن پھر بھی اس کا انکار کرتے ہیں اور مَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِمْ پر ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں۔

اہل کتاب کے قول کی تردید:

قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ قتل انبیاء کا مسئلہ تفصیل کے ساتھ ابھی بیان ہو چکا ہے اور یہ ان کے اس قول کی تردید کے لئے لایا گیا ہے جو کہ انہوں نے اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کے جواب میں کہا تھا کہ ”نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا“ تفصیل اس کی یہ ہے کہ ان کی بغاوت مذکورہ ثابت کرنے کے لئے یہ سوال جواب ذکر فرمایا تھا اور ثبوت کی تقریر مفصل بیان ہو چکی ہے۔ تو اس سوال کے جواب میں جو کچھ انہوں نے کہا ہے پہلے تو خداوند تعالیٰ نے اس بات کو ذکر فرمایا جو کہ اس قول میں انہوں نے بطور شرارت مد نظر رکھی تھی اور وہ ہے يَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ اور پھر وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ فرما کر اس بات کی تغلیط اور تردید کی جو کہ انہوں نے بطور شرارت مد نظر رکھی تھی اور اب قُلْ الخ

کے ساتھ ان کے اصل قول (یعنی نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا) کی تردید کرتا ہے کہ ان کا یہ کہنا بھی غلط اور جھوٹ ہے کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جو کہ ہم پر یعنی اسرائیلی انبیاءؑ پر نازل ہوا ہے۔ کیونکہ یہ ایمان تو اس کا مقتضی تھا کہ جن انبیاءؑ پر یہ کتابیں نازل ہوئی تھیں یا جو ان کی اتباع اور سچی اتباع سے رضاء الٰہی کے اعلیٰ مقام پر پہنچے اور پھر خدا کی وحی سے مشرف ہو کر ان کی تبلیغ پر مامور ہوئے تھے۔ یہ لوگ ان کے ساتھ محبت اور اخلاص رکھتے اور سچی اتباع کے علاوہ ان کے کام میں ان کے جاں نثار مددگار بنتے۔ لیکن یہ لوگ بجائے تابعدار اور مددگار بننے کے انہی کتابوں کی تبلیغ کے باعث ان انبیاءؑ بنی اسرائیل کی یہاں تک سخت مخالفت کرتے رہے ہیں کہ ایذاءرسانی سے بڑھ کر ان کو قتل کرتے رہے ہیں۔ لہٰذا خداوند کریم نے نبی کریمؐ کو فرمایا کہ تم ان کو کہہ دو کہ اگر تم مومن تھے اور اپنی کتابوں پر ایمان لانے والے تھے تو پھر پہلے انبیاءاللہ کو تم کیوں قتل کرتے تھے (جو کہ اسرائیلی تھے اور تمہاری ہی ان کتابوں کی تبلیغ کیا کرتے تھے) پس اس سے ثابت ہوا کہ ان کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جو کہ ہم پر اُتارا گیا ہے۔

خلاصہ مطلب:

سب کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جب خداوند کریم نے قواعد کلیہ اور ان کے پہلے حالات اور ان کے بعض زبانی اقراروں وغیرہ سے ان کے ایمان سے ناامید ہونا ثابت کر دیا۔ تو اب اسی پر ان کے موجودہ احوال اور افعال سے ایک نہایت درجہ کی واضح اور پختہ شہادت بیان فرماتا ہے جو کہ کسی گزشتہ زمانہ کی نہیں بلکہ وہ مخاطبین کی چشم دید ہے۔ اور وہ شہادت یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ مدینہ کے قرب وجوار کے بنی اسرائیل کے پاس جب ایک عظیم الشان کتاب اللہ کے پاس سے آئی (جو کہ قرآن مجید ہے جس کی عظمت اور اس کے برکات اور اعلیٰ مراتب کا اور اس کی اتباع کے فوائد اور انکار کے سخت ترین وبالوں کا ان کو پہلے سے علم تھا) اور کتب سابقہ کی پیشین گوئیوں کے مطابق آنے اور کتب سابقہ کی سب صداقتوں اور ہدایتوں کے لئے جامع اور جو جھوٹ اور باطل ملائے گئے تھے ان سب کی تردید اور ابطال پر مشتمل ہونے سے ان کتابوں کی مصدق تھی جو کہ ان کے پاس تھیں۔

اور تھوڑا عرصہ اس سے پہلے (جبکہ خاتم النبیّین ﷺ نے ان میں آ کر بلاواسطہ اس کتاب کی ان کو دعوت نہ فرمائی تھی تو اس کتاب کے برکات اور فوائد اور اس کی سچائی اور اس کی اتباع کے منافع اور مخالفت کے وبال) کفار پر کھولتے اور ان کو بتایا کرتے تھے اور کفار کی مخالفت اور ایذاء رسانی سن کر کفار پر نصرت اور غلبہ کی دعائیں کیا کرتے تھے۔ لیکن جب (ان کے پاس مدینہ میں خاتم النبیّین ﷺ تشریف لے آئے اور بلاواسطہ اس کتاب کی دعوت ان کو دی گئی اور انہوں نے اس کتاب کو خوب پہچان بھی لیا کہ بے شک یہ وہی کتاب ہے کہ جس کی پہلے سے خدائے علیم نے اپنی کتابوں اور اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ ہمیں خبر دی ہوئی تھی۔ دُور تو وہ حالت تھی لیکن جب مدینہ منورہ میں حضورؐ نے تشریف لا کر بلاواسطہ اس کتاب کی دعوت کی اور) ان کے پاس وہ کتاب آ گئی کہ جس کو انہوں نے خوب پہچان لیا تھا تو اس کے منکر ہو گئے۔ (تو ایسے کفر پر جو سزا مرتب ہوتی ہے اور جو اس کا مقتضاء اور اثر لازم ہے اس کو خداوند کریم یوں بیان فرماتا ہے یا بلفظ دیگر یوں کہو کہ ان کے اس عملدرآمد سے جو نتیجہ برآمد ہوتا تھا اس کو خدائے حکیم یوں بیان فرماتا ہے کہ) ایسے منکروں پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔

پس چونکہ لعنت ہمیشہ کیلئے رحمت سے دُور ہونا ہے اور انسان کو تو غلطی بھی لگ سکتی ہے اور عاجز بھی ہو سکتا ہے پر اللہ علیم و حکیم ہے اس کو غلطی بھی نہیں لگ سکتی کہ پشیمان ہو کر لعنت کو اٹھاوے اور قادر مطلق اور فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ[1] (ھود:108) ہے۔ کبھی عاجز بھی نہیں ہو سکتا کہ لعنت یعنی رحمت سے دور نہ کر سکے لہٰذا جن پر اس کی لعنت وارد ہو جاتی ہے ان کے ایمان کی کوئی طمع اور امید باقی نہیں رہتی۔

یہود پر لعنت پڑنے کی وجہ:

اور ان پر لعنت بھی اسی وجہ سے ہوئی ہے کہ سب کچھ کوشش اس لئے کی جاتی ہے کہ انسان کو حق کی معرفت حاصل ہو جائے اور معرفت کے بعد اگر کوئی نہ مانے تو اس پر جبر نہیں اور اگر کوئی جبراً منوائے تو وہ ماننا مفید ہے اور نہ قابل اعتبار ہے۔ پس انبیاءؑ کی بعثت اور ان کی سب کوششیں اور انزال کتب اور ان کے سب براہین اور نشانات کا دکھانا یہ سب

[1]۔ جو وہ چاہتا ہے اسے کر کے رہتا ہے۔ (تفسیر صغیر)

کچھ محض اس لئے ہے کہ حق کی معرفت حاصل ہو جائے اور معرفت کے بعد منوانے کیلئے کوشش وغیرہ کا کوئی مرحلہ باقی نہیں رہتا۔ پس جو معرفت کے بعد بھی حق کو نہ مانے خصوصاً جبکہ وہ حق اس کی تصدیق کرنے والا ہو جو اس کے پاس ہے اور اس کے ماننے کے فوائد و برکات کو اور نہ ماننے کے سخت ترین وبالوں کو بھی جانتا ہو۔ تو پھر ضرور ہے کہ اس کے بعد وہ کبھی بھی اس کو نہ مانے یہی وجہ ہے کہ خداوند کریم نے بھی اس شرارت کی سزا لعنت ہی رکھی ہے۔ لیکن چونکہ باوجود اس عظیم الشان شہادت کے پھر بھی یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ کوئی بہت بڑی مجبوری ان کو پیش آگئی ہو یا اس حق سے بڑھ کر کوئی اور مفید شَے اس کے ماننے پر ہاتھ سے جاتی ہو۔ تو اس صورت میں باوجود علم کے حق کو نہ ماننا نہ اس بات کی دلیل ٹھہرتا ہے کہ آئندہ کبھی وہ اس کو نہ مانے گا اور نہ ایسا ماننا لعنت اللہ کے نزول کا موجب ٹھہر سکتا ہے۔

تو اس احتمال کو رفع کرنے کے لئے خداند حکیم نے اس کے بعد بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ فرمایا ہے۔ جس میں ظاہر کیا ہے کہ جس شَے کے شوق پر انہوں نے حق ہی کو جان بوجھ کر نہیں چھوڑا بلکہ دیدہ و دانستہ اپنی جانوں کو اس کے بدلے عذاب مہین کے لئے دے دیا ہے وہ بہت ہی بُری چیز ہے۔ اور وہ محض اس بغاوت اور سرکشی کے لئے مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ سے انکار کرنا ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہا (اور اس کی عبادت اور عبودیت اور سچی اور مخلصانہ تابعداری کی وجہ سے چاہا) اس پر اپنے فضل سے کچھ کیوں اُتارا ہے (حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ نبوت کوئی موروثی چیز نہیں بلکہ فضلی ہے۔ اور فضل کسی کا حصہ نہیں ہوتا جس کو اللہ چاہتا ہے دیتا ہے۔ ہاں اس چاہنے کے واسطے کوئی جاذب اور مرجح ہونا چاہیئے اور وہ عبودیت اور سچی اور حقیقی غلامی اور عبادت اور سچی مخلصانہ فرمانبرداری ہے جو کہ مدت دراز سے ان کی قوم سے مفقود ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں اعلیٰ درجہ پر موجود ہیں۔)

بنی اسرائیل پر انعام کیوں نہ نازل ہوا کا جواب:

پس یہ خیال (کہ اللہ نے بنی اسرائیل پر یہ کیوں نازل نہیں کیا اور بنی اسمٰعیل میں سے ایک پر اس نے کیوں نازل کیا ہے) اوّل تو سراسر غلط اور نہایت گستاخی اور سوء ادب ہے۔ پر

اگر اس سے قطع نظر کی جائے اور اس کو درست فرض کیا جائے تو بھی یہ اس قابل نہیں ہو سکتا کہ اس خیال سے اللہ کی نازل کی ہوئی ایسی کتاب سے باوجود ٹھیک پہچان لینے کے پھر بھی انکار کیا جائے۔ لہٰذا خداوند کریم نے بِئْسَمَا الخ فرما کر یہ بتایا کہ یہ اس قابل نہیں اور اَنْ یُّنَزِّلَ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ الخ کے ضمن میں بتایا ہے کہ یہ خیال ہی غلط اور بے ادبی اور سخت گستاخی ہے۔ اس کے بعد فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ الخ میں بتایا ہے کہ ایسی کتاب کے ایسے علم کے بعد محض ایسے ناپاک اور گستاخانہ خیال سے اس کا انکار کر دینا جیسا کہ عام طور پر غضب پر غضب نازل کیا کرتا ہے اسی طور پر اس سے انہوں نے بھی مسلسل اور پے در پے غضب کو اپنے پر برداشت کر لیا اور اللہ کے پے در پے غضب میں گرفتار ہو گئے اور پھر وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ فرما کر بتایا ہے کہ ایسے غضب کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان پر عذاب نازل ہوتا ہے۔ پر ان کے ساتھ نہ وہ ستاری برتی جاتی ہے جو کہ بعض مُعَذِّبِیْنَ کے ساتھ برتی جاتی ہے کہ اگرچہ وہ اپنے گناہ کی سزا پاتے ہیں جو کہ خدائے علیم کے علم میں ہوتا ہے۔ پر دنیا کی نظر میں وہ ایسے امر میں ماخوذ ہوتے ہیں کہ جس میں وہ بالکل بے قصور ہوتے ہیں یا معذب تو چوری وغیرہ کسی گندے اور شرمناک گناہ میں ہوتے ہیں لیکن بظاہر کسی ایسے گناہ میں پکڑے جاتے ہیں جو کہ شرمناک نہیں ہوتا جیسا کسی مفسد آدمی کا حکم حاکم کے سوا مار دینا اور نہ ان کے ساتھ یہ رحم کا برتاؤ ہوتا ہے کہ وہ عذاب ان کی تطہیر کا موجب ہو بلکہ فرمایا کہ ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ (نعوذ باللہ منہ)

لیکن سوال مذکور کے جواب کی بناء تو اس پر رکھی ہے کہ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ سے ان کا انکار محض اس بغاوت اور سرکشی کے خیال سے ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہا اس پر اپنا فضل کیوں نازل کیا ہے؟ اور ہم پر کیوں نہیں کیا؟ اور ظاہر ہے کہ یہ ایک دلی خیال ہے جس پر دوسرا انسان ہرگز اطلاع نہیں پا سکتا۔ اور ان کی شرارت اس حد تک پہنچ گئی ہوئی ہے کہ باوجود پہلے علم اور موجودہ معرفت کے محض اس خیال کے باعث حق اور مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ سے انکار کر دیا ہے اور ایسا بڑا سفید جھوٹ کہہ دیا ہے کہ یہ حق نہیں اور نہ یہ وہ کتاب ہے اور جانتے ہیں کہ یہ حق اور وہی کتاب ہے تو پھر ممکن بلکہ اغلب ہے کہ وہ جھوٹ

کی جرأت کریں اور صاف انکار کر دیں کہ ہم نے اس خیال سے ہر گز انکار نہیں کیا بلکہ اس کا باعث کوئی حقیقی معذوری اور مجبوری یا کوئی اعلیٰ درجہ کی چیز بتا دیں۔ لہٰذا خداوند کریم نے اس کے ثابت کرنے کے واسطے ان کا ایک ایسا قول بیان فرمایا ہے کہ جس سے وہ انکار نہیں کر سکتے اور دوسرے لوگوں کو بھی اس کا بخوبی علم ہے اور وہ قول ایسا ہے کہ جس سے بلا چون وچرا یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ ان کا یہ انکار محض اسی خیال کی وجہ سے ہے۔

ناقابل اعتبار پر ایمان کیوں؟:

اور اس قول کا بیان یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم یاد تو کرو کہ جب کہنے والوں نے ان کو کہا تھا کہ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ پر ایمان لاؤ۔ یعنی تم تو ہمارے سامنے اس قرآن مجید کو مَا اَنْزَلَ تسلیم کرتے تھے۔ تو جب وہ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ ہے تو پھر اس پر ایمان لاؤ۔ تو اس سوال کے جواب میں انہوں نے جب دیکھا کہ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ ہونے سے انکار کی گنجائش نہیں تو کہنے لگے کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جو کہ ہم پر نازل کیا گیا ہے۔ تو خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس سوال کے جواب میں یہ کہنا اور معنے ہی کیا رکھتا ہے بجز اس کے کہ ان پر اُتارے ہوئے کے ماسواء جو کچھ ہے اگرچہ وہ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ ہے پر یہ اس پر ایمان نہیں لاتے۔ حالانکہ یہ بھی جانتے کہ وہی خالص حق ہے اور ان کی کتابیں حق و باطل سے ملی ہوئی ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ وہی ان کی مصدق اور کھرا کرنے والی ہے جو کہ ان کے پاس ہیں۔ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ باطل کے ملنے سے وہ ایسی ہو گئی ہیں کہ جب تک وہ کھری نہ کی جاویں تب تک نہ وہ قابل اعتبار ہیں اور نہ دستور العمل ہونے کے لائق ہیں۔ لیکن باوجود اس کے پھر بھی اس غیر سے انکار کرتے ہیں اور ان پر ایمان لانے کا اقرار کرتے ہیں۔ پس ان کا یہ جواب وہ ہے جو صاف بتاتا ہے کہ ان کا انکار محض اسی خیال سے ہے۔ اور پھر جس طرح ان کے اس خیال کی تغلیط اَنْ یُّنَزِّلَ اللّٰہُ الخ کے ضمن میں فرمائی تھی اسی طرح وَ ھُوَ الْحَقُّ الخ کے ساتھ بھی فرمائی ہے۔ یعنی جب ان کو یہ معلوم ہے کہ ایک وہی باطل اور جھوٹ سے پاک ہے اور سب میں ان کی ملونی ہو گئی ہے اور پھر یہ بھی جانتے ہیں ایک یہی ان کے حق و باطل اور سچ اور جھوٹ کا امتیاز کرنے والی ہے۔ پس اگر اس کو نہ مانا جائے تو وہ بلا مصدق رہیں اور

بلا مصدق رہنے میں ان کے حق و باطل اور صدق و کذب کا امتیاز نہیں۔ اور امتیاز نہ ہونے میں وہ قابل اعتبار اور لائق دستور العمل نہیں اور جب قابل اعتبار اور لائق دستور العمل نہیں تو پھر ان پر ایمان کیوں اور کس طرح اور کس کے لئے۔

یہود کے سابقہ کتابوں پر ایمان کی نفی کی دلیل:

اور جب اس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ اس کے نہ ماننے کی صورت میں ان پر بھی ایمان نہیں ہو سکتا جو کہ ان کے پاس ہیں اور جن کے ایمان کا وہ دعویٰ کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ تو خداوند کریم نے قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ الخ میں ان کے عمل و درآمد سے مدلّل طور پر ثابت کر دیا کہ وہ اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لاتے ہیں بلکہ بتایا ہے کہ اب تو کیا پہلے بھی ان پر ان کا ایمان نہ تھا۔ اور اس کو یوں ثابت کیا ہے کہ خداوند کریم نبی کریم ﷺ یا ہر ایک دریافت کرنے والے کو کہتا ہے کہ تم ان سے دریافت تو کرو کہ اگر تم مومن تھے تو پھر تم ان کتابوں کے لانے والوں اور ان کی تبلیغ کرنے والے نبیوں کو کیوں قتل کرتے تھے۔ یعنی ان پر ایمان لانا تو اس کو چاہتا تھا کہ تم ان کے سچے تابعدار اور جاں نثار مددگار ہوتے نہ کہ ان کے قاتل بلکہ قاتل ہونا تو اس کو چاہتا ہے کہ تم ان کتابوں کے دشمن تھے لہٰذا ان کے لانے والوں اور ان کی تبلیغ کرنے والوں کو قتل کے ذریعہ سے مٹاتے تھے۔

اور یاد رہے کہ قرآن مجید میں جو بات کسی ضمنی سوال کے جواب کے لئے یا کسی ضمنی بات پر بطور دلیل مذکور ہوا کرتی ہے وہ اس سوال کے جواب اور استدلال کے علاوہ اصل مقصد کے اثبات میں بھی پوری ہوتی ہے یہاں تک کہ اگر کسی امر کے دلائل بیان ہو رہے ہوں تو وہ سلسلہ دلائل کی ایک مستقل جزو اور مضبوط کڑی ہوتی ہے۔ مثلاً بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ الخ اگر اس احتمال کے رفع کے لئے لایا گیا ہے تو ان کے ایمان سے ناامید کرنے کے لئے بھی ایک دلیل ہے اور وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا الخ اگر اثبات بغاوت کے لئے لایا گیا ہے تو وہ بھی ان کے ایمان کی طمع کو کاٹنے میں قوی دلائل سے ہے اور اسی طرح قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ الخ اگر ان کے دعویٰ مذکور کی تغلیط کے لئے آیا ہے تو ان کے ایمان کے قطع طمع کے اثبات میں دوسرے دلائل سے کچھ کم بھی نہیں ہے۔

آیت 93 تا 94: وَ لَقَدۡ جَآءَکُمۡ مُّوۡسٰی بِالۡبَیِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذۡتُمُ الۡعِجۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ وَاَنۡتُمۡ ظٰلِمُوۡنَ۔ وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَکُمۡ وَ رَفَعۡنَا فَوۡقَکُمُ الطُّوۡرَ خُذُوۡا مَاۤ اٰتَیۡنٰکُمۡ بِقُوَّۃٍ وَّ اسۡمَعُوۡا قَالُوۡا سَمِعۡنَا وَ عَصَیۡنَا وَاُشۡرِبُوۡا فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الۡعِجۡلَ بِکُفۡرِہِمۡ قُلۡ بِئۡسَمَا یَاۡمُرُکُمۡ بِہٖۤ اِیۡمَانُکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ۔

تشریح الفاظ:

ان آیات کریمہ میں عموماً جس قدر الفاظ آئے ہیں ان کی تشریح مفصل طور پر پہلے بیان ہو چکی ہے بلکہ ان کی تفسیر بھی پہلے گزر چکی ہے۔ ہاں جس قدر الفاظ نئے آئے ہیں ان کی تشریح درج کی جاتی ہے۔

اِسۡمَعُوۡا۔ سِمَاعٌ سے ہے، جس کے معنے اصل میں سننے کے ہیں اور بہت دفعہ اس کے معنے سِمَاعٌ قبول یعنی قبولیت کے بھی آتے ہیں۔ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنۡ حَمِدَہٗ[1] میں بھی سِمَاعٌ قبول ہی کے معنے ہیں۔

عَصَیۡنَا۔ عِصۡیَانٌ سے ہے جس کو معنے نافرمانی کے ہوتے ہیں۔

اُشۡرِبُوۡا۔ اِشۡرَابٌ سے ہے اور وہ شُرۡبٌ سے بنایا ہوا ہے۔ شُرۡبٌ کے معنے پینے کے ہیں اور اِشۡرَابٌ کے معنے ہیں دوسرے کو کوئی چیز پلانے کے۔ پس اُشۡرِبُوۡا کے معنے ہوئے کہ ان کو پلائی گئی ہے یعنی کوئی چیز ان کو پلائی گئی ہے۔

ترجمہ:

اور ضرور ہی موسیٰ تمہارے پاس کھلی باتوں (یا نشانوں اور دلیلوں) کے ساتھ آیا (یا کھلی باتیں لایا) اور پھر اس کے بعد متصل تم نے وہ بچھڑا بنالیا (یا اس بچھڑے کو معبود بنالیا)

[1]۔ اللہ نے سن لی اس کی جس نے اس کی تعریف کی۔ (از مرتب)

اس حالت میں کہ تم ظالم (مشرک) تھے (یا اور تم ظالم لوگ ہو) اور یاد کرو جبکہ ہم نے تمہارا پختہ عہد لیا اس حالت میں کہ طُور کو ہم نے تمہارے اوپر بلند کیا۔ مضبوطی کے ساتھ اُس کو پکڑو جو کہ ہم نے تمہیں دیا ہے اور سنو (یا قبول کرو) انہوں نے کہا ہم نے سُنا اور ہم نے نافرمانی کی اور ان کو ان کے دلوں میں وہ بچھڑا پلایا گیا ان کے کفر کے سبب سے۔ کہہ دے وہ چیز کیا ہی بُری ہے جس کا تمہارا ایمان حکم دیتا ہے اگر تم مومن تھے۔

تفسیر:

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ۔ جب ان کے ایمان سے ناامید کرنے اور ان کے دعویٰ نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا[1] (البقرۃ:92) کی تغلیط ثابت کرنے کے لئے لِمَ تَقْتُلُوْنَ[2] الخ (البقرۃ:92) فرمایا تو یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ وہ اس کے جواب میں یہ کہدیں کہ جن انبیاءؑ کو ہم نے قتل کیا ہے یہ تو وہ تھے جن کے نبی ہونے میں ہمیں کلام تھا۔ تو خداوند تعالیٰ نے اس کی تردید کے لئے وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى الخ فرمایا ہے۔ یعنی اگر تم نے ان انبیاء کی اس وجہ سے مخالفت کی تھی کہ ان کی نبوت تمہارے نزدیک ابھی مسلم نہ ہوئی تھی تو اس میں تو کوئی کلام نہیں کہ موسیٰ کی رسالت میں تو تمہیں کوئی کلام نہ تھا تو پھر اس کی کیوں مخالفت کی؟ اور دوم اس لئے بھی اس کو ذکر فرمایا ہے کہ اس سے بھی ان کے ایمان سے ناامیدی ثابت ہوتی ہے۔

بَيِّنَاتٌ سے وہ کھلے کھلے دلائل اور آیات و معجزات مراد ہیں جو کہ حضرت موسیٰ کی رسالت اور توحید باری پر روشن ترین براہین تھے۔ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ میں اکثر مفسرین نے یہی لکھا ہے کہ الٰھًا یہاں پر مقدر ہے یعنی تم نے بچھڑے کو معبود بنالیا۔ لیکن ظاہر یہی ہے اس قدر تکلّف اور تقدیر کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور معنے یہ ہیں کہ تم نے بچھڑا بنالیا۔ اور یہاں پر اتنا کہنا کافی تھا کیونکہ یہ امر معروف اور مشہور تھا کہ وہ عبادت کے لئے بنایا گیا تھا اور پھر اس کے ساتھ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ اس کا بڑا بھاری قرینہ موجود ہے۔ اس لئے کہ اگرچہ بعض مفسرین نے اس کو حال نہیں بنایا اور معنے یہ کئے ہیں کہ اور تم ظالم لوگ ہو یعنی تمہاری عادت ہی ظلم کرنے

[1] ۔ ہم (تو) اس پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر اتارا گیا ہے۔ (تفسیر صغیر)
[2] ۔ تم کیوں... قتل کے درپے رہے ہو۔ (تفسیر صغیر)

اور حد سے گزرنے کی ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ یہ حال ہے اور ظلم کے معنے یہاں پر شرک کے ہیں جیسا کہ قرآن مجید نے فرمایا ہوا ہے کہ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان:14)(بے شک شرک بڑا ظلم ہے)اور معنے یہ ہیں کہ تم نے بچھڑے کو اس حالت میں بنایا کہ تم شرک کرنے والے تھے۔ تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں الٰھًا کے ذکر کی ضرورت ہی نہیں بلکہ اس کا لینا مضر ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ موسٰی تمہارے پاس اپنی رسالت اور توحید الٰہیہ کے کھلے دلائل اور نشانات لائے تھے جن کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اس کے ہر ایک قول پر خصوصاً جس توحید کے مسئلہ پر موسٰی بہت زور دیتے تھے اس پر بہت ہی کاربند ہوتے اور کبھی خلاف ورزی نہ کرتے خواہ بہت ہی زمانہ گزر جاتا۔ لیکن باوجود اس کے موسٰی کے چالیس دن کے لئے پہاڑ پر جانے کے بعد متصل ہی تم بچھڑا بنا کر خدائے وحدہ لاشریک کے ساتھ شرک کرنے والے بن گئے۔ اور ظاہر ہے کہ جس طرح اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے مسلّم نبی کی سخت خلاف ورزی کی ایسا ہی اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کے ایمان کی طمع غلط ہے۔ اور بعینہٖ اسی مطلب کے لئے اس کے بعد وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ الخ لایا گیا ہے۔ اخذ میثاق اور رفع طور کا مطلب پہلے مفصل بیان ہو چکا ہے ہاں یہاں پر سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا کا مطلب بیان کرنا ضروری ہے۔

سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا کا مطلب و تشریح:

پس واضح ہو کہ یہاں پر یہ دونوں قَالُوْا کے بعد آئے ہوئے ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا کے جواب میں انہوں نے یہ دونوں بولے ہیں۔ تو مفسرین کی طبیعتوں نے اس کو پسند نہیں کیا کہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم آئے کہ جو ہم نے تم کو دیا ہے اس کو مضبوطی سے پکڑو اور اس کو سنو اور قبول کرو اور وہ جواب میں کہیں کہ ہم نے سنا اور نافرمانی کی۔ اور مفسرین کے طبائع کے نہ قبول کرنے کا ایک بڑا محرک رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ کے وہ معنے ہیں جو انہوں نے کئے ہوئے ہیں کہ توریت کے منوانے کے لئے حضرت جبریل طور پہاڑ کو جڑھ سے اُکھاڑ کر ان کے سر کے اوپر لے کر کھڑے ہو گئے۔ اور ان کو کہا گیا کہ مانتے ہو تو مانو ورنہ یہ طُور تمہارے اوپر ڈال دیا جاوے گا۔ پس ظاہر ہے کہ

ایسے وقت میں ان کا یہ کہنا کس طرح کسی عقل میں آسکتا ہے کہ ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی۔ پس بعض نے اس کے یہ معنے کئے ہیں کہ جب ان کو یہ کہا گیا کہ مضبوطی سے اس کو پکڑو جو کہ ہم نے تم کو دیا ہے اور سنو۔ تو اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ ہم نے اس سے پہلے بھی بہت سے حکم سنے اور قبول کئے تھے اور ان کی نافرمانی بھی کی تھی۔ پس اس وجہ سے ہم اب ڈرتے ہیں کہ اب بھی ایسا ہی ہم سے واقع نہ ہو۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے زبان قَالَ سے تو یہ کہا کہ ہم نے سنا اور قبول کیا اور زبان حال سے کہا کہ ہم نے نافرمانی کی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ سَمِعْنَا کے ساتھ ہی انہوں نے عَصَيْنَا بھی کہہ دیا تھا تا کہ یہ لازم آئے کہ ایک ہی وقت میں انہوں نے یہ دو متخالف باتیں کس طرح کہہ دیں کہ ہم نے سنا اور قبول کیا اور ہم نے اس کی نافرمانی کی بلکہ پہلے انہوں نے کہا تھا کہ ہم نے سنا اور قبول کیا اور پھر کچھ مدت کے بعد انہوں نے یہ کہا کہ ہم نے نافرمانی کی اور یہ بعینہٖ ایسا ہی ہے جیسا کہ خداوند کریم نے ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ فرما کر یہ ظاہر کیا ہے کہ قبول کرنے کے کچھ عرصہ بعد پھر گئے۔

حضرت مولانا خلیفۃ المسیحؓ نے اس کے دو معنے کئے ہیں۔

اوّل کی تفصیل یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے خداوند تعالیٰ کا کلام سننے اور خداوند تعالیٰ کے دیکھنے کا حضرت موسیٰ سے سوال کیا تھا تو رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ کے بیان میں گزر چکا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے موسیٰ کو حکم دیا کہ فلاں دن بنی اسرائیل کو پہاڑ کے نیچے لے آؤ تا کہ میں ان پر ظاہر ہوں اور وہ میرے کلام کو سنیں۔ تو جب حضرت موسیٰ ان کو پہاڑ کے دامن میں لے آئے تو خداوند تعالیٰ نے پھر حضرت موسیٰ کو نیچے اُترنے کا حکم دیا کہ جا کر ان کو سخت تاکید کر دو کہ کوئی پہاڑ کے نہ اوپر آئے اور نہ اس کو چھوئے ورنہ ہلاک کیا جاوے گا۔ اور اسی طرح کچھ باتیں بھی ان کو کہیں اور ان کے قبول کرنے اور ان پر عملدرآمد کرنے کی سخت تاکید کی گئی تھی۔ جس کو انہوں نے سَمِعْنَا کہہ کر قبول کیا تھا۔ لیکن جب بادل گرجنے لگے اور زور و شور سے بجلیاں چمکنے لگیں اور پہاڑ میں سخت زلزلہ آیا جس سے بنی اسرائیل بہت ہی ڈر گئے تو اس وقت انہوں نے حضرت موسیٰ کے آگے التجاء کی کہ ہم آئندہ کبھی

بھی خدا کا کلام نہیں سننا چاہتے۔ خداوند تعالیٰ کے حکم کے بعد ان کا ایسا کہنا نافرمانی تھی پر انہوں نے کہا ہم نافرمان بنتے ہیں پر خدا کا کلام ہرگز نہیں سننا چاہتے۔ پس اِسۡمَعُوۡا کے معنے ہوئے پہاڑ کی حد بست وغیرہ کے متعلق جو کچھ حکم ہوا تھا وہ ہم نے سن لیا اور عَصَیۡنَا کے معنے ہوئے کہ کلام سننے کے متعلق جو کچھ فرمایا ہے وہ ہم نہیں سنتے۔

اور دوسرے معنے یہ ہیں کہ بارہا پہلے میں بیان کر آیا ہوں کہ قَالَ کے معنے لغت عرب میں ظاہر کرنے کے ہوتے ہیں نہ فقط بات ہی کرنے کے۔ تو اب قَالُوۡا کے معنے ہوئے انہوں نے ظاہر کیا۔ پس سَمِعۡنَا تو زبان سے ظاہر کیا کہ ہم نے سنا اور قبول کیا۔ اور عَصَیۡنَا اپنے اعمال اور اپنی کرتوتوں سے ظاہر کیا یعنی عملی رنگ کے ساتھ یہ ظاہر کیا کہ ہم نافرمان احکام الٰہیہ ہیں۔ لیکن میرے خیال میں اگر اس کو بالکل ظاہر پر رکھا جائے اور کوئی تاویل نہ کی جائے تو کوئی حرج نہیں بلکہ جیسا لفظوں سے وہ ظاہر ہے ایسا ہی اس مقام اور اصل مقصود کے بھی وہی مطابق تر ہے۔ طُور ان کے اوپر جڑھ سے اکھاڑ کر رکھنے کی تو بات ہی غلط ہے۔

بنی اسرائیل کو دراصل تین حکم دیئے گئے:

اب رہا ان دو کا ایک وقت ان کا کہنا تو اس میں کوئی منافات نہیں ہے۔ کیونکہ ان کو بظاہر دو حکم ہوئے تھے اور حقیقت میں تین تھے اس لئے کہ اسۡمَعُوۡا میں ایک تو یہ حکم تھا کہ جو کچھ تم کو کتاب اللہ سے سنایا جائے اس کو سنو اور دوم یہ کہ اس کو قبول کرو یعنی اس پر ایمان لاؤ اور اس کو مان لو اور خُذُوۡا مَاۤ اٰتَیۡنٰکُمۡ بِقُوَّۃٍ میں یہ حکم تھا کہ جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اس کو مضبوط پکڑو یعنی اس پر مضبوطی کے ساتھ عملدرآمد رکھو اور اس کو دستور العمل بناؤ اور خواہ اس میں کیسے ہی مشکلات تمہیں پیش آئیں پر تم کبھی سُستی اور تساہل کو ہرگز نزدیک نہ آنے دو۔ پس ان تین حکموں کا ان کو جواب دینا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ پہلے اور دوسرے حکم کے مان لینے میں تو نہ کوئی مشقت لاحق ہوتی تھی اور نہ ان کی تسلیم کے اظہار میں سوائے زبانی قیل و قال کے کسی عمل وغیرہ کی ضرورت ہوتی تھی۔ پر تیسرے حکم کے تسلیم کرنے میں بڑی مشقت اُٹھانی پڑتی تھی اور نفسانی خواہشات کے گلے پر چھری پھیرنی پڑتی تھی اور اس کی تسلیم کا اظہار عملی ثبوت کا محتاج تھا۔

بنی اسرائیل کی طرف سے تین حکموں کا جواب:

لہٰذا جس طرح یہ تین احکام دو لفظوں میں ذکر ہوئے تھے۔ اسی طرح ان کا جواب بھی انہوں نے دو لفظوں میں یوں دیا کہ پہلے دونوں کی نسبت تو سَمِعْنَا کہہ کر ظاہر کیا کہ ہم نے ان دونوں کو مان لیا اور ان کی تعمیل کر دی یعنی سُن بھی لیا اور قبول بھی کر لیا لیکن تیسرا جو کہ مشکل تھا اس کی نسبت کہہ دیا کہ عَصَیْنَا یعنی ہم سے ایسے سخت ترین اور بہت بڑی تعداد کے احکام پر عملدرآمد ہر گز نہیں ہو سکتا۔ اور دنیا میں یہ عام قاعدہ ہے کہ جب کسی مذہب میں ضعف آجاتا ہے اور مذہب کی روح جو کہ عملدرآمد ہے اس کے اتباع میں نہیں رہتی اور سوائے چند ایک رسوم کے اس کے مسائل اور احکام پر خواہ کیسے ہی ضروری کیوں نہ ہوں عملدرآمد نہیں رہتا۔ اور اس کے اتباع پر اعتراض ہوتے ہیں کہ تم کیسے اس کے پیرو کہلا سکتے ہو جبکہ اس کے مطابق تم میں عملدرآمد نہیں۔ تو ایسے وقت میں ضرور ہی ان لوگوں کے علماء ان میں یہ باریک پر گندہ اور جھوٹا فلسفہ جاری کر دیتے ہیں کہ کسی مذہب میں داخل ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کے مطابق عملدرآمد بھی ہو بلکہ اس کے واسطے اسی قدر ضروری ہے کہ یہ چند باتیں جو کہ عقائد سے ہیں ان کو تسلیم کیا جائے اور ان کا سچا اعتقاد اور ایمان ہو۔ اور اس کے علاوہ اکثر عمل بھی ہو تو عمدہ ہے ورنہ تُو اس مذہب میں داخل ہونے اور اس کے پیرو بننے اور اس کا مخصوص نام اطلاق پانے میں عمل کی کوئی ضرورت نہیں اور اعتقاد کافی ہے۔

اسلام میں اعمال کے مدارج کا بیان:

اور مذاہب کو تو جانے دیں اسلام وہ مذہب ہے کہ جس نے عام طور پر اعمال کی ضرورت کو مفصل طور پر تو بیان کیا ہی تھا پر اس کو بھی نظر انداز نہیں کیا کہ اعمال کی ضرورت کے مدارج تک بھی بیان کر دیئے تھے۔ اور صاف کہہ دیا تھا کہ فلاں فلاں کام ایسے اعلیٰ درجہ کے ضروری ہیں کہ ان کے ترک سے انسان کافر ہی ہو جاتا ہے مثلاً نماز کی نسبت بتایا گیا تھا کہ جو عمداً صلوۃ کو ترک کرے وہ کافر ہے پر باوجود اس کے جب اس کے اتباع میں ضعف آیا اور بیرونی اعتراضوں کے علاوہ طبائع خود ملزم ٹھہرانے لگیں اور عوام کے اعتراض کا علماء کے

دلوں میں سخت اندیشہ پیدا ہوا تو علماء نے یہ تعلیم عام کر دی کہ مومن اور مسلمان ہونے کے لئے کوئی نماز روزے حج اور زکوٰۃ وغیرھا اعمال کی چنداں ضرورت نہیں ہے بلکہ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ الخ پر ایمان لانا یعنی اس کا اعتقاد رکھنا اور تسلیم کر لینا ہی کافی ہے۔

یہودیوں کا اعمال کو غیر ضروری خیال کرنا:

تو یہود کا بھی سخت بد اعمالی کے باعث یہی خیال ہو گیا تھا کہ یہودیت کیلئے اسی قدر کافی ہے کہ اللہ اور اس کی صفات اور توحید پر اور اس کی کتاب اور رسولوں اور دوسرے اعتقادی امور پر اعتقاد رکھ کر قبول اور تسلیم کر لیا جاوے اور اعمال کے نہ ہونے سے یہودیت میں کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ پس اسی اعتقاد اور اسی خیال کی بنا پر انہوں نے سننے اور قبول کرنے کا تو یہ جواب دیا کہ ہم نے سنا اور قبول کیا اور عملدرآمد رکھنے کے جواب میں کہہ دیا کہ ہم نے اس کی نافرمانی کی۔ کیونکہ ان کا اعتقاد تھا کہ عمل کے ترک سے کچھ یہودیت میں نقص عائد نہیں ہوتا۔ اور غالباً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عصیان کا لفظ بھی انہوں نے اسی مسئلہ کی اصطلاح کے باعث اختیار کیا ہے کیونکہ وہ کہا کرتے ہیں کہ ترک عمل سے معصیت ہوتی ہے پر کفر لازم نہیں آتا اور اس کا بڑا بھاری قرینہ اس کے بعد خداوند تعالیٰ کا یہ فرمانا ہے کہ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ (جس چیز کا تمہارا ایمان حکم کرتا ہے وہ بہت ہی بُری ہے اگر تم مومن ہو) کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ایمان کا دعویٰ یہاں پر بھی کیا ہے اور یہ بھی کہ ایمان کے حکم اور اثر اور مقتضا کے خلاف بھی کچھ کہا ہے تب ہی ان کو یہ کہا گیا ہے۔ پس ایمان کا تو سَمِعْنَا میں دعویٰ کیا ہے اور عَصَيْنَا میں یعنی عمل نہ کرنے میں ایمان کے اثر کے خلاف کیا ہے۔ پس اس قرینہ سے یقیناً ثابت ہوتا ہے کہ اس کا وہی مطلب ہے جو کہ اوپر بیان ہوا ہے اور وہی اس مقام کے مناسب ہے۔

کفر پر رہنے کی وجہ سے گوسالہ کی محبت اور مفسرین:

وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ۔ اکثر مفسرین نے تو اِشْرَابٌ کے معنے پلانے کے لئے ہیں۔ لیکن بچھڑے کے پلائے جانے کے چونکہ بظاہر معنے درست نہ ہوتے

تھے اس لئے بعضوں نے تو کہا کہ یہاں پر العِجْلَ سے پہلے حُبّ کا لفظ مقدر ہے یعنی ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت پلائی گئی ان کے کفر کے سبب سے۔ مطلب یہ کہ چونکہ وہ ہمیشہ کفر پر جمے رہے اس لئے گوسالہ کی محبت بھی ان کے دلوں میں ایسی گھس گئی جیسا کہ پانی گھس جاتا ہے۔ بعض نے کہا کہ العِجْلَ سے اس کی صورت مراد ہے یعنی کفر کے باعث سے گوسالہ کی صورت ان کے دلوں میں اثر کر گئی جیسا کہ پانی پینے والے میں اثر کر جاتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ توریت سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسٰی نے بچھڑے کی راکھ کو پانی میں ملا کر بعض کو پلائی تھی۔ اور سُدّی مفسر نے روایت کیا ہے کہ حضرت موسٰی نے اس کا برادہ کر کے اور پانی میں ملا کے سب کو پلایا تھا تو جن کے دلوں میں اس کی محبت تھی وہ برادہ ان کے حلق سے نیچے نہ اُترا تھا۔ تو توریت اور اس روایت کے مطابق بچھڑے کے پلائے جانے کا یہ مطلب ہے کہ اس کی راکھ یا برادہ ان کو پلایا گیا تھا۔

البتہ دلوں میں پلائے جانے کی کوئی مناسب وجہ نہیں بیان کر سکے اور حضرت مولانا خلیفۃ المسیحؑ نے بھی یہ توجیہ بیان فرمائی ہے لیکن آپ نے بھی دلوں میں پلائے جانے کی کوئی توجیہ ذکر نہیں فرمائی اور بعض نے اِشْرَابٌ کے معنے مطلق ملائے جانے کے لئے ہیں جیسا کہ دو رنگوں کے ملنے کے وقت بولا کرتے ہیں اور توجیہ وہی محبت یا صورت والی کی ہے۔ اور بعض نے اِشْرَابٌ کو اَشْرَبْتُ الْبَعِیْرَ (میں نے اونٹ کے گلے میں رسّا باندھا) سے قرار دے کر یہ معنے کئے ہیں کہ بچھڑا ان کے دلوں میں رسّے کے ساتھ جکڑا گیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ بنی اسرائیل جب مصر میں رہتے تھے اور فرعونی لوگ جو کہ گائے پرست تھے (جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے) ان سے ان کے دل میں بھی گائے پرستی کا مرض پیدا ہو گیا تھا۔ یا چونکہ ان مجسم یا حلولی فرعونیوں میں رہنے سے ان میں بھی یہ کفر گھر کر گیا ہوا تھا اور پھر ہمیشہ کفر کرتے رہتے تھے اور کفر کے عادی اور اس کے ساتھ دلچسپی رکھتے تھے۔ لہٰذا جب سامری نے یہ گوسالہ بنا کر ان کو اس کی پرستش کی ترغیب دی تو ان کے دلوں میں اس کا اثر ہو گیا۔ تو خداوند کریم ان دونوں کا یا دو میں سے ایک کا استعارہ کے رنگ میں ان الفاظ کے ساتھ بیان فرماتا ہے۔ یعنی چونکہ یہ لوگ کفر کے عادی اور اس کے دلدادہ تھے لہٰذا فرعونیوں اور سامری کی وجہ سے ان کے دلوں میں بچھڑے کی عظمت اور اس کی محبت اور

اس کی الوہیت اس طرح گھس گئی اور ان سے مل گئی کہ جس طرح ایک رنگ دوسرے رنگ سے مل جاتا ہے یا پانی پینے والے کے جسم میں خلط ملط ہو جاتا ہے۔

یہود کے ایمان کی کیفیت:

پس خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰکُمْ۔ وَا سْمَعُوْا۔ کے حکم کے جواب میں ان کا عَصَیْنَا کہنا اور موسوی دین پر ایمان لا کر اور اس کے مدعی بن کر پھر گوسالہ پرستی کرنی اور اس کی محبت اور عظمت والوہیت کو دلوں میں جگہ دینی یہ دو امر ہیں کہ

(رسالہ تفسیر القرآن جلد 4 نمبر 2 صفحہ 113 تا 159 بابت اپریل، مئی، جون 1909ء)

جب ان کے ساتھ دنیا کا یہ مسلمہ اور صحیح قاعدہ ملایا جائے (کہ درخت اپنے پھلوں سے پہچانے جاتے ہیں) تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ اوّل تو یہ لوگ پہلے بھی ایمان نہیں لائے اور اگر لائے ہیں تو پھر ان کا ایمان بدترین پھل لا تا رہا ہے اور اسی کی طرف قُلْ بِئْسَمَا یَاْمُرُکُمْ بِہٖٓ اِیْمَانُکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ میں توجہ دلائی گئی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ بنی اسرائیل کے سب زمانوں میں سے اعلیٰ درجہ کے ایمان اور اصلاح کا وہ زمانہ ہو سکتا ہے کہ جس میں فرعون ان کے سامنے اپنے سب لشکروں اور زوروں کے ساتھ غرق ہو گیا تھا اور یہ لوگ حضرت موسیٰ کی صحبت میں بیابان کی پاک فضا کے اندر رہتے تھے اور خداوند تعالیٰ کا تازہ بتازہ کلام سنتے اور زبردست نشانات مشاہدہ کرتے تھے۔ تو خداوند کریم نے اس زمانہ کے ان کے یہ کفر بیان فرما کر یہ ظاہر فرمایا ہے کہ جب اس خیر القرون میں تمہاری بنیادی نسل کی یہ حالت تھی تو پھر کون سا زمانہ متصور ہو سکتا ہے کہ جس میں تمہارا یہ دعویٰ صادق ہو سکے کہ نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا[1] (البقرۃ:92)

یہاں پر یہ نکتہ بہت ہی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ قرآن مجید میں جس قدر اخبار ماضیہ کا ذکر آیا ہے ان کی نسبت یہ تو بارہا بیان ہو چکا ہے کہ وہ تاریخ یا قصہ کے رنگ میں ہرگز نہیں ہیں۔ بلکہ وہ عبرتوں اور بعض دعاوی اور مسائل کے اثبات کے لئے بیان ہوتے ہیں۔ پر یہاں پر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کا تکرار بھی اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ یہ مختلف دعاوی کے مثبت اور رنگا رنگ کی عبرتوں کے موجب ہوتے ہیں لہٰذا جب کوئی دوسرا دعویٰ مذکور ہوتا ہے یا کوئی

[1] ۔ ہم (تو) اس پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر اتارا گیا ہے۔ (تفسیر صغیر)

اور عبرت مد نظر ہوتی ہے تو اس کے لئے پھر ان کو ذکر کیا جاتا ہے اور اس کو دنیا کی کسی زبان اور کسی مذہب اور کسی اصطلاح میں وہ تکرار نہیں سمجھا جاتا جو کہ عیب ہوتا ہے۔

خلاصہ مطلب:

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جب ان کے ایمان سے ناامید کرنے کے دلائل میں اور ان کے نُؤۡمِنُ بِمَآ اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا کے دعوے کی تردید کے لئے پہلے انبیاءؑ کے قتل کا ذکر آیا۔ تو یہ احتمال تھا بلکہ ایسے حق کے دشمنوں سے قوی اور غالب امید تھی کہ وہ یہ کہہ دیں کہ جن کو ہم نے قتل کیا ہے ان کی نبوت ورسالت ہمارے نزدیک ہر گز ثابت نہ ہوئی تھی تو اس وجہ سے خداوند کریم نے اس کے بعد ان کے ایمان سے ناامیدی ثابت کرنے والی ایک ایسی دلیل ذکر فرمائی ہے کہ جس سے ان کے اس اعتراض کا بھی جواب ہو جائے اور وہ یہ ہے کہ پہلے بتایا کہ اس میں ذرہ بھی شک نہیں کہ تم نے اگرچہ عملی رنگ سے یہ ثابت کیا ہے کہ موسیٰ کوئی بینات تمہارے پاس نہیں لائے پر وہ تمہارے پاس بڑے کھلے کھلے دلائل اور نشان لائے جن کا زبانی طور پر تم کو بھی اقرار ہے اور کبھی انکار نہیں کر سکتے (پس ان بینات کا اور موسیٰ جیسے عظیم الشان رسول کے آنے کا تو یہ اثر تھا کہ تم سچے اور مخلص مومن اور متقی ہو جاتے لیکن تم نے موسیٰ کے پہاڑ پر چند دن کے واسطے جانے کے بعد متصل ہی بچھڑا بنالیا اور بنایا بھی ایسے طور پر کہ تم شرک کرنے والے تھے۔

عہد کو یہود نے توڑا اور اس کا انجام:

اور پھر یاد کرو کہ جب ہم نے تم سے عہد لیا اس حالت میں کہ طُور کو تمہارے اوپر اونچا رکھا تھا (اور کہا تھا کہ) جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اس کو مضبوط پکڑو اور سنو اور قبول کرو تو بالکل ناآشنا اور اجنبی بن کر تم نے کہہ دیا کہ ہم نے سنا اور قبول کیا اور نافرمانی کی یعنی عمل نہیں ہو سکتا اور پھر اس کے آگے بتایا ہے کہ اس قدر کمزوری انہوں نے کیوں دکھائی تو بتایا کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت اور اس کی عظمت گھر کر گئی تھی تو جس طرح اس نے ان کے کفر کے سبب سے ان کے دلوں میں سرائیت کی تھی اسی طرح اس بچھڑے کی عظمت کے گھر کرنے سے ان سے یہ کچھ ظاہر ہوا اور اس کے بعد قُلۡ بِئۡسَمَا يَاۡمُرُكُمۡ بِهٖٓ

اِیۡمَانُکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ فرما کر اس غرض اور نتیجہ کو ظاہر کیا جو کہ حضرت موسٰی کے بینات لانے کے بعد ان سے دو واقعہ ظاہر ہونے سے حاصل ہوتا ہے۔

احکام الٰہی کا انکار:

اور وہ ایک تو یہ ہے کہ جب اس خیر القرون اور افضل الازمنہ میں (کہ جس کی خیریت اور افضلیت ان کو بھی مسلم ہے) بینات کے مشاہدہ کے بعد انہوں نے گوسالہ پرستی کے شرک کا ارتکاب کیا حالانکہ ایسی تصویریں بنانے اور ان کے گھروں میں رکھنے تک کی سخت ممانعت تھی۔ اور پھر جب احکام الٰہی کے سننے اور قبول کرنے اور ان پر مضبوطی سے کاربند ہونے کا ان کو حکم دیا گیا تو انہوں نے عمل سے صاف انکار کر دیا جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی ان میں ایمان نہ تھا اور اگر بقول ان کے ایمان تھا تو پھر اس میں شک نہیں کہ پھر وہ بہت ہی بُرا حکم دینے والا تھا۔ لیکن ایمان تو بُرا حکم کبھی نہیں دیتا لہٰذا یہی کہنا پڑتا ہے کہ ان میں ایمان نہ تھا۔ تو جب اس وقت بھی ان کو مَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡنَا (البقرۃ:92) (جو ہم پر اتارا گیا ہے) پر ایمان نصیب نہ ہوا تو پھر اور کون سا زمانہ ہو سکتا ہے کہ جس میں ان کا یہ دعویٰ صحیح ہو سکتا ہو۔ تو اس سے جس طرح ان کا یہ دعویٰ باطل ہوتا ہے کہ ہم مَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡنَا پر ایمان لاتے ہیں۔ یا ان کا یہ عذر باطل ہوتا ہے کہ جن انبیاء کو ہم نے قتل کیا تھا ان کی نبوت مسلم نہ تھی۔ (کیونکہ حضرت موسٰی کی نبوت تو مسلم تھی تو پھر اس کا کیوں خلاف کیا گیا) اسی طرح ان کے ایمان سے ناامیدی بھی ثابت ہوتی ہے۔

آیت 95 تا 97: قُلۡ اِنۡ کَانَتۡ لَکُمُ الدَّارُ الۡاٰخِرَۃُ عِنۡدَ اللّٰہِ خَالِصَۃً مِّنۡ دُوۡنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ۔ وَلَنۡ یَّتَمَنَّوۡہُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتۡ اَیۡدِیۡہِمۡ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِالظّٰلِمِیۡنَ۔ وَلَتَجِدَنَّہُمۡ اَحۡرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَیٰوۃٍ وَ مِنَ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡا یَوَدُّ اَحَدُہُمۡ لَوۡ یُعَمَّرُ اَلۡفَ سَنَۃٍ وَ مَا ہُوَ بِمُزَحۡزِحِہٖ مِنَ الۡعَذَابِ اَنۡ یُّعَمَّرَ وَاللّٰہُ بَصِیۡرٌۢ بِمَا یَعۡمَلُوۡنَ۔

تشریح الفاظ:

دَارٌ۔ عربی زبان میں حویلی کو کہتے ہیں اور مجازاً دنیا اور آخرت کے جہان کو بھی دار کہا جاتا ہے۔

خَالِصَۃً۔ خُلُوْصٌ سے ہے۔ جس کے معنے خالص اور مخصوص ہونے کے ہیں۔

دُوْنَ کے معنے سوا، ورے، پاس، کم وغیرہ کے ہوتے ہیں۔

تَمَنَّوْا۔ تَمَنِّیٌ سے ہے۔ جس کے معنے آرزو کرنے کے ہیں۔

قَدَّمَتۡ۔ تَقْدِیْمٌ سے ہے، جس کے معنے آگے کرنے اور پیش کرنے کے ہیں۔

ظَالِمِیۡنَ۔ ظُلْمٌ سے ہے، جس کے معنے تعدّی اور کمی کرنے اور حد سے گزرنے اور شرک کرنے کے ہیں۔

لَتَجِدَنَّ۔ تین لفظوں سے مرکب ہے، لام سے جو بمعنے تاکید ہوتا ہے اور قسم کے معنے ادا کرتا ہے۔ دوم تَجِدُ سے جو کہ وِجْدَانٌ سے ہے، جو بمعنے پانے کے ہیں۔ پس تَجِدُ کے معنے ہوئے تم پاؤ گے یا پاتے ہو اور مشدّد نون سے جس کے معنے تاکید کے ہوتے ہیں پس تینوں کے ملنے سے معنے یہ ہوئے کہ واللہ ضرور ہی تم پاؤ گے۔

اَحۡرَصَ۔ حِرْصٌ سے ہے اور اس کے معنے مشہور ہیں اور اَحۡرَصَ کے معنے زیادہ حرص کرنے والے کے ہیں۔

یَوَدُّ۔ وُدٌّ اور وِدَادٌ سے بنا ہوا ہے، جس کے معنے محبت اور پسند کرنے کے ہیں۔

لَوْ کے معنے اگر اور کاش اور کہ یعنی اَنْ کے معنوں کی مانند آتے ہیں۔ پہلا لَوْ اِنْ کی طرح شرطیہ کہلاتا ہے اور دوسرا لَیْتَ کی طرح تمنی کا حرف کہلاتا ہے اور تیسرے کو مَا اور اَنْ کی طرح مصدریہ کہتے ہیں کیونکہ ان کے بعد جو فعل آتا ہے وہ بمعنے مصدر ہو جاتا ہے۔

یُعَمَّرُ۔ تَعْمِیْرٌ سے ہے اور وہ عُمْرٌ سے بنایا گیا ہوا ہے۔ عُمْرٌ کے معنے تو مشہور ہیں اور تَعْمِیْرٌ کے معنے عمر دینے کے ہیں، پس تَعْمِیْرٌ کے معنے ہوئے عمر دیا جاتا ہے یا دیا جاوے گا۔

اَلْفٌ بمعنے ہزار ہے۔ اور سَنَۃٌ بمعنے سال ہے۔

اور مَا ھُوَ بِمُزَحْزِحِہٖ میں جو ھُوَ ہے اس کے معنوں میں اختلاف ہے جو کہ انشاء اللہ تعالیٰ تفسیر میں مذکور ہو گا اور یہاں پر اس قدر بتانا ضروری ہے کہ مُزَحْزِحٌ۔ زَحْزَحَۃٌ سے ہے اور وہ زَحَّ سے باب فَعْلَلَۃٌ (دَحْرَجَۃٌ) کا ہمرنگ بنایا گیا ہوا ہے جیسا کَبَّ کَبْکَبَ اس کے وزن پر لے کر حرف کی زیادتی کے ساتھ بنایا گیا ہوا ہے۔ اور زَحَّ کے معنے دُور کرنے اور زَحْزَحَۃٌ کے معنے بہت دور کرنے کے ہیں۔ پس مُزَحْزِحٌ کے معنے بہت دور کرنے والے کے ہوئے۔

بَصِیْرٌ۔ بَصَرٌ سے ہے اور اس کے معنے آنکھ کے اور دیکھنے کے آتے ہیں۔ تو بَصِیْرٌ کے معنے ہوئے دیکھنے والا۔

ترجمہ:

تو کہہ اگر پیچھے آنے والی حویلی اللہ کے پاس سے لوگوں کے سوا خالص تمہارے ہی لئے ہے تو اس موت کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو۔ اور جو کچھ ان کے ہاتھ پیش کر چکے ہیں اس کے سبب سے کبھی اس کی آرزو نہ کریں گے اور اللہ ان ظالموں کو خوب جاننے والا ہے اور تم ان کو زندگی پر بہت ہی حریص پاؤ گے سب لوگوں سے اور ان سے بھی جو کہ شرک کرتے ہیں۔ ہر ایک ان کا چاہتا ہے کہ کاش وہ ہزار سال عمر دیا جائے۔ حالانکہ وہ ایسا نہیں کہ عمر دیا جانا اس کو عذاب سے کچھ بھی دُور کرنے والا ہو۔ اور اللہ ان کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے جن کو وہ کر رہے ہیں (یا کریں گے۔)

تفسیر:

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ الخ۔ میں نے پہلے بتایا ہے کہ ان کے ایمان سے لاطمع کرنے کے واسطے اور دوم ان کے بدی اور نافرمانی پر دلیر ہونے کی وجہ اور اس کی جڑھ بیان کرنے کے واسطے خداوند کریم نے لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ[1] الخ (البقرۃ:79) میں یہ بتایا تھا کہ چند جھوٹی آرزوئیں ان کو بتادی ہیں اور ان کو کہہ دیا ہے کہ یہ اللہ کے ارشاد ہیں پس اس وجہ سے یہ دلیر ہو گئے ہیں اور نیک عمل کرنے اور بدی سے اجتناب کرنے کی اپنی نجات اور نجاح کے لئے کوئی ضرورت نہیں خیال کرتے اور یہ بھی بتایا تھا کہ ایسی آرزوؤں میں سے چند ایک بطور تمثیل یہاں پر بیان ہوئی ہیں اور سب سے پہلی وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ[2] الخ (البقرۃ:81) ہے۔ اور اس کے بعد خداوند تعالیٰ نے ایسے امور ذکر فرمائے ہیں جن کے ساتھ ان کے ایمان سے لاطمع ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ بھی کہ عقل اور نقل شاہد ہیں کہ ان کا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ الخ ہونا اور ہو سکنا بدیہ البطلان ہے اور اب انہی آرزوؤں میں سے دوسری آرزو بطور تمثیل مذکور فرمائی ہے۔

یہود کی آرزوؤں کا بیان:

ہاں پہلی آرزو اوّل علیحدہ بیان ہوئی ہے اور پھر اس کی تردید شروع کی گئی ہے اور دوسری تمثیل علیحدہ بیان نہیں فرمائی بلکہ ابتداءً ہی اس کی تردید شروع کر دی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ کہہ دے اگر اللہ کی طرف سے آخری گھر یعنی جنت لوگوں کے سوا خاص تمہارے ہی لئے ہے اور دوسرے کسی انسان کے لئے نہیں تو موت چاہو الخ جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ دوسری ان کی آرزو یہ تھی کہ "جنت خالص ہمارے ہی لئے ہے۔" ابن جوزیؒ نے روایت کیا ہے کہ یہود یہ کہا کرتے تھے کہ "جنت خاص اسرائیل اور اس کی اولاد ہی کے لئے بنائی گئی ہے اور بس۔" اور یہ آیت اس کی تردید کے لئے نازل ہوئی ہے اور ابو العالیہ اور ربیع وغیرھما سے مروی ہے کہ یہود کہا کرتے تھے کہ "نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (المائدۃ:19) اور یہ کہ لَنْ

[1] ۔ وہ چند جھوٹی باتوں کے سوا اپنی کتاب کا کچھ بھی علم نہیں رکھتے۔ (تفسیر صغیر)
[2] ۔ اور وہ کہتے ہیں ہمیں (دوزخ کی) آگ ہرگز نہ چھوئے گی۔ (تفسیر صغیر)

يَّدۡخُلَ الۡجَنَّةَ اِلَّا مَنۡ كَانَ هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى "(البقرۃ:112)(ہم اللہ کے بیٹے اور پیارے ہیں اور جنت میں سوائے یہود یا نصاریٰ کے اور کوئی بھی ہر گز داخل نہ ہو گا)تو اس کی تردید کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہے۔

یہود کی دو آرزوؤں کا خلاصہ اور ان کا انجام:

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح ان کی پہلی آرزو دوزخ سے ان کو بے خوف کرنے کے لئے کافی تھی یعنی یہ کہ ہم کو بجز چند معدودے دنوں کے سوا ہر گز آگ نہ چھوئے گی۔ اسی طرح دوسری آرزو ان کو جنت کے دخول اور حصول سے مطمئن کرتی ہے یعنی یہ کہ اللہ کی طرف سے جنت خاص ہمارے لئے ہے اور کہ دوسرے لوگوں میں سے کسی کے لئے وہ نہیں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس طرح دوزخ سے نجات یافتہ ہونے کا اعتقاد بدی اور بد کرداری اور شوخی اور بے حیائی میں ان کو دلیر و بے باک بناتا تھا۔ اسی طرح جنت کے حصول بلکہ اس کے بالخصوص حصول و دخول کا یقین نیکی اور نیک کرداری اور عبادت اور اطاعت اور سچی فرمانبرداری میں بے پروا اور لاابالی بناتا اور سہل انگاری اور سستی و کاہلی اور بے رغبتی ان میں پیدا کر دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ جہاں پر ان کی بدکاریوں اور شرارتوں کا بیان ہو رہا تھا۔ اور ذٰلِكَ بِمَا عَصَوۡا وَّكَانُوۡا يَعۡتَدُوۡنَ (البقرۃ:62)(اس کی یہ وجہ تھی کہ وہ عصیان کرتے جاتے تھے اور حدوں سے تجاوز کرتے جاتے تھے) کے ساتھ ان کی بدی اور شرارت پر جرأت کا باعث بتانا منظور تھا وہاں پر تو اوّل یعنی دوزخ سے نجات یافتہ ہونا اور لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ الخ کہنا ذکر فرمایا ہے۔ اور یہاں پر چونکہ خُذُوۡا مَاۤ اٰتَيۡنٰكُمۡ بِقُوَّةٍ [1] (البقرۃ:94) (شریعت کے مطابق عملدرآمد کرنے) کے حکم کے جواب میں عَصَيۡنَا [2](البقرۃ:94) کہنے کا اور باوجود ایمان بِمَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا کے مدعی بننے کے نیکی کو ترک کر کے اس کی بجائے بدی اور بدترین بدی اختیار کرنے کا ذکر تھا۔ جس کی جرأت حصول جنت کے یقین سے پیدا ہوئی تھی۔ لہٰذا یہاں پر ان کی دوسری آرزو (یعنی حصول جنت اور اس کی تخصیص کے اعتقاد) کو

[1]۔ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی سے پکڑو۔ (تفسیر صغیر)
[2]۔ ہم نے (اس حکم کے) نہ ماننے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ (تفسیر صغیر)

ذکر کیا ہے۔ اور اس کا جواب اور اس کی تردیدیوں فرمائی ہے کہ آنحضرت ﷺ کو یا جو کہ ان کا مقابلہ کرے یہ فرمایا کہ تم ان کو کہہ دو کہ اگر دار آخرت اور جنت اللہ کی طرف سے لوگوں کے سوا خالص تمہارے ہی لئے ہے (جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے تو پھر تم موت کی تمنی اور آرزو کرو اگر اس دعوے میں تم سچے ہو۔)

موت سے مراد:

اکثر مفسرین نے تو موت سے مطلق مرنا لیا ہے۔ اور تمنی سے اس کی آرزو اور خواہش اور دعا لی ہے اور مطلب یہ بتایا ہے کہ ان کو کہہ دو کہ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو (کہ اللہ کی طرف سے جنت تمہیں مل چکی ہوئی ہے اور دوسرا کوئی اس میں تمہارے ساتھ شریک نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ جنت اس جہاں سے بہر حال افضل ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جس شخص کو بالکل یقین ہو کہ موت کے بعد میرے لئے ضرور ہی جنت ہے تو ضرور وہ اس کو اس جہان پر ترجیح دے گا اور جلد انتقال چاہے گا تو اس قاعدہ کے مطابق ضرور چاہیے کہ) تم موت کو چاہو جو کہ اس جہان سے جنت کی طرف انتقال اور دخول جنت کا لابدی راستہ ہے۔ اور موت کی آرزو اور دعا سے حدیثوں میں منع کیا گیا ہے۔ لیکن حدیثوں ہی سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ممانعت اس صورت میں ہے جبکہ انسان پر کوئی مصیبت نازل ہو اور اس سے گھبرا کر انسان موت مانگے یا خود بخود یہ خیال کرلے کہ اگلے جہاں میں تو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ لَا یَتَمَنَّیَنَّ اَحَدُکُمُ الْمَوْتَ لِضُرٍّ نَزَلَ بِہٖ وَاِنْ کَانَ وَلَا بُدَّ فَلْیَقُلِ اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مَا کَانَتِ الْحَیَاۃُ خَیْرًا لِیْ وَاَمِتْنِیْ مَا کَانَتِ الْوَفَاۃُ خَیْرًا لِیْ۔

(تفسیر غرائب القرآن ورغائب الفرقان جلد 1 صفحہ 117 زیر آیت وَلَتَجِدَنَّھُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ...)

(تم میں سے کوئی بھی کسی دکھ کے نازل ہونے کے وقت موت کی دعا نہ کرے۔ اور اگر ضرور ہی مانگنی ہو تو یُوں کہے کہ اے خداوند مجھے زندہ رکھ جب تک کہ زندگی میرے لئے بہتر ہے اور مجھے مار جبکہ موت میرے لئے بہتر ہو) پس یہ حدیث جیسی یہ بتاتی ہے کہ فلاں صورت میں موت کی دعا منع ہے ایسی ہی یہ بھی بتاتی ہے کہ جب موت بہتر ہو تو اس وقت موت کی دعا کرنی جائز ہے۔ تو جب خداوند تعالیٰ کی طرف سے کسی کو علم ہو کہ موت کے بعد

تمہیں کوئی دکھ نہیں اور ضرور تمہارے لئے جنت ہی ہے تو اس وقت یقیناً موت بہتر ہے۔ اور موت کی دعا ممنوع نہیں ہے بلکہ عقل چاہتی ہے کہ اس وقت انسان ضرور ہی اس کو چاہے گا اور بعض نے موت سے حرب (جنگ) مراد لی ہے اور تمنی سے مراد یہ لی ہے کہ جنگ سے نفرت نہ کرو بلکہ جنگ کرو۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر اس دعوے میں صادق ہو کہ اللہ کی طرف سے خاص تمہارے ہی لئے جنت ہے تو پھر جنگ سے اس قدر کیوں خوف کھاتے ہو کہ اس کو ترک کر کے جزیہ کی ذلت اپنے لئے اختیار کرتے ہو بلکہ تم کو ضرور جنگ کرنی چاہیئے کیونکہ جس خدا نے جنت خاص تمہارے ہی لئے بنائی ہے وہ تم کو دنیا میں بھی ضرور فتح دے گا اور اگر مرو گے تو جنت میں جاؤ گے۔ پس اس صورت میں تمہارا ڈرنا کیسا ہو سکتا ہے۔

حضرت مولانا خلیفۃ المسیحؓ نے فرمایا ہے کہ الموت سے یا مراد نبی کریمؐ کی موت ہے اور معنے یہ ہیں کہ جب تم خدا کے ایسے برگزیدے ہو جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے اور میں تمہارے نزدیک دعوئ نبوت میں جھوٹا ہوں تو پھر تو میری موت کی دعا کرو پھر دیکھو کہ یہ موت کس پر وارد ہوتی ہے اور یا الْمَوْتَ سے مراد فیصلہ کن جنگ ہے۔ یعنی اگر تم ایسے خدا کے پیارے ہو تو پھر ایک فیصلہ کن جنگ ہم سے کر لو اور پھر دیکھو کہ خدائے ذوالجلال کس کی مدد کرتا ہے اور کس کو ذلیل اور خوار کرتا ہے اور یا اس سے مباہلہ مراد ہے یعنی اگر تم خدا کے ایسے مقرب اور پیارے ہو تو پھر آؤ یہی مباہلہ کر لو کہ اگر تم اس دعویٰ میں سچے نہیں تو خدا تم پر موت وارد کرے اور تمہاری اس دعا پر ہم آمین کہیں گے پھر اگر تم سب ہلاک نہ ہوئے تو ضرور تم اپنے دعوے میں راستباز تسلیم ہوگے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان سب معنوں کا احتمال ہے لیکن پہلے اور آخری الفاظ کے زیادہ مطابق اور ان کے دعوے کی تردید میں اظہر اور آثار کے مطابق ہیں۔ بیہقی نے عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ لَا یَقُوْلُھَا رَجُلٌ مِنْھُمْ اِلَّا غَصَّ بِرِیْقِہٖ (جو کوئی ان سے یہ کہتا تو اس کی تھوک اس کے گلے میں پھنس جاتی) اور امام بخاریؒ نے انہی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ اگر یہود موت کی تمنی اور آرزو کرتے تو مر جاتے۔

(تفسیر در المنثور جلد اول صفحہ 220 تفسیر سورۃ البقرۃ، دار الفکر بیروت)

موت کی تمنا نہ کرنے کی وجہ:

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ۔ اس میں ان کو اس تمنی پر اُکسایا ہے اور ساتھ ہی پیشگوئی بھی فرمائی ہے کہ یہ لوگ کبھی موت کی آرزو نہ کریں گے اور پھر ساتھ ہی اس کے نہ کرنے کی وجہ بتائی ہے جس سے ان کے دعویٰ کی ساری حقیقت کھل جاتی ہے۔ اُکسایا تو اس طور پر کہ فرمایا کہ جو بداعمالیاں ان کے ہاتھ پیش کر چکے ہیں چونکہ یہ خوب جانتے ہیں کہ ہماری کتابوں کے رو سے تو ہمارے دوزخ میں پڑنے کی موجب اور ہم پر خدا کے غضب کے بھڑکانے کی باعث ہیں جس کا ثمرہ دنیا میں ذلت و خذلان ہے اور آخرت میں عذاب مہین ہے لہٰذا (خواہ یہ تمہارے مقابلہ میں شرارت کے طور پر کچھ دعویٰ کریں) پر کبھی یہ آرزو نہ کریں گے۔ اور یہ ایسا قول ہے کہ اگر حقیقت میں وہ ایسے ہی ہوں تو ضرور ہی ان کو اس پر آمادہ کر دے اور پیشین گوئی ہونا تو خود ظاہر ہے کہ صاف فرما دیا ہے کہ وہ ایسا نہ کریں گے۔ وجہ یہ بتائی ہے کہ وہ اپنی بداعمالیوں اور بدکرداریوں اور شرارتوں کے جاننے کے باعث یہ آرزو نہ کریں گے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ہمارے یہ کرتُوت موت کے بعد ہمیں دوزخ میں لے جاویں گے نہ اس جنت میں کہ جس کی خصوصیت کے ہم دعوے دار ہیں اور یہ بھی کہ وہ اس کے موجب ہیں کہ اگر ہم اپنی موت یا اپنے مقابل کی موت مانگیں گے تو ضرور ہی وہ ہم پر وارد ہو جاوے گی اور اگر جنگ کریں گے تو ضرور ہم ذلت اور رسوائی میں گرفتار ہوں گے اور اس وجہ سے یہ آرزو نہ کرنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ دعویٰ ان کا زبانی ہی زبانی ہے ورنہ تو حقیقت میں یہ اپنے آپ کو اپنے مقابل کی طرح مورد غضب الٰہی اور مستحق عذاب یقین کرتے ہیں۔

مفسرین کے مطابق یہاں یہود سے مراد موجودہ زمانہ کے یہود ہیں:

مفسرین نے یہاں پر لکھا ہے کہ لَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا الخ کی پیشین گوئی خاص انہی یہود کے لئے تھی جو کہ نبی کریمؐ کے مقابلہ پر اُٹھے ہوئے تھے۔ جن کو حضور علیہ السلام کی صداقت کا پورا پورا علم ہو چکا تھا یا بلفظ دیگر یوں کہو کہ جن پر عَرَفُوْا اور يَعْرِفُوْنَهٗ اور مِنْۢ بَعْدِ مَا عَرَفُوْهُ صادق آتا تھا۔ نہ وہ جو کہ بعد میں آئے جن کو آپ کی صداقت کا کچھ علم نہ تھا۔

اور تفسیروں میں اس کی تائید میں ایک روایت بھی درج ہے اور وہ یوں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے شاگرد نافع کہتے ہیں کہ ایک دن ایک یہودی مجھ سے کہنے لگا کہ تمہاری کتاب میں لکھا ہے کہ لَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا الخ اور میں موت کی آرزو کرتا ہوں پس کیا وجہ ہے کہ مجھ پر موت وارد نہیں ہوتی۔ تو یہ خبر عبد اللہ بن عمرؓ نے سنی اور خفا ہوئے اور گھر سے تلوار نکال کر نکل آئے تو جب اس یہودی نے آپ کو دیکھا تو بھاگا اور ابن عمرؓ نے کہا واللہ اگر میں اس کو پالیتا تو ضرور اس کی گردن مارتا۔ کیا اس جاہل مردود نے یہ خیال کیا ہے کہ یہ ہر ایک یہودی کیلئے آیا ہے یا یہود کے لئے ہر ایک زمانہ میں ایسا ہی ہے۔ ایسا نہیں بلکہ یہ ان یہودیوں کی نسبت آیا ہے جو کہ عناد کرتے تھے اور باوجود آنحضرتؐ کو برحق معلوم کر لینے کے پھر بھی معاندانہ طور پر انکار کرتے تھے اور ان کے ساتھ مقابلہ زبان کے ساتھ تھا نہ تلوار کے ساتھ۔ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ لَوْ تَمَنَّوْهُ يَوْمَ قَالَ لَهُمْ ذٰلِكَ مَا بَقِيَ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ يَهُوْدِيٌّ (اگر وہ اس کی آرزو اس دن کرتے کہ جس دن ان کو یہ کہا تھا تو روئے زمین پر ایک یہودی بھی نہ رہتا۔)

(تفسیر در المنثور جلد اول صفحہ 220 تفسیر سورۃ البقرۃ، دار الفکر بیروت)

اس روایت سے اگرچہ روئے زمین کے یہود کی موت معلوم ہوتی ہے پر اس قدر تخصیص اس میں بھی موجود ہے کہ اگر اس دن یہ کہتے کہ جس دن ان کو یہ کہا گیا تھا۔ اور جمہور مفسرین نے اس کو عام ہر ایک یہودی اور ہر ایک زمانہ کی نسبت خیال کیا ہے اور بعض نے عام بھی نہیں رکھا اور زمانہ کی تخصیص بھی نہیں کی بلکہ یہ قید لگائی ہے کہ یہ ان سب کو شامل ہے کہ جن کو آنحضرتؐ کی نبوت کا پورا پورا علم ہو لیکن پھر بھی عناد کو نہ چھوڑیں۔ پر محققین اسی طرف گئے ہیں کہ خواہ عموم علت سے اس کو کوئی عام بنا بھی لے پر نظم قرآنی میں یہ خصوصیت کے ساتھ ان یہود کی نسبت آیا ہے جن کے احوال یہاں پر مذکور ہو رہے ہیں۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ۔ اس میں ہرگز شک نہیں ہو سکتا کہ اللہ جس طرح ظالموں کو جانتا ہے اسی طرح صالحوں اور سب اشیاء کو بھی جانتا ہے۔ پس یہاں پر اس کا ذکر محض خبر دینے کیلئے نہیں ہے کہ اللہ ان کو جانتا ہے بلکہ اس میں یہ بتانا منظور ہے کہ چونکہ خداوند تعالیٰ

ان کو خوب جانتا ہے لہٰذا اس نے جو کچھ ان کی نسبت بتایا ہے کہ وہ ایسی دعا نہ کریں گے اور یہ کہ اس وجہ سے نہ کریں گے کہ وہ اپنی ان بداعمالیوں کو خوب جانتے ہیں جو کہ پہلے سے پیش پہنچا چکے ہیں۔ یہ سب کچھ علم پر مبنی ہے اور یہ اس لئے نہیں کہ مخاطب کو اس کا علم یا یقین نہ تھا بلکہ اس لئے فرمایا ہے کہ تحدی کا مقام اس کو چاہتا تھا۔

لَتَجِدَنَّ سے مراد:

وَ لَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ الخ۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ لَتَجِدَنَّ میں خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے۔ لیکن جیسا کہ میں نے پہلے بیان کیا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر ایک مقابلہ کرنے والے کو ہو اور اکثر مفسرین نے یہی لکھا ہے کہ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا کا عطف النَّاسِ پر ہے اور مطلب یہ ہے کہ تم ان یہود کو سب لوگوں سے بلکہ ان سے بھی جو کہ مشرک ہوئے ہیں بڑھ کر زندگی پر حریص پاؤ گے حالانکہ یہ لوگ قیامت اور بہشت و دوزخ کے قائل ہیں۔ اور وہ مشرک ان امور کے قائل نہیں ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جو قائل ہیں وہ تو اس دنیوی زندگی کے علاوہ بھی ایک زندگی بلکہ بہت اعلیٰ درجہ کی زندگی کے امیدوار ہیں پر مشرک تو سوائے اس زندگی کے کسی اور زندگی کی امید کر سکتے ہی نہیں لیکن باوجود اس کے پھر بھی یہ یہود ان مشرکوں سے بھی اس زندگی پر زیادہ حریص ہیں۔ اور بعض مفسرین نے کچھ تقدیر اور تقدیم و تاخیر قرار دے کر کہا ہے کہ اصل عبارت یوں ہوتی ہے کہ وَلَتَجِدَنَّهُمْ وَ بَعْضًا مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ۔ ان یہود کو اور بعض دوسرے مشرکوں کو سب سے بڑھ کر اس زندگی پر حریص پاؤ گے یعنی اس بڑھی ہوئی حرص میں عام لوگوں سے بھی بڑھ گئے ہیں اور خاص مشرکوں کے ساتھ شریک ہو گئے ہیں۔

اور بعض مفسرین نے مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا کو اوّل سے قطع کر کے يَوَدُّ اَحَدُهُمْ کے ساتھ جا ملایا ہے اور یوں عبارت بنائی ہے کہ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ایک جملہ ہے اور دوسرا جملہ وَ طَآئِفَةٌ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ اور معنے یہ بیان کئے ہیں کہ تم ان کو سب سے زیادہ زندگی پر حریص پاؤ گے۔ اور مشرکوں میں سے کچھ لوگ ہیں کہ ہر ایک ان کا یہ پسند کرتا ہے کہ کاش اس کو ہزار سال کی عمر دی

جائے۔ اور اگرچہ اس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ پہلے جملہ میں یہود کے اَحۡرَصَ النَّاسِ ہونے کا بیان ہے اور دوسرے میں یہود کے سواء دوسرے مشرکوں میں سے کچھ لوگوں کے ہزار سال عمر چاہنے کا ذکر ہے۔ لیکن انہوں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اس صورت میں مشرکوں سے بھی یہی یہود مراد ہوں گے اور بجائے مِنۡهُمۡ کے مِنَ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا کہنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ان کے شرک پر آگاہ کرنے کے لئے اس عبارت کو اختیار کیا گیا ہے۔ لیکن اس میں ذرہ بھی شک نہیں کہ پہلے معنے بہت ظاہر اور بلا تکلّف اور معقول تر ہیں۔

اور اس پہلی صورت میں مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا سے مجوسی لوگ مراد ہیں کیونکہ وہ مشرک بھی ہیں اور ان کا دنیوی زندگی کو بہت چاہنا اور خصوصیت کے ساتھ ہزار سال کی عمر کو چاہنا بہت مشہور ہے۔ چنانچہ جب کوئی ان میں سے چھینک مارتا ہے تو جس طرح اہل اسلام اس کے جواب میں يَرۡحَمُكَ اللهُ کہتے ہیں وہ عِشۡ اَلۡفَ سَنَةٍ[1] کہا کرتے تھے۔ اور بعض نے عرب کے مشرک ہی مراد لئے ہیں جو کہ قیامت کے اور دوسری زندگی کے قائل ہی نہ تھے۔ اور کہا ہے کہ ہزار کی کوئی خصوصیت نہیں ہے مراد مطلق عمر کا زائد ہونا ہے اور حضرت مولانا خلیفۃ المسیحؑ نے بھی یہی معنے پسند فرمائے ہیں کہ تم ان کو عام لوگوں سے اور مشرکوں سے بھی بڑھ کر حریص پاؤ گے۔ اور مشرکوں کی نسبت فرمایا ہے کہ مجوس میں ہزار سال کی عمر کی دعا کا رواج تھا پس اس سے وہ مراد ہیں۔ اور عیسائیوں میں بھی ہزار سال کی ایک بشارت مشہور تھی جو کہ مکاشفات یوحنّا کی ہے۔

بہر حال نظم قرآنی سے جو معنے بلا تکلّف ظاہر ہوتے ہیں وہ یہی ہیں کہ تم ان کو سب لوگوں سے (بلکہ) مشرکوں سے بھی اس زندگی کے زیادہ حریص پاؤ گے اور مشرکوں سے ظاہر یہی ہے کہ عام مشرک مراد ہیں خواہ وہ مجوس ہوں یا مشرکین عرب ہوں اور مشرکوں سے زیادہ حریص ہونے میں ترقی دو طرح سے ہے ایک تو اس وجہ سے کہ اکثر مشرک دوسری زندگی ہی کے قائل نہیں پس وہ تو ضرور اسی زندگی کو چاہیں گے اور اپنے اعتقاد کے رو سے ان کو ایسا ہی کرنا بھی چاہیئے لیکن یہ لوگ باوجود اس اعتقاد کے (کہ دوسری زندگی

[1]۔ تو ایک ہزار سال زندہ رہ۔ (از مرتب)

ہے اور کہ وہ آرام کی زندگی خاص ہمارے ہی لئے اللہ نے خاص کر دی ہوئی ہے) پھر بھی ان مشرکوں سے زیادہ اس دنیوی زندگی کو چاہتے ہیں۔ اور دوم اس طور پر کہ مشرک کے پاس اس امر کی کوئی تسلی بخش دلیل نہیں ہوتی کہ شرک والوں کو آئندہ آرام کی زندگی ملے گی کیونکہ اوّل تو وہ اس کے قائل ہی نہیں ہوتے اور اگر کوئی ہو بھی تو سوائے یہود جیسی تمنیات کے کوئی عقلی اور نقلی دلیل ان کے پاس نہیں ہوتی کہ اس مذہب والے اس آرام کی زندگی کو پاویں گے ہاں یہود کی طرح زبانی گپیں بہت سی ہوتی ہیں جو کہ دل کو ہر گز تسلی نہیں بخش سکتیں اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہ بجز اس دنیوی زندگی کے دوسری زندگی کے کبھی خواہش مند نہیں ہو سکتے۔

لیکن یہ لوگ باوجود اہل کتاب ہونے کے ان مشرکوں سے بھی زیادہ دنیوی زندگی کے حریص ہیں اور ہزار سال کی نسبت بھی میرا اپنا خیال یہی ہے کہ اس سے مطلق بہت لمبی عمر مراد ہے اور میں بتا چکا ہوں کہ کلام عرب میں اور خصوصاً قرآن مجید میں ایسا بہت آتا ہے کہ خاص شمار مراد نہیں ہوتا بلکہ کثرت مراد ہوتی ہے اور وَلَتَجِدَنَّهُمْ الخ کے یہاں پر ذکر کرنے سے یہ غرض ہے کہ پہلے تو آرزوئے موت نہ کرنے سے ثابت کیا تھا کہ یہ لوگ دار آخرت کی تخصیص کے دعوے میں جھوٹے ہیں۔ سو اب اس میں ایک مشاہدہ سے ان کے دعوے کی تکذیب فرماتا ہے اور وہ ان کے اَحۡرَصَ النَّاسِ الخ ہونے کا مشاہدہ ہے اور ظاہر ہے کہ حیات دنیا پر ان کا اَحۡرَصَ النَّاسِ ہونا صاف ظاہر کرتا ہے کہ یہ دعویٰ ان کے دل میں ہر گز راسخ نہیں بلکہ محض لسّانی اور دوسروں کے سنانے کے لئے ہے۔

وَمَا هُوَ بِمُزَحۡزِحِهٖ مِنَ الۡعَذَابِ اَنۡ يُّعَمَّرَ۔ هُوَ کے لفظ میں مفسرین کا یہاں پر بہت اختلاف ے کوئی تو کہتا ہے کہ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی طرح یہ ضمیر شان ہے جس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ "بات تو یہ ہے" پس اس وقت معنے یہ ہوں گے کہ بات تو یہ ہے کہ عمر دیا جانا اس کو عذاب سے دُور کرنے والا نہیں ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ ضمیر ہے جو کہ تعمیر (یعنی عمر دینے) کی طرف پھرتی ہے۔ جس کا ذکر لَوۡ يُّعَمَّرُ میں ضمناً ہو چکا ہے اور اَنۡ يُّعَمَّرَ اس کا بدل ہے اور معنے یہ ہیں کہ وہ اس کو عذاب سے دور کرنے والا نہیں یعنی عمر دیا جانا۔ لیکن یہ

دونوں صورتیں ٹھیک نہیں کیونکہ قواعد کے خلاف ہیں اور دوسری صورت تو فہم سے بھی بعید ہو جاتی ہے۔

پس ٹھیک وہی ہے جو کہ محققین نے لکھا ہے کہ هُوَ کی ضمیر اَحَدُهُمْ کی طرف پھرتی ہے جو کہ پہلے مذکور ہے۔ اور معنے یہ ہیں کہ "بالخصوص وہ اس قابل نہیں کہ عمر دیا جانا اس کو عذاب سے دور کرنے والا ہو۔" یعنی بعض آدمی تو اس قابل ہوتے ہیں کہ عمر دیا جانا ان کو عذاب سے دُور کر سکتا ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جو کہ تقویٰ اختیار کر لیتے ہیں پس یہ لوگ جس قدر لمبی عمر پاتے ہیں اسی قدر عذاب سے دُور ہوتے جاتے ہیں۔ لیکن یہ لوگ چونکہ متقی نہیں بلکہ متقیوں کے اور تقویٰ کی طرف بلانے والوں کے دشمن ہیں لہٰذا یہ اس قابل نہیں کہ عمر پانا ان کو عذاب سے دور کرے بلکہ جس قدر زیادہ عمر پائیں گے اسی قدر ان کی بدیاں اور شرارتیں بڑھتی جاویں گی۔ اور جس قدر وہ بڑھتی جاویں گی اسی قدر عذاب کے قریب ہوتے جاویں گے۔ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ لوگ زبان سے تو کہتے ہیں کہ اللہ کے پاس دار آخرت خالص ہمارے ہی لئے ہے لیکن حقیقت میں محض اس وجہ سے موت سے بچتے اور لمبی عمر چاہتے ہیں کہ جانتے ہیں کہ ہمارے اعمال ایسے ہیں کہ مرنے کی ہی دیر ہے پھر تو ہم ہیں اور جہنم کی آگ ہے۔ تو خداوند کریم نے ان کو سمجھایا ہے کہ بے شک موت کی دیر ہے اور پھر عذاب جہنم ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ عمر پانا عذاب سے بچاتا اور دور کرتا ہے لیکن یہ لوگ اس قابل نہیں کہ عمر پانا ان کو عذاب سے دُور کرے۔

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ۔ اس میں بتایا ہے کہ عذاب اور نجات کا دار و مدار تو اعمال پر ہے۔ پس اگر یہ بُرے اعمال نہ کرتے اور ان کے کرنے کا اللہ کو علم نہ ہوتا تب تو ممکن تھا کہ یہ بچ جاتے لیکن جب یہ بد اعمال کرتے ہیں اور اللہ علیم ان کو دیکھتا ہے تو پھر خالی عمر پانے سے وہ بچیں گے تو کیونکر؟

بدیوں پر دلیر ہونے کی وجہ ان کے عقائد ہیں:

سب کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح ان کی بد اعمالیوں کے ذکر کے بعد خداوند کریم نے بتایا تھا کہ ان کے بدیوں اور شرارتوں پر دلیر ہونے کی یہ وجہ ہے کہ ان کے بعض

عقائد ہیں وہ اگرچہ ان کی کتابوں میں نہیں پر انہوں نے بطور امانی کاذبہ کے خیال کر رکھے ہیں اور ان کی وجہ سے ان میں یہ دلیری پیدا ہو گئی ہے اور پھر بتایا تھا کہ وہ عقیدہ یہ ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ الخ تو اسی طرح جب ان کے دعوئے ایمان اور پھر مقتضائے ایمان (یعنی اوامر و نواہی بجالانے) میں کمزور ہونے کا ذکر ہوا تو اس کے بعد خداوند کریم نے ان کی اس سخت کمزوری کی وجہ بیان کرنے کے لئے پہلے ان کی امانی کاذبہ میں سے ایک اور جھوٹی آرزو ذکر کے یہ ظاہر فرمایا ہے کہ اس کمزوری کی جڑھ یہ جھوٹی تمنی اور آرزو ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کا اعتقاد ہے کہ دار آخرت (جنت) اللہ کے پاس خاص طور پر ہمارے ہی لئے ہے اور ہمارے سواء دوسرے کسی انسان کے لئے نہیں ہے۔

اور ظاہر ہے کہ جس قوم کا یہ عقیدہ ہو کہ ہماری قومی خصوصیت ہے کہ جنت اللہ نے خاص ہم ہی کو دے دی ہوئی ہے اور دوسرا کوئی اس میں شریک نہیں ہے تو پھر اس کو اوامر و نواہی پر چلنے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟ اور اس کی بھی وہی جڑھ ہے جو کہ میں نے پہلے بیان کیا تھا کہ ان کا اعتقاد تھا کہ ایمان نجات کے لئے کافی ہے اور عمل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ انہوں نے سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا کہا تھا (یعنی ہم ایمان تو لائے پر عمل ہم سے نہیں ہو سکتا) اور یہی وجہ تھی کہ جو چاہتے کرتے اور جو چاہتے ترک کرتے تھے۔ اور اس کے بعد خداوند کریم نے فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ الخ فرما کر اس بات پر آگاہ فرمایا ہے کہ ان کا یہ دعویٰ محض زبانی اور بدی پر دوسروں کی ملامت کی آڑ ہے۔ اور حقیقت میں یہ خوب جانتے ہیں کہ نہ خداوند تعالیٰ کا کوئی ایسا ہم سے عہد ہے اور نہ ایسا ہو سکتا ہے اور یہ بھی جانتے ہیں کہ نجات کا دار و مدار اعمال پر ہے اور ہمارے اعمال دوزخ کے لائق ہیں نہ جنت کے قابل۔ اور اس کو اس طور پر ظاہر فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو یا ہر ایک مقابلہ کرنے والے کو حکم دیا ہے کہ تم ان کو کہو کہ اگر حقیقت میں ایسا ہی ہے اور تم اس میں راستی پر ہو تو پھر موت کی آرزو کرو (کیونکہ دار آخرت دار دنیا سے بہر حال افضل ترین ہے اور یہ زندگی اس دار آخرت میں داخل ہونے سے مانع ہے اور موت اس کا دروازہ ہے۔ اور موت کی آرزو اگر منع ہے تو اس بے علمی کے باعث کہ بعد الموت کیا ہو گا تو جب خداوند تعالیٰ کا تم سے عہد

ہے کہ ضرور تم جنت میں داخل ہو گے اور بالخصوص تم ہی داخل ہو گے پھر تو طبعاً تمہیں ضرور یہ آرزو کرنی چاہیئے) یا یہ کہ بطور مباہلہ موت کی دعا کرو۔

لیکن ساتھ ہی خداوند کریم نے یہ بھی بتادیا کہ اس کے مقابلہ میں وہ کیا کریں گے۔ تو بتایا کہ وہ چونکہ اپنی ان بداعمالیوں اور شرارتوں کو خوب جانتے ہیں جو کہ ان کے اپنے ہاتھ پیش کر چکے ہوئے ہیں کہ ضرور وہ ہم کو دوزخ کا ایندھن بنائیں گے اور جنت کے قرب سے بھی ہمیں دور رکھیں گے۔ اور یہ بھی کہ جب ہم اس مقابلہ میں آکر موت کی دعا کریں گے تو ضرور وہ موت ہم پر فی الفور وارد ہو جاوے گی۔

لہٰذا یہ کبھی بھی یہ آرزو نہ کریں گے (تو جب نہ کریں گے تو اس سے صاف ثابت ہو جاوے گا کہ ان کا یہ دعویٰ محض زبانی اور سنانے کیلئے ہے ورنہ تو حقیقت میں ان کو ہرگز اس کا یقین نہیں ہے) اور اس کے بعد دوامر کے لئے وَاللّٰہُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ فرمایا ہے ایک تو یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ اگر ان کو یہ معلوم نہ ہوتا کہ اللہ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ہے تب ہی تو جس طرح لوگوں کے سامنے یہ دعویٰ کر دیتے ہیں اسی طرح ان کے سامنے یہ آرزو بھی کر دیتے پر جانتے ہیں کہ اس آرزو سے معاملہ اللہ سے جا پڑتا ہے اور وہ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ہے۔ اور دوسری یہ بات ظاہر کرنے کے لئے کہ جو کچھ ان کی نسبت خبر دی گئی ہے یہ بالکل حق ہے کیونکہ اُس اللہ کی بتائی ہوئی ہے جو کہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

پھر اس کے بعد ایک دوسرے طریق سے اس مذکورہ بالا امر کو ظاہر کیا ہے اور وہ یوں ہے کہ خداوند تعالیٰ نے نبی کریمؐ کو یا ہر ایک مقابلہ کرنے والے کو فرمایا ہے (کہ تم کو پہلے سے معلوم ہو گا اگر نہیں تو) آئندہ معلوم کر لو گے کہ یہ لوگ سب لوگوں سے بڑھ کر اس حقیر زندگی کے حریص ہیں بلکہ ان مشرکوں سے بھی زیادہ حریص ہیں (جو کہ دوسری زندگی اور دوسرے جہان ہی کے قائل نہیں اور ان کے نزدیک جو کچھ ہے یہی زندگی ہے اور اگر کوئی قائل بھی ہو تو حق پرستوں کی طرح ان کے پاس اس کا بھی کوئی تسلی بخش ثبوت نہیں ہوتا کہ جو اس طریق پر چلے گا وہ ضرور جنت میں داخل ہو گا۔ اور یہاں تک حریص ترین ہیں کہ ہر ایک ان میں سے پسند کرتا ہے کہ ہزار سال کی عمر دیا جائے۔ اور یہ اس لئے چاہتے ہیں

کہ ان کو نظر آتا ہے کہ موت آئی تو عذاب میں گرفتار ہوئے پر تعجب کی بات تو یہ ہے کہ عمر تو چاہتے ہیں اور شرارتوں سے باز نہیں آتے۔ اور ظاہر ہے کہ اس حالت میں) وہ اس قابل نہیں ہو سکتے کہ عمر دیا جانا ان کو عذاب سے دُور کر سکے۔ (پس اس صورت میں ان کا عمر پانا بھی بے سود ہی ہوا۔ ہاں ایک صورت میں بچ بھی جاتے کہ اگر عذاب دینے والے کو ان کی بد کرداریوں کا علم نہ ہوتا۔ لیکن چونکہ یہ اللہ کا کام ہے) اور اللہ ان سب کاموں کو دیکھ رہا ہے جو کہ یہ کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں گزشتہ واقعات کا بیان بطور عبرت:

یہاں پر ایک بات یاد رکھنے کے قابل ہے اور وہ یہ ہے کہ بارہا بتایا گیا ہے کہ قرآن مجید میں جو گزشتہ واقعات بیان ہوتے ہیں جس طرح وہ بطور قصہ نہیں بلکہ عبرتوں اور دلیلوں کے رنگ میں مذکور ہوتے ہیں اسی طرح وہ اس لئے بھی ذکر کئے جاتے ہیں کہ اُمت محمدؐیہ میں بھی ایسا ہونے والا ہوتا ہے تو خداوند کریم اس کو ذکر فرما کر بتاتا ہے کہ دیکھو تم کو اس کی طرف خیال رکھنا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ تم بھی اس میں گرفتار ہو کہ جس میں تم سے پہلی قومیں گرفتار ہوئی تھیں۔ بنی اسرائیل کے بدی پر دلیر اور اتباع احکام الٰہیہ میں لاپرواہ ہونے کے اسباب سے جو ان کی امانی کاذبہ میں سے دو کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک تو لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ الخ ہے اور دوم اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ ہے تو اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ امّت محمدؐیہ میں بھی کسی وقت ایسی امانی کاذبہ بدی پر دلیر اور اتباع شرع میں لاپرواہ بنا دیں گی۔

سیّدوں کے متعلق عقیدہ:

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف سید لوگ دعویدار ہیں کہ سید پر دوزخ کی آگ حرام ہے اور سید پاک ہے بلکہ یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ جو ہمارا مرید ہو جائے خواہ کیسا ہی بدکار کیوں نہ ہو پر ہماری وجہ سے وہ بخشا جاوے گا وغیر ذالک۔ میں نے اپنی آنکھوں سے ہزاروں ایسے لوگ بلکہ قومیں دیکھی ہیں جن کا یہ پختہ اعتقاد ہے کہ اگر سید کسی غیر عورت سے بد نظر ہو جائے تو یہ اس عورت اور اس کے کنبہ کی خوش قسمتی ہے کہ وہ بلکہ اس کا کنبہ بخشا گیا

اور دوزخ کی آگ ان پر بھی حرام ہو گئی۔ علیٰ ہٰذا القیاس۔ مولوی لوگ دعویدار ہیں کہ ہم نبی کریمؐ کے گدی نشین ہونے کے باعث بخشے ہوئے ہیں بلکہ اپنے پیروؤں کی شفاعت کے مدعی ہیں۔ اور عوام نے یقین کر رکھا ہے کہ کلمہ شریف کی یہ برکت ہے کہ جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ دے اس پر دوزخ کی آگ حرام ہے۔ اور خدا غفور رحیم ہے۔ خواہ ہم مسلمان کہلا کر کچھ بھی کریں وہ بخش دے گا اور کہ ہمارے حضرتؐ شفیع المذنبین ہیں ہم ان کی امّت کہلا کر پھر کچھ ہی کریں وہ ہماری شفاعت کر کے ضرور جنت میں لے جاویں گے وعلیٰ ہذا القیاس۔ لیکن خداوند تعالیٰ بتاتا ہے کہ کسی قوم اور مذہب وملّت کی کوئی تخصیص نہیں اگر بدی کرے گا تو بد نتیجہ اُٹھائے گا اور نیکی کرے گا تو آرام پائے گا ہاں مغفرت اور شفاعت ضرور ہیں پر مغفرت اور شفاعت بھی مفت نہیں ان کے واسطے بھی کچھ کرنا پڑتا ہے۔

آیت98تا99: قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ۔

تشریح الفاظ:

مَنْ کے معنے جو اور اگر کوئی ہوتے ہیں۔ اور اس کو مَنْ موصولہ اور شرطیہ کہتے ہیں اور کبھی اس کے معنے کون کے ہوتے ہیں اور اس وقت اس کو استفہامیہ کہتے ہیں۔ اور میں انشاء اللہ آگے بتاؤں گا کہ مفسرین دونوں معنوں کی طرف گئے ہیں۔

بَيْنَ يَدَيْهِ۔ تین لفظوں سے مرکب ہے ایک بَيْنَ سے جس کے معنے درمیان کے ہوتے ہیں اور دوم يَدَيْنِ سے جو کہ يَدٌ کا تثنیہ ہے جس کے معنے ہیں دو ہاتھ اور تثنیہ کا نون دوسرے لفظ کی طرف مضاف یعنی منسوب ہونے سے گر جایا کرتا ہے اور سوم ہٖ ضمیر سے جس کے معنے اس کے ہوتے ہیں۔

پس تینوں کے ملنے سے معنے ہوئے اس کے دو ہاتھوں کے درمیان اور مَا کے ساتھ ملانے سے ترجمہ یہ ہو گا کہ جو اس کے دو ہاتھوں کے درمیان ہے۔ لیکن اب محاورہ میں سب کے یہ معنے ہو گئے ہیں کہ جو اس کے آگے یا سامنے یا حاضر ہے۔

هُدًى کے معنے ہدایت کے ہیں اور اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

اور بُشْرٰى کے معنے بشارت کے ہیں اور بشارت اصل میں تو مطلق اس بات کو کہتے تھے کہ جس کے سننے سے بشرہ (چہرہ) بدل جائے لیکن رفتہ رفتہ اس کا زیادہ استعمال اس بات میں ہو گیا ہے کہ جو خوشی کے ساتھ چہرہ کو بدل دے لہٰذا اب اس کے معنے خوشخبری کے کئے جاتے ہیں۔ جبرئیل اور میکال دو معظم فرشتوں کے نام ہیں اور یہ دونوں نام ایسے ہیں کہ جن کو عرب لوگ مختلف طور پر بولتے ہیں۔ چنانچہ جبرئیل کو 13 طور پر پڑھا ہے۔

1-جِبْرِیْلُ، 2-جَبْرِیْلُ، 3-جَبْرَئِیْلُ، 4-جَبْرَئِلُ، 5-جَبْرَئِلُّ، 6-جَبْرَائِلُ، 7-جَبْرَائِیْلُ، 8-جَبْرَاءِیْلُ، 9-جَبْرَاْلُ، 10-جَبْرَیْلٰ، 11-جَبْرِیْنَ، 12-جِبْرِیْنَ، 13-جَبْرَایْنَ۔

اور میکال کو چھ طور پر پڑھا ہے۔ 1-مِیْکَالُ، 2-مِیْکَائِلُ، 3-مِیْکَائِیْلُ، 4-مِیْکَئِیْلُ، 5-مِیْکَئِلُ، 6-مِیْکَاءِیْلُ۔

ترجمہ:

کہو اگر کوئی جبریل کے لئے دشمن ہے (یا جبریل کے لئے کون دشمن ہے) پس یقیناً اس نے تو اس کو اللہ کے حکم سے تیرے دل پر اُتارا ہے تصدیق کرتا ہوا اس کی جو کہ اس کے آگے ہے اور مومنوں کے لئے ہدایت اور بشارت دیتا ہوا۔ اگر کوئی اللہ اور اس کے فرشتوں اور رسولوں اور جبریل اور میکائیل کیلئے دشمن ہے تو بے شک اللہ ایسے کافروں کیلئے دشمن ہے۔

تفسیر:

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلَ الخ۔ مفسرین کی عام عادت میں ہے کہ ماقبل کے ساتھ ربط تو نہ دیکھتے ہیں اور نہ بیان کرتے ہیں تاکہ کوئی خاص معنے ماقبل کے مناسب حال معین ہو جاویں لہٰذا جہاں کہیں کوئی محتمل عبارت آجاتی ہے تو بہت سے معانی اور توجیہات کی طرف سے چل پڑتے ہیں۔ یہاں پر بعض تو اس طرف گئے ہیں کہ مَنْ استفہامیہ ہے اور فَاِنَّهٗ الخ عداوت کی علت ہے۔ پس اس صورت میں معنے یہ ہوئے کہ کون جبریل کا اس لئے دشمن ہوا ہے کہ اس نے اللہ کے حکم سے تیرے دل پر اس کو نازل کیا ہے الخ۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مَنْ شرطیہ ہے اور فَاِنَّهٗ الخ جزاء یا قائم مقام جزاء ہے اور بعض نے کہا ہے کہ فَاِنَّهٗ الخ میں عداوت کا سبب بیان ہوا ہے اور جزاء محذوف ہے۔

پس بعض نے تو وہ محذوف فَلْیَمُتْ غَیْظًا نکالی ہے اور بعض نے یہ بتائی ہے کہ فَهُوَ عَدُوٌّ لِّیْ وَاَنَا عَدُوٌّ لَّهٗ۔ پس پہلے قول کے موافق اس کے معنے یہ کئے گئے ہیں کہ کہو اگر کوئی جبریل کا دشمن ہوا ہے۔ پس اس نے تو اس کو اللہ کے حکم سے تیرے قلب پر نازل کیا ہے الخ یعنی اس نے بڑی بے انصافی کی یا وہ اپنی کتابوں سے بھی منکر ہوا کیونکہ یہ ان کی مصدق تھی اور دوسرے قول کے مطابق معنے یہ ہیں کہ اگر کوئی جبریل کا اس لئے دشمن ہوا ہے کہ اس

نے اللہ کے حکم سے تیرے قلب پر اس کو نازل کیا ہے الخ تو وہ غیظ و غضب کے ساتھ مر جائے۔ یا پس وہ میرا دشمن ہے اور میں اس کا دشمن ہوں۔

حضرت مولانا خلیفۃ المسیحؑ نے بھی مَنۡ کو استفہامیہ ہی قرار دیا ہے لیکن آپ نے پہلے قول کی طرح فَاِنَّہٗ کو عداوت کی علت نہیں قرار دیا اور ترجمہ یہ فرمایا ہے کہ کون ہوا دشمن جبریل کا پھر اسی نے تو نازل کیا تیرے دل پر اللہ کے اذن سے الخ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم تو جبرئیل کے دشمن نہیں کیونکہ اسی نے تو ہمارے دل پر اللہ کے حکم سے اس کو نازل کیا ہے۔

چونکہ طالب العلمی کے زمانہ میں مجھے ان آیات کے معنوں میں اطمینان حاصل نہ ہوا تھا اس لئے مجھے ان پر بہت غور و فکر کرنا پڑا ہے۔ اور قواعد عربیہ اور ما قبل کی مناسبت سے جو معنے مجھے پسند ہوئے ہیں اور جن پر مجھے ثلج قلب حاصل ہے وہ میں پیش کرتا ہوں اور بالآخر ان کی مناسبت بھی بیان کروں گا۔

میرے نزدیک یہ مَنۡ شرطیہ ہے اور فَاِنَّہٗ عداوت کی علت ہے اور جیسا کہ قاعدہ ہے اور پہلے بھی مفصل طور پر بیان ہو چکا ہے کہ جب شرط لمبی ہو جاتی ہے تو جزاء کے قریب اس شرط کو بطور اختصار کسی قدر عبارت کی تبدیلی کے ساتھ پھر دُہرایا جاتا ہے۔

کافروں کا جبرئیل کا دشمن ہونا اور اس کی وجہ:

دوسرا مَنۡ کَانَ عَدُوًّا الخ پہلی شرط کا تکرار ہے۔ اور فَاِنَّ اللّٰہَ عَدُوٌّ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ جزاء ہے اور چونکہ فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ عَلٰی قَلۡبِکَ بِاِذۡنِ اللّٰہِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡہِ وَ ھُدًی وَّ بُشۡرٰی لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ سے صاف پایا جاتا ہے کہ جب کوئی شخص محض اس وجہ سے جبرئیل کا دشمن ہو کہ اس نے ایسی کتاب خدا کے حکم سے سید الرسلؐ کے قلب پر اُتاری ہے تو وہ خالی جبریل ہی کا دشمن نہیں بلکہ اللہ کا اور جبریل اور سب فرشتوں اور رسولوں کا وہ دشمن ہے۔ پس اسی وجہ سے فَاِنَّہٗ الخ کے بعد جب پہلی شرط کو دُہرایا ہے تو اس میں عداوت جبرئیل ہی پر اکتفاء نہیں کی بلکہ فرمایا کہ جو شخص اللہ اور اس کے فرشتوں اور رسولوں اور جبرئیل اور میکائیل کا دشمن ہے۔ اور جزاء میں کہا ہے کہ پس اللہ اس کا دشمن ہے۔

پس مطلب یہ ہوا کہ کہہ دو اگر کوئی جبرئیل کا اس لئے دشمن ہے کہ اس نے اللہ کے حکم سے اس کو تیرے قلب پر نازل کیا ہے تصدیق کرنے والا اس کی جو کہ اس کے آگے ہے اور مومنوں کے لئے ہدایت اور بشارت ہے (پس یقیناً وہ ایک جبرئیل ہی کا دشمن نہیں بلکہ اللہ اور اس کے سب فرشتوں اور رسولوں اور جبریل و میکائیل کا دشمن ہے اور) اگر کوئی اللہ اور اس کے سب فرشتوں اور رسولوں اور جبریل و میکائیل کا دشمن ہے تو جو ذات سب نقصوں سے پاک اور سب صفات کاملہ کی جامع ہے وہی اس کی دشمن ہے۔

پس یہ معنے قواعد کے بھی مطابق ہیں اور ان میں کوئی ہیر پھیر بھی نہیں رہتا۔ رہی ماقبل کے ساتھ مناسبت پس وہ بھی ادنیٰ تامل سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ اس سے یہود کا وہ قول ردّ کیا گیا ہے جو کہ وہ اپنے اَبۡنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ[1] (المائدۃ:19) ہونے کی بنا پر کہا کرتے تھے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک دار آخرت خالص ہمارے ہی لئے ہے اور دوسرے لوگوں کیلئے نہیں ہے۔ تو فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ الخ[2] (البقرۃ:95) اور وَلَتَجِدَنَّہُمۡ اَحۡرَصَ النَّاسِ الخ[3] (البقرۃ:97) کے ساتھ اس کی تردید کرنے کے بعد ان آیات میں خداوند کریم نے ایک اور عجیب طریق کے ساتھ ان کے اس دعوے کی تردید فرمائی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ دعویٰ تو تب صحیح ہو سکتا ہے کہ اللہ کی تم سے محبت ہو اور تم اس کے احباء اور پیارے ہو (جیسا کہ ظاہر ہے) اور تمہارا جبریل کا اس لئے دشمن ہونا (کہ اس نے سید الرسل کے قلب پر خدا کے حکم سے مُصَدِّقًا الخ کیوں نازل کیا ہے) صاف ثابت کرتا ہے کہ تم اللہ اور اس کے سب فرشتوں اور رسولوں اور جبرئیل و میکائیل کے دشمن ہو (اور یہ بھی ظاہر ہے) کہ جو کوئی ان سب کا دشمن ہے اللہ اس کا کبھی بھی محبّ اور دوست نہیں بلکہ ایسے کافروں اور ناشکروں کا وہ دشمن ہے۔

مفسرین کی روایات:

مفسرین نے یہاں پر ایک تو یہ روایت درج کی ہے کہ ابن جریر اور ابن ابی حاتم اور

---

[1]۔ اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے۔ (تفسیر صغیر)
[2]۔ تو موت کی خواہش کرو۔ (تفسیر صغیر)
[3]۔ اور تو انھیں سب لوگوں سے زیادہ حریص پائے گا۔ (تفسیر صغیر)

ابن ابی شیبہ نے حضرت عمرؓ کی نسبت روایت کیا ہے کہ وہ ایک دن یہود کے مدارس میں داخل ہوئے اور ان سے جبریل کی نسبت دریافت کیا تو وہ کہنے لگے کہ جبریل ہمارا دشمن ہے کہ محمدؐ کو ہمارے اسرار پر آگاہ کرتا ہے اور دکھ عذاب بھی وہی لاتا ہے اور میکائیل فراخی اور سلامتی لاتا ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے ان سے دریافت کیا کہ اللہ کے نزدیک ان دونوں کا کیا مرتبہ ہے تو انہوں نے کہا کہ جبرئیل اللہ کی دہنی طرف ہے اور میکائیل بائیں طرف ہے اور دونوں میں عداوت ہے۔ پس اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر ویسا ہی ہے جیسا کہ تم نے کہا ہے تو پھر ان کے درمیان ہرگز عداوت نہیں اور تم حمیر سے بھی زیادہ کافر ہو اور جو اِن دونوں میں سے ایک کا بھی دشمن ہے پس وہ ضرور اللہ کا دشمن ہے۔ پس اس کے بعد حضرت عمرؓ نبی کریمؐ کے پاس واپس آئے اور آپ کے آنے سے پہلے ہی حضرت جبریل یہ آیات نبی کریم ﷺ کے پاس لا چکے تھے۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے عمرؓ تیرے ربّ نے تیرے جواب کے مطابق نازل فرمایا ہے۔ تو حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں پتھر سے بھی زیادہ مضبوط ہو گیا۔

(تفسیر ثعلبی جلد اول صفحہ 238-239 سورۃ البقرۃ، دار احیاء التراث العربی بیروت)

بخت نصر کو قتل کرنے سے جبرئیل نے روکا:

اور دوسری روایت یوں لکھی ہے کہ یہ آیتیں عبد اللہ بن صوریا یہودی کے حق میں نازل ہوئی ہیں جو کہ فدک کے احبار میں سے تھا اور اس نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا تھا کہ آپ پر کون نازل ہوتا ہے تو جب آپ نے جبریل فرمایا تو کہنے لگا کہ وہ تو ہمارا دشمن ہے کئی دفعہ اس نے دشمنی کی ہے۔ اور سب سے زیادہ سخت اس وقت کی ہے کہ اس نے ہمارے نبی کو آکر خبر دی تھی کہ بخت نصر بیت المقدس کو اُجاڑ دے گا تو ہم نے کسی کو بخت نصر کے قتل کے لئے بھیجا تو اس نے اس کو شہر بابل میں پایا تو جب اس نے موقع پایا تو جبریل نے اس کو روک دیا اور کہا کہ اگر اللہ نے اس کو تمہارے ہلاک کرنے کا حکم دیا ہے تب تو اللہ تم کو اس پر مسلط نہ کرے گا اور اگر خدا نے اس کو حکم نہیں دیا تو پھر تم کیوں اس کو قتل کرتے ہو تو اس شخص نے اس کی بات کو تسلیم کر لیا اور ہمارے پاس واپس آ گیا۔ اور بخت نصر جب بڑا

ہو گیا اور قوت پکڑ گیا تو ہم سے لڑا اور بیت المقدس کو غیر آباد کر دیا۔ لیکن عراقی نے کہا ہے کہ اس روایت کی مجھے کوئی سند نہیں ملی اور بعض محدثین نے پہلی روایت کو ردّ کیا ہے۔ لیکن خواہ یہ روایتیں صحیح ہوں یا غلط ہوں اس میں شک نہیں کہ یہود لوگ جبریل کے عدو ضرور تھے۔ اور اس کا انکار نہ کر سکتے تھے اور اسی سے خداوند کریم نے ان کے احباء اللہ ہونے کی تردید کی ہے اور ان کے اعداء اللہ ہونے کو ثابت کیا ہے۔

مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کو حکم ہوا تھا کہ آپ یہود کو یہ کہیں تو پھر بجائے قَلْبِكَ کے قَلْبِیْ ہونا چاہیئے تھا لیکن چونکہ یہ آپ کا اپنا قول نہ تھا بلکہ آپ اس میں محض سفیر تھے لہٰذا قَلْبِكَ فرمایا ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ الخ ایک جملہ معترضہ ہے جو کہ عداوت کی علت ظاہر کرنے کے لئے یہاں پر ذکر ہوا ہے تو اس صورت میں قَلْبِكَ اپنے اصل پر ہے۔ قَلْبٌ سے بعض نے روح مراد لی ہے اور بعض نے سارا بدن لیا ہے اور بعض نے نُزُوْلٌ عَلَى الْقَلْبِ سے یہ لیا ہے کہ تیرے قلب کو اخلاق قرآنیہ کے ساتھ رنگین کیا ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ یہ سب تاویلیں ہیں اور بے ضرورت اور بے وجہ ہیں کیونکہ جب یہ ثابت شدہ صداقت ہے کہ جس طرح علوم کسبیہ کا مرکز دماغ ہے اسی طرح علوم الٰہیہ اور وحی کا مرکز دل ہے تو اب تاویل کی ضرورت ہی کیا ہے۔

فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ میں مناسب تو یہ تھا کہ بجائے لِلْكٰفِرِيْنَ کے لَهُمْ آتا لیکن ان کے اس عجیب و غریب کفر کے ظاہر کرنے اور اس کے سببِ عداوت ہونے کو ظاہر کرنے کیلئے لِلْكٰفِرِيْنَ فرمایا ہے۔

خلاصہ مطلب:

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جب خداوند کریم نے ان کے دعویٰ اختصاص دار آخرت کی تردید فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ الخ اور وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ الخ کے ساتھ فرمائی اور یہ ثابت کر دیا کہ یہ دعویٰ محض زبانی اور مقابلہ کے طور پر ہے۔ اور حقیقت میں ان کو خود بھی اس پر یقین نہیں تو اب ان آیات کے ساتھ خداوند کریم ان کے دعوے کی بالکل جڑھ کاٹتا ہے کہ یہ کبھی ہو سکتا بھی نہیں۔ اور اس کو یُوں بیان فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کو حکم دیا کہ تم ان کو کہہ

دو(کہ اس سے تم انکار نہیں کر سکتے کہ تم جبریل کے اس لئے دشمن ہو کہ اس نے میرے دل پر خدا کے حکم سے اس کتاب کو ایسا نازل کیا ہے کہ ان سب کتابوں کی مصدق ہے جو کہ اس کے آگے ہیں اور مومنوں کے لئے ہدایت اور بشارت ہے اور ظاہر ہے کہ) اگر کوئی جبریل کا اس لئے دشمن ہوا ہے (تو وہ اللہ اور اس کے سب فرشتوں اور رسولوں اور جبرائیل اور میکائیل کا دشمن ہے اور ظاہر ہے کہ) اگر کوئی اللہ اور اس کے سب فرشتوں اور رسولوں اور جبریل و میکائیل کا دشمن ہے تو اللہ اس کا دشمن ہے کیونکہ وہ بڑا ہی کافر اور ناشکر ہے۔

آیت 100: وَ لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡكَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ وَ مَا یَكۡفُرُ بِهَاۤ اِلَّا الۡفٰسِقُوۡنَ۔

تشریح الفاظ:

لَ۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اس کے معنے تحقیق اور تاکید کے ہوتے ہیں۔ اور اس کے پہلے قسم مقدر ہوتی ہے۔ اور قَدۡ کے معنے بھی تحقیق اور تاکید کے ہوتے ہیں۔

اٰیٰتٌ۔ اٰیَۃٌ کی جمع ہے اور اس کی نسبت بھی بیان ہو چکا ہے کہ اس کے معنے علامت اور نشان کے ہوتے ہیں اور چونکہ قرآن مجید کا ہر ایک فقرہ اور جملہ بھی اس کے منجانب اللہ ہونے کا نشان ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کو بھی اٰیَۃٌ کہتے ہیں۔

اور بَیِّنَاتٌ۔ بَیِّنَۃٌ کی جمع ہے، جس کے معنے ہیں واضح اور کھلی شَے کے اور کبھی اس کے معنے ہوتے ہیں دوسری چیز کی صداقت اور حقانیت ظاہر کرنے والی چیز کے۔

اور فَاسِقُوۡنَ کے معنے پہلے بیان ہو چکے ہیں کہ یہ فَاسِقٌ کی جمع ہے اور وہ فِسۡقٌ سے بنا ہوا ہے اور فِسۡقٌ حکم عدولی کو کہتے ہیں پر یہاں پر اس قدر زیادہ بتانا ضروری خیال کرتا ہوں کہ جس طرح اس کے معنے حکم عدولی کے آتے ہیں اسی طرح اس کے معنے کسی امر میں حد سے تجاوز کرنے کے بھی آتے ہیں۔ حسن نے کہا ہے کہ فِسۡقٌ کا استعمال جب کسی خاص بدی میں ہو تو اس سے اس کا اعلیٰ فرد مراد ہوتا ہے مثلاً اگر کہا جائے کہ فُلَانٌ فَاسِقٌ فِی الۡکُفۡرِ (یا) فِی السَّرِقَۃِ وَ غَیۡرِھِمَا تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ فلاں شخص کفر اور چوری وغیرھما میں حد سے گزرا ہوا اور بہت بڑا کافر اور چور ہے۔ علماء کی عام اصطلاح ہے کہ کفر کے سواء اور بدیاں کرنے والے کو فاسق کہتے ہیں اور کافر کے اس کو مقابل خیال کرتے ہیں۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ لُغت اور قرآن مجید کے استعمال کی رو سے کفر اور معصیت دونوں پر اس کا استعمال ہوتا ہے۔

ترجمہ:

اور (واللہ کہ) بے شک ہی ہم نے تم پر کھلی کھلی آیتیں نازل کی ہیں۔ اور ان کا انکار نہیں کر سکتے پر وہی لوگ جو کہ (کفر اور حکم عدولی میں) حد سے بڑھنے والے ہوں۔

تفسیر:

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الخ۔ مفسرین نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ابن صوریا کے جواب میں نازل ہوئی تھی۔ جبکہ وہ نبی کریمؐ کے پاس آیا تھا اور نبی کریمؐ کو اس نے کہا تھا کہ تم ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں لائے جس کو ہم پہنچاتے ہوں (یعنی تم ان امور سے کچھ بھی نہیں لائے کہ جن کی پہلے انبیاءؑ نے ہمیں خبر دی ہوئی ہے) اور نہ تم پر کوئی آیات نازل ہوئی ہیں تا کہ ہم تیری اتباع کریں۔ لیکن مفسرین نے یہ نہیں لکھا کہ اس کا ماقبل کے ساتھ کیا تعلق ہے ہاں تفسیر رحمانی نے لکھا ہے پر اس کے اکثر ربط نظر انداز ہی کرنے کے قابل ہوتے ہیں۔

میرا اپنا خیال یہ ہے کہ اس کا ماقبل سے یہ تعلق ہے کہ جب یہ ذکر آیا کہ جبریل کے اللہ کے حکم سے اتارنے کی وجہ سے جو جبریل کے دشمن ہوئے ہیں وہ اکیلے جبریل کے دشمن نہیں ہوئے بلکہ اللہ اور اس کے سب فرشتوں اور رسولوں اور جبریل اور میکائیل کے دشمن ہیں الخ۔ تو اس کے جواب میں وہ کہہ سکتے تھے کہ یہ تب لازم آتا کہ پہلے یہ ثابت ہو جاتا کہ جو کچھ محمدؐ کے دل پر نازل کیا گیا ہے وہ اللہ کے حکم سے اور اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور یہ اب تک ثابت نہیں ہوا۔ تو خداوند کریم نے متصل اس کے بعد وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ الخ فرما کر اس کی تردید فرمادی کہ اس کے منجانب اللہ اور بحکم اللہ نازل ہونے کے کھلے کھلے براہین اور نشانات تو واللہ کہ ضرور ہی ہم نے نازل کئے ہیں جن کا انکار بجز ان لوگوں کے اور کوئی بھی نہیں کر سکتا کہ جو ناشکری اور انکار حق میں حد سے گزرنے والے ہوں۔ پر چونکہ حکم عدولی اور انکار حق میں تم لوگ حد سے گزر گئے ہوئے ہو اس لئے تم ایسے کھلے براہین اور نشانات کا بھی انکار کرتے ہو۔

احباء اللہ اور اعداء اللہ کی تشریح:

اور اس کے علاوہ اصل مضمون کے ساتھ بھی یہ چسپاں ہے اس لئے کہ ان کے اختصاص دار آخرت کے دعوے کی بنا تو ان کے احباء اللہ ہونے پر تھی۔ پس اوّل تو مَنْ

كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ الخ[1] (البقرۃ:98) کے ساتھ اس کی بنا کو باطل فرمایا کہ تم احباء اللہ ہر گز نہیں ہو بلکہ اعداء اللہ ہو اور پھر وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ الخ کے ساتھ ایک اور وجہ سے ان کا احباء اللہ نہ ہونا اور اعداء اللہ ہونا ثابت کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جو آیات نازل ہوتی رہی ہیں انہی کی اتباع اور انکار پر احباء اور اعداء ہونے کا ہمیشہ دار و مدار رہا ہے۔

پس جو اتباع کرتے ہیں وہ احباء ہوتے ہیں اور جو انکار اور حکم عدولی کرتے ہیں وہ ہر گز احباء نہیں ہوتے لیکن تجھ پر تو ہم نے آیات بینات نازل کی ہیں جن کا انکار ہر ایک حکم عدولی کرنے والے سے بھی نہیں ہو سکتا بلکہ اس سے ہو سکتا ہے جو کہ انکار اور حکم عدولی میں حد سے گزر جانے والا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ جو ان میں حد سے گزرنے والا ہو وہ تو کسی طرح احباء میں سے نہیں ہو سکتا بلکہ اَعْدَی عَدُوّ ہوتا ہے۔

خلاصہ مطلب:

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جب خداوند کریم نے اختصاص دار آخرت کی نسبت ان کے دعوے کی بنا کو باطل کیا کہ تم احباء اللہ نہیں ہو بلکہ اعداء اللہ ہو تو اس کے بعد وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ الخ فرما کر پہلے تو احباء اللہ اور اعداء اللہ ہونے کا منشاء بتایا کہ ان کی بناء آیات اللہ کی اتباع اور انکار پر ہے اور پھر بتایا کہ جب یہ لوگ آیات کے کیا بلکہ آیات بینات کے بھی منکر ہیں جن کا انکار بجز ان کے کوئی نہیں کر سکتا جو کہ انکار اور حکم عدولی میں حد سے گزرنے والے ہوں تو پھر احباء اللہ ہونے سے بہت دُور ہیں بلکہ سخت ترین اعداء اللہ سے ہیں۔

دوم پہلے جبریل کے عدو ہونے سے ان کا اعداء اللہ ہونا ثابت کیا گیا تھا اور اس پر وہ یہ اعتراض بے حیائی سے کر سکتے تھے کہ جبریل کے عدو ہونے سے اوروں کا عدو ہونا تب لازم آتا کہ پہلے یہ ثابت ہو جاتا کہ جو کچھ تمہارے (محمدؐ) کے قلب پر نازل کیا گیا ہے۔ وہ اللہ کی

[1]۔ جو شخص جبرائیل کا دشمن ہو۔ (تفسیر صغیر)

طرف سے اور اس کے حکم سے نازل کیا گیا ہے اور یہ ثابت نہیں ہوا کیونکہ اب تک تم پر کوئی آیات نازل نہیں ہوئیں تو خداوند کریم نے وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ الخ کے ساتھ بتایا ہے کہ تمہارا یہ کہنا بالکل غلط ہے اور واللہ کہ ہم نے ضرور ہی تم پر براہین اور نشان کیا بلکہ واضح اور کھلے کھلے براہین اور نشانات نازل کئے ہیں جن کی قوت اور وضاحت کے باعث مومن کیا کوئی کافر بھی ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ بجز خاص ان شریر لوگوں کے جو کہ اپنی بد بختی سے انکار اور حکم عدولی میں حد سے گزرنے والے ہوتے ہیں اور تم بھی اسی وجہ سے ان کا انکار کر رہے ہو کہ تم بھی حکم عدولیوں میں حد سے گزرنے والے ہو۔

آیت 101 تا 102: اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔

تشریح الفاظ:

اَوَ۔ میں نے پہلے اس قدر تو بتایا ہے کہ اَوَ یا اَفَ جہاں کہیں آتا ہے تو یہ دو کلموں سے مرکب ہوتا ہے ایک اَ سے جو کہ استفہام کے لئے ہوتا ہے اور دوم وَ یا فَ سے جو کہ حرف عطف ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ اس وَ اور فَ کا معطوف علیہ مقدر ہوتا ہے جو کہ پہلے کلام سے مفہوم ہوتا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہی حق ہے اور محققین نے بھی اسی کو حق کہا ہے لیکن اہل عربیت نے اور اور توجیہات بھی لکھی ہیں۔ مثلاً اخفش نے کہا ہے کہ یہ جہاں کہیں آتا ہے وہاں پر زائد ہوتا ہے جس کے کچھ معنے نہیں ہوتے۔ اور امام کسائی اس طرف گیا ہے کہ اَوَ دو کلمے نہیں بلکہ یہ ایک ہی کلمہ ہے اور یہ وہی اَوْ ہے جو کہ عطف کے حرفوں میں شمار ہوتا ہے اور اسی کے آخر میں زبر دے کر اَوَ بنایا گیا ہے اور اس وقت یہ بَلْ کی طرح ترقی کے لئے آتا ہے اور اس کے معنے بلکہ کے ہوتے ہیں۔ اور ان سب صورتوں میں جو جو معنے ہوتے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ تفسیر میں بیان کروں گا۔

عَاهَدُوْا۔ مُعَاهَدَةٌ سے ہے، جس کے معنے ایک دوسرے سے عہد کرنے یا ایک طرف سے پختہ اور موکد عہد کرنے کے ہیں۔

نَبَذَ۔ نَبْذٌ سے ہے اور نَبْذٌ اصل میں اس چیز کے پھینکنے کو کہتے ہیں جو کہ معمولی چیز ہو اور رفتہ رفتہ اب اسی چیز کے پھینکنے پر بولتے ہیں جو کہ بہت معمولی ہونے کی وجہ سے بھلائی جاتی ہو اور پھر اس کا خیال نہ کیا جاتا ہو۔ اور اس کا اصل استعمال اگرچہ جسمانی چیزوں میں ہونا چاہیئے لیکن غیر جسمانی اشیاء میں بھی استعارہ کے طور پر بکثرت استعمال ہوتا ہے۔

فَرِيْقٌ۔ ایک حصہ اور گروہ کو کہتے ہیں خواہ وہ تھوڑا ہو یا بہت ہو۔

وَرَاءٌ کے معنوں کی تحقیق گزر چکی ہے کہ اس کے معنے پوشیدہ کے ہیں اور اسی وجہ سے آگے اور پیچھے پر بھی بولا جاتا ہے اور سوا کے معنوں میں بھی آتا ہے اور یہاں پر پیچھے کے معنوں میں آیا ہے۔

ظُهُوْرٌ۔ ظَهْرٌ کی جمع ہے، جس کے معنے پیٹھ کے ہیں۔

كَاَنَّ۔ تشبیہ کے لئے آتا ہے اور اس کے معنے گویا کہ ہیں۔

ترجمہ:

کیا (یہ لوگ فسق کرتے ہیں) اور جب کبھی کوئی پختہ عہد کرتے ہیں (یا بلکہ جب کبھی انہوں نے کوئی عہد کیا ہے) تو ان میں سے ایک گروہ اس کو پھینک دیتا ہے (یا ان میں سے ایک گروہ نے اس کو پھینک دیا ہے) بلکہ اکثر ان کے ایمان نہیں لاتے۔ اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے اس کی تصدیق کرنے والا رسول آیا جو کہ ان کے ساتھ ہے تو اُن لوگوں میں سے کہ جن کو وہ کتاب دی گئی تھی ایک گروہ نے اللہ کی کتاب کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا گویا کہ وہ کچھ جانتے ہی نہیں۔

تفسیر:

اَوَ كُلَّمَا عَاهَدُوْا عَهْدًا الخ۔ میں نے اَوَ کی نسبت مختلف اقوال لکھے ہیں اور بتایا ہے کہ حق یہی ہے کہ اَ حرف استفہام ہے اور وَ حرف عطف ہے اور معطوف علیہ اَ کے بعد اور وَ سے پہلے مقدر ہے اور وہ کلام سابق سے معلوم ہوتا ہے۔ پس جب ہم کلام سابق پر نظر کرتے ہیں تو اس میں کفر بآیات اللہ کا ذکر پاتے ہیں لہٰذا قواعد عربیہ کے مطابق اصل عبارت یوں ہوتی ہے کہ اَكَفَرُوْا بِاٰيَاتِ اللهِ الْبَيِّنَاتِ وَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا (کیا انہوں نے اللہ کی آیات بینات کا انکار کیا ہے اور جب کبھی کوئی عہد کیا ہے الخ) یہ تو مفسرین نے اصل عبارت لکھی ہے لیکن میرا اپنا خیال ہے کہ اس صورت میں بجائے اس کے یوں عبارت ہونی چاہیئے کہ اَفَسَقُوْا وَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا الخ (کیا فسق کرتے ہیں اور جب کبھی کوئی عہد کرتے ہیں) اور بعض یہی کہتے ہیں پر اس قدر فرق کرتے ہیں کہ وہ معطوف علیہ کو ہمزہ سے پہلے مقدر مانتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جس طرح حرف عطف معطوف پر آیا ہے اسی طرح اَ بھی

معطوف پر آیا ہے کیونکہ استفہام اسی کے ساتھ متعلق ہے اور معطوف علیہ کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ تو اس کے مطابق اصل عبارت یُوں ہونی چاہیئے کَفَرُوْا بِاٰیَاتِ اللّٰہِ الْبَیِّنَاتِ اَوَ کُلَّمَا عَاھَدُوْا عَھْدًا الخ (انہوں نے اللہ کی کھلی کھلی آیتوں کا انکار کیا کیا اور جب کبھی کوئی عہد کرتے ہیں الخ) اور ان دونوں صورتوں میں استفہام انکار کیلئے ہے یعنی ان کو ایسا نہ کرنا چاہیئے تھا۔

لغت کے ماہرین کے نزدیک حروف استفہام کا یہاں مطلب:

اور امام اخفش کے نزدیک جب یہ زائد ہوا تو اب کچھ بھی مقدر نہ کرنا پڑے گا اور اصل عبارت اسی قدر ہو گی کُلَّمَا عَاھَدُوْا عَھْدًا الخ (جب کبھی کوئی عہد کرتے ہیں الخ) اور امام کسائی کے نزدیک جب یہ اصل میں وہی اَوْ ہے جو کہ حروف عطف سے ہے اور بمعنے بَلْ ہے ہاں آخر میں فتح دیا گیا ہوا ہے تو اب اس کے لئے کوئی معطوف علیہ بھی ضرور چاہیئے جس پر اس کے ساتھ ترقی ہو۔

پس اس صورت میں بعض نے تو معطوف علیہ اس سے پہلے مقدر مانا ہے اور اصل عبارت یہ بتائی ہے کہ کَفَرُوْا بِاٰیَاتِ اللّٰہِ الْبَیِّنَاتِ اَوَ کُلَّمَا عَاھَدُوْا عَھْدًا الخ انہوں نے اللہ کی کھلی کھلی آیتوں کا انکار کیا ہے بلکہ جب کبھی کوئی عہد کیا ہے الخ اور اکثروں نے یہ کہا ہے کہ الفَاسِقِیْنَ میں جو فَاسِقِیْنَ آیا ہے اس پر عطف ہے اور کہا ہے کہ اگرچہ معطوف جملہ ہے اور فاسقین جو کہ معطوف علیہ ہے وہ بظاہر جملہ نہیں۔ لیکن یہ جائز ہے اس لئے کہ یہاں پر ال بمعنے اَلَّذِیْ ہے جیسا کہ علم نحو کا قاعدہ ہے اور یہ ال اگرچہ بظاہر مفرد پر آتا ہے لیکن حقیقت میں وہ جملہ ہوتا ہے لہٰذا اس پر جملہ کا عطف ہو جاتا ہے جیسا کہ قرآن مجید کے دوسرے مقام پر آیا ہے اِنَّ الْمُصَّدِّقِیْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا [1] (الحدید:19) تو اَقْرَضُوْا مُصَّدِّقِیْنَ پر عطف ہے۔

پس اس صورت میں اصل عبارت یہی رہے گی جو کہ موجود ہے یعنی وَمَا یَکْفُرُ بِھَآ اِلَّا

[1] ۔ یقیناً صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے مال میں سے ایک حصہ کاٹ کر الگ کر دیا ہے۔ (تفسیر صغیر)

الْفٰسِقُوْنَ (البقرۃ:100) اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا الخ (اور ان کا انکار نہیں کرتے پر وہی لوگ جو کہ فاسق ہوتے ہیں بلکہ جب کبھی وہ عہد کرتے ہیں الخ) اور اس قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ابن السماک عدوی وغیرہ قاریوں نے بجائے اَوَ بفتح و کے اَوْ بسکون و روایت کیا ہے۔ پس یہ دوسری قرأت اس کی مؤید ہے کہ یہ اَوَ اور اَوْ ایک ہی ہیں اور پھر بڑی بھاری اور قابل قدر بات یہ ہے کہ اس صورت میں نہ کسی لفظ کو زائد قرار دینا پڑتا ہے اور نہ کچھ مقدر ماننا پڑتا ہے۔ تو محققین نے اگرچہ پہلے قول کو پسند کیا ہے لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ اَوْ میں اَوَ بھی آتا ہے تو پھر یہ قول اس سے بھی زیادہ عمدہ ہے اور باقی اقوال قابل اعتبار نہیں ہیں۔

فاسق ہونے کا مطلب:

اور ایک اور بات سے بھی اس کی بہت تائید ہو جاتی ہے کہ اس کے مطابق اَوَ كُلَّمَا عَاهَدُوْا الخ کا ما قبل کے ساتھ خوب تعلق ہو جاتا ہے کیونکہ پہلی عبارت سے ثابت ہوتا تھا کہ یہ لوگ فاسق ہیں۔ لہٰذا یہ آیات بینات سے انکار کرتے ہیں اور اس میں اس سے ترقی کر کے یہ کہا گیا ہے کہ یہ لوگ معمولی فاسق ہی نہیں بلکہ جب کبھی بھی کوئی عہد کرتے ہیں تو اس کو توڑ دیتے ہیں۔ اور پہلی صورت میں مفسرین نے جو عبارت بتائی ہے اس میں ربط نہیں رہتا ہاں جو میں نے بتائی ہے اس میں بہت عمدہ ربط ہو جاتا ہے اس لئے کہ مَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ۔ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ الخ[1] (البقرۃ:27-28) میں بتایا گیا ہے کہ فاسق وہ لوگ ہوتے ہیں جو کہ اللہ کے عہد کو پختہ ہونے کے بعد توڑتے رہتے ہیں۔ تو پہلے جب یہ ذکر ہوا کہ یہ لوگ چونکہ فاسق ہیں لہٰذا انہوں نے آیات بینات کا انکار کیا ہے تو اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا الخ (کیا یہ فسق کرتے ہیں اور جب کبھی کوئی پختہ عہد کرتے ہیں الخ) فرما کر ان کے فاسق ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ یعنی یہ بتایا ہے کہ یہ لوگ فاسق اس لئے ہیں کہ اللہ سے پختہ عہد کر کے پھر اس کو ہمیشہ توڑتے رہتے ہیں اور فاسق وہی ہوتے ہیں جو کہ ایسا کرتے ہیں لہٰذا یہ لوگ ضرور فاسق ہیں۔

[1] ۔ وہ اس کے ذریعہ سے ان نافرمانوں کے سوا کسی کو گمراہ قرار نہیں دیتا جو اللہ کے عہد کو اس کے پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

عہد کیا ہے؟ یہاں کسی عہد کی تخصیص نہیں ہے:

اور میں نے پہلے بتایا ہے کہ نَبَذٌ کے معنے چونکہ ردّی چیزوں کے پھینکنے کے ہیں لہٰذا اس کا استعمال جسمانی چیزوں میں ہونا چاہیئے لیکن استعارہ کے طور پر دوسری چیزوں میں بھی اس کا استعمال آجاتا ہے۔ جیسا کہ یہاں پر عہد کی نسبت آیا ہے اور ظاہر ہے کہ عہد جسمانی چیز نہیں ہے پس یہاں پر اس سے مراد تو نقض عہد اور عدم ایفاء ہے لیکن نَبَذَ کو لا کر یہ ظاہر فرمایا ہے کہ نہایت ردّی چیز کی طرح ان عہدوں کی پروا نہیں کرتے اور بڑی آزادی اور لاپرواہی سے ان کو توڑتے ہیں۔

اور فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ اس لئے فرمایا ہے کہ بعض بعض ایسے افراد بھی ان میں ہوتے رہے ہیں کہ جنہوں نے ان کو نقض نہیں کیا بلکہ پورا کیا ہے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ مالک بن الصیف کے حق میں نازل ہوا ہے جبکہ اس نے کہا تھا کہ واللہ باللہ کہ اُس کتاب میں ہم سے کوئی عہد نہیں لیا گیا کہ ہم محمدؐ پر ایمان لاویں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ عام یہود کے حق میں نازل ہوا ہے کہ انہوں نے عہد کیا ہوا تھا کہ جب خاتم النبیین مبعوث ہوں گے تو ضرور ہم ان پر ایمان لاویں گے اور جب عرب کے مشرک ان کا خلاف کریں گے تو ہم عرب کے مقابلہ پر آپ کے مددگار ہوں گے لیکن وقت پر نہ ایمان لائے اور نہ مدد دی بلکہ انکار کیا اور مشرکوں کا ساتھ دیا۔ اور عطاء کا قول ہے کہ یہ ان یہود کے بارہ میں نازل ہوا ہے کہ جب نبی کریم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تھے تو ان سے اور مدینہ اور اس کے گردونواح کی دوسری قوموں سے کچھ عہد لئے تھے اور بنی قریضہ وغیرہ نے ان عہدوں کو توڑ دیا تھا۔ پر میرا اپنا خیال ہے کہ یہ سب اقوال قرآن مجید کے ظاہر الفاظ کے خلاف ہیں کیونکہ قرآن مجید سے کسی عہد کی تخصیص معلوم نہیں ہوتی بلکہ كُلَّمَا کے لفظ سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جب کبھی بھی انہوں نے کوئی عہد کیا ہے تو ضرور ہی ایک گروہ نے اس کو لاپروائی سے توڑا ہے خواہ وہ عہد خاتم النبیینؐ سے یا کسی اور نبی یا اور شخص سے کیا ہو یا خداوند تعالیٰ سے کیا ہو اور وہ پہلے زمانہ میں کیا ہو یا نبی کریمؐ کے زمانہ میں کیا ہو۔

مفسرین کی تشریح عہد توڑنے والوں کے بارے میں:

بَلْ اَکْثَرُھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ۔ مفسرین نے یہاں پر لکھا ہے کہ اَکْثَرُھُمْ سے یا وہ لوگ مراد ہوں گے کہ جو عہد کو توڑنے والے ہیں تب تو یہ معنے ہوں گے کہ یہود سے اکثر ایمان نہیں لاتے کیونکہ عہد کو توڑنے والے ان میں اکثر ہوتے ہیں۔ پس اس صورت میں اس کے ساتھ اس وہم کی تردید منظور ہو گی جو کہ فَرِیْقٌ کے لفظ سے پیدا ہو سکتا تھا کہ عہد کو توڑنے والے تھوڑے سے ہوں گے کیونکہ فَرِیْقٌ کا لفظ تھوڑے اور بہت دونوں پر بولا جاتا ہے تو خداوند کریم نے بَلْ اَکْثَرُھُمْ فرما کر ظاہر کر دیا کہ عہد کو توڑنے والا فریق تھوڑا نہیں بلکہ وہ اکثر اور بہت زیادہ ہے۔ اور یا اس سے وہ مراد ہوں گے جنہوں نے عہد کو نہیں توڑا تب یہ معنے ہوں گے کہ باقی یہود میں سے بھی اکثر ایمان نہیں لاتے یعنی جو عہد توڑ بیٹھے ان کو تو جانے دو جنہوں نے بظاہر عہد کو نہیں توڑا بلکہ اس پر قائم نظر آتے ہیں حقیقت میں وہ بھی سب ایمان نہیں لاتے بلکہ اکثر ان میں سے بے ایمان ہیں۔

اصل مطلب و خلاصہ:

لیکن میرا اپنا خیال ہے کہ مفسرین نے قرآن مجید کے الفاظ پر غور نہیں کی اور اپنی طبیعت سے توجیہات بناتے رہے ہیں اور ان کی دونوں توجیہیں غلط اور قرآن مجید کے الفاظ سے بعید تر ہیں۔ بلکہ اصل مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کے جن عہدوں کا یہاں پر ذکر ہے ان سے تو یہ مراد ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی معرفت جو کچھ بھیجا پس کچھ لوگ تو اس پر ایمان لے آئے اور ان کا یہ ایمان لانا بلفظ دیگر یہ ہے کہ ہم اس پر کاربند رہیں گے اور کچھ لوگ ایسے نکلے کہ وہ اس پر ایمان نہ لائے۔ پس جو لوگ ایمان لائے تھے یعنی انہوں نے عہد کیا تھا ان کی نسبت تو فرمایا کہ ایمان لانے والوں اور عہد کرنے والوں میں سے ایک فریق تو ضرور ہی لاپروائی کے ساتھ اس عہد کو توڑتا رہا ہے اور جو یہ عہد نہ کرتے تھے اور ایمان نہ لاتے تھے ان کی نسبت فرمایا کہ وہی اکثر ہوتے تھے۔ جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ آتا رہا ہے اوّل تو اکثر اس پر ایمان ہی نہ لاتے تھے اور جو تھوڑے سے ایمان لا کر اس پر کاربند ہونے کا عہد کرتے تھے وہ بھی سارے کے سارے

اس عہد پر قائم نہ رہتے تھے بلکہ ایک فریق بڑی آزادی اور لاپروائی کے ساتھ اس عہد کو توڑ دیتا رہا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں سے ایمان لا کر اس پر کاربند ہونے والے بہت ہی تھوڑے لوگ ہوتے رہے ہیں۔

وَ لَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ الخ۔ مصدق ہونے کے معنے تو میں پہلے مفصل طور پر بیان کر آیا ہوں کہ سب سے عمدہ معنے تو یہ ہیں کہ ہر ایک رسول حکم ہوتا ہے اور حکم تب آتا ہے کہ پہلی کتاب میں بہت کچھ اختلاف ہو جائے اور حق و باطل میں امتیاز نہ ہو سکے۔ پس وہ آ کر حاکم تصدیق کنندہ کی مانند باطل کو باطل اور حق کو حق کر دکھاتا ہے۔ اور یا یہ معنے ہیں کہ سب رسولوں کے اصول ایک ہی ہوتے ہیں جس طرح پہلا توحید باری اور اس کی تسبیح اور تحمید اور تعظیم لامر اللہ اور شفقت علیٰ خلق اللہ اور ایمان بالملائکہ اور بعث بعد الموت اور جزاء و سزا کو بیان کرتا ہے اسی طرح آخر کا بیان بھی یہی ہوتا ہے۔ اور یا یہ معنے ہیں کہ ہر ایک الہامی کتاب میں اس کے بعد آنے والے کی ضرور ہی خبر دی جاتی ہے اور اس کے بہت سے صفات اور افعال بیان کر دیتی ہے تو جب وہ انہی صفات و افعال کے ساتھ آ جاتا ہے تو اُس کی آمد اس کتاب کے منجانب اللہ اور حق ہونے کی تصدیق کرتی ہے۔

تصدیق کے اصل معنے اور تشریح:

اور میں نے بار بار بتایا ہے کہ تصدیق کے ہر گز یہ معنے نہیں ہو سکتے کہ پہلے جو کچھ حق و باطل اور رطب و یابس ہو وہ آ کر اس سب کو سچ اور حق کہہ دیتا ہے کیونکہ یہ واقعہ کے خلاف ہے بلکہ ضرور اس میں پہلے باطل کی تردید ہوتی ہے ہاں ساتھ ہی حق کی تصدیق بھی ہوتی ہے۔ لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ یہاں پر کس رسول کی آمد کا ذکر ہے۔

پس واضح ہو کہ اکثر مفسرین تو اسی طرف گئے ہیں کہ رَسُوْلٌ سے حضرت خاتم النبیینؐ مراد ہیں اور محض تعظیم کے لئے نکرہ لائے گئے ہیں۔ اور اَلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ سے وہ یہود مراد ہیں جو کہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں تھے یا ان کے علماء مراد ہیں۔ پس اگر عام یہود ہیں تب کتاب دینے سے کتاب کا نازل کرنا مراد ہے اور اگر خاص علماء ہی مراد ہیں تب کتاب

دینے سے اس کا علم مراد ہے۔ اَلْکِتَابَ سے مراد توریت ہے اور کتاب سے مراد یا توریت ہے یا قرآن مجید ہے اور یا انجیل ہے۔

تصدیق کے چار معنوں کا ذکر اور اصل معنے:

پہلی صورت میں مطلب یہ ہوا کہ جب ان کے پاس وہ رسول اکرمؐ آئے جو کہ اس کی تصدیق کرنے والے تھے جو کہ ان کے ساتھ تھا تو جن یہود کو توریت دی گئی تھی انہوں نے کچھ بھی خیال نہ کیا کہ توریت اللہ کی کتاب ہے۔ بلکہ عناد میں آکر نبی کریمؐ کی مخالفت کر کے اللہ کی کتاب توریت کو پسِ پُشت ڈال دیا اور نبی کریمؐ کی نسبت جو اس میں بیان تھا یا آپ کے اتباع کی نسبت جو موکد احکام تھے ان کی کچھ پروانہ کی۔ اور آزادی سے ان کو ایسا ردّ کر دیا گویا کہ ان کو خبر تک نہیں ہے۔

اور دوسری صورت میں یہ معنے ہوئے کہ جب اُن کے پاس مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ رسول اکرمؐ آئے تو جن کو توریت دی گئی تھی۔ (حق تو یہ تھا کہ وہ اللہ کی کتاب قرآن مجید اور فرقان حمید کو بوجہ پہلی خبر اور شناخت کے ضرور ہی مانتے اور شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ[1] (البقرۃ:144) ہوتے لیکن) انہوں نے اللہ کی کتاب قرآن مجید کو (نہ مانا اور) اپنی پیٹھوں کے پیچھے اس طرح ڈال دیا کو گویا (مشرکین اور لا یعلم لوگوں کی طرح) ان کو اس کی خبر تک بھی نہ تھی۔

اور تیسری صورت میں معنے یہ ہوئے کہ جب ان کے پاس مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ رسول اکرمؐ آئے تو جن کو توریت دی گئی تھی انہوں نے اللہ کی کتاب انجیل کو پسِ پشت ڈال دیا الخ پر یہ معنے بالکل درست نہیں ہو سکتے۔

ہاں ایک چوتھے معنے بھی رسول سے رسول اکرمؐ لینے کی صورت میں بن سکتے ہیں کہ دونوں کتابوں سے قرآن مجید ہی مراد ہو اور اس کے دیئے جانے سے اس کے منجانب اللہ ہونے کا علم مراد ہو یا اس کے ساتھ عملدرآمد رکھنے کا ذمہ دار بنانا مراد ہو اور یہود کے لئے یہ دونوں باتیں تھیں۔ اور معنے یہ ہوں گے کہ جب ایسے رسول اکرمؐ ان کے پاس آئے تو جن

[1]۔ دوسرے لوگوں کے نگران۔ (تفسیر صغیر)

کو قرآن مجید کی پہچان دی گئی تھی یا جن پر اس کی پیروی لازم کی گئی تھی۔ ان میں سے ایک فریق نے اللہ کی بزرگ کتاب قرآن مجید کو پسِ پُشت ڈال دیا۔

اور بعض نے رسول سے حضرت سلیمانؑ بھی لئے ہیں۔ تب معنے یہ ہوئے کہ جب سلیمان ان کے پاس آئے تو انہوں نے توریت کو پسِ پُشت ڈال دیا۔ اور جن مفسروں نے یہ معنے کئے ہیں انہوں نے اس کے مابعد کی آیتوں کے سبب سے یہ معنے کئے ہیں کیونکہ اس کے بعد وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ [1] (البقرۃ:103) آتا ہے۔ اور بعض نے رَسُوْلٌ سے حضرت مسیحؑ مراد لئے ہیں تب یہ معنے ہوں گے کہ جب ان کے پاس مسیحؑ آیا تو جن کو توریت یا انجیل دی گئی تھی انہوں نے توریت یا انجیل کو پسِ پُشت ڈال دیا۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ الخ میں کسی رسول کی تخصیص نہیں:

لیکن میرے نزدیک کسی رسول کی تخصیص درست نہیں ہے۔ اس لئے کہ خداوند تعالیٰ نے پہلے بیان فرمایا ہے کہ جب کبھی کوئی عہد کرتے ہیں تو ایک فریق اس کو توڑ دیتا ہے اور اکثر اس کو پہلے ہی سے نہیں مانتے۔ اور وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ الخ میں اس کی ایک بڑی بھاری نظیر کا ذکر کیا ہے گویا فرمایا ہے کہ اور عہدوں کو تو جانے دو۔ اس عظیم الشان عہد کو دیکھو جو کہ پیچھے آنے والے رسول کی نسبت ہوتا رہا ہے اس کو بھی یہ لوگ اس طرح توڑتے رہے ہیں کہ جب کوئی مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ رسول ان کے پاس آیا ہے تو جن کو کتاب دی گئی ہوتی تھی (جس کے ذریعہ سے اس کو شناخت کر سکتے تھے اور جس سے اس پر ایمان لانے کی سخت ضرورت معلوم ہوتی تھی) ان میں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب کو ضرور پسِ پُشت ڈالا ہے۔ اور الفاظ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کیونکہ رسول نکرہ اور غیر معین ہے اور دوسرے جو احوال مذکور ہوئے ہیں وہ بھی کسی خاص رسول کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اور رسول کی آمد کے وقت ان کا کتاب اللہ کو پسِ پشت ڈالنا بھی کسی خاص رسول کے ساتھ

[1] ۔ نیز وہ (یہودی) اُس (طریق عمل) کے پیچھے پڑ گئے جس کے پیچھے سلیمان کی حکومت کے زمانہ میں (اس کی حکومت کے) باغی پڑے رہتے تھے۔ (تفسیر صغیر)

مختص نہیں بلکہ سب رسولوں کے ساتھ ایسا ہی کرتے رہے ہیں۔ اگر انہوں نے نبی کریمؐ کے وقت ایسا کیا تو مسیحؑ اور داؤدؑ و سلیمانؑ کے وقت بھی ایسا ہی کیا ہے۔

ہاں اگر کسی کو تخصیص کا بہت شوق ہو اور قرآن مجید کے الفاظ کے خلاف از خود تخصیص ہی کرنی ہو تو پھر رسول سے نبی کریمؐ ہی کو مراد لیا جائے تاکہ یہ ان کے نقض عہد پر ایک عینی اور موجودہ شہادت تو ہو جائے۔ ظاہر تو یہ تھا کہ نَبَذَ فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمۡ کِتٰبَ اللّٰهِ الخ فرمایا جاتا لیکن بجائے اس کے مِنَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡکِتٰبَ اس لئے فرمایا ہے کہ کتاب کا دیا جانا تو اس رسول کی شناخت اور اس پر ایمان لانے اور اس کی اتباع اختیار کرنے کو چاہتا تھا۔ بلکہ یہ اس کو چاہتا تھا کہ یہ لوگ دوسروں کی شناخت اور ایمان کا باعث ہوں اور ان کے لئے شہداء ہوں۔ پر باوجود اس کے ان میں سے ایک گروہ نے اللہ کے رسول کے انکار سے اللہ کی اس کتاب کو پس پُشت ڈال دیا۔

علم کے باوجود وہ لاپرواہی کرتے ہیں:

کَاَنَّهُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ۔ یہاں پر اس چیز کو ذکر نہیں کیا۔ جس کو گویا وہ نہیں جانتے لیکن مفسرین نے لکھا ہے کہ اس کتاب کے منجانب اللہ ہونے کو نہیں جانتے۔ بعض نے کہا ہے کہ گویا اس کتاب کو اصلاً نہیں جانتے اور بعض نے کہا ہے کہ گویا ان دلائل وغیرہ کو نہیں جانتے جو کہ اس میں مذکور ہیں۔ پر میں نے پہلے بارہا بتایا ہے کہ جہاں پر خداوند کریم کسی چیز کو ذکر نہیں کرتا تو اس میں اس کی تعمیم کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ پس جب تعمیم ہوئی تو مذکورہ بالا سب چیزوں کے نہ جاننے کو شامل ہو گا اور تخصیص کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور اس میں یہ ظاہر فرمایا ہے کہ باوجود علم کے نہایت درجہ کی آزادی اور لاپروائی کے ساتھ اس کو پس پشت ڈالتے رہے ہیں۔

خلاصہ مضمون:

خلاصہ مضمون یہ ہوا کہ خداوند کریم نے پہلے بتایا تھا کہ چونکہ یہ لوگ فاسق ہیں لہٰذا انہوں نے آیات بینات کا انکار کیا ہے۔ اور پہلے یہ بھی بیان ہو چکا ہوا ہے کہ فاسق وہ لوگ ہوتے ہیں کہ اللہ سے پختہ عہد کر کے پھر توڑا کرتے ہیں اور جب عہد توڑنے سے فاسق ہوا تو

ہمیشہ توڑنے سے بہت بڑا فاسق ہو گا۔ تو ان کے اعلیٰ درجہ کے فسق کے ثابت کرنے کے واسطے خداوند کریم نے اَوَ کُلَّمَا الخ فرما کر بتایا ہے کہ یہ معمولی فاسق ہی نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کے فاسق ہیں کہ جب کبھی انہوں نے اللہ کے ساتھ کوئی پختہ عہد کیا ہے تو ضرور ایک گروہ نے اس کو توڑ دیا ہے اور بڑی آزادی اور لاپروائی سے توڑا ہے۔ گویا کہ ایک ردی اور بیکار چیز تھی جس کو پھینک دیا ہے۔ (اور پھر یہ بھی نہیں ہوتا کہ اس عہد کے وقت بھی سب ایمان لا کر عہد کرنے والے بنے ہوں بلکہ اکثر تو اپنے فسق کے باعث سرے سے ایمان لاتے ہی نہیں۔ پس گویا ہر ایک رسول کی آمد پر پہلے عہد کو پورا کرنا ہوتا ہے اور نیا عہد باندھنا ہوتا ہے۔ پس ہر ایک کی آمد پر اکثر تو اپنے فسق کے باعث اس پر ایمان نہ لا کر پہلے عہد کے توڑنے والے قرار پاتے ہیں اور آئندہ ایمان لا کر عہد کرتے ہی نہیں۔ اور جو تھوڑے سے ایمان لا کر عہد کرتے ہیں تو دوسرے رسول کی آمد کے وقت ان میں سے بھی ایک بڑا گروہ جو اکثر ہوتا ہے اس عہد کو توڑ دیتا ہے۔ جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ بہت بڑے فاسق ہیں اور عام طور پر اور اکثر فاسق ہیں۔ اور جب اعلیٰ درجہ کے فاسق ہوئے تو اعلیٰ درجہ کے کافر بِاٰیَاتِ اللّٰہِ ہوئے اور جب اعلیٰ درجہ کے کافر بِاٰیَاتِ اللّٰہِ ہوئے تو ایک تو اعلیٰ درجہ کے اعداء اللہ ہوئے اور دوم یہ بھی ثابت ہو گیا کہ ان کا یہ کہنا محض جھوٹ ہے کہ جبریل نے جو کچھ تیرے قلب پر نازل کیا ہے اس کے منجانب اللہ ہونے کا ہمیں کوئی ثبوت نہیں ملا بلکہ ضرور انہوں نے اس کے لئے بینات پائے ہیں۔ لیکن اعلیٰ ترین فاسق ہونے کے باعث ان کا انکار کرتے ہیں۔

خلاصہ آیت:

اس کے بعد وَ لَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ الخ فرما کر ایک تو ان کی عہد شکنی کی ایک بڑی بھاری اور کھلی کھلی نظیر بتائی ہے اور دوم یہ بتایا کہ قرآن مجید کی اگر اس وجہ سے مخالفت کی ہے کہ اس کے منجانب اللہ ہونے کا کوئی ثبوت ان کو نہیں ملا تو جو کتاب ان کو دی گئی ہے اور جس کو وہ کتاب اللہ تسلیم بھی کر چکے ہیں اُس وقت اس کو کیوں ان میں سے ایک فریق لاپروائی کے ساتھ پسِ پُشت ڈالتا رہا ہے۔ جبکہ ان کے پاس ایسا رسول آتا ہے جو کہ

منجانب اللہ ہوتا ہے اور اس کی تصدیق کرنے والا ہوتا ہے جو کہ ان کے پاس ہوتا ہے اور اس رسول کا منجانب اللہ ہونا اور مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ہونا اور ان کی کتاب کے مطابق ہونا اگرچہ اس کو چاہتا تھا کہ وہ اپنی کتاب کی سخت تاکیدی احکام کے مطابق ضرور ہی اس کو مانیں۔ لیکن باوجود اس کے وہ اس کا بڑی آزادی اور لاپروائی کے ساتھ انکار کر کے اپنی کتاب کو جس کو کتاب اللہ تسلیم کرتے ہیں ایسا پسِ پُشت ڈال دیتے ہیں گویا کہ ان کو اس کے منجانب اللہ ہونے اور مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وغیرہ ہونے کا اور اس کتاب کے احکام کا اور اس کے منجانب اللہ ہونے وغیرہ کا علم تک نہیں ہے۔

آیت 103 تا 104: وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَ مَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ وَ مَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ يَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔

تشریح الفاظ:

تَتْلُوْ۔ تِلَاوَةٌ سے ہے بمعنے پڑھنے کے۔

عَلٰی کے معنے اوپر کے ہوا کرتے ہیں اور بعض نے لکھا ہے کہ کبھی کبھی بمعنے فِیْ یعنی بیچ کے معنوں میں بھی آیا کرتا ہے۔ تسہیل جو کہ علم نحو کی ایک معتبر کتاب ہے اس میں ان معنوں کی مثال یہی آیت کریمہ پیش کی ہے۔

مُلْكٌ۔ سلطنت اور کرسی کو کہتے ہیں۔

سِحْرٌ۔ لُغت میں ایسی لطیف چیز کو کہتے ہیں جو کہ مرغوب ہو اور اس کا سبب پوشیدہ ہو اور ایسی چیز اور کام کے ظاہر کرنے کو بھی سِحْرٌ کہتے ہیں۔ یہ تو اس کے لغوی معنے ہیں لیکن جو اس کی حقیقت ہے اس کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ تفسیر میں ذکر کروں گا۔

مَلَكَيْنِ۔ مَلَكٌ کا تثنیہ ہے یعنی دو مَلَكٌ اور عام استعمال یہی ہے کہ مَلَكٌ فرشتہ کو کہتے ہیں اور مَلِكٌ بادشاہ کو۔ لیکن لغت کے لحاظ سے دونوں کے معنے مِلْكٌ والے کے ہیں۔ یعنی مقتدرانہ قابو اور تصرف رکھنے والوں کو کہتے ہیں۔ قاموس اللغات میں اس کی نسبت لکھا

ہے کہ وَبِالْفَتْحِ وَ کَکَتِفٍ وَاَمِیْرٍ وَ صَاحِبٍ ذُو الْمُلْكِ۔ (مَلَكٌ بفتح لام اور کَتِفٌ کے وزن پر یعنی مَلِكٌ بکسرۂ لام اور اَمِیْرٌ کے وزن پر یعنی مَلِیْكٌ اور صَاحِبٌ کے وزن پر یعنی مَالِكٌ مِلْكٌ والے کو کہتے ہیں) اور چونکہ فرشتہ اور بادشاہ بھی ملک والا ہوتا ہے اس لئے ہر ایک ان میں سے مَلَكٌ، مَلِكٌ، مَلِیْكٌ، مَالِكٌ کہلا سکتا ہے اور تفسیر میں بیان ہو گا کہ اس سے یہاں پر کیا مراد ہے۔

بَابِلُ۔ ایک شہر کا نام ہے اور اہل لغت نے لکھا ہے کہ بابل بڑی نہر کو کہتے ہیں تو بعض محققین نے لکھا ہے کہ شہر بابل کو بابل اس لئے کہا گیا ہے کہ نہر فرات اس کے قریب سے گزرتی تھی۔ جیسا کہ بغداد کو مدینۃ السلام اس لئے کہا گیا ہے کہ سلام دجلہ نہر کا نام ہے اور بغداد اس کے کنارہ پر واقع ہے۔ اور یہ بھی تفسیر میں آئے گا کہ یہ کونسا شہر ہے۔

هَارُوْتُ، مَارُوْتُ۔ عام مفسرین نے یہی لکھا ہے کہ یہ ان دو فرشتوں کے نام ہیں اور اس میں تو بالکل شک نہیں کہ یہ ملکین کے نام ہیں خواہ وہ فرشتے ہوں یا اور ہوں پر چونکہ الہامی کتابوں میں اکثر صفاتی نام مذکور ہوا کرتے ہیں لہٰذا ان کے معنوں کا جاننا بھی ضروری ہے۔ پس واضح ہو کہ هَارُوْتُ کا لفظ هَرْتٌ سے بنا ہوا ہے اور هَرْتٌ کہتے ہیں کہ بکھیرنے اور ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کو اور یہ وزن مبالغہ کے لئے آتا ہے مثلاً طاغوت کے معنے بہت طغیان والا پس هَارُوْتُ کے معنے ہوئے بہت ٹکڑے ٹکڑے اور پراگندہ کرنے والا۔

اور مَارُوْتُ۔ مُرُوْتَةٌ سے ہے، جس کے معنے زمین کے بنجر بنانے کے ہیں۔ پس مَارُوْتُ کے معنے ہوئے بہت بنجر بنانے والا۔

مِنْ کئی معنے سے ہوتے ہیں اور نفی کے بعد کبھی نفی کی تعمیم کے لئے آیا کرتا ہے۔ پس مِنْ اَحَدٍ کے معنے ہوں گے کسی کو بھی۔

فِتْنَةٌ کہتے ہیں آزمانے اور گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے اور جلانے اور سونے چاندی کو پگھلانے اور گناہ اور کفر اور شرمندگی اور عذاب کو۔

یَتَعَلَّمُوْنَ۔ عِلْمٌ سے ہے، جس کے معنے جاننے کے ہیں اور عِلْمٌ سے تَعَلُّمٌ بنایا گیا ہے جس کے معنے علم سیکھنے اور پڑھنے کے اور تَعَلُّمٌ سے یَتَعَلَّمُوْنَ بنایا گیا ہے۔ پس اس کے

معنے ہوئے وہ سیکھتے ہیں یا سیکھیں گے۔ اسی طرح علم سے تعلیم کا لفظ بنایا گیا ہے جس کے معنے سکھانے کے ہیں۔ پس یُعَلِّمَانِ کے معنے ہوئے وہ دونوں سکھاتے ہیں یا سکھائیں گے۔

یُفَرِّقُوْنَ۔ تَفْرِیْقٌ سے ہے، جس کے معنے جدا کرنے کے ہیں۔ تو یُفَرِّقُوْنَ کے معنے ہوئے وہ جدائی کرتے ہیں یا کریں گے۔

مَرْءٌ۔ مرد کو کہتے ہیں اور مَرْءَۃٌ عورت کو۔

زَوْجٌ جوڑے کو کہتے ہیں اسی وجہ سے عورت اور خاوند دونوں کو زَوْجٌ کہتے ہیں۔

ضَآرِّیْنَ اور یَضُرُّ۔ ضَرَرٌ سے ہیں، ضَآرِّیْنَ کے معنے ہوئے ضرر دینے والے اور یَضُرُّ کے معنے ہیں وہ ضرر دیتا ہے یا دے گا۔

خَلَاقٌ کے معنے نصیب اور حصہ، قدر و منزلت، قوام اور درستی کے کئے گئے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ تفسیر میں ان کی تفصیل کی جاوے گی۔

رہا بِئْسَ تو اس کے معنے ابھی گزرے ہیں۔

اسی طرح یہ بھی گزر چکا ہے کہ اِشْتَرَی۔ اِشْتِرَاءٌ سے ہے اور وہ شِرَاءٌ سے ہے اور اس کے معنے خرید اور فروخت کے آتے ہیں اور شَرَوْا بھی شِرَاءٌ ہی سے ہے جس کے معنے ہوتے ہیں خریدا انہوں نے یا فروخت کیا اور یہ تفصیل بھی گزر چکی ہے کہ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِہٖٓ اَنْفُسَھُمْ [1] (البقرۃ:91) یا بِئْسَ مَا شَرَوْا بِہٖٓ اَنْفُسَھُمْ [2] (البقرۃ:103) میں خرید کے معنے لینے چاہئیں یا کہ فروخت کے۔

لَوْ کے معنے کاش اور اگر کے ہوتے ہیں۔

مَثُوْبَۃٌ بمعنے ثواب اور اجر پانے کے ہے۔

ترجمہ:

اور انہوں نے اس کی پیروی کی جس کو شیطان سلیمان کی سلطنت پر (یا میں) پڑھتے ہیں۔ اور سلیمان نے کفر نہیں کیا بلکہ وہ شیطان کافر ہوئے لوگوں کو لطیف مرغوب نامعلوم

[1] ۔ وہ امر بہت ہی برا ہے جس کے بدلہ میں انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ رکھا ہے۔ (تفسیر صغیر)
[2] ۔ وہ چیز جس کے بدلہ میں انھوں نے اپنے آپ کو بیچ رکھا ہے، بہت ہی بری ہے۔ (تفسیر صغیر)

الاسباب امور سکھاتے ہوئے۔ اور اس کی (بھی پیروی کی) جو کہ ہاروت و ماروت دو مقتدرانہ تصرف اور قابو رکھنے والوں (یا فرشتوں یا بادشاہوں) پر شہر بابل میں اُتارا گیا تھا۔ وہ دونوں کسی ایک کو بھی نہیں سکھاتے۔ یہاں تک کہتے ہیں کہ ہم تو آزمائش (یا عذاب اور مصیبت) ہیں پس تم کفر نہ کرو پھر وہ ان دونوں سے وہ سیکھتے ہیں جس کے ساتھ مرد اور اس کے جوڑے (ساتھی) کے درمیان جدائی کرتے ہیں۔ اور یہ اللہ کے اذن کے سواء کسی ایک کو بھی اس کے ساتھ ضرر دینے والے نہیں۔ اور یہ وہ سیکھتے ہیں جو ان کو ضرر دے گا اور ان کو نفع نہیں دے گا۔ اور واللہ کہ ضرور ہی انہوں نے جان لیا تھا کہ ضرور جس نے اس کو خریدا ہے اس کے لئے آئندہ زندگی میں کوئی حصہ (یا قدر و منزلت یا فائدہ مندی اور درستی) نہیں۔ اور وہ کیا ہی برا ہے جس کے بدلہ میں انہوں نے اپنی جانیں دے دی ہیں اگر وہ (یا کاش) جاننے والے ہوتے۔ اور اگر وہ ایمان لاتے اور بچتے تو اللہ کی جانب سے جو اجر پاتے وہ بہت بہتر ہوتا اگر (یا کاش) وہ جاننے والے ہوتے۔

تفسیر:

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ الخ۔ مفسرین میں سے بعض تو اس طرف گئے ہیں کہ عَلٰی بمعنے فِیْ ہے۔ اور اس کے بعد عہد یا زمان کا لفظ مقدر ہے اور معنے یہ ہیں کہ سلیمان کی سلطنت کے زمانہ میں اور یا عہد مقدر میں بلکہ ملک سے مجازاً زمانہ مراد ہے تب یہ معنے ہوئے کہ سلیمان کے زمانہ میں۔ پر علاوہ عَلٰی کو اپنے اصلی معنوں سے نکالنے اور تقدیر اور مجاز بے وجہ لینے کے مطلب بھی غلط ہو جاتا ہے اس لئے کہ اس کے یہ معنے ہو جاتے ہیں کہ شیاطین سلیمان کے اور اس کی سلطنت کے زمانہ میں جو پڑھتے تھے اس کی انہوں نے اتباع کی ہے۔ اور یہ بالکل غلط ہے کہ سلیمان کے وقت میں وہ پڑھتے تھے بلکہ یہ یقینی بات ہے کہ حضرت سلیمان کے زمانہ کے بعد وہ پڑھتے تھے جیسا کہ آگے آتا ہے۔ سلیمان کے زمانہ کی نسبت تو خداوند کریم نے یہ خبر دی ہے کہ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ[1]۔ وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ۔ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ (ص:37-39) (یعنی

[1]۔ اور ہم نے اس کے لئے ہوا کو خدمت پر لگا دیا جو ان کے حکم کے مطابق جدھر وہ جانا چاہتے تھے نرمی سے اسی طرف کو چلنے لگتی۔ (تفسیر صغیر)

شیاطین اس کے لئے مسخر کئے گئے ہر ایک بنانے والا غوطے زن اور دوسرے قید میں جکڑے ہوئے) اور بعض نے عَلٰی کو اپنے اصلی معنوں میں رکھا ہے۔ لیکن کہا ہے کہ مَا تَتْلُوا میں تَقْوُلُ کے معنے لینے چاہئیے جس کو نحوی تضمین بولتے ہیں۔ اور یا مُلْكٌ کو بمعنے کرسی لینا چاہیئے۔ پس معنے یہ ہوئے کہ جس کو شیاطین سلیمان کے ملک پر افترا کر کے پڑھتے تھے یا یہ کہ جس کو وہ سلیمان کی کرسی اور تخت پر پڑھتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ کرسی پر پڑھنے کی صورت میں بھی وہ سب نقص عائد ہوتے ہیں جو کہ پہلے دونوں معنوں پر عائد ہوتے تھے۔ اور افتراء والے معنوں میں اور نقص تو بظاہر کوئی نہیں لیکن از خود ایک معنے ایک لفظ میں ڈالے جاتے ہیں اور نہ کوئی ان کا قرینہ ہے اور نہ کوئی ان کی دلیل اور وجہ ہے اور یہ کلام میں عموماً اور قرآن مجید میں خصوصاً ناجائز ہے۔ اور اس سے اس کا دروازہ کھلتا ہے کہ جس کا جو جی چاہے وہی معنے بنالے۔

مَا تَتْلُوا مضارع کا لفظ ہے جو کہ حال یا استقبال کے معنے دیا کرتا ہے اور استقبال تو یقیناً نہیں پس حال معین ہے۔ اور زمانہ حال میں نہ حضرت سلیمان ہیں اور نہ ان کی سلطنت ہے پس اس میں یا اس کے زمانہ میں یا اس کی کرسی پر پڑھنے کے کیا معنے ہو سکتے ہیں۔ پس اصل بات یہ ہے کہ یہ ایسا ہی فقرہ ہے جیسا کہ کہا کرتے ہیں کہ فلاں بات پر کچھ لکھا ہے یا فلاں امر پر لیکچر دیا یا وعظ کیا ہے یا فلاں امر پر گفتگو اور بحث ہوئی یا اس پر کلام کیا ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ یہاں پر بھی یہی مطلب ہے کہ ان یہود نے ان جعلی روایتوں کا اتباع کیا ہے جو کہ خبیث شیطان سلیمان کی سلطنت پر پڑھتے تھے۔ رہا یہ کہ وہ کیا پڑھتے تھے پس اس کی نسبت میں پہلے مفسرین کے خیالات بیان کرتا ہوں اور بعد ازاں وہ بتاؤں گا جو کہ مولانا و سیدنا حضرت خلیفۃ المسیحؑ نے فرمایا ہے۔

مفسرین کے نزدیک شیطان سلیمان کی سلطنت کے خلاف کیا پڑھتے تھے؟:

اکثر مفسرین نے تو اس روایت کو لیا ہے جو کہ سفیان بن عیینہ اور ابن جریر اور حاکم نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ شیطان فرشتوں کی باتیں چوری جا کر سنا کرتے تھے۔ اور جب کوئی ایک کلمہ سنتا تو ہزار جھوٹ اس کے ساتھ ملاتا اور لوگ ان باتوں کے شائق ہو

جاتے اور ان کو کتاب کی صورت میں لکھ لیتے تھے۔ تو جب حضرت سلیمانؑ کو اس کی خبر ہوتی تو آپ نے اُن سب کتابوں کو لے کر اپنے تخت کے نیچے دفن کر دیا۔ پس جب حضرت سلیمانؑ فوت ہو گئے تو ایک شیطان نے راستہ میں کھڑے ہو کر یہ کہنا شروع کیا کہ کیا میں تم کو سلیمان کے اُس محفوظ خزانہ کی خبر نہ دوں جس کی مانند کسی کا خزانہ نہیں ہے تو لوگوں نے کہاہاں ضرور بتا۔ پس اس نے اس جگہ کا پتہ دیا اور لوگوں نے اُس کو نکالا تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ سحر کی باتیں ہیں۔ پس انہوں نے ان کو لکھ لیا اور ملک میں پھیل گئیں۔ اور بعض دوسری روایت کی طرف گئے ہیں اور وہ یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ کو خداوند کریم نے جو جو علوم دیئے تھے انہوں نے ان کو لکھ کر اپنے تخت سلطنت کے نیچے دفن کر دیا ہوا تھا۔ اور منافقوں نے موقع پا کر اس زمانہ میں ایسی کتابیں لکھیں کہ بعض بعض باتوں میں ان علوم کے ساتھ مناسبت رکھتی تھیں۔ تو حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد لوگوں کو منافقوں کی لکھی ہوئی کتابوں کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے ان کو یہ سمجھایا کہ یہ سلیمان کے علوم کی کتابیں ہیں۔ پر اس پر دونوں روایتوں والوں کا اتفاق ہے کہ وہ سحر تھا جو ان کتابوں میں تھا۔

سحر کی تعریف اور علماء:

پھر سحر کی جمہور علماء نے تو یہ تعریف کی ہے کہ وہ خارق العادت امور ہیں جو کہ شریر النفس انسان کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں اور خاص عملوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اور انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی حقیقت ہوتی ہے اور کہ کبھی ساحر یہاں تک پہنچتا ہے کہ ہوا میں اُڑتا اور پانی پر چلتا اور انسانوں کو قتل کرتا اور ان کو گدھے بنا سکتا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ سحر خوارق العادت کے مشابہ ہوتا ہے پر کچھ ہوتا نہیں کیونکہ یہ کسبی چیز ہے۔ دوم خوارق تو پاک نفوس سے ظاہر ہوتے ہیں اور یہ ناپاکوں سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور معتزلہ اور ابو جعفر استر آبادی اس طرف گئے ہیں کہ سحر کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور محض تخییل ہے۔ اور جو کہے کہ ساحر اس درجہ پر پہنچ سکتا ہے جو اوپر بیان ہوا ہے تو وہ کافر ہے۔

لیکن نہ وہ جو کہ عام مفسرین نے سحر کی تعریف اور حقیقت میں لکھا ہے اور نہ معتزلہ کا یہ کہنا درست معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کوئی حقیقت نہیں اور محض خیال میں ڈالنا ہوتا ہے۔

بلکہ جس طرح انہوں نے غلطی کھائی ہے جنہوں نے سحر کا مصداق اس کو قرار دیا ہے کہ کچھ منتر جنتر ہوتے جن کے ساتھ خارق العادت امور یا ان کی مانند ہو جاتے ہیں تو یہ کوئی خیالی امر نہیں ہوتا بلکہ واقعہ میں ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انہوں نے بھی غلطی کھائی ہے کہ جنہوں نے یہ خیال کیا ہے کہ سحر کا مصداق یہی ہے پر واقعہ میں کچھ نہیں ہوتا بلکہ محض خیالی ہوتا ہے کیونکہ ایسے منتروں جنتروں کا وجود ہی نہیں جن سے ایسے امور واقعہ میں یا خیالی طور پر ظاہر ہوتے ہوں۔

سحر کی اصل تعریف اور حقیقت:

اور سحر وہ چیز ہے جس کے وجود کو عام تاریخ اور قرآن مجید اور احادیث ثابتہ بیان کرتی ہیں۔ پس اس کا مصداق ایسا ہی ہونا چاہیئے جو کہ موجود ہو۔ پس جب ایک طرف اس کے معنوں پر غور کیا جائے جو کہ بالاتفاق اہل لغت نے بیان کئے۔ یعنی جو لطیف اور مرغوب امر ہو اور اس کا سبب مخفی ہو اور پھر قرآن مجید اور حدیث اور عام زبان میں اس کا استعمال دیکھا جائے تو اس کی حقیقت خود ظاہر ہو جاتی ہے۔ وہ کون سے لطیف اور خفی الاسباب امور ہیں جن پر سحر کا اطلاق ہوتا ہے مثلاً قرآن مجید میں فرعون کے ساحروں کے سانپوں کی نسبت آیا ہے سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ (الاعراف:117) (لوگوں کی آنکھوں کو سحر کیا) اور فرمایا فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى (طٰہٰ:67) (تو کیا ہے کہ ان کے رسّے اور لاٹھیاں اس کے خیال میں ڈالا گیا ہے کہ وہ دوڑ رہی ہیں) اور کتاب اللہ کو اور آیات اللہ کی نسبت سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (کھلا کھلا دھوکہ) اور سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ (القمر:3) (ہمیشہ سے چلا آنے والا دھوکہ) اور انبیاءؑ کی نسبت ساحر وغیرہ آیا ہے اور پھر حدیث اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا (بے شک بعض بیان سحر ہوتے ہیں۔)

(صحیح البخاری کتاب الطب باب ان من البیان سحر احدیث نمبر 5767)

پس ان پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مداری وغیرہ جو شعبدہ بازی کرتے ہیں یا مسمریزم وغیرہ والے جو عجائبات کر دکھاتے ہیں ان کو اور ان کی مانند کو سحر کہتے ہیں۔ اور حضرت مولانا خلیفۃ المسیحؑ نے بارہا فرمایا ہے کہ سحر لطیف اور خفی الماخذ امر کو کہتے ہیں اور

عموماً آپ اس کا ترجمہ دل رُبا باتوں کے ساتھ فرمایا کرتے ہیں۔ اور یہ بالکل حق ہے۔ یہ تو سحر کی نسبت بیان تھا۔

مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ کی حقیقت:

رہا یہ کہ مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ (جس کو شیطان پڑھتے تھے) وہ کیا تھا۔ پس مفسرین کا تو یہی بیان ہے کہ وہ سحر تھا لیکن میرا اپنا خیال کہ مَا تَتْلُوا الخ سے مراد خبیثوں کی وہ تقریریں اور تحریریں ہیں جو کہ انہوں نے حضرت سلیمانؑ کی سلطنت کے متعلق بیان کی ہوئی ہیں کہ سلیمانؑ ایک جادوگر اور فریبی دھوکہ باز شخص تھا جو کہ اپنے جادو اور فریب اور دھوکہ کے زور سے بادشاہ بنا ہوا تھا اور وہ ظالم اور مشرک تھا۔ اور ان تقریروں اور تحریروں کی دو غرضیں تھیں ایک تو یہ کہ سلیمان علیہ السلام کی نسبت ان غلط الزاموں کو لوگوں میں پھیلا کر ان کو کافر و فاسق ثابت کرتے۔ اور دوم یہ کہ جب یہ سنیں گے کہ سلیمانؑ جیسے بادشاہ کو جو کچھ ملا ہے اسی سحر کے طفیل ملا ہے تو پھر لوگ اس طمع سے ہم سے سحر سیکھیں گے۔ چنانچہ پہلے امر کی نسبت کہ جس کی تردید کرنی یہاں پر منظور ہے مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ فرمایا ہے اور دوسرے کی کہ جس کا اثبات مد نظر ہے يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ فرمایا ہے۔

حضرت سلیمان پر جادو کا الزام اور جواب:

پس وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ کا مطلب یہ ہوا کہ سلیمانؑ جو کہ ان کے نزدیک مسلم نبی تھا حکومت وغیرہ کے باعث بعض خبیث اور شریر النفس لوگ جب کچھ ان سے ناراض ہوئے تو انہوں نے کتابوں میں ان کی نسبت گندے الزام لگا دیئے جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ سلیمانؑ سحر کے باعث سلطنت کرتا تھا۔ اور ان لکھنے والوں کی غرض یہی تھی تاکہ آئندہ نسل میں سلیمانؑ کو لوگ بُرا سمجھیں۔ چنانچہ ایسا ہوا کہ آپ کے بعد جو شیاطین الانس یہود تھے انہوں نے اپنے نفسانی اغراض سے لوگوں کو اپنے سحر کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ان مذکورہ بالا روایتوں کو لوگوں کو سنانا شروع کیا۔ اور کم بخت قوم نے نہ یہ خیال کیا کہ یہ ممنوع اور حرام چیز ہے اور نہ یہ کہ سلیمانؑ جیسا پاکباز اور راستباز نبی کب ایسے بدترین امر کا ارتکاب کر سکتا تھا اور ان کے وعظوں اور تقریروں کے متبع ہو کر

یقین کر بیٹھے کہ سلیمانؑ بیشک ساحر تھا اور سحر کے زور ایسا زور آور بادشاہ بنا تھا اور خود بھی ان شریروں سے سحر کے سیکھنے میں مشغول ہو گئے۔ اس تقریر سے اس کا ماقبل سے تعلق ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ پہلے ان کے نقض عہد اور کتاب اللہ کو پس پُشت ڈالنے اور جنت کے اختصاص کی بناء پر اتباع کتاب اللہ سے آزاد اور لاپرواہونے کا ذکر تھا۔ اور واقعہ کے ذکر میں ان سب امور کی ایک واضح ترین مثال اور نظیر ہے اور اس میں اس کا بھی ثبوت ہے کہ اپنی کتاب یعنی مَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا اور اپنے انبیاءؑ پر ایمان لانے کا ان کا دعویٰ کہاں تک صحیح ہے کہ شیاطین کے ورغلانے سے کس طرح اپنے ایک نبی کو ساحر تک تسلیم کر لیا اور سحر کے پیچھے پڑ کے اپنی کتاب کو کس طرح پس پشت ڈالا ہے۔

حضرت سلیمانؑ سے سحر کی نفی مدلل انداز میں:

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ۔ بظاہر مناسب تو یُوں تھا کہ بجائے اس کے یہ کہا جاتا کہ سلیمان نے سحر نہیں کیا بلکہ شیاطین سکھاتے تھے۔ لیکن بجائے اس کے مَا كَفَرَ اس لئے فرمایا ہے تاکہ سلیمانؑ سے سحر کی نفی مبرہن اور مدلل طور پر ہو جائے جیسے کہ حضرت موسیٰ نے مسخرہ پن کی نفی کو مدلل کرنے کے واسطے اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا (کیا تُو ہم سے مسخری کرتا ہے) کے جواب میں بجائے لَا (نہیں) یا اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْتَهْزِئِيْنَ (میں اللہ سے پناہ چاہتا ہوں کہ میں مسخری کرنے والوں سے ہوں) کے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ[1] (البقرۃ:68) فرما کر بتایا ہے کہ مسخری تو جاہلوں کا کام ہے اور میں جاہل نہیں لہٰذا میں مسخری کرنے والا بھی نہیں۔

تو اگر سحر کا سیکھنا سکھانا یا کرنا کفر ہے (جیسا کہ اہل السنۃ و الجماعۃ میں مشہور ہے یہاں تک کہ علامہ تفتازانی نے لکھا ہے کہ اس میں کسی کا اختلاف منقول نہیں ہے) تب تو اس کے یہ معنے ہوئے کہ وہ سلیمانؑ کی سلطنت اس کے سحر پر مبنی قرار دیتے ہیں حالانکہ وہ کفر ہے اور سلیمانؑ کافر نہ تھا بلکہ لوگوں کو ایسا سنانے والے شیطان کفر کرتے ہیں کہ لوگوں کو سحر سکھاتے ہیں۔ اور اگر وہ کفر نہیں (جیسا کہ اس کا کبیرہ

[1]۔ میں (اس بات سے) اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ (ایسا فعل کر کے) جاہلوں میں شامل ہو جاؤں۔ (تفسیر صغیر)

گناہوں میں شمار کرنا ظاہر کرتا ہے۔ اور شیخ ابو منصور نے کہا ہے کہ جب تک اس میں ضروریات دین کے خلاف اعتقاد کرنا نہ پڑے تب تک اس کا انکار کرنا کفر نہیں اور یہ اس کے عمل کی نسبت ہے۔

رہا اس کا سیکھنا سکھانا تو اس میں بھی اگرچہ بعض نے کفر کا فتویٰ دیا ہے پر اکثروں نے اس کو حرام یا مکروہ کہا بلکہ کچھ تو اس طرف گئے ہیں کہ مباح ہے۔ یہاں تک کہ امام رازی کہتے ہیں کہ محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ سحر کا جاننا اور بتانا کوئی قباحت نہیں رکھتا) پس اس صورت میں مفسرین نے ایک تو اس کی یہ توجیہ کی ہے مَا كَفَرَ، وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا کی مناسبت سے کہا گیا ہے۔ ورنہ اس کے معنے سحر کے ہیں۔

شیاطین لوگوں کو کفر کے علاوہ سحر بھی سکھاتے تھے:

اور لٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا الخ کے یہ معنے نہیں کہ سحر سکھانے کے سبب سے شیاطین کافر ہوئے ہیں۔ بلکہ اس کے یہ معنے ہیں کہ شیاطین کفر کے علاوہ لوگوں کو سحر بھی سکھاتے ہیں۔ اور دوسری توجیہ یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ جس طرح حضرت سلیمانؑ پر سحر کا بہتان باندھتے تھے اسی طرح اور بہت سے کبائر کے علاوہ شرک کا الزام بھی لگاتے تھے کہ بلقیس شاہزادی بُت پرستی کرتی تھی اور سلیمانؑ اس کی محبت میں گرفتار ہو کر شرک میں اس کے ساتھ شریک تھا۔ تو خداوند کریم نے ان کی روایتوں کی تردید کرنے کیلئے کہ یہ تو سحر کے علاوہ یہ بھی کہتے ہیں کہ سلیمان کافر تھا (اور بلقیس کی وجہ سے ہوا تھا) پر سلیمانؑ کا کافر نہ ہونا تو یقینی بات ہے (کیونکہ بلقیس سلیمانؑ کے پاس آنے سے پہلے ہی اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (النمل:45) (میں سلیمانؑ کے ساتھ اللہ جہاں کے رب کی فرمانبردار ہوئی) کہہ چکی تھی۔ پس جب ان کا یہ صریح اور عظیم الشان بہتان ثابت ہے تو پھر سحر کی روایت بھی قابل اعتبار نہ رہی) بلکہ شیاطین سلیمانؑ پر یہ بہتان لگا کر کافر ہوئے ہیں اور محض اس غرض سے ہوئے ہیں کہ لوگوں کو سحر سکھائیں۔

حضرت سلیمانؑ پر لگنے والے بہتان کی نفی:

حضرت سیدی و مولائی خلیفۃ المسیحؑ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ سب نصاریٰ اور اکثر یہود کا یہ

اعتقاد ہے کہ سلیمانؑ ایک مشرکہ عورت کی محبت میں شرک میں مبتلاء ہو گئے تھے یا کم از کم ان کے گھر میں شرک ہوتا تھا۔ اور جادوٹونوں اور مخفی رازوں کی کتابیں ان کے گھر میں تھیں تو خداوند کریم نے وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ فرما کر ان کے بہتان کی تردید فرمائی ہے۔ اور یہی حق ہے۔ پس الشَّيٰطِيْنُ سے مراد شیاطین الجنّ نہیں بلکہ یہود و نصاریٰ کے شیاطین الانس مراد ہیں۔ اور مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ میں ان روایتوں کا سنانا مراد ہے جو کہ حضرت سلیمانؑ کے شرک کرنے اور سحر کرنے اور اس کے ذریعہ سے سلطنت کرنے کے متعلق لکھی ہوئی تھیں۔ اور عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ کا یہ مطلب ہے کہ سلیمانؑ کی سلطنت پر اور اس کے متعلق وہ روایتیں تھیں جو کہ وہ پڑھتے تھے۔ اور وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ میں ایک تو اس کفر کی نفی کی جس کو وہ سلیمانؑ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ اور دوسری اس کے ساتھ کنایۃً سحر کی بھی نفی کی گئی ہے۔ کفر کی نفی تو ظاہر ہی ہے اور سحر کی نفی اس طور پر ہے کہ ادنیٰ عقل رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ سحر سلطنت کے اسباب سے نہیں ہے بلکہ یقیناً ثابت ہے کہ اس کا حقیقی فاعل تو رب العالمین اور احکم الحاکمین ہے۔

ظاہری اور حقیقی اسباب سے سحر کی نفی:

اور اس کے ظاہری اسباب بھی ہیں جن میں سحر ہرگز داخل نہیں ہے۔ اور ادنیٰ عقلمند بھی کبھی ایسا نہیں کرتا کہ حقیقی فاعل اور حقیقی اسباب کو چھوڑ کر فرضی اور وہمی اسباب کی طرف جھکے۔ ہاں اگر ایسا کرتا ہے تو کافر ہی کرتا ہے کہ حقیقی فاعل کو چھوڑ کر وہمی دیوتوں اور بتوں وغیرہ کو فاعل قرار دیتا ہے۔ اور حقیقی اسباب کو ترک کر کے ان دیوتوں کے سورنے اور ٹونے ٹانے اور منتروں جنتروں وغیرہ وہمی اور خیالی چیزوں کو اسباب قرار دیتا ہے۔

پس جس طرح حضرت موسیٰ نے جہالت کی نفی کے ساتھ مسخری کی نفی استدلالی رنگ میں کی تھی اسی طرح یہاں پر کفر کی نفی کے ساتھ وہم پرستی کی نفی اور وہم پرستی کی نفی کے ساتھ سحر کے ذریعہ سے سلطنت حاصل کرنے کی نفی کی گئی ہے۔ یعنی سلیمانؑ اگر کافر ہوتا تب تو وہ فاعل حقیقی اور اس کے مقرر کردہ اسباب کو چھوڑ کر وہمی چیزوں کو (مثل سحر وغیرہ کے) فاعل یا سبب قرار دے سکتا تھا۔ پر چونکہ سلیمانؑ نبی تھا جو کہ خدائے علیم کی طرف

سے سچے علوم پانے والا اور فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ[1] (الانبیاء:80) کا مصداق اور ہر گز کافر نہ تھا لہٰذا وہ کبھی بھی فاعل حقیقی اور اس کے مقررہ کردہ اسباب کو چھوڑ کر کفار کی وہم پرستی کے ساتھ سحر کو اپنی خداداد سلطنت کا فاعل یا سبب ہر گز قرار نہ دے سکتا تھا۔

وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ۔ بلکہ یہود و نصاریٰ کے شیطانوں نے کفر کیا (کہ سلیمانؑ جیسے نبی پر ایسے گندے الزام لگائے ایک تو اس لئے کہ لوگ آپ کو نبی نہ مانیں۔ اور دوم اس لئے لگائے کہ اس دھوکہ سے) لوگوں کو سحر سکھاتے تھے۔

بابل کے دو فرشتے:

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ۔ مَآ اُنْزِلَ الخ کا عطف مفسرین نے عام طور پر السِّحْرَ پر کیا ہے جو کہ يُعَلِّمُوْنَ کے بعد ہے تب معنے یہ ہو جاویں گے کہ وہ شیطان لوگوں کو وہ سحر اور مَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ (جو دو فرشتوں پر نازل کیا گیا ہے الخ) سکھاتے تھے۔ اور یہ بھی انہوں نے جائز رکھا ہے کہ مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ پر عطف ہو تب یہ معنے ہوں گے کہ انہوں نے اس کی پیروی کی جو کہ شیطان سلیمانؑ کے ملک پر پڑھا کرتے تھے۔ اور اس کی بھی جو کہ بابل میں ہاروت و ماروت دو فرشتوں پر اُتارا گیا تھا۔ اور مَآ اُنْزِلَ سے مفسرین نے سحر مراد لیا ہے۔ ہاں اکثروں نے جنس سحر لیا ہے اور بعض نے اس کا کوئی کامل اور اعلیٰ فرد لیا ہے اور مجاہد نے کہا ہے کہ وہ سحر سے کم تھا کہ بی بی خاوند کے درمیان اس کے ساتھ تفرقہ کرتے تھے اور بس۔

اور الْمَلَكَيْنِ میں چونکہ دو قرائتیں آئی ہوئی ہیں یعنی لام کی زبر اور زیر دونوں حرکتیں آئی ہیں اور میں ذکر کر آیا ہوں کہ اگرچہ اس لفظ کے اصل معنے تسلط، جبروت اور اقتدار کے ہیں پر عام استعمال یہی ہے کہ مَلَكٌ بفتح لام فرشتہ پر بولتے ہیں اور بکسر لام بادشاہ کو کہتے ہیں۔ پس اکثروں نے تو دونوں قرأتوں میں اس سے فرشتے ہی لئے ہیں۔ اور بعض نے دونوں صورتوں میں دو بادشاہ لئے ہیں بلکہ بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ دو بادشاہ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ تھے۔ اور اس بابل کے متعلق بھی

[1]۔ ہم نے اصل معاملہ سلیمان کو سمجھا دیا۔ (تفسیر صغیر)

تفسیروں میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ کوفہ کی گورنری میں کوئی شہر تھا۔ اور بعض نے کہا عراق کا شہر بابل مراد ہے۔ اور قتادہ نے کہا ہے کہ نصیبین رأس العین تک کو بابل کہتے ہیں اور بعض نے دماوند کا پہاڑ بتایا ہے۔ اور بعض نے اتنے پر اکتفاء کیا ہے کہ مغرب میں کوئی شہر تھا۔

اس واقعہ کا بیان عموماً تفسیروں میں اس طور پر روایت کرتے ہیں کہ فرشتوں نے دربار الٰہی میں تعجب کے طور پر کہا تھا کہ بنی آدم پر بڑے بڑے بھاری احسان اور فضل ہیں اور پھر بھی وہ الٰہی احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اور بجائے ان کے اگر ہم ہوتے تو کبھی بھی نافرمانی نہ کرتے۔ تو ان کے جواب میں خداوند کریم نے فرمایا کہ اچھا تم اپنے میں سے دو فرشتے چنو! تو انہوں نے ہاروت اور ماروت کو چنا۔ اور خداوند کریم نے ان کو انسانی لباس میں زمین پر اُتار دیا اور شہر بابل میں حاکم بنا دیا اور سب قوائے بشریہ ان میں پیدا کر دیئے اور وہاں پر ایک زُہرہ نام فاحشہ عورت تھی تو یہ دونوں اس پر فریفتہ ہو گئے اور اس کے آگے اپنے بُرے ارادہ کا اظہار کیا۔ تو اس نے ان کو کہا یہ تب ہو گا کہ اوّل تم مجھے وہ اسم اعظم سکھا دو جس کے ساتھ تم آسمان پر جاتے ہو اور دوم تم بُت پرستی کرو یا شراب پیو۔

پس انہوں نے جب دونوں کام کئے تو وہ ستارہ بن کر آسمان میں چلی گئی اور انہوں نے بھی اس کے پیچھے اُڑنا چاہا پر نہ اُڑ سکے۔ تب ان کو دنیا اور آخرت کے عذاب میں اختیار دیا گیا اور انہوں نے دنیوی عذاب کو پسند کیا۔ اور اب وہ قیامت تک عذاب دیئے جاویں گے۔ بلکہ بعض روایتوں میں اور اور عجائبات بھی اس کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ وہ چاہ بابل میں لٹکائے ہوئے ہیں اور ان کی نتھنوں میں دُھواں دیا جاتا ہے۔ لیکن محققین نے عموماً اور امام رازی نے خصوصاً ان روایتوں سے انکار کیا ہے۔ قاضی عیاض نے لکھا کہ اس بارہ میں نبی کریمؐ سے نہ کوئی صحیح حدیث اور نہ کوئی ضعیف مروی ہوئی ہے۔ اور یہ امر ایسا بھی نہیں جو کہ قیاس سے بیان ہو سکے۔

فرشتوں کی تشریح:

شہاب عراقی نے لکھا ہے کہ جو ایسا اعتقاد رکھتا ہے وہ کافر اور کتاب اللہ کا منکر ہے

کیونکہ فرشتے وہ ہیں جن کی نسبت خداوند تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہوا ہے کہ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ۔[1] (الانبیاء:28)

پس کس طرح فرشتوں کی طرف ایسے امور کا نسبت کرنا جائز ہو سکتا ہے؟ لیکن امام سیوطی نے برعکس اس کے ان کو ملامت کیا ہے جنہوں نے اس واقعہ سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ مرفوع اور موقوف طور پر یہ حضرت علیؓ سے اس کثرت کے ساتھ مروی ہے کہ ان روایتوں پر نظر کرنے والے کو ان کی صحت تسلیم کرنی پڑتی ہے اور بعض مفسرین نے اس نزاع سے گھبرا کر ایک درمیانی راہ لی ہے اور وہ یہ ہے کہ حقیقت میں تو نہ ایسا ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے جیسا کہ امام رازی وغیرہ محققین نے کہا ہے لیکن یہود لوگ ایسا کہا کرتے تھے یعنی ان کے شیطان ایسی روایتیں بیان کیا کرتے تھے اور یہی منشاء ہے ان روایتوں کا جن پر امام سیوطی وغیرہ نے اعتبار کیا ہے۔ گویا قرآن مجید نے یہود کے اعتقاد اور خیال کا ذکر فرمایا ہے نہ یہ کہ واقعہ میں بھی کوئی فرشتے ایسے ہوئے جن سے یہ امور سرزد ہوئے ہوں۔ بعض نے جب دیکھا کہ الفاظ قرآنی سے نہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی ایسا واقعہ ہوا تھا اور نہ یہ کہ یہود اس کے معتقد تھے یا وہ اس کو بیان کرتے تھے تو انہوں نے کہہ دیا ہے کہ یہ رموز کی قسم سے ہے اور وہ یہ ہے کہ مَلَكَيْنِ عقل اور روح مراد ہیں۔ اور زہرہ سے نفس مراد ہے اور ان کے آسمان سے نازل ہونے سے نفس کے ساتھ تعلق پکڑنا مراد ہے۔ اور زہرہ کے آسمان پر جانے اور ان کے زمین پر رہ کر معذب ہونے سے یہ مراد ہے کہ نفس نے تو ان کے ذریعہ سے ترقی حاصل کی پر ان دونوں نے چونکہ نفس کے تعلق سے عصیان کے ساتھ کسی قدر آلودگی حاصل کی اس لئے انہوں نے پہلی حالت سے تنزّل حاصل کیا۔

اور جن مفسرین نے یہ دیکھا کہ یہ قصہ ہی فرضی ہے اور قرآن مجید میں اس کی طرف اشارہ تک نہیں ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ ان روایتوں کا اس قدر مطلب ہے کہ خداوند کریم نے محض ابتلاء کے طور پر دو فرشتوں کو نازل کیا اور ان کو سحر کا علم دیا اور ان کو کہہ دیا کہ تم لوگوں کو بتا دو کہ ہم سحر جانتے ہیں اور ہم آزمائش ہیں۔ پس جو نہ سیکھتا تھا یا

[1]۔ وہ خدا کی بات سے ایک لفظ بھی زیادہ نہیں کہتے اور وہ اس کے حکموں پر عمل کرتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

سیکھتا تو تھا پر عمل نہ کرتا تھا وہ تو مومن متقی رہتا تھا پر جو سیکھ کر عمل بھی کرتا تھا وہ کافر ہو جاتا تھا اور یہ آزمائش ایسی تھی جیسی کہ نہر کے ساتھ کی گئی تھی۔ یہ تو وہ روایتیں یا خیالات ہیں جو کہ تفسیروں میں درج ہیں۔

مَآ اُنْزِلَ سے مراد خفیہ کمیٹیاں اور فرشتوں کی حقیقت:

سیدی حضرت مولانا خلیفۃ المسیحؑ نے ان سب خیالات کو ناپسند فرما کر ابتداء میں ایک معنے بیان فرمائے تھے لیکن اخیر میں خداوند کریم نے خاص اپنے فضل سے آپ پر وہ معنے کھول دیئے ہیں جن پر آپ کو اطمینان اور ثلج قلب حاصل ہے اور وہ یہ ہیں کہ مَآ اُنْزِلَ الخ سے یہاں پر نہ کوئی رمز مراد ہے اور نہ کوئی یہ عرفی جادو ہے۔ بلکہ اس سے خفیہ منصوبہ کی کمیٹی بنانی اور اس کی پوشیدہ تدبیریں مراد ہیں جیسی کہ اس زمانہ میں فریمیسن اور نہلسٹ وغیرہ خفیہ انجمنیں ہیں اور اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ بنی اسرائیل جب بابلیوں کی قید میں بہت تباہ حال ہو گئے تو خداوند کریم نے اُن کی آہ زاری اور ان کی دعاؤں کو سنا اور ہاروت وماروت دو فرشتوں کو ان کے اس وقت کے نبیوں پر نازل فرما کر یہ حکم دیا کہ تم خفیہ انجمن بنا کر خفیہ طور پر میدو فارس کے بادشاہوں کے ساتھ تعلق پیدا کرو اور اس تعلق کی تدبیریں بھی ان کو بتائی گئیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور آخر اس خفیہ انجمن کی کارروائیوں سے بابل اور اس کی سلطنت تباہ ہو گئی۔ اور اس کے اتباع سے یہاں پر یہ مراد ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لے آئے اور روز بروز اسلام کی ترقی ہونے لگی تو اس کے ساتھ ساتھ یہود و نصاریٰ کی آتش عداوت وحسد بھی بڑھنے لگی۔ تو اس وقت باوجود اس سخت ممانعت کے (جس کا بیان آگے آتا ہے) انہوں نے اس تجربہ شدہ نسخہ کو استعمال کرنا چاہا۔ یعنی جس طرح ہاروت و ماروت کی تعظیم کے مطابق بابلیوں کے مقابلہ پر خفیہ انجمن بنا کر کارروائی کی تھی۔ اسی طرح خدائے علیم کے برگزیدہ اور مظفر و منصور رسول اکرمؐ کے مقابلہ میں بھی انہوں نے خفیہ انجمن بنائی اور خفیہ منصوبے اور پوشیدہ کارروائیاں استعمال میں لانے لگے۔

اور اس میں شک نہیں کہ یہ بالکل حق اور مطابق واقعہ ہے کیونکہ تاریخ گواہ ہے کہ بابل کو اسی طور پر انہوں نے تباہ کیا تھا اور تاریخ اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ انہوں

نے آنحضرت ﷺ کے مقابلہ پر بھی ایسی انجمن بنائی تھی اور ارد گرد کی طاقتوں کے ساتھ ریشہ دوانی کی تھی تاکہ اسلام اور اہل اسلام کو صفحۂ دنیا سے نابود کر دیں۔ اور پھر قرآن مجید میں ایک اور موقعہ پر بھی ان کی اس انجمن کا ذکر آیا ہے۔ اور وہاں پر یقیناً ان کی اسی انجمن کا ذکر ہے اور پھر جو باتیں اس انجمن کی نسبت وہاں پر مذکور ہوئی ہیں وہی یہاں پر بھی مذکور ہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جس کا وہاں پر ذکر ہے اسی کا یہاں پر بھی ذکر ہے۔ اور یہ ذکر سورۂ مجادلہ میں ہے جہاں فرمایا ہے اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ نُہُوۡا عَنِ النَّجۡوٰی ثُمَّ یَعُوۡدُوۡنَ لِمَا نُہُوۡا عَنۡہُ وَ یَتَنٰجَوۡنَ بِالۡاِثۡمِ وَ الۡعُدۡوَانِ وَ مَعۡصِیَتِ الرَّسُوۡلِ وَ اِذَا جَآءُوۡکَ حَیَّوۡکَ بِمَا لَمۡ یُحَیِّکَ بِہِ اللّٰہُ وَ یَقُوۡلُوۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ لَوۡ لَا یُعَذِّبُنَا اللّٰہُ بِمَا نَقُوۡلُ حَسۡبُہُمۡ جَہَنَّمُ یَصۡلَوۡنَہَا فَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ۔ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا تَنَاجَیۡتُمۡ فَلَا تَتَنَاجَوۡا بِالۡاِثۡمِ وَ الۡعُدۡوَانِ وَ مَعۡصِیَتِ الرَّسُوۡلِ وَ تَنَاجَوۡا بِالۡبِرِّ وَ التَّقۡوٰی وَ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیۡۤ اِلَیۡہِ تُحۡشَرُوۡنَ۔ اِنَّمَا النَّجۡوٰی مِنَ الشَّیۡطٰنِ لِیَحۡزُنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ لَیۡسَ بِضَآرِّہِمۡ شَیۡئًا اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰہِ۔ (المجادلۃ:9تا11)(تم ان لوگوں کو تو دیکھو کہ جن کو خفیہ منصوبوں سے منع کیا گیا ہے۔ پھر لوٹ لوٹ کر اس کو کرتے ہیں جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور گناہ اور تعدی اور اللہ کے رسول کی نافرمانی کے خفیہ منصوبے کرتے ہیں۔ اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو دعائے سلام ان الفاظ کے ساتھ دیتے ہیں کہ جن کے ساتھ اللہ نے تم کو دعائے سلام نہیں دی اور پوشیدہ دل میں کہتے ہیں کیوں اللہ ہمیں ان باتوں کے باعث سزا نہیں دیتا جو کہ ہم ہمیشہ کہتے ہیں۔ جہنم ان کے لئے کافی ہے اس میں داخل ہوں گے پس وہ کیا ہی بدانجامی کا مقام ہے۔

اے ایمان لانے والو! جب تم آپس میں کوئی خفیہ مشورہ کرو تو پھر گناہ اور تعدی اور رسول کی نافرمانی کا خفیہ مشورہ مت کرو بلکہ بھلائی اور تقویٰ کا مشورہ کرو۔ اور اس خدا سے ڈرو جس کے پاس تم جمع کئے جاؤ گے۔ یہ ان کا خفیہ منصوبہ تو شیطان کی تحریک ہے تاکہ مومن لوگ غمگین ہوں۔ اور وہ ان کو کچھ بھی ضرر دینے والا نہیں۔ ہاں اللہ کی اجازت کے ساتھ وہ ضرر دینے والا ہوتا ہے (جیسا کہ اس نے بابلیوں کو ضرر دیا جب الٰہی اجازت سے تھا اور یہاں پر چونکہ الٰہی اجازت سے نہیں بلکہ فَلَا تَکۡفُرۡ کی نہی کے ساتھ ممنوع

ہے۔ لہٰذا یہ فریق مقابل یعنی مومنوں کو ضرر دینے والا نہیں ہاں اس کے کرنے والوں کے لئے ضرور بہت ہی سخت مضر ہے۔)

قابل غور چار امور:

یہاں پر چار امور بہت قابل غور ہیں جن سے دونوں واقعوں کا ایک ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

نمبر 1۔ یہ کہ ایک میں اس امر کی نسبت وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ (وہ اس کے ساتھ کسی کو بھی ضرر نہ دے سکتے تھے) اور دوسرے میں وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْـًٔا (اور وہ ان کو کچھ بھی ضرر نہ دے سکتا تھا) آیا ہے۔

نمبر 2۔ یہ کہ ایک میں بھی اس کے بعد اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ آیا ہے اور دوسرے میں بھی بعینہا یہی الفاظ آئے ہیں۔

نمبر 3۔ ایک میں لَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ الخ کے ساتھ صریح طور پر گناہ اور معصیت رسول والے خفیہ مشورہ کو ممنوع قرار دیا ہے۔ اور دوسرے میں لَا تَكْفُرْ کے ساتھ اس کی ممانعت کو مدلل رنگ میں بیان فرمایا ہے۔

نمبر 4۔ ایک کے بعد ان کے نبی کریمؐ کے ساتھ دعا سلام کہنے میں دو رنگے اور بُرے الفاظ استعمال کرنے کا ذکر وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ الخ کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور دوسرے کے بعد يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا [1] الخ (البقرۃ:105) کے ساتھ اس کو بیان فرمایا ہے جیسا کہ انشاء اللہ آگے بیان ہو گا۔

پس یہ اور بعض اور امور ایسے ہیں جن سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہ دونوں بیان ایک ہی امر کے متعلق ہیں۔ پس جب ایک مقام پر صاف بیان ہو گیا ہے کہ وہ امر ان کے خفیہ منصوبے ہیں تو پھر دوسرے میں خواہ تصریح نہ بھی ہو تو بھی ضرور یہ خفیہ منصوبے ہی مراد ہوں گے۔ پس حق وہی ہے جو کہ حضرت خلیفۃ المسیحؓ نے بیان فرمایا ہے اور دوسرے قصے محض فسانہ ہیں اور رموز ہوتے تو ہیں پر حقیقی اور ظاہری معنوں کے علاوہ نہ یہ کہ حقیقت تو کچھ نہ ہو اور محض رمز ہی رمز ہو جیسا کہ بارہا قرآن مجید کے ظہر اور بطن کی نسبت بیان کیا گیا ہے۔

[1]۔ اے ایمان دارو! (رسول کو مخاطب کر کے) رَاعِنَا مت کہا کرو۔ (تفسیر صغیر)

ہاں اَلْمَلَکَیْنِ کی نسبت میرا اپنا خیال یہی ہے کہ اس سے دو نیک سردار بلکہ ملہم سردار مراد ہیں اس لئے یہاں پر مَآ اُنْزِلَ عَلَی الْمَلَکَیْنِ آیا ہے اور قرآن مجید کا عام محاورہ یہی ہے کہ مُنَزَّلٌ عَلَیْہِمْ (جن پر کتاب یا کلام اور وحی نازل کی جاتی ہے) انبیاءؑ یا ان کی قوموں کو ذکر فرماتا ہے نہ فرشتوں کو بلکہ فرشتوں کو نازل کرنے والا قرار دیتا ہے جیسا کہ جبریلؑ کی نسبت ابھی آیا ہے فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ عَلٰی قَلْبِکَ[1] (البقرۃ:98) اور یہاں پر اَلْمَلَکَیْنِ کو منزل علیہ قرار دیا ہے۔ پھر اس کے علاوہ یہاں پر ان کی نسبت یہ بھی بیان ہوا ہے کہ عام لوگوں سے وہ بات چیت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم فتنہ ہیں پس تم کفر نہ کرو۔ اور یہ بھی کہ عام لوگ ان سے سیکھتے تھے اور یہ بظاہر فرشتوں کا کام نہیں بلکہ انسانوں اور نبیوں کا کام ہے۔

اَلْمَلَکَیْنِ کا لفظ خواہ دونوں کا احتمال رکھتا ہو جیسا کہ پہلے بیان ہوا ہے کہ دونوں طرف مفسرین گئے ہیں اور اس کے اصلی معنے بھی دونوں پر صادق آسکتے ہیں اور قرأتیں بھی دو آئی ہوئی ہیں اور استعارہ کے طور پر بھی نیک انسان پر ملک اور فرشتہ بولتے ہیں پر اَلْمَلَکَیْنِ کے حالات جو یہاں پر بیان فرمائے ہیں وہ بظاہر انسانوں ہی پر صادق آتے ہیں اور اس بابل سے وہی بابل مراد ہے جہاں پر بابلی بادشاہوں کی سلطنت تھی نہ کوئی اور بابل تاکہ اس میں اختلاف ہو۔

اور ہاروت اور ماروت ملکین کے وصفی نام ہیں جن میں ان کے نام کی طرف اشارہ ہونے کے علاوہ اس واقعہ کی اصلیت کی طرف بھی اشارہ ہے یعنی وہ اس طاقت میں تفرقہ ڈال کر اس کو تباہ کرنے والے تھے۔

اور حضرت خلیفۃ المسیحؓ نے مَآ اُنْزِلَ الخ کو مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ پر عطف فرمایا ہے۔ پس معنے یہ ہوئے کہ انہوں نے اس سحر کی بھی تابعداری کی جس کو شیطان سلیمانؑ کے ملک پر پڑھتے تھے اور ان خفیہ منصوبوں کی بھی پیروی کی جو کہ بابل میں ہاروت وماروت دو ملکوں پر نازل کئے گئے تھے۔ اور اگر السِّحْرَ پر عطف ہو جیسا کہ اکثر مفسرین نے لکھا ہے تب یہ معنے ہوں گے کہ بنی اسرائیل کے شیطان ایک تو وہ سحر لوگوں کو سکھاتے تھے اور دوسرا وہ امر سکھاتے تھے جو کہ بابل میں ہاروت وماروت دو ملکوں پر نازل کیا گیا تھا اور اس میں شک نہیں

[1]۔ کہ اس نے تیرے دل پر... اس (کتاب) کو اتارا ہے۔ (تفسیر صغیر)

کہ ان کے شیطان ان دونوں کو سکھاتے تھے اور اس میں وہ اصل شیطان کے مظہر تھے اور قرآن مجید میں صاف آیا ہے کہ اِنَّمَا النَّجْوٰی مِنَ الشَّیْطٰنِ[1] (المجادلۃ:11)

مفسرین کے نزدیک ہاروت ماروت کے آنے کی غرض:

وَ مَا یُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰی یَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَۃٌ فَلَا تَکْفُرْ۔ مفسرین میں سے جنہوں نے لکھا ہے کہ ہاروت وماروت محض آزمائش کے لئے بھیجے گئے تھے ان کے نزدیک تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جیسے وہ حقیقت میں آزمائش تھی ایسے ہی وہ ان کو متنبہ کر دیتے تھے کہ ہم آزمائش ہیں اور وہ آزمائش یہ ہے کہ اگر ہم سے سحر نہ سیکھو گے یا سیکھ کر اگر اس کا عمل کرو گے تو کافر ہو جاؤ گے۔ پس یا سیکھو نہیں اور اگر سیکھتے ہو تو پھر اس کا عمل نہ کرو ورنہ کافر ہو جاؤ گے اور جنہوں نے یہ کہا ہے کہ وہ دونوں آزمائش کیلئے نہ آئے تھے بلکہ انہوں نے مذکورہ بالا روایتوں کو اعتبار کیا ہے ان کے نزدیک ان کے بھیجنے کی دو غرضیں تھیں ایک ان کی آزمائش اور دوسری ان کے ذریعہ سے لوگوں کی آزمائش تھی اور ان کے نزدیک بھی آزمائش وہی ہے جو کہ اوپر بیان ہوئی ہے اور لَا تَکْفُرْ کا مطلب بھی وہی ہے جو کہ بیان ہو چکا ہے۔ لیکن جو اصل حقیقت بیان ہوئی ہے اس کے مطابق آزمائش ہونے کا یہ مطلب ہے کہ وہ خفیہ تدبیریں بڑی خطرناک تھیں جن کی وقتی اجازت ضرورت کے موقعہ پر ملی تھی اور اس خاص موقعہ کے سواء اور موقعوں پر بدوں الٰہی اجازت کے ان کا ارتکاب سخت ممنوع تھا جیسی کہ نبی کریمؐ کے لئے فتح مکہ کے موقعہ پر خاص ضرورت کے باعث خداوند کریم نے زمین حرم میں جنگ حلال کر دیا تھا پر اس کے یہ معنے نہیں کہ جب کوئی چاہے زمین حرم میں جنگ کر لے اور وہ دونوں ملک خوب جانتے تھے کہ بنی اسرائیل کی ایسی حالت ہے کہ جب یہ ان تدابیر سے ایک دفعہ کامیاب ہو گئے تو پھر یہ نہ ممانعت کی پروا کریں گے اور نہ اجازت کا انتظار بلکہ اپنی قوم اور اپنے بادشاہوں اور نبیوں کے مقابلہ میں بھی بلا اجازت ان کو استعمال کر کے تباہ ہوں گے۔ لہٰذا وہ سکھانے سے پہلے ان کو کہہ دیتے تھے کہ ہم تو تمہارے لئے فتنہ ہیں جس سے تم بدی اور اس کی پاداش میں پڑنے والے ہو۔ پس ہوش

[1]۔ خفیہ مشورہ کرنے کا طریق شیطان کی طرف سے آیا ہے۔ (تفسیر صغیر)

کرو اور بے موقعہ اور بے اجازت ان تدابیروں کو مت استعمال کرو ورنہ تو تم اللہ کے نزدیک کافر قرار دیئے جاؤ گے۔

رہی یہ بات کہ جب وہ آزمائش ہوئی اور آزمائش کرنے والا خدائے علیم ہوا تو اس سے لازم آئے گا کہ نعوذ باللہ خداوند کریم کو بھی اور آزمائش کرنے والوں کی طرح علم نہ ہو حالانکہ وہ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ[1] (المائدۃ:110) ہے۔

بابل کے دو فرشتے کیا سکھاتے تھے؟:

پس اس کی نسبت میں نے پہلے مفصل بحث کی ہے اور لوگوں کے جواب بھی اور ان کے ضعف بھی مفصل طور پر بیان کئے ہیں اور آخر پر وہ جواب بتایا ہے جو کہ مجھے پسند ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خداوند کریم کا ایک علم تو وہ ہے جو کہ ان چیزوں کے وجود سے پہلے ہوتا ہے جس کے مطابق اُن چیزوں کا وجود ہوتا ہے اور یہی علم علم غیب کہلاتا ہے اور دوسرا علم وہ ہے جو کہ ان چیزوں کے وجود کے بعد ہوتا ہے اور وہ علم ان چیزوں کے مطابق ہوتا ہے اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ پہلے ان اشیاء کا وجود ہو جیسا کہ ہمارے علوم کے لئے ان کا وجود ضروری ہوتا ہے پر فرق اس قدر ہے کہ ہمارے لئے یہی ایک قسم کا علم ہے جس میں اشیاء کا وجود ضروری ہوتا ہے۔ پس جب اشیاء کا وجود نہ ہو تو یہ علم نہیں ہوتا اور جب یہ علم نہ ہو تو پھر کوئی دوسری قسم کا علم بھی نہیں ہوتا بلکہ جہل ہوتا ہے۔ اور خداوند علیم کے لئے چونکہ دو قسم کے علم ہیں ایک وجود اشیاء سے پہلے اور ایک بعد میں تو جب وجود اشیاء نہ ہونے سے دوسری قسم کا علم (یعنی فعلی علم) نہ ہوا تو اس سے جہل لازم نہیں آتا۔ کیونکہ جہل تب لازم آئے کہ بالکل علم نہ ہو پر اس کے لئے وہ علم ہے جو کہ وجود اشیاء سے پہلے ہوتا ہے۔

ان کے علم کا اثر اور اس کے نتائج:

فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ۔ مفسرین نے تو بالاتفاق اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ وہ ان سے سحر سیکھا کرتے تھے کہ جس کا عمل کر کے بی بی خاوند کے درمیان تفرقہ ڈالتے تھے۔ یعنی اس سحر کا اثر یہ ہوتا تھا۔

[1]۔ غیب کی باتوں کا (اصل) علم رکھنے والا۔ (تفسیر صغیر)

ہاں بعض نے کہا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے یہ معنے ہوں کہ جو کچھ وہ سیکھتے تھے چونکہ سحر تھا جس کے حق ہونے کے اعتقاد سے وہ کافر ہو جاتے تھے اور کفر و ارتداد کے باعث ان کے نکاح فسخ ہو جاتے تھے اس صورت میں تو ان کی اپنی بیبیاں جدا ہوئیں لیکن چونکہ وہ آگے اور لوگوں کو سکھاتے تھے اور اس سے ان کے نکاح بھی فسخ ہوتے تھے۔ لہٰذا یہ کہا گیا کہ وہ اس کے ساتھ جدائی ڈالتے تھے۔ لیکن حقیقی معنوں کے لحاظ سے اس کے دو معنے ہو سکتے ہیں اور دونوں حق ہیں۔ ایک یہ ہے کہ جو تدابیر ان سے سیکھتے تھے وہ ایسی خفیہ رکھی جاتی تھیں کہ بی بی خاوند بھی ایک دوسرے کو نہ بتاتے تھے اور جو بی بی سے تعلقات ہوتے ان کا خاوند کو علم نہ ہو سکتا تھا اور جو خاوند سے ہوتے ان کا بی بی کو علم نہ ہو سکتا تھا۔ جیسا کہ آج کل فری میسنوں میں یہی طریق مروج ہے۔ پس اس صورت میں اس کا خلاصہ یہ نہیں کہ جو کچھ ان سے سیکھتے تھے اس کا اثر یہ ہوتا تھا بلکہ یہ ہے کہ اس کے سیکھنے میں ایسا کرنا پڑتا تھا اور دوسرے یہ کہ ان سے پھوٹ ڈالنے کے ایسے ایسے خطرناک خفیہ منصوبے سیکھتے تھے کہ اوروں میں کیا بی بی اور خاوند میں بھی ان کے ساتھ تفرقہ ڈال دیتے تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زَوْجِہٖ سے بی بی مراد نہ ہو بلکہ مطلق ساتھی مراد ہو جو کہ بی بی اور دوست، باپ، بیٹے اور بھائی وغیرہ سب تعلق والوں کو شامل ہے۔

رسول کریم ﷺ کے خلاف بابل والوں کی طرح کے منصوبے بنانے کا ردّ:

وَ مَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ هُمْ کی ضمیر عموماً ان یہود کی طرف پھیری ہے جو کہ سحر سیکھتے تھے اور بعض نے شیاطین کی طرف راجع کی ہے جو کہ سلیمانؑ کے ملک پر پڑھا کرتے تھے اور اذن سے بعض نے کھلا چھوڑنا اور مانع نہ ہونا لیا ہے اس صورت میں یہ معنے ہوں گے کہ وہ کسی کو بھی اس کے ساتھ ضرر نہ دے سکتے تھے پر تب ہی کہ اللہ ان کو کھلا چھوڑ دے اور ان کے سحر کی تاثیر کو نہ روکے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اِذْنٌ بمعنے امر ہے اور چونکہ سحر قبیح چیز ہے اور خداوند حکیم قبیح چیز کا امر نہیں کرتا لہٰذا یہاں پر اس کے معنے تکوین یعنی پیدا کرنے کے ہیں۔ پس اس صورت میں یہ معنے ہوں گے کہ وہ اس کے ساتھ کسی کو بھی ضرر نہیں دے سکتے تھے۔ پر اللہ کے امر یعنی تاثیر پیدا کرنے کے

ساتھ۔ اور بعض نے اس کے معنے علم کے لئے ہیں۔ پس اس صورت میں معنے یہ ہوں گے کہ وہ اس کے ساتھ کسی کو بھی ضرر نہیں دے سکتے تھے پر اللہ کے علم کے ساتھ یعنی اس کی بے خبری میں ضرر نہیں دے سکتے بلکہ جب ضرر دیتے ہیں تو اس کو ضرور علم ہوتا ہے۔ پس پہلی اور تیسری صورت میں تو ثابت ہوتا ہے کہ سحر میں تاثیر ہے۔

اور دوسری صورت میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ پہلے اس میں کوئی تاثیر نہیں ہوتی۔ ہاں جب خداوند تعالیٰ اس میں تاثیر پیدا کر دیتا ہے تب اس میں تاثیر ہو جاتی ہے پر یہ سب مصیبت سحر کے لینے سے ان کو پیش آئی ہے۔ پر اصل حقیقت میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی اور اِذْنٌ کے مشہور معنے جو کہ اجازت کے ہیں وہی ہم لیتے ہیں اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ انہوں نے نبی کریمؐ کے مقابلہ میں بھی بابل والے خفیہ منصوبوں کو استعمال کرنا شروع کیا ہے۔ حالانکہ یہ خوب جانتے ہیں کہ ان کے ساتھ تب ہی کسی کو ضرر پہنچ سکتا ہے کہ قادرِ مطلق اور احکم الحاکمین خدا کی اجازت بھی ہو۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس کے برگزیدہ رسولؐ کے مقابلہ میں کب اجازت ہو سکتی ہے۔

کفار کی تدبیروں کا انجام ان کے لئے تکلیف کا باعث ہو گا:

وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ ضرر یہ ہے کہ وہ عمل کے ارادہ سے اس کو سیکھتے تھے جو کہ معصیت ہے اور معصیت کا قصد بھی معصیت ہوتا ہے۔ پس اس صورت میں تو سیکھنے کے ساتھ ہی ضرر ہو گیا یعنی معصیت ہو گئی۔ اور یا وہ ضرر یہ ہے کہ اس کے سیکھنے سے ضرور اس کے عمل کا ارتکاب ہونے والا تھا جو کہ مضر ہے اور معصیت ہے۔ اور اس صورت میں سیکھنے کے ساتھ ہی ضرور تو لاحق نہیں ہوا پر آئندہ لاحق ہونے والا ہے۔ اور یہ بھی سحر کے لینے پر مبنی ہیں۔ اور اصل مطلب یہ ہے کہ بابل میں تو انہوں نے جو کچھ سیکھا تھا وہ اگرچہ آئندہ کبھی غلط استعمال سے مضر بھی ہو سکتا تھا جیسا کہ مَلَکَیْنِ کے فتنہ اور لَا تَکْفُرْ کہنے سے ظاہر ہوتا ہے لیکن سر دست تو وہ ان کے لئے نافع تھا اور وہ نفع ہی کے خیال سے سیکھتے بھی تھے۔ لیکن یہ جو کہ اب نبی کریمؐ کے مقابلہ میں سیکھ رہے ہیں یہ تو وہ چیز سیکھ رہے ہیں جو کہ محض مضر ہے اور اس میں کوئی نفع نہیں ہے۔ اس لئے کہ اوّل تو کافر بلکہ

بدترین کفار بنے دوم ان کے یہ خفیہ منصوبے اُس نبی کے مقابلہ پر ہیں جس کے مخالفوں نے ذلیل وخوار اور مغلوب اور خود اس نے معزز و مکرم اور مظفر و منصور ہونا ہے۔ اور جس سے خدائے علیم و حکیم کا یہ عہد ہے کہ تیرے مقابلہ میں جو تدبیریں تیرے مخالف کریں گے وہ تدبیریں اُلٹی اُنہی پر پڑیں گی اور تجھے ان سے کچھ گزند نہ پہنچے گا۔

فرشتے سکھانے سے پہلے بتادیتے تھے کہ ہم آزمائش ہیں:

وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔ مفسرین نے عام طور پر یہ لکھا ہے کہ وَلَقَدْ عَلِمُوْا الخ۔ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ الخ[1] (البقرۃ:102) کے ساتھ متعلق ہے اور وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ سے لے کر وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ تک بالطبع درمیان میں آ گیا ہے۔ پس اس صورت میں معنے یہ ہوں گے کہ جب اللہ کی طرف سے مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ رسول ان کے پاس آیا تو جن کو وہ کتاب دی گئی تھی انہوں نے بڑی لاپروائی سے اللہ کی کتاب کو پس پُشت ڈال دیا۔ حالانکہ انہوں نے خوب جان لیا تھا کہ جو اس کو بُھلا دیتا ہے (یعنی اللہ کی کتاب کو دے کر دنیوی اغراض اور منافع لیتا ہے) اس کیلئے آخرت میں کوئی نصیب اور حصہ یا قدر و منزلت یا درستی اور سنبھلنا نہیں ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا تعلق اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ الخ کے ساتھ ہے۔ تب یہ معنے ہوں گے کہ انہوں نے کتاب اللہ کو ترک کر کے مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ اور مَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ الخ کی پیروی کی ہے۔ حالانکہ یہ خوب جانتے ہیں کہ جو کتاب اللہ کو ایسی چیزوں کے ساتھ بدلا دے گا اُس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ اور درستی نہیں ہو گی اور بعض کا یہ خیال بھی ہے کہ اس کا تعلق وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ الخ کے ساتھ ہے اور عَلِمُوْا کی ضمیر مَلَكَيْنِ کی طرف پھرتی ہے۔ اگرچہ وہ تثنیہ اور یہ جمع ہے۔ پس معنے یہ ہوئے کہ وہ کسی کو بھی یہ نہ سکھاتے تھے یہاں تک کہ یہ کہہ دیتے تھے کہ ہم

[1]۔ اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک ایسا رسول آیا جو اس (کتاب) کو جو ان کے پاس ہے سچا کرنے والا ہے۔ (تفسیر صغیر)

آزمائش ہیں۔ پس تم مت کفر کرو اور (وہ اس لئے یہ کہتے تھے کہ) وہ خوب جانتے تھے کہ جو اس کو لیں گے (اور ایمان دیں گے) ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

اور وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ کے معنے پہلے مفصل بیان ہو چکے ہیں اور لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ کے یہ معنے لکھے ہیں کہ اگر وہ (اس برائی کو) جاننے والے ہوتے۔

اہل تفاسیر کا اعتراض اور جواب:

یہاں پر اہل تفاسیر نے ایک اعتراض لکھا ہے اور اس کو بہت ہی مشکل خیال کیا ہے اور اس کے بیسیوں جواب دیئے ہیں اور پھر ان جوابوں پر ردّ و قدح کی ہے اور وہ یہ ہے کہ وَلَقَدْ عَلِمُوْا الخ میں تو اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ ان کو ضرور اس بات کا علم تھا کہ جو یہ تبادلہ کرے گا اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ میں اس تبادلہ کی مذمت کے علم کو ان سے نفی کیا ہے اور اس میں دو متخالف باتوں کا اجتماع ہے۔ اور اس کے بہت سے جواب دیئے ہیں اور پھر خود ہی سب کو ردّ بھی کیا ہے اور جس کو انہوں نے پسند کیا ہے وہ یہ ہے کہ حقیقت میں تو ان کو علم ضرور تھا جیسا کہ وَلَقَدْ عَلِمُوْا الخ میں بیان ہوا ہے لیکن یہ عام قاعدہ ہے کہ جب کوئی اپنے علم کے مطابق عمل و درآمد نہیں رکھتا تو باوجود علم کے اس کو بمنزلۂ جاہل قرار دے کر لاعلمی کے الفاظ اس پر بول دیا کرتے ہیں اور زبان عرب میں عموماً اور قرآن مجید میں خصوصاً بہت کثرت کے ساتھ ایسا کیا گیا ہے۔ اور یہاں پر بھی ایسا ہی کیا گیا ہے کہ جب باوجود اس کے جاننے کے پھر بھی انہوں نے کتاب اللہ کو چھوڑ دیا۔ اور مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ اور مَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ الخ کا اتباع اختیار کیا اور اس کفر اور دنیوی فوائد کے بدلہ میں اپنی جانوں کو ہمیشہ کے عذاب کیلئے دے دیا اور اس بدترین تجارت کو اس خوشی سے اختیار کیا کہ گویا انہوں نے اپنی ہلاک ہوتی ہوئی جانوں کو خرید لیا ہے۔ تو باوجود ان کے علم کے پھر بھی لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ میں ان کے علم کی نفی کر کے ان کو جاہل کہا گیا ہے۔

علم مضر ہونے کے باوجود سیکھنا:

اور میرے خیال میں یہ سب کچھ ظاہر الفاظ سے بہت بعید اور رکیک باتیں ہیں۔ اس

قدر دُور جانے کی ضرورت ہی کیا پڑی تھی وَلَقَدْ عَلِمُوْا الخ کے متصل ما قبل وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ آیا ہے جس کے ساتھ بہت عمدہ طور پر اس کا تعلق ہو سکتا ہے۔

پس یقیناً وَلَقَدْ عَلِمُوْا الخ کا تعلق وَيَتَعَلَّمُوْنَ الخ کے ساتھ ہے اور معنے یہ ہیں کہ باوجود لَا تَكْفُرْ اور اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ کے جاننے کے پھر بھی وہ خفیہ منصوبے سیکھتے ہیں جو محض مضر ہیں اور ذرہ بھر بھی ان میں نفع نہیں ہے اور یہ تو دنیا کی نسبت ہے اور آخرت کی نسبت بھی ان کو خوب علم ہے کہ جو اس کو لے گا اس کے لئے آخرت میں نہ کوئی حصہ ہو گا اور نہ درستی اور نہ قدر و منزلت ہو گی۔ یہ معنے تو اس وقت ہوں گے جب آخرت سے مراد قیامت لی جاوے اور اگر اس کے لغوی معنے لے کر اس کے لینے سے مراد پیچھے کی زندگی لی جاوے خواہ وہ دنیا میں ہو یا قیامت میں۔ پس یہ معنے ہوں گے کہ باوجود لَا تَكْفُرْ وغیرہ کے جاننے کے پھر بھی وہ کچھ سیکھتے ہیں جو کہ مضر ہی مضر ہے اور کچھ نفع نہیں دیتا (اور پھر یہ بھی نہیں کہ اگرچہ وہ مضر محض تھا پر چونکہ ان کو اس کے مضر محض ہونے کا علم نہ تھا اس لئے اس کو سیکھ لیا نہیں بلکہ) واللہ ضرور ہی ان کو اس کا علم بھی تھا کہ جو اس کو لے گا اس کیلئے اس کے بعد کی زندگی میں (نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں) نہ کوئی حصہ ہو گا اور نہ قدر و منزلت اور نہ درستی۔

برائی کے علم کے باوجود اس کا ارتکاب کرنا:

خلاصہ مطلب یہ کہ باوجودیکہ ان کو بخوبی علم ہے کہ اس کے لینے والوں کے لئے یہ آخرت میں یا مابعد کی زندگی میں بہت سخت مضر پڑے گا پھر بھی وہ اس بے نفع اور مضر محض چیز کو بڑی سرگرمی سے سیکھ رہے ہیں۔ رہا وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ الخ پس واضح ہو کہ قرآن مجید میں یہ مختلف الفاظ کے ساتھ بہت کثرت کے ساتھ آیا ہے اور جہاں کہیں بھی یہ آیا ہے تو اس سے پہلے ضرور کوئی ایک یا زیادہ بہت بُری بدیاں مذکور ہوتی ہیں۔ جن کے ارتکاب سے عقلمند (پر خدا ترس اور حیادار) انسان کو تعجب پیدا ہوتا ہے کہ باوجود اس دعویٰ ایمان اور باوجود اس کی بُرائی کے علم کے اور باوجود فلاں فلاں حال اور امر کے اس کا انہوں نے کیوں ارتکاب کیا ہے؟

پس اس کے بعد اس کو لا کر ان کے ارتکاب کا اصل باعث اور محرک اور موجب اور سبب اشارۃً یا صراحۃً بیان کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس سے کچھ پہلے جب یہ ذکر فرمایا کہ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ (البقرۃ:90)(جب ان کے پاس وہ آگیا جس کو انہوں نے پہچان لیا تو اس کے منکر ہو گئے) اور یہ بہت قابل تعجب انکار تھا تو اس کا اصل باعث بیان کرنے کے لئے اس کے بعد فرمایا۔ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (البقرۃ:91)(وہ چیز کیا ہی بُری ہے جس کے بدلہ میں انہوں نے اپنی جانیں دے دی ہیں اور وہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ سے محض اس سرکشی کے لئے انکار کرتا ہے کہ اللہ جس پر اپنے بندوں میں سے چاہے اپنے فضل سے کچھ نازل فرمائے) اسی طرح یہاں پر ان کی کئی بدیاں بیان ہوئی ہیں اوّل تو مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ رسول کی آمد کے وقت ان کا کتاب اللہ کو پسِ پُشت ڈالنا اور دوم پھر باوجود مذکورہ بالا حالات اور دعویٰ اور علم کے مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ اور مَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ الخ کی پیروی اور اتباع کرنا۔ یہ وہ بدترین بدیاں ہیں کہ جن کے ارتکاب سے سخت تعجب آتا ہے۔

پس اس لئے ان کے بعد بِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ لا کر بتایا گیا ہے کہ ان سب بدیوں کے ارتکاب کا اصل باعث طمع نفسانی اور جاہ طلبی اور دنیا کا غلبۂ محبت ہے جس کے بدلہ میں انہوں نے اپنی عزیز جانیں دو جہانوں کے جہنم کے لئے حوالے کر دی ہیں۔ اور بتایا ہے کہ اگرچہ ان چیزوں کو حد سے زیادہ پسند کرتے ہیں حتیٰ کہ ان کے لئے انہوں نے اپنی عزیز جانوں تک بھی دینا پسند کر لیا ہے پر حقیقت میں یہ چیزیں بہت بری ہیں۔ اور اس کے بعد لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ فرما کر ظاہر کر دیا کہ یہ چیزیں حقیقت میں تو بہت بری ہیں لیکن ان کی برائی اور بدترین اور ظاہر ترین برائیوں کو جانتے نہیں۔ تب ہی تو ان کو یہاں تک عزیز سمجھ رہے ہیں کہ ان کے عوض اپنی پیاری جانیں بھی عذاب جہنم کیلئے دے چکے ہیں۔

مذکورہ بالا تقریر سے ناظرین نے خوب سمجھ لیا ہو گا کہ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ میں ان امور کی برائی کے علم کی نفی کی گئی ہے جن کے عوض میں انہوں نے اپنی جانیں دے دی ہیں۔ اور وہ طلب جاہ اور حُبّ دنیا اور حُبّ شہوات اور عناد رسول اللہؐ وغیرہا ہیں جیسا کہ

قرآن مجید کے دوسرے مقامات سے صاف صاف ثابت ہے۔ اور وَلَقَدْ عَلِمُوْا الخ میں ان کے علم کا اقرار خاص اس بات کے متعلق ہے کہ جو لوگ ایسے خفیہ منصوبے فلاں محل اور فلاں غرض کے لئے سیکھتے اور کرتے ہیں آخرت میں یا انجام کار اُن کو کوئی فائدہ نصیب نہیں ہوا کرتا ہے۔ پس اب ظاہر ہے جس علم کا اثبات اور اقرار کیا گیا ہے وہ اور چیز کا علم ہے اور جس کی نفی کی گئی ہے وہ اور امور کا علم ہے۔ لہٰذا ان میں ہرگز متخالفین کا اجتماع نہیں۔ پس اب نہ کوئی اعتراض ہے اور نہ اس کے جواب کی کوئی ضرورت ہے۔

اللہ خیر ہی دیتا ہے خواہ ایمان والا ہو یا نہ ہو:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔ چونکہ بظاہر یہاں پر دو مشکلیں پیش آتی تھیں۔

اوّل یہ کہ لَوْ کی جزاء ہمیشہ جملہ فعلیہ ہوتا ہے۔ جس میں خاص فعل ماضی ہوتا ہے اور یہاں پر لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ جملہ اسمیہ ہے۔

دوم یہ کہ جزاء تو وہ ہوتی ہے کہ جب شرط پائی جاتی ہے تو وہ اس پر مرتب ہوتی ہے اور جب شرط نہیں پائی جاتی تو وہ مرتب نہیں ہوتی۔ اور یہاں پر جو بظاہر جزاء ہے یعنی لَمَثُوْبَةٌ الخ وہ ایسی نہیں ہے اس لئے کہ ثواب اللہ ہمیشہ ہی خیر ہے خواہ وہ ایمان لاویں اور تقویٰ اختیار کریں یا نہ کریں۔ پس ان مشکلات سے بچنے کے لئے لوگوں نے عجیب عجیب راستے اختیار کئے ہیں۔ پس اکثروں نے تو اخفش کا قول اختیار کیا ہے کہ یہاں پر جزاء تو مقدر ہے اور وہ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ہے۔ اور لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ جزاء نہیں۔ یہ ایک قسم کا جواب ہے جو کہ لَوْ کے پہلے مقدر ہوا کرتا ہے۔ پس اب معنے یہ ہوئے کہ اور اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو یہ ان کے لئے بہت اچھا ہوتا (کیونکہ) واللہ کہ اللہ کی طرف سے تھوڑا سا ثواب بھی بہت بہتر ہوتا ہے اور بعض نے ان مشکلات سے پیچھا چُھڑانے کے لئے کہا ہے کہ یہ لَوْ شرط کے لئے نہیں بلکہ تمنی یعنی آرزو کیلئے ہے۔ اور چونکہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے آرزو صحیح نہ ہو سکتی تھی اس لئے کہہ دیا کہ اگرچہ بظاہر خداوند تعالیٰ کا اپنا قول معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں یہ آرزو بندوں کی طرف سے ہے۔ اور لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ یہ

علیحدہ جملہ ہے۔ اور معنے یہ ہیں۔ اور کاش کہ وہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے (اس لئے) کہ اللہ کی طرف سے تھوڑا سا ثواب بھی بہت ہی بہتر ہوتا ہے۔ لیکن محققین نے لکھا ہے کہ اصل عبارت یوں تھی کہ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَاثِيْبُوْا مَثُوْبَةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرًا مِّمَّا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ۔ (اور اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ان کو اللہ کی طرف سے ثواب دیا جاتا جس میں تھوڑا سا بھی اس سے بہتر ہوتا کہ جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانیں دے دی ہیں) اور پھر محض دوام و ثبات پر دلالت کرانے کیلئے اس کو بدل کر اس صورت پر بنا دیا گیا ہے۔

اللہ کی طرف سے ثواب بہتر ہے:

اور میرے خیال میں تینوں صورتوں میں تکلّف ہے اور اصل بات یہ ہے کہ کلام عرب میں اور خصوصاً قرآن مجید میں بہت کثرت کے ساتھ ایسا ہوتا ہے کہ جزاء ذکر نہیں ہوتی اور بجائے اس کے ایسا جملہ مذکور ہوتا ہے جو کہ جزاء پر دلالت کرتا ہے۔ اور ایسے مقام میں اس مقدر جزاء کے ظاہر کرنے کی بھی کچھ ضرورت نہیں ہوتی اور وہی جملہ اس کے قائم مقام ہو جاتا ہے۔ یہاں پر دو لَوْ آئے ہوئے ہیں ایک وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا الخ میں اور دوسرا لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ میں اور دونوں کی شرطیں تو مذکور ہیں پر جزائیں دونوں کی محذوف ہیں۔ اور یہی لَمَثُوْبَةٌ الخ دونوں کی جزاؤں کے قائم مقام ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ واقعہ میں تو یہ نہایت پکی اور سچی بات ہے کہ اللہ کی طرف سے ثواب پانا بہت ہی اچھی چیز ہے۔ اور اس کو خداوند تعالیٰ نے لَمَثُوْبَةٌ الخ کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ (پر ان کو اس کا یقین نہیں تب ہی تو حُبّ شہوات اور طلب دنیا اور جاہ و جلال کے باعث انہوں نے ان چیزوں کو چھوڑ دیا ہے۔ اور ان کی ذرہ پروا نہیں کی جن سے اللہ کی طرف سے ثواب پا سکتے تھے ہاں) اگر یہ ایمان لے آتے اور ابتداء میں ہماری اور اپنے نبیوں اور رسولوں کی بات کو مان لیتے کہ فلاں طریق کے اختیار کرنے سے اللہ کی طرف سے وہ ثواب ملا کرتا ہے جو کہ حقیقۃً بہت بہتر ہوتا ہے۔ اور فلاں طریق اختیار کرنے سے اللہ کی طرف سے وہ عذاب ملتا ہے جو کہ بہت سخت اور بُرا ہوتا ہے اور پھر عذاب کی راہ سے بچتے اور ثواب کی راہ کو اختیار کرتے تو خود ان کو معلوم ہو

جاتا اور تجربہ اور مشاہدہ کر لیتے کہ بے شک اللہ کی طرف سے ثواب ملا کرتا ہے اور وہ ثواب پانا بہتر ہے۔ (پر نہ انہوں نے مانا اور نہ عذاب کی راہ کو ترک کر کے ثواب کی راہ کو اختیار کیا لیکن ایسا تب کرتے کہ وہ خود اس کو سمجھتے اور اگر خود نہ سمجھتے تو ہمارے اور رسولوں کے سمجھانے سے سمجھتے پس) اگر کسی طرح سے سمجھتے تو ایمان اور تقویٰ اور ثواب کی راہ اختیار کرنے سے اس بات کو تجربہ کر کے یقیناً معلوم کر لیتے کہ اللہ کی طرف سے ثواب ملا کرتا ہے اور وہ حقیقۃً دنیا اور مافیہا سے بہتر اور افضل ہے۔

اللہ کی طرف سے تھوڑا ثواب بھی بہت بہتر ہے:

پس اگر جزاء کے قائم مقام کے بجائے خود جزاء کو ذکر کیا جائے تو عبارت یوں ہوتی ہے وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَعَلِمُوْا اَنَّ مَثُوْبَةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ۔ (اور اگر یہ مانتے اور اس کے مطابق چلتے اور خلاف ورزی سے بچتے تو ضرور جان لیتے کہ اللہ کی طرف سے ثواب پانا بہت بہتر ہے) اور دوسرے کی جزاء کے ظاہر کرنے سے یوں عبارت بنتی ہے کہ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ لَعَلِمُوْا اَنَّ لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ۔ (اگر یہ جاننے والے ہوتے (اور لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ[1] (الملک:11) کے مطابق خود یا ہمارے سمجھانے سے یہ سمجھ سکتے کہ ایمان و تقویٰ سے اللہ کی طرف سے ثواب پانے کی بہتری کا تجربہ ہوتا ہے) تو ضرور ان کو معلوم ہو جاتا کہ اللہ کی طرف سے تھوڑا سا ثواب پانا بھی بہت بہتر ہے۔ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ کے بعد خداوند کریم نے اسی وجہ سے وہ چیز ظاہر نہیں فرمائی جس کو وہ جانتے تاکہ معلوم ہو جائے یہاں پر کسی خاص چیز کا جاننا مقصود نہیں بلکہ سمجھ اور جاننا مطلوب ہے اور میں نے پہلے بھی بتایا ہے کہ مَا كَانَ اللّٰهُ اور مَا كَانَ لَهُمْ، مَا كَانُوْا وغیرہ عبارتوں کا بامحاورہ ترجمہ ہی یہ ہے کہ اس کی یا ان کی شان ہی سے نہیں اور اس نکتہ کے جاننے سے اکثر مترجموں اور مفسروں نے بہت سے مقامات پر بڑی بڑی غلطی کھائی ہے اور خَيْرٌ کے بعد بھی اسی وجہ سے کوئی خاص چیز نہیں بیان فرمائی تاکہ اس کی عام اور مطلق بہتری اور فضیلت ثابت ہو۔

[1]۔ اگر ہم سننے کی طاقت رکھتے یا عقل رکھتے تو کبھی دوزخی نہ بنتے۔ (تفسیر صغیر)

سب کا خلاصہ یہ ہے کہ جب ان کی نسبت یہ ذکر ہو یا کہ جب کبھی اللہ سے کوئی پختہ عہد کرتے ہیں تو ایک گروہ ضرور ہی اس عہد کو توڑ دیتا ہے اور پھر یہ نہیں کہ باقی سب اس عہد پر قائم رہتے ہیں بلکہ ان میں سے ایمان ہی نہیں لاتے اور بعد ازاں اس عہد شکنی کی ایک بڑی بھاری نظیر بیان فرمائی کہ (دیکھو انہوں نے بار بار عہد کیا ہوا ہے کہ جب ہمارے پاس مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَنَا[1] رسول آئے گا تو ہم ضرور اپنی کتاب کے موکد ترین حکم کے مطابق اس پر ایمان لائیں گے اور اس کے انصار اور شہداء سے ہوں گے پر) جب ان کے پاس کوئی مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ[2] (البقرۃ:102) رسول آیا (تو جاہلوں سے نہیں بلکہ) ان سے کہ جن کو وہ کتاب دی گئی ہوئی ہے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب کو ردّی کی طرح پسِ پُشت ڈال دیا گویا کہ ان کو علم تک نہیں ہے۔

تو اس کے بعد خداوند علیم نے ان کے دو واقعے بیان فرمائے ہیں جن سے علاوہ عہد شکنی اور حکم عدولی اور کتاب کے ردّی کی مانند پسِ پُشت ڈالنے کے ثبوت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ عہد شکنیاں اور اپنی کتابوں کے مصدق رسولوں کا انکار اور کتاب اللہ کے لاپروائی کے ساتھ پسِ پُشت ڈالنے کے کیا اسباب تھے اور یہ بھی کہ ان کی یہ وجہ نہ تھی کہ ان کو ان امور کی ضرورت یا ان کی خلاف ورزی کی مضرت کا علم نہ ہوتا تھا اور نہ یہ کہ ان کی خلاف ورزی میں کوئی یقینی فائدہ اور نفع ان کو نظر آتا تھا بلکہ ان کو ان کی ضرورت کا اور خلاف ورزی کی مضرت کا پورا پورا علم بھی ہوتا تھا اور خلاف ورزی میں اس یقینی مضرت کے مقابل کوئی یقینی نفع نہ ہوتا تھا بلکہ بعض اوقات محض وہمی اور خیالی نفع متصور ہوتا اور بعض اوقات وہمی اور خیالی بھی نہ ہوتا تھا بلکہ ضرر محض ہی نظر آتا تھا اور پھر بھی خلاف ورزی کر گزرتے تھے۔

پس پہلے وہ واقعہ بیان فرمایا ہے جس سے خلاف ورزی میں یعنی مضرت کے مقابلہ میں وہمی نفع متصور تھا اور پھر وہ ذکر کیا ہے جس میں بجز مضرت کے کوئی وہمی نفع بھی نہ ہو سکتا

[1]۔ جو اس کو جو ہمارے پاس ہے سچا کرنے والا ہے۔ (از مرتب)
[2]۔ جو اس (کتاب) کو جو ان کے پاس ہے سچا کرنے والا ہے۔ (تفسیر صغیر)

تھا۔ پس پہلا واقعہ یہ ذکر کیا ہے (کہ ان کی شریعت میں سحر ایک ممنوع امر تھا اور حضرت موسٰی کے مقابلہ میں ساحروں کے آنے سے اور بھی سحر ان کے نزدیک مذموم ہو گیا تھا۔

حضرت سلیمانؑ کا مقام اور ان پر الزامات:

اور سلیمانؑ ان کے بزرگوں کے نزدیک اور ان کی کتابوں میں مسلم نبی تھا۔ لیکن چونکہ پہلے چند شریر لوگوں نے بعض وجوہات سے رنجیدہ ہو کر اس کی نسبت بعض ایسے گندے الزام لکھ دیئے تھے کہ جن کے سچا ہونے پر وہ نبی اور رسول کیا ایک نیک اور باایمان انسان بھی مسلم نہ ہو سکے۔ جن میں ایک یہ بھی تھا کہ بلقیس شاہزادی کی وجہ سے اس نے شرک اختیار کی تھی یا کم از کم اس کا مجوز اور اپنے گھر میں شرک کرنے والا بنا تھا۔ اور دوسرا یہ کہ وہ ساحر تھا اور سحر ہی کے زور سے حکومت کرتا تھا۔ پس آپ کے زمانہ کے بعد جب بعض شریر النفس اور) شیطانوں نے سلیمانؑ کی حکومت کی نسبت یہ کتابیں اور روایتیں اس غرض سے پڑھنی شروع کیں کہ لوگوں کو سحر سکھائیں۔ (اور اس وجہ سے مال وجاہ حاصل کریں تو انہوں نے نہ ان کی شرارتوں کا خیال کیا اور نہ سحر کی ممانعت کا اور نہ اس کا کہ وہ حکومت وسلطنت اور طاقت وعظمت اور قابو یافتہ ہونے اور جبروت کا سبب ہر گز نہ ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے اور نہ اس کا کہ سلیمانؑ خدا کا برگزیدہ بندہ اور اس کا فرستادہ اور نبی تھا جس کی شان سے سحر جیسا بدترین عمل ہر گز نہ تھا۔ اور نہ اس کا کہ اگر یہ روایت سچی ہے تو پھر اس کے ساتھ جو سلیمانؑ کے شرک کی روایت درج ہے اس کے صدق سے اس کا صدق بھی لازم آتا ہے اور وہ بالکل غلط اور سلیمانؑ کی شان سے بالکل بعید ہے) اور جو کچھ وہ شیطان سلیمانؑ کی حکومت کے متعلق پڑھتے تھے (اس کو محض حُبّ دنیا اور طمع مال اور جاہ طلبی کی وجہ سے حق تسلیم کر کے محض وہمی اور بالکل خیالی نفع دنیوی کے باعث) اس کے متبع اور پیرو ہو گئے۔ اور اپنے پرانے عہد کا اور خدا کی کتاب اور اس کے پُرانے عہد نامہ کا کچھ بھی خیال نہ کیا اور ایک کو توڑ دیا اور دوسرے کو ردّی چیز کی طرح پس پُشت ڈال دیا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حُبّ دنیا اور طمع مال اور جاہ طلبی کے باعث اور پھر محض وہمی نفع کی وجہ سے انہوں نے نقض عہد اور ردّ کتاب اور کفر رسول بلکہ تکفیر رسول کی ہے۔

ہاروت وماروت پر جو نازل ہوا اس کا مقصد:

اور دوسرا یہ بیان کیا ہے کہ (جب بابلیوں کی قید میں یہ تباہ حال اور سخت پریشان تھے اور ان کے بعض انبیاءؑ اور صلحاء نے بڑے الحاح کے ساتھ دعائیں کی تھیں) تو ہم نے ان کے دو نیک سرداروں پر جن کا نام ہاروت اور ماروت تھا کچھ نازل کیا تھا (اور وہ یہ تھا کہ تم ایک خفیہ انجمن بناؤ جس کے یہ قواعد اور یہ طریق اور کام ہوں اور پھر ان ذرائع سے مید و فارس کے بادشاہوں کے ساتھ تعلق پیدا کرو اور سلطنت کی طاقت میں اس طرح تفرقہ اندازی کرو۔ اور ان کو پہلے یہ بھی بتادیا تھا کہ تم جن کو اس انجمن میں شریک کرو ان کو خوب سمجھادو کہ یہ بڑی خطرناک کارروائی ہے ممکن ہے کہ جن کو اس کا علم ہو وہ اس کو اپنے بادشاہوں اور نبیوں کے مقابلہ میں بھی کامیابی کے خیال پر استعمال کرنے لگیں۔ اور کافر بننے کے علاوہ اُلٹا نقصان اُٹھاویں کیونکہ کامیابی تو خدا کے اذن سے ہوا کرتی ہے اور انبیاءؑ کی مخالفت ہی چونکہ ممنوع ہے۔ پس اس میں اذن الٰہی کب ہو سکتا ہے۔ نیز یہ خطرناک کام ہے ہر ایک وقت میں یہ جائز نہیں ہو سکتا بلکہ خاص ضرورت کی وجہ سے اس موقعہ پر اجازت ملی ہے۔

اور دوسرا یہ کہ اپنے کسی دوست رشتہ دار حتّٰی کہ اپنی بی بی تک کو بھی یہ نہ بتاؤ اور نہ اس کی خبر ہونے دو تاکہ سیکھنے سے کبھی وہ غلط استعمال نہ کر بیٹھیں اور کافر بنیں اور نقصان اُٹھائیں اور کسی غیر کو خبر کر دیں اور ہمارا سارا منصوبہ خاک میں مل جائے اور الٹا نقصان پہنچے) لہٰذا ان کا یہ طریق تھا کہ کسی کو بھی اس وقت تک کچھ نہ بتاتے تھے جب تک کہ یہ سب باتیں اس کو نہ سمجھا دیں اور یہ نہ کہہ دیں کہ ہم بڑی آزمائش ہیں لہٰذا ہوش رکھنا کہیں اپنے بادشاہوں اور نبیوں، رسولوں کے مقابلہ میں اس کو استعمال کر کے کافر نہ بننا۔ پس (وہ ان سے یہ عہد کر کے) وہ کچھ ان سے سیکھتے جو کہ اپنے دوستوں اور گھر والوں کو بھی نہ بتاسکتے تھے اور اس کے ذریعہ سے لوگوں میں اس قدر پھوٹ ڈالتے تھے کہ بی بی خاوند میں بھی جدائی کرا دیتے تھے۔

فرشتوں کی نصیحت کو بھولنے کا انجام:

(پس جب الٰہی اجازت سے انہوں نے بابل میں ایسا کیا اور بابل کی سلطنت کو تباہ کر کے آزاد ہو گئے۔ تو جب نبی کریمؐ کا زمانہ آیا اور آپ کی معجزانہ ترقی سے ان کے حسد کی

آگ شعلہ زن ہوئی) تو ہاروت و ماروت پر جو کچھ ہم نے نازل کیا تھا اس کی پیروی کرنے لگے اور ان کی اس نصیحت اور تاکید کو بھول گئے جو کہ ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ اِنَّمَا نَحۡنُ فِتۡنَةٌ اور فَلَا تَكۡفُرۡ وغیرہ کہہ کر کیا کرتے تھے۔ اور (نہ یہ خیال کیا) کہ ہم اللہ کے اذن کے سوا کسی کو بھی اس کے ساتھ کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے (اور جس خدا کے اذن سے ضرر پہنچا سکتے ہیں وہ تو اس رسول کو اپنی مدد کے اور مظفر و منصور ہونے اور اس کے سب دشمنوں کے ناکام ہونے کا ایسا ہی وعدہ دے رہا ہے جیسا کہ اس نے اپنی پہلی کتابوں میں اور اپنے پہلے نبیوں کی زبانی بتایا ہوا ہے۔

اور نہ یہ خیال کیا کہ اسی قدر نہیں کہ ہم اس کو ضرر نہیں پہنچا سکتے بلکہ اس کا بھی خیال نہ کیا کہ اس کے مقابلہ میں تو اس کے مخالف جو تدبیریں کریں گے وہ سب کی سب انہی پر اُلٹی پڑیں گی اور خود انہی کی تباہی کا موجب ٹھہریں گی) اور وہ سیکھتے رہے جو کہ محض ضرر دینے والا تھا اور کچھ ہی فائدہ نہ دے سکتا تھا۔ کیونکہ وہ خوب جانتے تھے (اور ان کو بتایا گیا تھا) کہ جو یہ کرے گا وہ ایمان دے دے گا اور کفر لے گا اور یہ بھی کہ ایمان دے کر بھی جو اس کو لے گا اس کے لئے اس کے لینے کے بعد کی زندگی میں خواہ وہ دنیوی ہو یا اخروی ہو نہ کوئی حظ ملے گا اور نہ وہ اپنے آپ کو اور اپنی حالت کو سنبھال سکے گا اور نہ اس کی کوئی قدر و منزلت رہ جائے گی۔

حبّ دنیا:

اس واقعہ کے بیان کے بعد (کہ جس سے صاف صاف ثابت ہو گیا ہے کہ طمع نفسانی اور عناد کے موقعہ پر محض بے فائدہ بلکہ محض مضر کو بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ خواہ علاوہ اس کے ضرر کے خدائی عہد بھی ٹوٹے اور اس کی کتاب اور عہد نامہ بھی ردّ ہو) یہ بتایا ہے کہ یہ سب کچھ اس لئے کر رہے ہیں کہ حُبّ دنیا اور طمع مال اور جاہ طلبی اور شتر کینہ اس قدر ان پر غالب ہو گئے ہیں کہ ان کے مقابلہ میں غضب الٰہی اور عذاب الیم کے لئے اپنی عزیز جانیں بھی ایسے خوشی سے دے چکے ہیں جیسا کہ کوئی عذاب سے اپنی جان کو خرید کر خوش ہوا کرتا ہے۔ حالانکہ جس کے عوض انہوں نے جان جیسی عزیز ترین چیز دے دی ہے وہ حقیقت

میں بہت ہی بُری چیز ہے اگر وہ سمجھیں۔ پر ان کی تو ایسی حالت ہے کہ نہ خود سمجھ سکتے ہیں اور نہ کسی کے سمجھانے سے سمجھ سکتے ہیں۔

پھر اس کے بعد بتایا (کہ جس کے مقابلہ میں انہوں نے جانیں دی ہیں وہ تو بہت بُری چیز ہے لیکن اگر یہ اللہ کی باتوں کو مان کر ان پر چلتے اور مخالفت یعنی عذاب کی راہ سے بچتے تو ضرور اللہ کی طرف سے ان کو ثواب ملتا۔ اور پھر ان کو معلوم ہو جاتا کہ اللہ کی طرف سے تھوڑا سا ثواب پانا بھی بہت بہتر ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اس کی اصلی جڑھ تو سمجھ ہے خواہ بذاتِ خود ہو یا دوسرے کے سمجھانے سے ہو لیکن حُبّ دنیا اور طمع مال اور جاہ طلبی اور شتر کینہ اور حسد نے ان کو ایسا پکڑا ہوا ہے کہ نہ خود سمجھ سکتے ہیں اور نہ کسی کے سمجھانے سے وہ سمجھ سکتے ہیں۔ جس سے صاف یہ فیصلہ ہوا کہ یہ سب کچھ ان سے اس لئے ہو رہا ہے کہ حُبّ دنیا، طمع، مال، جاہ طلبی اور شتر کینہ اور بے جا حسد ان پر بہت ہی غالب ہو گئے ہیں۔ اور ان کی وجہ سے نہ خود حق کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ کسی کے سمجھانے سے ان کو سمجھ آسکتی ہے۔

آیت105: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔

تشریح الفاظ:

رَاعِنَا میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دو لفظوں سے مرکب ہے ایک رَاعِ سے جو کہ مُرَاعَاتٌ سے امر ہے اور مُرَاعَاتٌ۔ رَعْیٌ سے بنا ہوا ہے اور رَعْیٌ کہتے ہیں کسی کی اس کے فائدہ کے لئے حفاظت کرنے کو خواہ وہ دوسرا ذی عقل ہو یا کہ ذوی العقول میں سے نہ ہو۔ پس رَاعِ کے معنے ہوئے رعایت اور نگرانی کرنی۔ اور یہ وزن اگرچہ عموماً شرکت کے لئے آتا ہے جس کے رو سے رَاعِ کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ تو کسی کی نگرانی اور رعایت کر اور وہ تیری کرے۔ لیکن بعض لفظوں میں بجائے شرکت کے کثرت اور مبالغہ کا فائدہ دیتا ہے اور رَاعِ میں بھی اسی کے لئے ہے۔ یعنی تو بہت رعایت اور نگرانی کر اور دوم لفظ نَا سے جس کے معنے ہمارے اور ہم کے ہیں۔ یعنی متکلم مع الغیر کی ضمیر ہے۔ اور دونوں کے ملنے سے یہ معنے ہوئے کہ تو ہماری بہت رعایت اور نگرانی کر اور اس کی بجائے اُنْظُرْنَا کا رکھنا (جو کہ یقیناً اُنْظُرْ اور نَا سے مرکب ہے) اور نیز اس کے آخر پر تنوین کا نہ ہونا اس کا مؤید ہے کہ رَاعِنَا بھی رَاعِ اور نَا سے مرکب ہے اور بعض کا قول ہے کہ یہ ایک لفظ ہے جو کہ رَعَنٌ اور رُعُوْنَتٌ سے فاعل کے وزن پر بنایا ہوا ہے۔ اور رَعَنٌ اور رُعُوْنَتٌ حمق (بیوقوفی) اور جہالت کو کہتے ہیں۔ پس اگر یہ انسان پر بولا گیا ہے تب تو اس کے معنے ہوں گے احمق اور جاہل کے۔ اور اگر قول اور بات پر بولا گیا ہے تب تَامِرٌ، لَابِنٌ (کھجوروں والا اور دودھ والا) کی طرح اس کے معنے ہوں گے حماقت اور جہالت والی بات۔ اور اس صورت میں تنوین کا ہونا ضروری تھا۔ لیکن انہوں نے اس کا یہ سبب بیان کر دیا ہے کہ وقف کے باعث تنوین گرائی گئی ہے اور حسن اور ابن ابی لیلی اور ابو حیوۃ اور ابن محیص کا اس کو تنوین کے ساتھ روایت کرنا اور پڑھنا اس کا مؤید ہے کہ یہ ایک ہی لفظ ہے۔ دو سے مرکب نہیں۔ لیکن تفسیر میں انشاء اللہ تعالیٰ ہم بتائیں گے کہ دونوں باتیں ہیں۔

اُنْظُرْنَا۔ اُنْظُرْ اور نَا سے مرکب ہے۔ اُنْظُرْ۔ نَظَرٌ سے ہے اور نَظَرٌ بمعنے انتظار اور مہلت دینے اور دیکھنے کے آتا ہے۔ پس اُنْظُرْنَا کے معنے ہوئے ہمارا انتظار کر یا ہمیں مہلت دے یا ہم کو دیکھ۔

ترجمہ:

اے ایمان لانے والو! تم راعنانہ کہو اور اُنظرنا کہو اور ان کافروں کے لئے بڑا دردناک عذاب ہے۔

تفسیر:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ۔ تفسیروں میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لے گئے تو یہود لوگ آپ کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے شرارت سے پوشیدہ طور پر رَاعِنَا رَاعِنَا بولا کرتے تھے۔ پھر جب انہوں نے دیکھا کہ نبی کریمؐ کے بات کرنے کے وقت صحابہ رضوان اللہ علیہم بھی ان کے خطاب میں رَاعِنَا بولتے ہیں تو پھر وہ بلند آواز سے اس کو بولتے تھے اور آپس میں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے اور ہنسا کرتے تھے اس لئے کہ ان میں یہ بُری گالی تھی۔ تب خداوند تعالیٰ نے اس کو نازل فرما کر رَاعِنَا کا استعمال ہی منع فرما دیا۔

سعد بن عبادہؓ سے مروی ہے کہ اس نے یہود کو نبی کریمؐ کے خطاب میں جب یہ استعمال کرتے ہوئے دیکھا تو اس نے کہا اے اعداء اللہ اگر میں نے آئندہ کسی کو نبی کریم کے لئے یہ استعمال کرتے ہوئے سنا تو میں واللہ اس کی گردن مار دوں گا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ صحابہؓ بھی تو اس کے بولتے ہیں۔ پس خداوند کریم نے اس کو نازل فرما کر مومنوں کو منع کر دیا کہ آئندہ تم اس کو نہ استعمال کرو۔

عام طور پر مفسرین نے یہی لکھا ہے کہ اور لوگوں کے نزدیک تو اچھے معنوں میں استعمال ہوتا تھا لیکن یہود کی زبان میں اس کے یہ معنے تھے کہ تو دوسروں کی بات سُن اور مان۔ پر خدا کرے تیری بات نہ سُنی جائے اور نہ مانی جائے اور بعض نے لکھا ہے کہ رَاعِنَا ان کی زبان میں یا احمق کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔

رَاعِنَا کا لفظ مرکب و مفرد مستعمل ہے:

اصل بات یہ ہے کہ ابھی میں نے تشریح الفاظ میں بیان کیا ہے کہ یہ مرکب اور مفرد دونوں بن سکتا ہے اور عام دستور یہ ہے کہ جب کوئی بات کرتا ہے تو سامعین اس کی بات کو سنتے ہوئے کچھ نہ کچھ اس کے خطاب اور مقابلہ میں بولتے رہتے ہیں۔ پس جیسا کہ ہندوستان پنجاب میں اچھا یا ہاں یا خوب وغیرہ الفاظ بولتے ہیں اسی طرح عام طور پر عرب لوگ (یا انصار لوگ جیسا کہ بعض کا قول ہے) بڑے لوگوں کی بات سُنتے ہوئے رَاعِنَا کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ جس کے معنے یہ ہوتے تھے کہ تُو ہماری رعایت رکھ یا یہ کہ تُو ہماری حفاظت کر اور رَاعِی (چرواہے اور گڈریا) کی طرح ہماری نگرانی اور خبر گیری رکھ۔ لیکن ایسا بہت ہوتا ہے کہ ایک زبان میں ایک لفظ بہت عمدہ معنوں میں مستعمل ہوتا ہے اور دوسری زبان میں بہت گندے معنے دیتا ہے بلکہ بعض وقت ایک ہی زبان میں ایک طریق سے کوئی لفظ اچھے معنے دیتا ہے اور دوسرے طریق سے وہ گندے سے گندے معنوں میں آتا ہے اور قاعدہ کی بات ہے کہ جو لوگ نہایت گندے اور کمینہ طبع اور شریر النفس اور خباثت اور غفلت میں حد سے گزرے ہوئے ہوتے ہیں وہ طنز کے طور پر ایسے ذو معنیین الفاظ بہت استعمال کرتے ہیں تاکہ شریف مخاطب اور سامعین پر تو یہ ظاہر کریں کہ ہم نے اچھے معنوں میں اس کو استعمال کیا ہے اور اپنے ساتھیوں پر ظاہر کریں کہ ہم نے اس کے گندے معنے لے کر اس کو گالی وغیرہ دی ہے اور اس کو کیسا اُلّو بنایا ہے اور پھر ایسی خبیث حرکت کر کے اپنے لوگوں میں پھولے نہیں سماتے کہ ہم نے کیسا کمال کیا ہے۔

یہودیوں کی حالت کا بیان اور حدیث سے مثال:

یہود لوگ اگرچہ بڑے عظیم الشان شرفاء انبیاءؑ اور سلاطین کی اولاد تھے۔ لیکن اخیر زمانے میں اپنی ناشائستہ حرکات سے چوہڑے چماروں سے بھی بدتر ہو گئے تھے اور علاوہ اور اور شرارتوں اور خباثتوں کے یہ خباثت بھی ان میں بہت رائج ہو گئی تھی کہ ایسے ذو معنیین الفاظ شرارت کے طور پر بہت استعمال کیا کرتے تھے۔ مثلاً حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریمؐ

کی ملاقات کے وقت بجائے السَّلَامُ عَلَیْکُمْ کے السَّامُ عَلَیْکُمْ دبی زبان سے جلدی جلدی کہہ دیا کرتے تھے تو نبی کریمؐ نے فرمایا کہ چونکہ یہ السَّلَامُ کی بجائے السَّامُ کہتے ہیں جس کے معنے موت کے ہیں یعنی تم پر موت وارد ہو لہٰذا تم بجائے وَعَلَیْکُمْ کے (جس کے معنے ہیں اور تم پر بھی یعنی ہم پر بھی ہو اور تم پر بھی) عَلَیْکُمْ کہہ دیا کرو۔

(السنن الکبری للنسائی جلد 6 صفحہ 102 کتاب عمل الیوم واللیلۃ حدیث نمبر 10211 دار الکتب العلمیۃ 1991ء)

(جس کے معنے یہ ہیں کہ تم پر ہی ہو) اور میرے نزدیک سورہ مجادلہ کی اس آیت کریمہ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ (المجادلۃ:9) (اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو تجھے وہ دعا و سلام دیتے ہیں جو کہ اللہ نے نہیں دیا) سے یہی مراد ہے کہ السَّلَامُ عَلَیْکُمْ کی بجائے جو کہ اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ بابرکت سلام ہے السَّامُ عَلَیْکُمْ جیسا گندہ فقرہ بولتے ہیں۔ پس ان شریر یہود نے جب دیکھا کہ مومن لوگوں سے جب رسول اللہؐ کوئی بات کرتے ہیں تو وہ آگے سے رَاعِنَا رَاعِنَا بولتے رہتے ہیں اور دوسری طرف دیکھا کہ ان کی زبان میں رَاعِنَا (تُو سُن اور تیری نہ سُنی جائے وغیرہ) گندے معنوں میں آتا ہے۔ یا یہ کہ رُعُوْنَةٌ سے رَاعِنٌ بنا کر اور اس کو منادی بنا کر رَاعِنَا او احمق کے گندے معنوں میں استعمال ہو سکتا ہے۔ تو انہوں نے بھی حضور علیہ السلام کے خطاب میں سچے اور مخلص خادموں کی طرح رَاعِنَا کہنا شروع کیا اور آپس میں ایک دوسرے کو اشارہ کر کے سمجھانے لگے کہ سنو ہم اس کو کیا کہہ رہے ہیں۔ تو خدائے علیم نے یہ حکم نازل فرما دیا کہ آئندہ مومن لوگ رَاعِنَا کا بولنا ہی ترک کر دیں اور بجائے اس کے اُنْظُرْنَا (ہمیں مہلت دے یا ہماری انتظار کر تا کہ ہم تیری بات کو ساتھ ساتھ سمجھتے اور یاد کرتے جائیں یا ہم کو اور ہماری حالت کو دیکھ تا کہ تُو وہ بات کہے جو کہ ہم سمجھ سکیں اور وہ حکم دے کہ ہم اس کو کر سکیں) کہو۔ تا کہ ان شریروں کو اس شرارت کا موقعہ نہ ملے۔

وَاسْمَعُوْا کے مفسرین نے یہ معنے بھی لکھے ہیں کہ جو ہم نے تم کو حکم دیا ہے کہ رَاعِنَا نہ کہو اور اُنْظُرْنَا کہو اس حکم کو سُن لو اور قبول کر لو۔ اور بعض نے یہ لکھے ہیں کہ جو کچھ نبی کریم ﷺ تم کو فرمایا کریں اس کو بخوبی سُنا کرو۔ یعنی نبی کریمؐ کے بات کرتے وقت اصل

ضروری بات تو اس کا سُننا اور قبول کرنا ہے نہ یہ کہ اُنْظُرْنَا وغیرہ کہتے رہو۔ ہاں اگر کچھ کہنا ہی ہو تو پھر یہ کہو اور یہی حق بھی ہیں۔

شریر کافروں کا انجام:

وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ یہاں پر كَافِرِيْنَ سے وہ کافر مراد ہیں جو کہ ایسے شریر ہوں۔ بظاہر اس آیت کا اپنے ماقبل کے ساتھ تعلق نہیں معلوم ہوتا اس لئے کہ پہلے بنی اسرائیل کے حالات بیان ہو رہے تھے اور اس میں مومنوں کو خطاب کیا گیا ہے کہ فلاں لفظ نہ کہو اور بجائے اس کے فلاں لفظ بولو۔ لیکن جب اس کے اصل واقعہ اور سبب نزول کو دیکھا جائے کہ یہود ایسا کرتے تھے اور ان کی شرارت کے روکنے کے واسطے مومنوں کو ایسا کہنے اور ویسا نہ کہنے کا حکم دیا گیا ہے تب اس کا اس قدر تعلق تو معلوم ہو گیا کہ یہ بھی یہود کے واقعات میں سے ایک واقعہ ہے۔

کافروں کے نجویٰ اور ان کی خفیہ انجمن:

لیکن سورہ مجادلہ کی آیتوں کو نقل کر کے میں نے اس قدر بتا دیا ہے کہ خفیہ کمیٹیوں کے ساتھ اس واقعہ کا بھی کوئی خاص تعلق معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر بھی جب وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ [1] (البقرۃ:103) کے ساتھ ان کی خفیہ انجمن کا ذکر آیا تو معاً اس کے ساتھ ان کے اس واقعہ کا ذکر شروع ہو گیا۔ اور سورہ مجادلہ میں بھی ان کے نجوی اور انجمن کا ذکر کرتے ہی وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ [2] (المجادلۃ:9) کے ساتھ اس کا ذکر فرما دیا ہے۔ جس سے صاف پایا جاتا ہے کہ نجویٰ کے ساتھ اس کا کوئی خاص تعلق ضرور ہی ہے۔ اور وہ قرآن مجید کے الفاظ پر تھوڑی سی غور کرنے سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ ہمارے مفسرین نے اس بات کی طرف توجہ ہی نہیں کی کہ آیات قرآنیہ میں کچھ تعلق اور ربط بھی ہونا چاہیئے بلکہ اکثروں نے تو فیصلہ ہی کر دیا ہے کہ ان میں ربط ہے ہی نہیں اور ریگستان کی مانند پراگندہ دانوں کا ڈھیر ہے۔ اور وہ سورہ مجادلہ کی اس آیت سے بخوبی ظاہر ہو

[1] ۔ جو... دو فرشتوں... پر اتاری گئی تھی۔ (تفسیر صغیر)

[2] ۔ اور جب وہ تیرے پاس آتے ہیں تو تجھے ایسے لفظوں میں دعا دیتے ہیں جن (لفظوں) میں خدا نے دعا نہیں دی۔ (تفسیر صغیر)

جاتا ہے جو کہ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ کے بعد آئی ہے اور وہ یہ ہے کہ يَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ (المجادلۃ:9) (اور اپنے جی میں (یا آہستہ) کہتے ہیں کہ اللہ کیوں ہمیں ان باتوں پر سزا نہیں دیتا جو کہ ہم کہتے ہیں۔)

تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہر ایک جماعت میں سب لوگ برابر نہیں ہوتے شریر جماعت میں بعض تو پورے پورے شیطان کے مظہر ہوتے ہیں اور کچھ کمزور ہوتے ہیں کہ ان شیطانوں کے اُکسانے سے اور ان کے ہمت دلانے اور وجوہات پیش کرنے سے شرارت کرتے ہیں۔ جب انہوں نے نبی کریمؐ کے مقابلہ پر خفیہ انجمن بنائی اور دوسری طرف یہ بھی عام طور پر لوگوں میں مشہور تھا کہ نبی کریمؐ کے دشمنوں کو خدائے علیم وقدیر سزا دیتا ہے اور اس کے بہت سے نظائر لوگوں میں مشہور تھے اور جو پورے پورے شیطان نہیں ہوتے ان کی فطرت ان کو ایسے موقعہ اور خطرناک موقعہ پر شرارت کرنے سے روکا کرتی ہے۔ اور ایسے موقعہ پر شرارت کرنے سے وہ ضرور ڈرا کرتے ہیں خواہ وہ مانتے بھی نہ ہوں اور منکر ہونے پر بھی طبعاً ان میں ضرور خوف پیدا ہو جاتا ہے۔ مولوی محمد حسین صاحب اور مولوی ثناء اللہ اگرچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منکر اور مکفر اور سخت عنید بھی تھے پر باوجود بار بار بلانے کے اخیر وقت تک کبھی بھی مباہلہ کیلئے آمادہ نہ ہوئے اور ہمیشہ حیلہ وحوالہ سے ٹالتے رہے۔ اسی طرح نجران کے لوگ خواہ نبی کریمؐ کے منکر اور سخت مخالف تھے لیکن جب نبی کریم نے ان کو تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا الخ[1] (آل عمران:62) کے ساتھ مباہلہ کے لئے بلایا تو آخر ڈر گئے اور میدان مقابلہ میں نہ آئے۔

معاندین کا حیلہ اور اس کا نقصان:

پس اسی طرح خفیہ انجمن بنانے کے وقت اور اس کی سخت معاندانہ کوششوں اور کارروائیوں کے وقت بہت سے لوگ اس خیال سے ڈر کر رُک جاتے تھے کہ جیسا لوگ کہتے ہیں کہ خدا اس کے معاندوں اور اس کے دکھ دینے والوں اور مقابلہ کرنے والوں کو سزا دیتا ہے جیسی کہ فلاں فلاں کو دی ہے تو ایسا نہ ہو کہ کہیں ہم بھی گرفتار ہو جائیں۔ پس ان کے ڈر

[1]۔ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں۔ (تفسیر صغیر)

کو محسوس کر کے یا اس ڈر کے خطرہ کو پہلے ہی سے رفع و دفع کرنے کے خیال سے وہ شیطان لوگ ایسا کرتے تھے کہ ایسے لوگوں کو ہمراہ لے کر نبی کریمؐ کی صحبت میں آجاتے تھے اور ایسے ذو معنیین الفاظ آپ کے دعا سلام میں اور آپ کے خطاب میں استعمال کرتے جن کے ظاہری معنے تو اچھے ہوتے تھے اور دوسرے معنے نہایت گندے اور سبّ و شتم کی قسم سے ہوتے۔ اور وہ مومنوں پر تو یہ ظاہر کرتے کہ ہم ان کو اسی طرح استعمال کرتے ہیں کہ جس طرح تم ان کو استعمال کرتے ہو۔ پر اپنے ساتھیوں کی طرف اشارہ کرتے اور مسکرا کر سمجھاتے کہ دیکھو ہم دوسرے معنے لے کر ان کو گالی دے رہے ہیں اور اس سے ان کو سمجھاتے کہ دیکھو اگر یہ سچا رسول ہوتا اور خداوند تعالیٰ اس کی مدد میں ہوتا اور اس کے معاندوں اور دکھ دینے والوں کو سزا دینے والا ہوتا تو پھر ہمیں کیوں سزا نہیں دیتا۔

اور پھر اس سے یہ ثابت کرتے کہ جب ہمارے سبّ و شتم سے نہ خدا ان کو آگاہ کرتا ہے اور نہ سزا دیتا ہے تو پھر اس کے مقابلہ پر انجمن میں شریک ہونے اور اس کے مقابلہ پر کوئی اور کارروائی کرنے سے کب وہ اس کو آگاہ کرے گا یا سزا دے گا۔ اور اس کے علاوہ ان کے اس واقعہ کو اشارۃً یہاں پر ذکر کرنے سے اس بات کا اظہار بھی منظور ہے کہ یہی نہیں (کہ یہ طمع اور عناد کے موقعہ پر اپنے نفع یا دوسرے کے ضرر کی امید سے وہ کچھ بھی کر گزرتے ہیں جو کہ حقیقت میں ان کے لئے مضر ہوتا ہے اور ان کو نفع نہیں دیتا) بلکہ طمع اور عناد کے موقعہ پر وہ کچھ بھی کر گزرتے ہیں جو کہ جس طرح حقیقت میں ان کے لئے مضر ہوتا ہے اور نفع نہیں دیتا اسی طرح اس سے بظاہر بھی اپنے نفع اور دوسرے کے ضرر کی امید ہو سکتی ہی نہیں، بلکہ اس کے کرنے والے کا شرمناک کمینہ پن اور پرلے درجہ کا سفلہ پن اور بے حیا اور بے باک ہونا ثابت ہوتا ہے۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جب ان کی خفیہ انجمن اور نبی کریمؐ کے مقابلہ پر ان کے خفیہ منصوبوں کا ذکر آیا۔ تو اب بالطبع یہ سوال پیدا ہو سکتا تھا کہ جب ایک طرف لَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا (البقرۃ:90) (جب ان کے پاس وہ رسول آیا جس کو انہوں نے پہچان لیا تھا) آیا ہے۔ اور پھر علاوہ ان کے جاننے کے عام طور پر لوگوں میں مشہور تھا اور اس کے بڑے بڑے بڑی

کثرت کے ساتھ نظائر بھی موجود تھے کہ خدائے علیم و قدیر اپنے رسول کو ان کی بہت سی خفیہ سے خفیہ باتوں پر اطلاع بخش دیتا ہے اور اس کی مدد کرتا ہے اور اس کے معاندوں کی تدبیریں اور حیلے اُلٹے انہی پر ڈال دیتا ہے۔ تو پھر باوجود اس کے انہوں نے کس طرح آپ کے مقابلہ پر خفیہ انجمن بنائی اور اہل اسلام کی تباہی کے واسطے خفیہ منصوبے کئے۔

شریروں کا راعنا راعنا کہنا:

آخر انسان تو اپنے معلومات کے ماتحت اور اپنے اغراض کے لئے کرتا ہے جو کرتا ہے نیز یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب وَ لَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ۔[1] (البقرۃ:103) سچ ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ جو کچھ وہ سیکھتے تھے تو وہ ان کے لئے مضر تھا اور نفع نہ دیتا تھا تو پھر کس طرح وہ یہ کر سکتے تھے تو خداوند کریم نے ان تعجب سے پیدا ہوئے ہوئے سوالوں کے جواب کے لئے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الخ فرما کر ان کے ایک مشہور برتاؤ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ وہ برتاؤ تو یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ لوگوں کے ساتھ بات کیا کرتے تھے تو مومن لوگ رَاعِنَا رَاعِنَا کہا کرتے تھے جس کے یہ معنے ہیں کہ آپ ہمارے حاکم اور نگاہ بان اور نگران ہیں۔ آپ ہماری حفاظت اور نگرانی فرمائیں اور یہود کی زبان میں یہ لفظ بُرے معنوں میں استعمال ہوتا تھا جن کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ تُو اوروں کی سنے اور تیری بات کوئی بھی نہ سنے۔ یارَعَنٌ اور رُعُوْنَتٌ بمعنے حُمْقٌ سے رَاعِنٌ بنا کر اس کو منادیٰ قرار دے کر اواحمق کے معنوں میں لیا جاسکتا تھا تو انہوں نے محض بطور شرارت رسول اکرمؐ کے خطاب میں اس کو بول کر بُرے معنے لینے شروع کر دیئے تھے۔

پس خدائے علیم نے مومنوں کو رَاعِنَا کے استعمال ہی سے منع کر دیا تا کہ ان سفلے شریروں کو اس شرارت کا موقعہ ہی نہ ملے اور حکم دے دیا کہ اصل غرض تو رسولؐ کی باتوں کا سننا اور ان کو قبول کرنا ہے۔ پر اگر تم نے بطور خطاب کچھ بولنا ہی ہو تو بجائے رَاعِنَا کے اُنْظُرْنَا کہہ دیا کرو جس کے معنے یہ ہیں کہ ہمیں مہلت دے یا ہمارا انتظار کر یا ہم کو اور ہماری حالت کو ملاحظہ کر۔ اور اس کے بعد فرمایا کہ یہ ایسی باتیں کر کے پھر بھی کچھ عرصہ بچے رہنے سے یہ

[1]۔ یہ لوگ یقیناً جان چکے ہیں کہ جو اس (طریق) کو اختیار کرے آخرت میں اس کا کوئی بھی حصہ نہیں۔ (تفسیر صغیر)

خیال نہ کریں کہ ہمیں کچھ عذاب نہ ملے گا، بلکہ ایسے کافروں کے لئے دردناک عذاب مقرر ہے اور وہ اپنے وقت پر نازل ہو گا۔ لیکن یہاں پر بجائے اس کی تصریح کے اس کے اشارہ پر ہی کفایت کی ہے اور بظاہر مومنوں ہی کو رَاعِنَا چھوڑنے اور اُنْظُرْنَا کہنے کا حکم دیا ہے۔

کافروں کے دردناک عذاب کا ذکر اور اس کی وجہ:

اور بالآخر ایسے کافروں کے لئے دردناک عذاب کی خبر دی ہے تا کہ اس سے اوّل تو اس بات کی طرف توجہ دلائے کہ ان کی ایسی کارروائیوں کا خداوند علیم کو ضرور علم ہے اور وہ اپنے رسول اور اس کے اتباع کو ان کا علم بھی دے سکتا اور دیتا ہے۔ اور پھر اس بات کی طرف کہ وہ ایسے لوگوں کو ایسے کاموں پر سزا بھی ضرور دے گا پر وقت مقررپر اور اس کی یہ عادت نہیں کہ فوراً گرفتار کرلے۔ پس اس کے ساتھ ان سوالوں کا جواب یہ ظاہر ہوا کہ بے شک سچ ہے کہ خداوند کریم ان کے خفیہ امور کی اپنے فرستادہ بلکہ اس کے اتباع کو بھی اطلاع دیتا ہے۔ اور وہ بھی اس کو خوب جانتے ہیں اور وہ اپنے فرستادہ کی مدد کرتا اور اس کے معاندوں کو تباہ اور ذلیل کرتا ہے اور اس کا بھی ان کو علم ہے، اور یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ کام ہمارے لئے مضر ہے اور نافع نہیں۔ بلکہ فریق ثانی کے ضرر اور اپنے نفع کا اس میں وہم تک بھی نہیں ہوتا جیسا کہ ان سب امور کا ثبوت اس واقعہ میں موجود ہے۔

لیکن باوجود ان سب باتوں کے چونکہ خداوند تعالیٰ فوراً سزا نہیں دیتا اور نہ رسول اللہؐ اور آپ کے اتباع مجرد ان کی شرارت کی اطلاع کے ان پر کوئی گرفت کرتے ہیں۔ بلکہ خداوند تعالیٰ ایک حد تک مہلت دیتا ہے اور اس کا رسول الٰہی حکم کا انتظار کرتا ہے اور مومن رسول اللہ کے ارشاد کے منتظر رہتے ہیں۔ پس اس فرصت اور اپنی بے حد اور اندھا بہرہ کرنے والی عناد اور حُبّ دنیا سے جو کچھ خیال میں آتا ہے یا کوئی شیطان بتاتا ہے تو اس کو کر گزرتے ہیں خواہ وہ مفید یا مضر ہو یا ان کے معلومات کے مطابق یا سب کے خلاف ہو۔

آیت 106: مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

تشریح الفاظ:

يَوَدُّ۔ وُدٌّ سے ہے جس کے معنے محبت اور تمنی یعنی آرزو کے ہوتے ہیں۔ پس جہاں کہیں یہ لفظ یا اس سے بنایا ہوا لفظ استعمال ہوتا ہے وہاں پر ان دونوں میں سے ایک تو اصالۃً مراد ہوتا ہے اور دوسرا بالطبع لیا جاتا ہے اور بالاصالہ مقصود ہونے کا اہل لغت نے یہ قرینہ بتایا ہے کہ جہاں پر اس کے بعد مفرد آئے وہاں پر تو اصالۃً اس سے محبت مراد ہوتی ہے اور تمنی بالطبع مقصود ہوتی ہے اور جس مقام میں اس کے بعد جملہ مذکور ہوتا ہے وہاں پر اس سے تمنی اصالۃً مراد ہوتی ہے اور محبت بالطبع لی جاتی ہے اور یہاں پر جو اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ اس کے بعد آیا ہے وہ اگرچہ اصل میں جملہ ہے لیکن اَنْ کے آنے سے مفرد ہو گیا ہوا ہے۔

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ میں جو مِنْ آیا ہے یہ مِنْ اگر بیانیہ ہے تب اس کے معنے یعنی کے ہوں گے۔ اور اگر بعضیہ ہے تب اس کے معنے کچھ کے ہوں گے۔

وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ میں جو لَا آیا ہوا ہے اس کو اس لئے زائد کہتے ہیں کہ لَا کے جو مشہور معنے نفی وغیرہ کے ہیں ان میں سے یہاں پر کوئی بھی نہیں لئے جا سکتے بلکہ اس کے معنے تاکید کے ہیں لہٰذا اس کو وہ زائد نہ خیال کرنا چاہیئے جو کہ لغو اور بے فائدہ ہوتا ہے جس سے کلام الٰہی پاک ہے۔

اور مِنْ خَيْرٍ میں بھی مِنْ اسی طرح عموم کی تاکید کے لئے زائد ہے اور لغو نہیں ہے اور خیر کے معنے جس طرح بہت بہتر کے آتے ہیں اسی طرح اس کے معنے مطلق بھلائی اور بہتری اور مال کثیر کے بھی آتے ہیں جیسا کہ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا[1] (البقرۃ:181) میں مال کثیر کے معنوں میں آیا ہے۔

[1]۔ بشرطیکہ وہ (مرنے والا) بہت سامال چھوڑے۔ (تفسیر صغیر)

اور یَخْتَصُّ۔ اِخْتِصَاصٌ سے ہے اور وہ خُصُوْصٌ سے بنا ہوا ہے، جس کے معنے خاص کرنے کے ہیں۔ پس یَخْتَصُّ کے معنے ہوئے خاص کرتا ہے یا کرے گا۔

اور ذُوْ کے معنے والے کے ہوتے ہیں ہاں کبھی کبھی اَلَّذِیْ کے معنوں میں بھی کلام عرب میں آتا ہے۔

ترجمہ:

جو لوگ کہ کافر بن گئے ہیں اہل کتاب اور مشرکوں سے (یا جو لوگ کہ کافر ہوئے ہیں یعنی اہل کتاب اور مشرک لوگ) وہ نہیں چاہتے کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے کسی قسم کی کوئی بھلائی اتاری جائے۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی مہربانی کے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

تفسیر:

مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا الخ۔ مفسرین نے ان آیتوں کے نازل ہونے کا یہ سبب لکھا ہے کہ اہل اسلام نے اپنے خلفاء اور دوست یہود کو کہا تھا کہ تم بھی نبی کریمؐ پر ایمان لاؤ تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو اس بات کو بہت چاہتے تھے کہ تم پر ہمارے دین سے کوئی بہتر چیز نازل ہو تو ہم اس کی پیروی کریں۔ تو خداوند کریم نے یہ آیتیں نازل فرما کر ان کی تکذیب کر دی کہ یہ جھوٹے ہیں نہ یہ چاہتے ہیں اور نہ مشرک کہ تم پر بہتر چیز نازل کی جائے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ ان یہود کی تکذیب کے لئے نازل کی گئی ہیں جو کہ مومنوں کے ساتھ محبت کا اظہار کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ہم تو تمہاری بھلائی چاہتے ہیں۔ تو خداوند کریم نے فرمایا کہ یہ جھوٹ کہتے ہیں نہ یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی بہتری نازل کی جائے اور نہ یہ مشرک چاہتے ہیں۔

یہود کے کرتوت کی وجوہات:

لیکن خواہ ان کے نزول کا کوئی سبب ہو پر ان کو یہاں پر رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ پہلے ان کی بدترین کارروائیاں اور قابل شرم کرتوت بیان کر کے پھر خداوند کریم نے یہ ظاہر فرمایا تھا کہ یہ سب کچھ ان سے سخت ترین عناد اور بے حد حسد اور شتر کینہ کرا رہا ہے۔ تو اب ان

آیات کو لا کر خداوند کریم ان کے سخت ترین عناد اور بے حد کینہ اور حسد کی وجہ بتاتا ہے۔ تو جس طرح پہلے بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (البقرۃ:91) میں ان کے کفر وانکار کی یہ وجہ بتائی تھی (کہ وہ اس سے سرکشی پر تُلے ہوئے ہیں کہ ہمارے سوا خدا نے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہا ہے یہ فضل کیوں نازل کیا ہے۔)

اسی طرح یہاں پر ان کے سخت ترین عناد اور شتر کینہ اور بے حد حسد کی یہ وجہ بیان فرمائی ہے کہ یہ اور مشرک لوگ اپنے کفر (اور تمہارے ایمان) کے باعث ہر گز نہ چاہتے تھے کہ تم پر عام رنگ میں بھی کسی قسم کی بہتری اور بھلائی تمہارے رب کی طرف سے اُتاری جائے (حالانکہ وہ جانتے تھے کہ خدا رب العالمین ہے پس اس کی ربوبیت کے آثار بھی عام ہونے چاہئیں۔ تو جب وہ تمہارا بھی رب ہے تو ضروری ہے کہ اس کی ربوبیت کے آثار سے تم پر بھی کوئی کوئی بھلائی نازل ہو) لیکن ان کے منشاء کے خلاف ہی نہیں ہوا کہ تمہارے رب نے چاہا کہ اپنی ربوبیت کے عام اثر سے کوئی عام بھلائیاں تم پر نازل کرے اور وہی تم پر نازل ہوئی ہوں (بلکہ چونکہ تم میں وہ سچی اور مخلصانہ عبودیت تھی جو کہ اس وقت میں اور کسی قوم اور شخص میں نہ تھی اس واسطے) اس نے چاہا کہ علاوہ ربوبیت کے عام آثار کے اپنی الوہیت کے خاص آثار سے بھی تم پر رحمت و فضل اور بڑی بڑی بھلائیاں نازل کرے اور خاص تم ہی پر نازل کرے۔ پس اس وجہ سے وہ خاص عظیم الشان بھلائیاں بھی خاص تم پر نازل ہوئیں۔ پس ان کے نازل ہونے کے باعث یہ لوگ حسد کی آگ سے جل گئے اور ان کے عناد کی آگ حد سے زیادہ شعلہ زن ہو گئی۔ پس ان کے سخت ترین عناد اور شتر کینہ اور بے حد حسد کا یہ باعث ہے۔

مفسرین کا ایک نکتہ اور اس کی تفصیل:

مفسرین نے یہاں پر ایک نکتہ لکھا ہے کہ خداوند کریم نے یہاں پر تو مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ لَا الْمُشْرِكِيْنَ فرمایا ہے اور سورۂ بینہ میں لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ

كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ [1] (البینۃ:2) فرمایا ہے یعنی یہاں پر تو الْمُشْرِكِيْنَ سے پہلے لَا ذکر فرمایا ہے اور وہاں پر لَا ذکر نہیں کیا۔ تو اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہاں پر چاہنے کی نفی کی بناء تو حسد پر تھی اور چونکہ یہود اس میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ لہٰذا یہود سے چاہنے کی نفی کرنے سے مشرکوں سے نفی لازم نہ آتی تھی بخلاف سورہ بینہ کے کہ اس میں نفی کی بناء کفر پر ہے۔ لہٰذا وہاں پر یہود [2] سے نفی کرنے سے مشرکوں سے بھی نفی لازم آتی ہے۔ پس جہاں پر مشرکوں سے نفی لازم نہ آتی تھی وہاں پر تو تاکید نفی کے لئے لَا لایا گیا اور جہاں پر ان سے نفی لازم آتی تھی وہاں پر تاکید نفی کی ضرورت نہ تھی۔ لہٰذا وہاں پر لَا نہیں لایا گیا۔

اور مفسرین کے درمیان اس میں اختلاف ہے کہ یہاں پر خیر سے کیا مراد ہے بعض تو کہتے ہیں کہ اس سے مطلق وحی مراد ہے۔ اور بعض کا قول ہے کہ اس سے خاص قرآن مجید ہی مراد ہے اور بعض اس طرف گئے ہیں کہ اس سے نصرت اور وہ امور خصوصیت کے ساتھ مقصود ہیں جو کہ حضورؐ کی خصوصیات میں سے ہیں اور دوسرے لوگ اور باقی انبیاءؑ اور رسلؑ ان میں شریک نہیں ہیں اور کچھ کہتے ہیں کہ اس سے عام طور پر وہ چیزیں مراد ہیں جو کہ از قسم خیر ہیں۔ اور اکثروں نے اخیر قول کو ترجیح دی ہے۔ اور بعض نے اوّل کو ترجیح دی ہے۔ پس اگر اوّل مراد ہو تب معنے یہ ہوں گے کہ یہ نہیں چاہتے کہ تم پر تمہارے ربّ کی طرف سے عظیم الشان بھلائی (یعنی وحی نازل کی جائے پر اللہ جس کو چاہتا ہے اس کو اپنی رحمت یعنی وحی کے ساتھ خاص کر لیتا ہے۔ اور اگر اخیر لیا گیا تب یہ معنے ہوں گے کہ یہ نہیں چاہتے کہ تمہارے رب کی طرف سے کسی قسم کی کوئی (جسمانی یا روحانی دنیوی یا اخروی) بھلائی اور بہتری نازل کی جائے۔ لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے اس کو اپنی رحمت کے ساتھ خاص کرتا ہے۔ اور بجائے لَا يَوَدُّ کے مَا يَوَدُّ اس لئے فرمایا ہے تاکہ اس بات کی

[1] ۔ وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ہے یعنی اہل کتاب اور مشرک (دونوں ہی) کبھی (اپنے کفر سے) باز رہنے والے نہ تھے۔ (تفسیر صغیر)

[2] ۔ (تفسیر القرآن جلد 4 نمبر 3 بابت جولائی، اگست، ستمبر 1909ء صفحہ 161 تا 239)

طرف اشارہ ہو کہ نہ پہلے چاہتے تھے اور نہ اب چاہتے ہیں اور نہ آئندہ چاہیں گے اور ظاہر ہے کہ پیچھے یہود کا ذکر چلا آیا ہے۔ پس یہاں پر خالی ضمیر لانی چاہیئے تھی پس اس کو ترک کر کے پہلے اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا کے ساتھ ان کو مجملاً ذکر کرنا اور پھر اس کو مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ کے ساتھ بیان کرنا بظاہر تو کلام فصیح کی شان کے خلاف ہے لیکن میں نے بارہا بتایا ہے کہ بہت دفعہ ضمیر کے موقعہ پر اسم کو کسی نکتہ کے لئے ذکر کرتے ہیں۔ اور وہ عموماً مذکورہ بات کی علت اور وجہ کا اظہار ہوتا ہے اور یہاں پر بھی اس نہ چاہنے کی وجہ اور علت ظاہر کرنے کے لئے اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا کو لایا گیا ہے۔ یعنی بنی اسرائیل اور مشرک لوگ جو نہیں چاہتے کہ الوہیت کا کوئی خاص فضل تو درکنار ربوبیت کا عام فضل بھی تھوڑا سا نازل ہو۔ اس کی خاص وجہ یہی ہے کہ وہ عنادی کافر ہیں اور تم اللہ کے فضل سے سچے مومن ہو۔

کافروں کی تین درجہ کی مذمت:

اور پھر علاوہ اس کے پہلے اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا کے ساتھ ان کو ذکر کرنا اور بعد ازیں مِنۡ اَہۡلِ الۡکِتٰبِ کے ساتھ ان کو بیان کرنا اور پھر اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا میں ان کے ساتھ مشرکوں کو شریک رکھنا اور پھر واؤ کے ساتھ بعد میں مشرکین کا ذکر کرنا ان کی خاص توہین اور مذمت کا اظہار کرتا ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کوئی کہے کہ فلاں مولوی صاحب یا فلاں صوفی صاحب فلاں کنجر یا فلاں جواری کو ترغیب دے کر چوری کرنے کے لئے اپنے ہمراہ لے گئے تھے۔ تو جس طرح اس قول میں مولوی صاحب اور صوفی صاحب کی تین درجہ کی مذمت ہے کہ چوری اور پھر باوجود مولویت اور صوفیت کے مولویت اور صوفیت کی شان سے اس قدر بعید ترین فحش کام کا ارتکاب اور پھر باوجود اس کے کنجر اور جوئے باز پر بھی سبقت کے بجائے واعظ و ناصح ہونے کے ان کیلئے چوری کے محرک اور آمادہ کرنے والے۔

اسی طرح پر یہاں پر بھی ان کی تین درجہ کی مذمت ہے اوّل اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بننا اور پھر اہل کتاب اور شُہَدَآءَ اللّٰہِ لِلنَّاسِ[1] ہو کر اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا کا مصداق ہونا۔ اور پھر اس میں

[1]۔ لوگوں کے لئے اللہ کے گواہ۔ (از مرتب)

اوراہل ایمان پر خیر و برکت کے نزول کو محض ان کے ایمان کے باعث نہ چاہنے میں مشرکین سے سبقت لے جانا اہل کتاب کی شان سے حد درجہ کا ابعد ہے۔

اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سے مراد:

یہاں پر ایک نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے اور وہ یہ ہے کہ میں نے پہلے بھی مجملاً بتایا تھا کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا آتا ہے قرآن مجید کے عام استعمال سے ایسا ثابت ہوتا ہے کہ اس سے معمولی کفر والے یا عام کفر والے مراد نہیں ہوتے۔ بلکہ اس سے وہ لوگ مراد ہوتے ہیں کہ جن پر حجت پوری ہو جاتی ہے اور حق ان کو معلوم ہو جاتا ہے۔ اور باوجود اس کے پھر وہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ خواہ کچھ ہی ہو ہم اس کو مانیں گے نہیں اور یہی وہ لوگ ہوتے یا وہ کافر ہوتے ہیں جو کہ ایمان نہیں لاتے۔ اور یہی وہ کافر ہوتے ہیں جن پر خدائے علیم و حکیم کفر و فسق اور گمراہی کا فتویٰ اور حکم لگا دیتا ہے۔ اور یہی وہ ہوتے ہیں جن کے دلوں اور کانوں پر مہر لگ جاتی ہے اور آنکھوں پر پردہ ہوتا ہے۔ اور یہی بہرے، گونگے، اندھے ہوتے ہیں انہی کو خداوند کریم و رحیم ہدایت نہیں کرتا اور انہی کے منہ آیات سے پھیرے جاتے ہیں اور انہی کے ایمان سے مومنوں اور واعظوں کو لا طمع کیا جاتا ہے۔

اور اس نکتہ کے یاد رکھنے سے قرآن مجید کے بہت سے مشکل مقام حل ہو جاتے ہیں اور اسی کے نہ خیال کرنے سے عموماً ہمارے مفسرین نے اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَیۡہِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَہُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ [1] (البقرۃ:7) وغیرہ کی تفسیر میں یہ رکیک بات کہہ دی ہے اس سے وہ چند معین کافر مراد ہیں جو کہ اللہ علیم کے علم میں ایمان لانے والے نہ تھے بلکہ کفر ہی پر مرنے والے تھے جیسے ابو جہل اور ابو لہب وغیرھما۔

عام کفر کی بجائے خاص کفر کا بیان:

اور اس آیت میں اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا کے یہ معنے اچھی طرح سے واضح ہو جاتے ہیں اور

[1] ۔ایسے لوگ جنھوں نے کفر کیا ہے (اور) تیرا ان کو ڈرانا یا نہ ڈرانا ان کے لئے یکساں (اثر پیدا کرتا) ہے (جب تک وہ اس حالت کو نہ بدلیں) وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (تفسیر صغیر)

غور کرنے والے کو اچھی طرح سے سمجھ آسکتے ہیں۔ اس لئے کہ یہاں پر اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا کی تفسیر میں ایک تو اہل کتاب کو ذکر کیا ہے دوم المشرکین کو اہل کتاب کے ساتھ شریک کیا ہے۔ یعنی جو کافر ہوئے ہیں اہل کتاب سے یا کافر ہوئے ہیں مشرکوں سے اور ظاہر ہے کہ مشرک تو سب کے سب معمولی یا عام کفر والے ہی تھے پھر مشرکوں میں سے کافر بننے کے کیا معنے۔ لیکن اگر اس سے خاص وہی کفر لیا جائے جو کہ میں بیان کر آیا ہوں تو پھر ٹھیک ہو جاتا ہے کیونکہ سارے مشرک اس کفر کے ساتھ کافر نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے لوگ ان میں سے ایمان بھی لائے تھے ورنہ تو اس کفر والے تو ایمان سے محروم ہی رہا کرتے ہیں۔ اور دوسرے مقامات پر بھی ان معنوں سے کوئی مشکل پیش نہیں آتی اور ان کے چھوڑنے سے سخت مشکل پیش آتی ہے اور بجز رکیک اور از خود تراشیدہ تاویلات کے مشکل رفع ہوتی ہی نہیں۔

خدا تعالیٰ کی ربوبیت کے آثار عام ہیں:

اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ خَیْرٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ ۔ خَیْرٌ میں مفسرین کا جو اختلاف ہے وہ تو میں پہلے بیان کر آیا ہوں لیکن حق یہی ہے کہ اس سے مطلق خیر و برکت مراد ہے۔ جیسا کہ اس کا نکرہ اور مطلق لانا اور پھر اس پر مِنْ داخل کر کے اور بھی عام کرنا اور پھر ربّ کی طرف اس کا منسوب کرنا (جس کا مقتضی ہمیشہ عام ہوتا ہے کیونکہ وہ ربّ المومنین ہی نہیں بلکہ رب العالمین ہے) اس کے عام ہونے پر صراحۃً دال ہیں۔ اور تین باتیں اسی وجہ سے کی ہیں تا کہ یہ ظاہر ہو کہ کوئی خاص عظیم الشان فضل تو درکنار بلکہ وہ تو ربوبیت عامہ کے عام فضلوں میں سے کوئی ادنیٰ سی ادنیٰ خیر و برکت بھی تم پر اپنے کفر عنادی کے باعث نازل ہونی پسند نہیں کرتے۔

اور پھر ربّ کی طرف نسبت کرنے میں ان کے اس نہ چاہنے کی تردید کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ ربوبیت کے آثار تو عام ہیں کیونکہ وہ کسی خاص قوم کا ربّ نہیں ہے بلکہ وہ تو رب العالمین ہے۔ پس تمہارے ایسا چاہنے سے یا نہ چاہنے سے ہو ہی کیا سکتا ہے بجز اس کے کہ اپنی خباثت اور کمینہ پن اور شتر کینہ کا اظہار کر رہے ہو۔

اور اس کے بعد وَاللّٰہُ یَخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ فرما کر ایک تو یہ بتایا کہ یہ تو اپنے کفر کے باعث ربوبیت کے آثار عامہ میں سے بھی کوئی ادنیٰ سی ادنیٰ خیر و برکت تمہارے پر نازل ہونی پسند نہ کرتے تھے چہ جائیکہ الوہیت کے خاص آثار سے کوئی ایسا عظیم الشان فضل تم پر نازل ہو۔ جو کہ اخص الخواص بندوں میں سے کسی خاص پر خصوصیت کے ساتھ الوہیت تامہ نازل کرتی ہو۔ پس وہ اس قدر دور کہ ربوبیت کے عام آثار سے کوئی ادنیٰ سی خیر بھی نہ چاہیں اور تم پر اس سے بڑھ کر خیر و برکت نازل ہو تو وہ بھی الوہیت کے آثار خاصہ سے اور وہ بھی عظیم الشان اور پھر خاص طور پر وہ تم ہی پر نازل ہو تو اس سے کس قدر ان کے منشاء کے خلاف معرض ظہور میں آکر ان کی آتش حسد کے اشتعال کا موجب ہوا ہو گا۔

دوم اس کے ساتھ ان کو ملزم ٹھہرایا گیا ہے اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ تو بڑے فضلوں والا ہے۔ لہٰذا وہ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل اور اپنی رحمت کے ساتھ خاص کرتا ہے۔ پر وہ اس کو اپنی الوہیت کے فضل کے ساتھ مخصوص کرنا چاہتا ہے کہ جو اس کے فضل کے لئے جاذب بھی ہو۔ اور الوہیت کے فضل کو وہی جذب کرتا ہے جو کہ اس کو چاہے اور اُس کا مخلص اور خالص اور مخصوص بندہ بن جائے۔ اور محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم نے چونکہ اس کے فضل کو چاہا ہے اور سب انسانوں سے وہ عبودیت میں فائق اور مخصوص بن گیا ہے لہٰذا وہ اس خاص فضل کا جاذب بھی ہوا ہے۔ اور ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ نے اپنی الوہیت کے فضل کے ساتھ اس کو مخصوص بھی فرمایا ہے اور تم نے نہ تو اس فضل کو چاہا ہے اور نہ تم اس کے جاذب بنے ہو اور نہ عبودیت کو اختیار کیا ہے۔ لہٰذا تم اس سے محروم کئے گئے ہو جیسا کہ دو بھائیوں کے دو باغوں کی مثال میں پہلے ہی سے ہم نے بتا دیا ہوا تھا۔ پس یہ تمہارا اپنا قصور ہے نہ محمدؐ کا اور نہ اللہ تعالیٰ کا لیکن عجیب کمینہ پن ہے کہ باوجود اپنے قصور کے بجائے شرمندہ اور نادم ہونے کے اس سے حسد کرتے ہیں جو خدا کی عبودیت میں فرد بنا اور خدا نے اپنے فضل کے ساتھ اس کو فرد اور مخصوص کیا۔

اس آیت میں اور یَغۡفِرُ لِمَنۡ یَّشَآءُ[1] (البقرۃ:285) وغیرہا میں جو مَنۡ یَّشَآءُ آتا ہے اس

[1]۔ جسے چاہے گا بخش دے گا۔ (تفسیر صغیر)

کے جس طرح یہ معنے ہو سکتے ہیں کہ جس کو اللہ چاہتا ہے اسی طرح اس کے یہ معنے بھی ہو سکتے ہیں کہ جو بندہ اس رحمت و فضل یا عفو اور مغفرت کو چاہتا ہے۔ اور میں نے بارہا بتایا ہے کہ ایسے محل پر دو تین چار جس قدر معنے ہوں وہ سب ہی مراد ہوتے ہیں۔ پس مطلب یہ ہوا کہ جو شخص خدا کے خاص فضل کو حقیقی طور پر چاہتا ہے یہاں تک کہ اس کا چاہنا خدا کی مشیت کا موجب اور جاذب ہو جاتا ہے۔ اور خدا چاہنے لگتا ہے کہ اس پر خاص فضل ہو تو پھر وہ اس کو اپنے فضل کے ساتھ مخصوص کر لیتا ہے۔

آیت 107 تا 108: مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ۔

تشریح الفاظ:

نَنْسَخُ۔ نَسْخٌ سے ہے۔ اور نَسْخٌ لغت میں اس کو کہتے ہیں کہ ایک چیز کی صورت یا اس کے حال کو دور کر کے دوسری چیز میں ویسی ہی صورت یا ویسا ہی حال قائم کیا جاوے۔ اور کبھی فقط زائل کرنے یا ثابت کرنے کے لئے آتا ہے یہی وجہ ہے کہ لکھنے کو بھی نَسْخٌ کہتے ہیں اور لکھی ہوئی چیز کو نسخہ بولتے ہیں۔ اور بعض مفسروں نے بڑا زور دیا ہے کہ اس کے اصل معنے دور کرنے کے ہی ہیں لیکن حق وہی ہے جو کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

اٰيَةٌ کی نسبت بارہا ذکر ہو چکا ہے کہ نشان کو کہتے ہیں اور اسی وجہ سے قرآن مجید کے ہر ایک فقرہ کو بھی آیت کہہ دیتے ہیں۔

نُنْسِهَا کی قرأت دو طور پر آئی ہے بعض قاریوں نے سین اور ھا کے درمیان ہمزہ پڑھا ہے نَنْسَئْهَا اور بعض نے ہمزہ نہیں پڑھا جیسا کہ عام طور پر قرآن مجید میں ہے۔ پس اگر بے ہمزہ ہو تب تو یہ اِنْسَاءٌ سے ہے اور وہ نِسْيَانٌ سے۔ جس کے دو معنے آتے ہیں ایک ترک کرنے کے۔ دوم بھلا دینے کے اور اِنْسَاءٌ کے اس صورت میں معنے ہوں گے دوسرے سے ترک کرا دینے یا دوسرے کو بھلوا دینے کے۔ اور اگر باہمزہ ہو اتب یہ نَسْؤٌ سے ہے، جس کے معنے مؤخر کرنے کے ہیں۔

شَيْءٌ۔ چیز کو کہتے ہیں اور بمعنے مَشِيْءٌ (چاہی ہوئی چیز) بھی آتی ہے۔

مُلْكٌ۔ حکومت و سلطنت کو کہتے ہیں۔

وَلِيٌّ۔ حاکم، دوست، مددگار کو کہتے ہیں۔

ترجمہ:

اگر کوئی نشان ہم مٹا دیتے ہیں یا اس کو بھلوا (چھڑوا دیتے) ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس جیسا لاتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر ایک چاہے ہوئے کام پر بہت قدرت رکھنے والا ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔ اور تمہارے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی حاکم (یا دوست) ہے اور نہ کوئی مددگار ہے۔

تفسیر:

یہ جو ہم نے معنے کئے ہیں یہ تو لغت کے لحاظ سے ہیں۔ اور مفسرین اور فقہاء کے نزدیک نَسْخٌ کے ایک اصطلاحی اور شرعی معنے ہیں اور ان کو انہوں نے مختلف عبارتوں میں ادا کیا ہے اور عام طور پر اس کی جو تفسیر اور تعریف پسند کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ آیت کی قرأت یا حکم یا دونوں کے ساتھ جو تعبد ہے اس کی انتہاء کا بیان کر دینا۔ یعنی آیتوں کے پڑھنے سے ثواب ہوتا ہے لہٰذا ان کے پڑھنے کا حکم ہے۔

دوم ان میں جو احکام بیان ہوتے ہیں ان کی تعمیل کا حکم ہے اور تعمیل سے ثواب ہوتا ہے اور گو بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم بھی ہمیشہ کے لئے ہے اور اس کے پڑھنے سے ثواب بھی ہمیشہ ہی ہوگا لیکن اللہ کے علم میں بعض آیتوں کے پڑھنے سے ہمیشہ ثواب نہیں ہوتا بلکہ ایک مدت تک ہوتا ہے اور پھر اس مدت کے بعد نہیں ہوتا اور بعض آیتوں کے حکموں کی تعمیل سے بھی ایک وقت تک ثواب ہوتا ہے اور پھر نہیں ہوتا۔ اور بعض کے پڑھنے اور حکم کی تعمیل دونوں کے لئے وقت مقرر ہوتا ہے کہ اس کے بعد نہ ان کے پڑھنے سے ثواب ملتا ہے اور نہ ان کی تعمیل سے۔ پر اس کا پتہ تو تب ہی لگے کہ خداوند کریم کوئی اور آیت نازل کر کے بتادے کہ فلاں آیت کے پڑھنے سے یا اس کے حکم کی تعمیل سے یا دونوں سے اب ثواب نہ ہوگا۔

مفسرین کے نزدیک قرآن کریم میں نسخ:

تو مفسرین اور فقہاء کہتے ہیں کہ ایسی آیتیں آتی ہیں جو کہ بتاتی ہیں کہ فلاں آیت کے پڑھنے سے اب ثواب نہ ہوگا یا فلاں آیت کی تعمیل سے ثواب نہ ہوگا یا فلاں آیت کے پڑھنے اور اس پر عمل کرنے سے اب ثواب نہ ہوگا اور ایسی آیتوں کو وہ ناسخ کہتے ہیں اور جن

کے پڑھنے یا ان کے عمل سے ثواب نہیں ہوتا ان کو منسوخ کہتے ہیں۔ اور اس کو انہوں نے ایسا وسیع کیا ہے کہ کہتے ہیں کہ اکثر منسوخ شدہ آیتیں تو قرآن مجید میں درج ہی نہیں اور کچھ کچھ اب بھی قرآن مجید میں موجود ہیں۔

پس ان کی مذکورہ بالا تحقیق سے آپ نے اس قدر تو سمجھ لیا ہو گا کہ مفسرین کے نزدیک اس آیت کریمہ میں آیت سے قرآن مجید کی آیت مراد ہے اور نسخ سے یہ مراد ہے کہ ایک آیت کے متعلق (جو کہ پہلے نازل کی ہوئی ہے تا کہ لوگ اس کو پڑھ کر اور اس کی تعمیل کر کے ثواب حاصل کریں) خداوند کریم دوسری آیت نازل کر کے بتادے کہ اب اس کے پڑھنے یا اس پر عمل کرنے سے کوئی ثواب نہیں ہے۔ اسی طرح نُنْسِهَا کی نسبت بھی انہوں نے لکھا ہے کہ بہت سی آیتیں بلکہ بعض سورتیں ایسی ہوتی تھیں کہ ایک وقت تک ہی ان کا دنیا میں رکھنا منظور الٰہی تھا۔ تو جب وہ وقت گزر چکا تو خداوند کریم نے ان کو لوگوں کے دلوں سے اور حافظوں سے بالکل ایسا مٹا دیا کہ کسی ایک کو بھی وہ یاد نہ رہیں اور ایک ہی رات میں سب کو بھلوا دیں۔

مفسرین کے نزدیک ان آیات کا سبب نزول:

اور مفسرین نے ان آیتوں کا سبب نزول ہی یہ روایت کیا ہے کہ مشرکوں یا یہود نے جب یہ کہا کہ "کیا تم محمدؐ کو نہیں دیکھتے کہ اپنے صحابہؓ کو ایک حکم دیتا ہے اور پھر ان کو اس سے منع کر دیتا ہے اور اس کے خلاف اور حکم دے دیتا ہے۔ اور آج ایک بات کہتا ہے اور کل اس سے پھر جاتا ہے۔ لہٰذا یہ قرآن تو ضرور اسی کا کلام معلوم ہوتا ہے جس کو وہ خود بخود بنالیتا ہے۔ اور یہ ایسا کلام ہے جو کہ آپس میں متناقض اور متخالف ہے۔" تب ان کی تردید کیلئے خداوند علیم نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

پس مفسرین کی رائے کے مطابق ان آیتوں کا مطلب یہ ہوا کہ جب یہود اور مشرکین نے آیات قرآنی کو منسوخ ہوتے ہوئے دیکھا تو اعتراض کیا کہ اگر یہ خدا کا کلام ہوتا تو کبھی ایسا نہ ہوتا کہ پہلے ایک حکم دے کر پھر کچھ عرصہ کے بعد اس کو رد کر کے اس کی جگہ اس کے مخالف دوسرا حکم رکھا جاتا۔ اور نہ اس میں ایسی متخالف اور متناقض باتیں ہوتیں کیونکہ

خداوند علیم ہے نہ وہ کسی حکم کے بعد اس سے پشیمان ہو سکتا ہے اور نہ بھول اور نا سمجھی سے وہ متخالف اور متناقض باتیں کر سکتا ہے۔

تو خداوند کریم نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ جس آیت کو ہم نسخ کرتے اور اس کی تلاوت یا اس کے حکم کو رفع کر دیتے ہیں یا اس کو بھلوا دیتے ہیں تو اس کا باعث نہ پشیمانی اور نہ لاعلمی اور اور نادانی ہوتا ہے۔ بلکہ اس حکمت سے ایسا کرتے ہیں کہ پہلے وقت میں جو مناسب تھا وہ حکم دیا اور جب حالات اور اوقات بدلے اور بجائے اس کے اور حکم زیادہ مناسب ہو گیا یا زیادہ نہیں پر جس طرح پہلے وقت اور پہلی حالت کے مناسب پہلا حکم تھا اسی طرح اس دوسرے وقت اور دوسری حالت کے مناسب یہ دوسرا حکم ہو گیا۔ لہٰذا اس پہلے حکم کو اُٹھا کر یا بھلوا کر یہ دوسرا حکم اس کے عوض نازل کیا گیا۔ پس یہ تبدیل کسی جہالت اور نادانی کے باعث نہیں جو کہ شان عالم الغیوب سے بعید ہو بلکہ حالات کی مناسبت اور ان کی اقتضاء کی وجہ سے ہے اور یہ عین حکمت ہے۔

اور اس کے بعد اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ فرما کر ایک تو یہ بتایا کہ پشیمان ہو کر احکام کا تبدیل کرنا جس طرح خدا کے علیم و حکیم ہونے کے خلاف ہے اسی طرح اس حکمت کے موجود ہوتے اور حالات کے مقتضی ہوتے ہوئے پھر بھی تبدیل نہ کر سکنا اور تبدیل کا اختیار نہ رکھنا اس کے قادر مطلق ہونے کے خلاف ہے۔

اور دوم اس میں اس کے ثبوت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کلام الٰہی افعال الٰہیہ کی مانند ہیں اور افعال الٰہیہ میں تو تم دیکھتے ہو کہ زمانہ اور احوال کے مطابق ایک فعل کرتا ہے یا کوئی چیز پیدا کرتا ہے اور پھر دوسرے وقت اور دوسرے حال میں اس کو مٹا کر اس کی جگہ دوسرا فعل کرتا یا دوسری چیز پیدا کر دیتا ہے اور یہ نظارہ روز مرہ دیکھنے میں آتا ہے اور اس سے خدائے علیم و حکیم پر نہ کوئی اعتراض عائد ہوتا ہے اور نہ واقعہ میں کوئی نقص لاحق ہوتا ہے۔ پس اسی طرح اگر اس نے اپنے کلام میں بھی مذکورہ حکمت کی وجہ سے کوئی مناسب تبدیلی کی تو اس میں کون سا نقص عائد ہو جاتا ہے؟

مفسرین کی تفسیر سے اختلاف:

لیکن مفسرین کی اس تفسیر کے ساتھ ہم اتفاق نہیں کر سکتے۔ جس کی بڑی بھاری

وجہ یہ ہے کہ نَسْخٌ تو جیسا ہم نے بیان کیا ہے ایک ثابت شدہ آیت کریمہ کے حکم کو اٹھانا ہوا تو اب اس کے ردّ کے وجوہات اور ثبوت اس کے وجوہات اور ثبوت سے اگر بڑھ چڑھ کر نہ ہوں تو کم از کم ان کے برابر تو ضرور ہوں۔ مثلاً ہم اس زمانہ میں قرآن مجید میں ایک آیت پڑھتے ہیں اور باتفاق سب موافق و مخالف وہ قرآن مجید کی آیت ہے۔ پس جس طرح قرآن مجید کے دیگر احکام کا ماننا اور ان پر عمل و درآمد کرنا ہمارے لئے ضروری ہے اسی طرح اس آیت کے حکم کا ماننا اور اس پر عمل و درآمد کرنا بھی ہمارے لئے ضروری ہے۔

اب کوئی شخص کہتا ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے پس نفس اس کہنے سے اس آیت کا حکم ہم سے نہیں اُٹھ سکتا جب تک کہ اس آیت کے ثبوت کی مانند اس کے نسخ کا ثبوت بھی ہمیں نہ ملے۔ تب تک کبھی اس کا حکم ہم سے رفع نہیں ہو سکتا اور نہ کسی مسلمان کو حق پہنچتا ہے کہ باقی قرآن مجید کی طرح ثابت شدہ آیت قرآنی کو بدون ایسے ثبوت کے زید و عمر کے کہنے سے رد کر دے۔ ہاں جب ہمارے پاس اس تواتر قرآنی اور اس ثبوت قرآنی کے ساتھ ایک دوسری آیت یا کم از کم نبی کریمؐ کا ارشاد پہنچے کہ جس کے کھلے کھلے یہ معنے ہوں کہ قرآن مجید کی فلاں آیت کا حکم منسوخ شدہ ہے یا فلاں آیت کے حکم کی تعمیل نہیں اور اس کی بجائے فلاں حکم کی تعمیل کرنی چاہئیے تو پھر ضرور ایک مسلمان اور متبع قرآن کو حق پہنچتا ہے کہ کسی ایسی قرآنی آیت کے حکم کو اپنی ذمہ داریوں کی فہرست سے خارج کر دے۔

لیکن ہم یقیناً کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی جن جن آیتوں کو لوگ منسوخ کہتے ہیں ان میں سے کسی ایک کے لئے بھی وہ ہر گز ہر گز ایسا ثبوت یا بلفظ دیگر قرآن مجید کے ثبوت کی مانند اس کے نسخ کے لئے ثبوت نہیں بتا سکتے اور نہ واقعہ میں کوئی ثبوت ہے۔ اسی طرح نبی کریمؐ کے زمانہ میں جو آیت کریمہ نازل ہوتی تھی وہ صحابہؓ میں پھیل جاتی تھی اور سب اس پر کاربند ہو جاتے تھے۔ پس ایسا مشہور شدہ حکم اگر منسوخ ہوتا تو اس کے لئے ضروری ہوتا کہ نبی کریمؐ پورے اہتمام کے ساتھ اس کے نسخ کو بھی مشہور کراتے۔

کوئی مسلمان کیونکر کسی آیت کو ردّ کر سکتا ہے:

لیکن عجیب بات ہے کہ کسی ایک آیت کی نسبت بھی ایسا ہر گز ثابت نہیں ہوا۔ ہمیں تو یہ بات سمجھ میں آسکتی ہی نہیں کہ ایک مسلمان بدون قرآن مجید جیسے ثبوت کے زید و عمر کے کہنے سے کس طرح آیت قرآنی کو رد کر سکتا ہے۔ اور اس ثبوت کے نہ ہونے کا پتہ نسخ کے قائلوں کی زبانی بھی بخوبی لگ جاتا ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے نسخ کا دار و مدار نبی کریمؐ سے منقول ہونے پر رکھا ہی نہیں۔ بلکہ اس پر اس کی بنا رکھی ہے کہ دو آیتیں یا ایک مرتبہ کی دو حدیثیں جب ہمیں آپس میں متخالف اور متناقض معلوم ہوں تو پہلے یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ ان دونوں کا آپس میں اتفاق ہو جاوے۔ اور وہ اس طرح ہوتا ہے کہ ایک کے معنوں میں کچھ ہیر پھیر کر کے دوسری کے مطابق بنا دیئے جاویں۔ پر جب اتفاق کی کوئی صورت نہ نکلے تب یہ تلاش کرنی چاہیئے کہ ان میں سے کون سی آیت پہلے نازل ہوئی ہے۔ یا کون سی حدیث نبی کریمؐ نے پہلے ارشاد فرمائی ہے اور کون بعد میں آئی ہے۔

پس اگر یہ تقدیم و تاخیر معلوم ہو جائے تب کہہ دینا چاہیئے کہ پیچھے آنے والی آیت یا حدیث ناسخ ہے اور پہلی منسوخ ہے۔ اور اگر ان کا تقدم و تاخر معلوم نہ ہو سکے تو پھر توقف کرنا چاہیئے یعنی نہ ان کو رد کریں اور نہ ان پر عمل کریں۔

اور نسخ کے قائلوں کا یہ متفق علیہ قاعدہ ہے جس سے بخوبی ثابت ہو جاتا ہے کہ نسخ کی بنا انہوں نے اس پر نہیں رکھی کہ منسوخ کی مانند اس کے نسخ کی تصریح بھی آنحضرت ﷺ سے ہمارے تک تواتر یا صحت کے ساتھ پہنچ جائے۔ بلکہ اس سے صاف ثابت ہو گیا کہ نسخ کی بنا انہوں نے اپنی ناسمجھی پر رکھی ہے اور بس۔ یعنی اگرچہ خداوند کریم نے آیاتِ قرآنیہ میں اختلاف نہ ہونے کو اس کے منجانب اللہ ہونے کا ثبوت قرار دیا ہے جیسا کہ فرمایا ہے کہ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (النساء:83) (اگر یہ قرآن مجید اللہ کی طرف سے نہ ہوتا اور اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو ضرور اس میں بہت سا اختلاف پاتے) لیکن باوجود اس کے جب وہ اپنی ناسمجھی سے کسی آیت کے صحیح معنے نہ سمجھ

سکیں جو کہ بموجب شہادت قرآنی کسی دوسری آیت کے معنوں کے ساتھ ہرگز اختلاف نہیں رکھتے۔ اور ایسے غلط معنے کر دیں جو کہ کسی دوسری آیت کریمہ کے معنوں سے سخت اختلاف رکھتے ہوں۔ اور پھر بد قسمتی سے ان کو ان کے پہلے اور پیچھے ہونے کا کہیں سے پتہ بھی چل جائے تو بجائے اپنی ناسمجھی اور نادانی اور لاعلمی کے اقرار کے آیت قرآنی کے گلے پر بے دھڑک اور بے دریغ چھری پھیر دیں اور خوفِ خداوندی اور تعظیم قرآنی کو بالائے طاق رکھ دیں۔

مسلمان خود آیات کو منسوخ کرتے رہے ہیں:

ہم تو عیسائیوں کو کہا کرتے تھے کہ ایک کا گناہ دوسرے کے سر پر نہ تھوپو لیکن ہمارے بیچ ہی وہ حضرات موجود ہیں جو کہ اپنے قصور سے آیات اللہ کو خود صلیب دے دیتے ہیں۔ حضرت مسیح بھی وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً[1] (المؤمنون:51) کے مطابق آیت اللہ تھے اور ایک آیت تھے۔ اور عیسائی اگرچہ یہ کہتے ہیں کہ وہ آیت اللہ ہمارے گناہوں کے بدلے صلیب دیا گیا لیکن انہوں نے خود ان کو صلیب نہیں دیا لیکن ہمارے بھائی تو اپنے قصور اور ایک قصور کے بدلے بہت سی آیات اللہ کو خود بخود سولی دیتے ہیں۔ اور چونکہ اس کی بنا کسی نقل اور روایت پر ہرگز نہیں بلکہ انہوں نے اس کی بناء اپنے قصور فہم پر رکھی ہے۔ لہٰذا منسوخ شدہ آیتوں کی تعداد بھی ان کے نزدیک ہر ایک زمانہ میں محفوظ نہیں رہی بلکہ پہلے لوگ بہت سی آیتوں کو منسوخ کہتے تھے پھر جس جس قدر فہم میں ترقی ہوتی گئی اسی قدر منسوخوں کی تعداد میں بھی کمی آتی گئی۔ یہاں تک کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے وقت میں برائے نام چند ایک رہ گئیں اور باقی سب بحال یا بلفظ دیگر زندہ ہو گئیں۔

پس ناظرین غور فرما سکتے ہیں کہ اگر نسخ حقیقت میں کوئی چیز تھی اور وہ خدا کے ارشاد کے مطابق تھی۔ پھر پچھلے علماء اور مفسرین نے پہلوں کی مسلمہ منسوخ شدہ کو کیوں بحال کیا اور پھر اس مسلسل کمی اور برحالی سے کیا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ باقی ماندہ بحال ہونے کے قابل ہیں اور کسی وقت میں سب برحال ہو کر اس نسخ کا بیڑہ غرق کر دیں گے۔

[1]۔ اور ہم نے ابن مریم اور اس کی ماں کو ایک نشان بنایا۔ (تفسیر صغیر)

پس اس سے صاف صاف ثابت ہے کہ مفسرین اور فقہاء کا مصطلح نسخ کوئی چیز نہیں۔ بعض صحابہؓ کے اقوال میں بھی نسخ کا ذکر آیا ہے لیکن ہم نے خوب غور و فکر کر کے دیکھا ہے اس کے اسی قدر معنے ہیں کہ بعض آیتیں جب نازل ہوئیں تو ان کے کچھ معنے ان کے ذہن میں آئے اور اسی امر کے متعلق جب اور آیت آگئی اور اس سے ان کو اپنے پہلے معنوں کی غلطی معلوم ہوئی تو انہوں نے یہ کہہ دیا کہ اس دوسری آیت نے اس پہلی آیت کے وہ معنے منسوخ کر دیئے جو کہ پہلے ہم نے اس سے سمجھے تھے۔ نہ یہ کہ اب وہ آیت ہی بیکار ہو گئی ہے۔

نسخ آیات کا قرآن کریم سے ردّ:

مثلاً قرآن مجید میں آیا ہے وَ الْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ (البقرۃ:229) (طلاق شدہ عورتیں تین حیض گزارنے تک ٹھہری رہیں) اور ایک دوسری آیت میں آیا ہے وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا (البقرۃ:235) (جو تم میں سے مر جائیں اور ان کی بیبیاں رہ جاویں تو وہ بیبیاں چار ماہ اور دس دن تک انتظار کریں) اور پھر ایک تیسری آیت ہے کہ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق:5) (اور حمل والیوں کی یہ عدت ہے کہ وضع حمل کر لیویں)

اب ظاہر ہے کہ پہلی دونوں آیتوں کے ساتھ جب تک اس تیسری آیت کریمہ کو نہ ملایا جائے تب تک ان سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ طلاق شدہ عورت خواہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو اس کی عدت تین حیض ہے۔ اور بیوہ عورت کی عدت خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ بہر حال چار ماہ اور دس دن ہے۔ لیکن تیسری آیت کو ان دو کے ساتھ ملانے سے یہ مطلب بنتا ہے کہ مطلقہ اور بیوہ کی مذکورہ عدت اس وقت ہے جبکہ وہ حاملہ نہ ہوں پر جب حاملہ ہوں تو ان کی عدت وضع حمل ہے۔ نہ تین حیض اور چار ماہ اور دس دن۔ تو صحابہؓ کے استعمال کے مطابق کہا جا سکتا ہے کہ اس تیسری آیت نے ان کو نسخ کر دیا یعنی ان دو سے جو عام معنے نکلتے تھے اس کے ملانے سے وہ قائم نہیں رہے۔

پر یہ معنے ہر گز نہیں کہ ایک آیت کے آنے سے دوسری آیت باطل ہو گئی کیونکہ بطلان کا تو دار و مدار ہی اس پر ہوا کہ کوئی آیت صراحۃً کہہ دے کہ فلاں آیت پر عمل نہ

کرو۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا کسی آیت میں نہیں اور یا اس پر ہے جس پر کہ نسخ کے قائلوں نے اس کی بنا رکھی ہے کہ دو آیتوں میں اگر ایسا تناقض اور اختلاف پایا جائے کہ وہ جمع نہ ہو سکیں۔ اور ظاہر ہے کہ جب خداوند علیم نے اپنے پاک کلام سے اختلاف کی نفی کر دی ہوئی ہے تو اب جہاں کہیں اختلاف نظر آئے وہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہم کو اس کے معنے نہیں آئے۔ نہ اس بات کا موجب ہے کہ ہم قرآنی شہادت کے خلاف اختلاف کے قائل ہوں اور پھر اس کو اس طور پر پختہ کریں کہ ایک آیت کو از خود رد کریں۔

نسخ کا اعتقاد:

غرض کہ نسخ کا اعتقاد نہایت خطرناک اور خلاف کتاب اللہ اور خلاف عظمت الٰہیہ اور خلاف حرمت قرآنیہ ہے اور سخت جرأت ہے۔ اور چونکہ تفسیر مذکور کا دار و مدار ہی اس نسخ مذکور کے ثبوت پر تھا جو کہ ثابت نہیں اور ہرگز نہیں لہٰذا یہ معنے اور یہ تفسیر بھی درست نہیں۔ نیز جو یہود اور مشرکین کا اعتراض مفسرین نے اس آیت کے نزول کا سبب قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ ان آیات میں اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے۔

پس اس اعتراض کے جواب کے ساتھ بھی ان کی عبارت ہرگز مطابقت نہیں رکھتی کیونکہ ان کا اعتراض یہ تو ہے نہیں کہ ایک کو منسوخ کر کے جو دوسری آیت لائی جاتی ہے وہ بالکل بے فائدہ یا پہلی سے کم درجہ کی ہوتی ہے تاکہ یہ جواب دیا جائے کہ نہیں دوسری پہلی سے بہتر یا اس کی مانند ہوتی ہے۔

اور جو خلاصۂ جواب پہلے ذکر ہوا ہے وہ مفسرین کے اپنے ذہنوں کی ایجاد ہے اور الفاظ قرآنیہ سے ہرگز نہیں نکلتا۔ اور نہ ہی اس صورت میں اس کا ماقبل اور مابعد کے ساتھ کوئی تعلق ہو سکتا ہے۔

پہلے پہل مفسرین کی اس عظیم الشان غلطی کا اظہار مخدومنا و مولانا رئیس المفسرین حضرت خلیفۃ المسیح علیہما السلام مولوی نور الدین صاحب بھیروی ثم القادیانی نے اپنی کتابوں میں کیا تھا۔ اور اخیر میں مفسرین نے جن چند ایک آیتوں کو منسوخ رہنے دیا تھا ان کے ایسے معنے کر کے دکھائے تھے کہ جن میں کوئی اختلاف اور کوئی ضرورت نسخ نہ رہے۔

اور بعد ازاں پھر رسالہ ریویو آف ریلیجنز کے فاضل ایڈیٹر حضرت مولانا مولوی محمد علی صاحب ایم اے سلمہ اللہ نے اس کو بڑی وضاحت کے ساتھ استدلالی رنگ میں شائع کیا۔

ان آیات سے مراد مطلق نشان ہیں:

حضرت مولانا خلیفۃ المسیحؓ نے ان آیتوں کے جو معنے پسند فرمائے ہیں وہ یہ ہیں کہ آیت سے قرآنی آیت مراد نہیں بلکہ مطلق نشان مراد ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دنیا میں جو چیز ہے وہ اٰیَۃٌ مِنۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ ہے۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ دنیا کی بعض چیزوں کو خداوند حکیم مٹا دیتا ہے پھر اُن مٹائے ہوئے نشانوں میں سے بعض تو بالکل بھول بھلا جاتے ہیں اور بعض خواہ مٹ جاتے ہیں۔ لیکن بھولتے نہیں اور نسخ کے معنے تبدیل کے ہیں اور اِنۡسَاءٌ کے معنے بھلا دینے کے ہیں تو معنے یہ ہوئے کہ جس نشان یعنی چیز کو ہم مٹا دیتے ہیں (لیکن وہ لوگوں کو یاد ہے اور بھولی نہیں) یا بھلوا دیتے ہیں (یعنی اس کو ایسا مٹاتے ہیں کہ لوگوں کو یاد بھی نہیں رہتی) تو اس چیز سے بہتر یا اس کی مانند لاتے ہیں۔ اور فرمایا ہے کہ اِنۡسَاءٌ کے معنے چھڑانے اور مؤخر اور پیچھے کرنے کے بھی آتے ہیں۔ تو اگر اٰیَۃٌ سے آیت قرآنی ہی لینی ہو جیسا کہ عام لوگوں کا خیال ہے۔ تب نَسۡخٌ یعنی تبدیل آیت کے یہ معنے ہوں گے کہ ایک وقت میں خدائے حکیم مثلاً کسی کے مقابلہ کے وقت صبر کا حکم دیتا ہے تو دوسرے وقت مقابلہ کرنے کا حکم دیتا ہے اسی طرح ایک وقت عفو کا حکم ہے تو دوسرے محل پر انتقام اور سزا کا ارشاد ہے۔ ایک وقت تیمم منع اور وضو لازم کرتا ہے اور دوسرے وقت تیمم کا حکم دیتا ہے۔

پس آیت قرآنی لینے کے وقت تبدیل کرنے یا چھڑوا دینے کے یہ معنے ہیں نہ یہ کہ قرآن مجید میں کوئی ایسی آیت ہے کہ اس کا ہمیشہ کیلئے حکم اُٹھ گیا ہے بلکہ قرآن مجید میں کوئی ایسی آیت موجود نہیں کہ جس پر مسلمانوں کو کسی نہ کسی وقت عمل نہ کرنا ہو۔

سیاق سباق سے آیات کی سمجھ آجاتی ہے:

یہ معنے جو کہ حضرت مولانا صاحب نے بیان فرمائے ہیں خصوصاً وہ جو کہ حضور نے پسند فرمائے ہیں اور میں نے ان کو پہلے بیان کیا ہے وہ بالکل حق ہیں لیکن بیان مذکور سے ابھی یہ ظاہر نہیں ہوا کہ اس کے بیان کرنے سے اور پھر خصوصیت کے ساتھ اس کو یہاں پر ذکر

کرنے سے کیا مقصود ہے۔ کیونکہ کسی امر کا واقعہ میں ہونا اس کیلئے کافی وجہ نہیں ہو سکتا کہ کلام الٰہی میں اس کو ذکر بھی کیا جائے بلکہ ضروری ہے کہ علاوہ اس کے کسی دینی فائدہ پر مشتمل ہو یا وہ کسی امر کی دلیل یا کسی سوال کا جواب وغیرہ ہو اور پھر جہاں وہ ذکر ہو تو ما قبل وما بعد کے ساتھ کوئی تعلق اور مناسبت بھی ضرور رکھتا ہو لیکن ابھی یہ معلوم نہیں ہوا کہ اس کا فائدہ کیا ہے اور ما قبل سے اس کی مناسبت کیا ہے۔

ما قبل اور مابعد پر نظر غور کرنے سے جو کچھ مجھے معلوم ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اس رکوع میں پہلے آیا ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا[1] الخ (البقرۃ:105) جس کے ساتھ یہود کی ایک شرارت اور نہایت گندی خباثت کو رد کیا گیا ہے۔ پھر اس کے بعد آیا ہے کہ مَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِیْنَ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ خَیْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ الخ (البقرۃ:106) جس کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ مشرکوں اور اہل کتاب سے جو تمہارے معاند ہیں وہ ہرگز نہیں پسند کرتے کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے کوئی ادنیٰ سی خیر وبرکت بھی نازل کی جائے۔ چہ جائیکہ نبوت ورسالت اور کتاب اللہ دی جائے اور پھر نبوت اور رسالت بھی ملے تو موسیٰؑ جیسی اور کتاب اللہ ایسی ملے جو کہ موسیٰؑ کی کتاب سے بہت بڑھ چڑھ کر ہو الخ۔

پس اس بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی نبوت ورسالت یا کتاب اللہ الفرقان کی نسبت یا موسیٰؑ اور آنحضرتؐ کی نبوت ورسالت کے متعلق یا توریت اور قرآن مجید کے متعلق انہوں نے کوئی بات کی ہے جس کی خداوند کریم تردید فرماتا ہے۔

پہلے یہود کے کس سوال کی تردید کی گئی ہے:

پھر اس کے بعد آتا ہے اَمْ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىِٕلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ الخ (البقرۃ:109) (کیا تم چاہتے ہو کہ تم اپنے رسول سے ویسا ہی سوال کرو جیسا کہ پہلے موسیٰ سے سوال کیا گیا تھا الخ) تو اس سے بھی صاف پایا جاتا ہے کہ اس سے پہلے یہود کا کوئی سوال ہے جس کی تردید کی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ جو گروہ کسی ایک مذہب اور ایک پیشوا کا

[1]۔ اے ایمان دارو! (رسول کو مخاطب کرکے) رَاعِنَا مت کہا کرو۔ (تفسیر صغیر)

متبع ہوتا ہے اور پھر خداوند تعالیٰ اپنی حکمت بالغہ سے کوئی دوسرا اپنا برگزیدہ بھیجتا ہے۔ اور اس کو ایک شریعت اور مذہب دے کر لوگوں کو اس دوسرے رسول اور دوسرے مذہب کی اتباع کا حکم دیتا ہے تو اس پہلے رسول اور پہلے مذہب کے اتباع کا مدعی گروہ عموماً اس بات کو بہت کم تسلیم کرتا ہے کہ ہمارے رسول سے بڑھ کر یا اس کی مانند کوئی رسول آسکتا ہے۔ یا یہ موجودہ مدعی اس کی مثل یا اس سے بڑھ کر ہے اور نہ اس بات کو تسلیم کر سکتا ہے کہ اب وہ پہلا ہمارا مذہب الٰہی رضامندی حاصل کرنے کے لئے کافی نہیں رہا یا یہ نیا مذہب اس سے بہتر یا اس کی مثل ہے۔

آنے والا نبی بنی اسماعیل سے ہوگا:

تو یہود لوگ اگرچہ توریت میں پڑھتے تھے کہ بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے موسیٰؑ جیسا رسول خداوند عالم مبعوث فرمائے گا اور کہ وہ موسیٰؑ سے بڑھ چڑھ کر ہوگا اور کہ اس کی کتاب توریت سے بہتر ترین ہوگی یہاں تک کہ اسی توریت کی بیان کردہ عظمت سے حضرت مسیحؑ نے یہ کہا تھا کہ میں اس کی جوتی کا تسمہ کھولنے کے قابل نہیں ہوں اور کہ میں پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں پر وہ روح القدس سے دے گا۔ لیکن جب کہ انہوں نے پہلے ہی سے بنی اسمٰعیل کو اس فضل کے ناقابل اور اپنے آپ کو اس کے قابل سے بڑھ کر وحدہٗ لا شریک وارث یقین کیا ہوا تھا۔ اور مقدر یوں تھا کہ جس پتھر کو معماروں نے ترک کیا ہوا تھا۔ وہی آخر کونے کا پتھر ہو۔ لہٰذا وہ فضل بنی اسمٰعیل پر ہوا تو حسد کی آگ سے وہ جل گئے اور انکار پر سخت ترین مصر ہو گئے۔ اور لوگوں پر حق کو مشتبہ کرنے کیلئے طرح طرح کے اعتراض اور حیلے گھڑنے لگے۔ کبھی کہتے کہ مثیل موسیٰؑ کا وعدہ حق ہے پر بنی اسرائیل سے آئے گا نہ بنی اسمٰعیل سے۔

اور پھر اس کے ثبوت کے لئے رنگا رنگ کے وجوہات تراشتے۔ اور کبھی کہتے کہ ایسا کب ہو سکتا ہے کہ توریت جیسی باکمال بابرکت کتاب جس کے اتباع سے ہزاروں نبی اللہ اور لاکھوں ولی اللہ اب تک بنے ہیں اور وہ اب بیکار و بے برکت ہو جائے اور اس کے ہوتے ہوئے کسی اور کتاب کی ضرورت پیش آئے اور وہ توریت سے بہتر اور افضل ہو جائے۔ اور

کبھی کہتے ہاں کوئی نبی ہو تو ہزار دفعہ ہو پر موسیٰؑ جیسا کوئی نہیں ہو سکتا۔ اور کبھی کہتے چونکہ موسیٰؑ جیسے رسول اور توریت جیسی کتاب کے ہم متبع ہیں جن کی مانند نہ کوئی ہوا ہے نہ ہو گا تو پھر ہمیں کسی اور رسول یا اور کتاب کی اتباع کی کیا ضرورت ہے ہاں جن کے لئے ایسا رسول اور ایسی کتاب نہیں وہ مانتے پھریں۔ غرض کہ اس قسم کی وہ باتیں بنایا کرتے تھے تو خداوند کریم نے ان کے ان شرارت آمیز اقوال کو ان آیات کے ساتھ ردّ فرمایا ہے۔ قرآن مجید کا یہ بھی طرز ہے کہ جب ایک لفظ کے دو معنے ہوں اور دونوں معنوں کے لحاظ سے وہ زیر بحث ہوتے ہوں تو خواہ ان دونوں میں کچھ چنداں تعلق نہ بھی ہو تب بھی ان دونوں کو یکجا یا متصل آگے پیچھے بیان فرما دیتا ہے اور جب ان دونوں میں مناسبت بھی ہو پھر تو ضرور ہی متصل بیان فرماتا ہے۔

خَیْرٌ سے مراد:

لفظ خَیْرٌ کے ایک تو وہی معنے ہیں جن کو اس کے ماقبل کی آیت کریمہ میں ہم خیر و برکت کے ساتھ بیان کرتے رہے ہیں اور دوسرے معنے بہت اچھے اور بہتر اور افضل کے ہیں۔ اور اس کے یہ دونوں معنے یہود کے ایسے دو واقعوں میں واقع تھے جو کہ آنحضرتؐ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے اور وہ دونوں قابل ذکر بھی تھے۔ اور وہ یہ تھے کہ ایک تو یہود لوگ ہر گز یہ نہ چاہتے تھے کہ نبی کریمؐ پر ربوبیت کے مقتضا سے بھی کوئی خیر و برکت نازل ہو۔ چہ جائیکہ الوہیت کے خاص عظیم الشان فضلوں میں سے افضل اور خیر ترین خیر و برکت یعنی نبوت و رسالت آپؐ پر نازل ہو۔

دوم یہود لوگ اس سے سخت انکاری تھے کہ آنحضرتؐ کی بعثت اور قرآن مجید کے نزول سے موسیٰؑ اور توریت کی اتباع منسوخ ہو گئی ہے اور وہ اب رضاء الٰہی اور نجات حاصل کرنے کے لئے ویسی کافی نہیں رہی جیسی کہ اس سے پہلے تھی اور کہ نبی کریمؐ موسیٰؑ سے خیر اور بہتر اور افضل ہیں یا موسیٰؑ کی مثل ہیں اور قرآن مجید توریت سے خیر و بہتر اور افضل اور اکمل ترین یا کم از کم اس کی مثل ہے۔

پس چونکہ ان میں یہ مذکورہ بالا مناسبت تھی اس لئے ان کو آگے پیچھے متصل بیان فرما دیا۔

اور ان کے اس دوسرے خیال کی اس طرح تردید فرمائی کہ جس طرح کتاب اللہ کا ہر ایک ٹکڑہ اٰیَۃٌ مِنۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ ہوتا ہے اور کتاب اللہ بھی ایک بڑی آیت اور عظیم الشان نشان الٰہی ہوتی ہے اور ہر ایک نبی اللہ بلکہ ولی اللہ بھی آیت اللہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ وَجَعَلۡنَا ابۡنَ مَرۡیَمَ وَاُمَّہٗۤ اٰیَۃً (المؤمنون:51)(اور ہم نے ابن مریم اور اس کی والدہ کو نشان بنایا) آیا ہے۔ یا جیسا کہ وَلِنَجۡعَلَکَ اٰیَۃً (البقرۃ:260) (اور تاکہ ہم تجھے نشان بنائیں) خداوند تعالیٰ کے اس برگزیدہ بندہ کے حق میں آیا ہے جو کہ ایک بستی پر سے گزرا تھا اور تعجب سے اس نے اَنّٰی یُحۡیٖ ہٰذِہِ اللّٰہُ بَعۡدَ مَوۡتِہَا (البقرۃ:260)(کب خداوند تعالیٰ اس کو موت کے بعد زندہ فرمائے گا) کہا تھا۔ تو اسی طرح دنیا کی ہر ایک چیز بھی اٰیَۃٌ مِنۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ [1] ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں عموماً رات اور دن وغیرہا بہت سی چیزوں کو آیت فرمایا ہے۔

تو تم دیکھتے ہو کہ دنیا میں جس قدر نشان یعنی چیزیں موجود ہیں ان میں سے بعض کو دوسرے سے تبدیل کر دیتے ہیں۔ اور بعض کو پہلے ایسا مٹا دیتے ہیں کہ اس کا نام ونشان تک باقی نہیں رہتا اور پھر اس کے عوض ہم کوئی دوسرا نشان اور دوسری چیز لاتے ہیں۔ اور یہ ویسا ہی ہے جیسا کہ سلطنتوں اور موسموں اور رات اور دن کی تبدیلی ہے۔ جیسا کہ سلطنتوں کی تبدیلی کی نسبت ایک مقام پر خداوند کریم فرماتا ہے وَتِلۡکَ الۡاَیَّامُ نُدَاوِلُہَا بَیۡنَ النَّاسِ (اٰل عمران:141) (ان دنوں یعنی غلبہ اور دور دورہ کے دنوں کو ہم لوگوں میں ہاتھ بہ ہاتھ چلاتے رہتے ہیں)۔ اور رات دن کی تبدیل کی نسبت فرمایا ہے وَجَعَلۡنَا الَّیۡلَ وَالنَّہَارَ اٰیَتَیۡنِ فَمَحَوۡنَاۤ اٰیَۃَ الَّیۡلِ وَجَعَلۡنَاۤ اٰیَۃَ النَّہَارِ مُبۡصِرَۃً لِّتَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَلِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِیۡنَ وَالۡحِسَابَ (بنی اسرائیل:13)(اور ہم نے رات اور دن کو دو نشان بنایا ہے تو رات کے نشان کو ہم مٹا دیتے اور دن کے نشان کو دکھانے والا بنا دیتے ہیں تاکہ تم اپنے رب کا فضل چاہو اور سالوں کا شمار اور حساب جانو)۔

قرآن مجید میں بہت سی چیزوں کو آیت قرار دیا گیا ہے:

غرض کہ قرآن مجید میں بہت سے مقام پر دنیا کی چیزوں کو آیت قرار دیا ہے اور ان

[1] ۔ اللہ کے نشانوں میں سے ایک نشان۔ (از مرتب)

کی تبدیل کا بھی ذکر کیا ہے۔ اور پھر اس مٹائے ہوئے یا بھولے بھلائے ہوئے نشان اور چیز کے عوض جو چیز ہم لاتے ہیں وہ کبھی تو اس سے بہت بڑھ چڑھ کر ہوتی ہے اور کبھی اس کی مثل ہوتی ہے اور کبھی ہم اس پہلی سے بہتر یا اس کی مثل لانے سے عاجز نہیں ہوئے۔ پس اسی طرح انبیاءؑ اور کتابیں بھی آیات ہیں اور ہمیشہ ہم ان کو تبدیل کرتے رہے ہیں اور جو بعد میں لاتے رہے ہیں وہ پہلے کی مانند یا اس سے بڑھ چڑھ کر ہوتا رہا ہے۔ آخر موسیٰ سے پہلے بھی کسی نبی اور کسی کتاب کی اتباع لوگوں پر لازم تھی اور الٰہی رضامندی اور نجات حاصل کرنے کے لئے کافی تھی پر جب موسیٰ آئے اور توریت نازل ہوئی تو وہ کافی نہ رہے اور موسیٰ اور توریت ہی کی اتباع ضروری قرار پائی۔ اور موسیٰؑ اور موسیٰؑ کی کتاب کو بہت سے انبیاءؑ اور بہت سی کتابوں سے افضل تسلیم کیا گیا۔

اس کے بعد خداوند کریم نے ان یہود کے ہر ایک ایسا کہنے اور خیال کرنے والے کو خطاب کر کے فرمایا کہ تمہارے ایسا خیال کرنے اور ایسا کہنے سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ (اگرچہ تم اس توریت کو پڑھتے ہو جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اللہ ہر ایک شَے پر قادر ہے اور اس پر ایمان کے بھی مدعی ہو اور زبان سے بھی اقرار کرتے ہو کہ اللہ ہر ایک شَے پر قادر ہے) تم کو اس بات کا علم ہی نہیں کہ اللہ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے۔ ورنہ تو پھر کیا وجہ ہے کہ موسیٰؑ کو تو بہت سے نبیوں جیسا یا ان سے افضل بنادے اور اس کی کتاب کو بھی بہت سی کتابوں سے افضل یا اُن جیسا بنادے پر وہی اللہ موسیٰؑ اور موسیٰؑ کی کتاب کی اتباع کو نہ تبدیل کر سکے اور ان کی مثل یا بہتر کوئی رسول اور کتاب نہ بھیج سکے۔

اللہ کی شان کا ذکر:

مَا نَنْسَخْ الخ میں خداوند کریم نے اپنے آپ کو بلفظ متکلم ذکر فرمایا تھا اور اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ میں بلفظ متکلم نہیں ذکر کیا حالانکہ وہ مختصر بھی تھا اور بجائے اَنَّا، اَنَّ اللّٰہَ رکھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بلفظ متکلم یعنی اَنَّا کہنے میں قادر ہونے کی دلیل ساتھ مذکور نہ ہوتی تھی۔ بخلاف اَنَّ اللّٰہَ کے کہ اس سے اس کی دلیل مذکور ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ بارہا

میں نے بتایا ہے کہ اللہ کے معنے ہیں کہ سب نقصوں سے پاک اور سب صفات کاملہ کی جامع ذات اور ظاہر ہے کہ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہونا صفاتِ کمال سے ہے اور ایسا نہ ہونا بڑا بھاری نقص اور شانِ الوہیت سے بہت بعید ہے۔

پس اس کا اللہ ہونا ہی اس کو ظاہر کرتا ہے کہ ضرور وہ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے اور جب وہ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے تو پھر ایک نشان کی تبدیل اور اس سے بہتر اور اس کی مثل لانے پر بھی ضرور قادر ہے۔ اور اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کی تفسیر میں اس قدر یاد رکھنا بہت ضروری ہے جو کہ میں پہلے بھی لکھ آیا ہوں کہ شَے کے ایک تو چیز کے معنے ہوتے ہیں، دوم شَے کے معنے ہوتے ہیں چاہا ہوا کام یا امر۔ تو چونکہ قرآن مجید میں جہاں کہیں قدرت کی وسعت اور اس کا عام اور شامل ہونا بیان ہوا ہے وہاں پر ضرور اس کو ارادہ اور مشیت کے ساتھ مقید کیا گیا جیسا فرمایا فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ (البروج:17) (کرنے والا ہے اُس کو جس کو چاہتا ہے) پھر فرمایا ہے یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ (آل عمران:41) وَیَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ (المائدۃ:2) (کرتا ہے جو چاہتا ہے اور حکم دیتا ہے جو چاہتا ہے) پھر فرماتا ہے عَلٰی جَمْعِھِمْ اِذَا یَشَآءُ قَدِیْرٌ (الشوریٰ:30) (ان کے جمع کرنے پر جب چاہے قادر ہے) وغیر ذالک۔

اور شَیْءٌ بمعنے چیز یہاں پر لینے سے یہ نقص بھی لازم آتا ہے کہ اللہ اور اس کا شریک اور سب محالات بھی شَے تو ہیں۔ پس چاہیئے کہ ان پر بھی قادر ہو اور جو چیز قدرت کے نیچے آجاتی ہے اور کوئی اس پر قادر ہوتا ہے وہ ممکن ہوتی ہے نہ واجب اور نہ ممتنع۔ پس لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود نہ رہے اور اس کا شریک اور محالات ممتنع نہ رہیں۔ پس چونکہ قرآن مجید میں عموماً قدرت کی وسعت مشیئت اور ارادہ کے ساتھ مقید آئی ہے۔ اور شَیْءٌ کو یہاں پر بمعنے چیز لینے سے واجب اور ممتنع کا ممکن ہونا لازم آتا ہے اور شَیْءٌ بمعنے چاہی ہوئی چیز کے بھی آتی ہے لہٰذا اس آیت میں ہمیشہ شَیْءٌ بمعنے چاہی ہوئی چیز کے لینی چاہیئے تاکہ کوئی نقص بھی عائد نہ ہو اور دوسری آیتوں کے ساتھ مطابقت بھی حاصل ہو جائے۔

خدا تعالیٰ کی قدرت کا اظہار:

ان دو طریق کے ساتھ ان کی بات کو ردّ فرما کر اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَ

الْاَرْضِ میں یہود کے ہر ایک ایسا خیال رکھنے والے اور ایسا کہنے والے کو مخاطب کر کے پہلے تو ان پر یہ الزام عائد کیا کہ تمہارا ایسا کہنا تو یہ ثابت کرتا ہے کہ اگرچہ تم توریت میں ایسا پڑھتے ہو کہ زمین و آسمان کی سلطنت اللہ ہی کیلئے ہے اس پر ایمان رکھنے کے بھی مدعی ہو۔ پر حقیقت میں تمہیں اس کا نہ علم ہے اور نہ ہی اس پر یقین ہے اس لئے کہ یہ حکومت تو اس بات کو چاہتی ہے کہ وہ جو چاہے اس میں تصرف کر سکے اور جس کو چاہے کوئی عہدہ دے اور جس کو چاہے کسی دوسرے کے برابر عہدہ دے یا چاہے تو اس سے اعلیٰ عہدہ پر ممتاز کرے یا جب تک چاہے ایک افسر کی اتباع کا حکم دے اور جب چاہے بجائے اس کے دوسرے افسر کی اتباع کا حکم نافذ فرمادے۔ اور جب تم اس کے لئے ایسا اختیار تجویز نہیں کرتے تو پھر تم اس کو زمین و آسمان کا بادشاہ بھی نہیں جانتے۔ اور اس الزام کے علاوہ یہ تیسرا طریق ہے جس کے ساتھ ان کے خیال اور بات کی تردید فرمائی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جس طرح زمین کے حصوں میں بادشاہ اور سلاطین ہوتے ہیں اسی طرح خداوندِ عالم سب زمین اور سب آسمانوں کا واحد حقیقی بادشاہ اور مالک و متصرف ہے۔ اور تم جانتے اور مشاہدہ کرتے ہو کہ ہر ایک بادشاہ کو اپنی سلطنت میں اختیار ہوتا ہے کہ جو قانون چاہے وہی جاری اور نافذ کر سکتا ہے۔ اور جس کی چاہے رعایا سے اس کی اتباع کرا سکتا ہے اور جس کی اتباع سے روکنا چاہے روک سکتا ہے۔ یا بلفظ دیگر جس کی اتباع کو اپنی خوشنودی کا موجب بنائے بنا سکتا ہے اور جس کی اتباع کو اس مرتبہ سے گرائے گرا سکتا ہے یا جس افسر کو چاہے دوسرے افسر کے برابر یا اُس سے بڑھ کر بنا سکتا ہے۔ تو جب ادنیٰ ادنیٰ مجازی بادشاہ بھی یہ اختیار رکھتے ہیں تو وہ حقیقی اور وحدہٗ لاشریک مالک و شہنشاہ خدا جو کہ زمین و آسمان اور بادشاہوں کا بادشاہ ہے کیا اس کے لئے یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ ایسا کرے بلکہ ضرور اس کے لئے ہے اور بڑھ کر ہے۔

حقیقی بادشاہت صرف خدا تعالیٰ کی ہے:

اس کے بعد وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ فرما کر ایک تو پہلے سے ترقی کی ہے یعنی پہلے تو اس قدر فرمایا تھا کہ جس طرح مجازی بادشاہ اختیار رکھتے ہیں اسی طرح اللہ بھی

اختیار رکھتا ہے جو کہ زمین و آسمان کا بادشاہ ہے۔ اور اب بتایا ہے کہ دوسرے بادشاہ تو حقیقت میں بادشاہ ہی نہیں حقیقی بادشاہ تو بجز اس کے اور کوئی ہے ہی نہیں۔

دوم ایک چوتھے طریق کے ساتھ ان کی تردید فرمائی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ حقیقت میں تمہارا اور محمدؐ کا اللہ کے سوا تو دوسرا نہ کوئی والی ہے اور نہ کوئی مدد گار ہے۔ بلکہ وہی اکیلا والی اور مدد گار ہے۔ اور تم نے محمدؐ کے ساتھ مقابلہ شروع کیا ہوا ہے۔ لہٰذا فیصلہ آسان اور ظاہر ہے پس اگر واقعہ میں توریت اور موسیٰؑ کی اتباع خداوند عالم کی رضا حاصل کرنے کیلئے کافی ہے تب تو تمہیں کچھ خوف نہیں اور اللہ ضرور تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں مظفر و منصور بنادے گا اور اگر وہ کافی نہیں اور قرآن مجید اور محمدؐ ہی کی اتباع الٰہی رضامندی اور کامیابی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے تب ضرور محمدؐ اور آپ کی جماعت مظفر و منصور ہو گی اور تم ضرور مخذول اور مغلوب ہو گے۔

دو باغوں کی مثال سے استنباط:

خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ اس سے پہلے مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ[1] الخ (البقرۃ 106) میں ان کے پہلے بیان شدہ کینہ اور حسد کی وجہ بیان فرمائی تھی کہ جب دو باغوں کی مثال کے مطابق (جو کہ پہلے سے ان کو بتائی گئی تھی اور قرآن مجید کی سورۂ کہف ع 5 میں مفصل طور پر مذکور ہے) خدا کے فضل کا باغ ان کے ہاتھوں سے چھینا گیا اور پھر جن اپنے بھائیوں کو انہوں نے مدت سے ردّ کیا ہوا تھا ان میں سے ایک کو ملا تو ان کے حسد کی آگ بھڑک اُٹھی کہ ہم اس کے لئے کوئی ادنیٰ سی خیر و برکت بھی پسند نہ کرتے تھے۔ اور اس کو یہ خاص اور عظیم الشان فضل ملا ہے اور جیسا کہ دو باغوں کی مثال میں آیا ہے کہ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَ يُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۔ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ۔ (الکہف: 41-42) (تو امید ہے کہ میرا رب مجھے تمہارے باغ سے بہت ہی اچھا باغ عنایت فرمائے گا۔ اور تمہارے باغ پر اوپر سے بھیجے گا تو وہ صاف زمین پھسلنا میدان ہو جائے گا یا اس کا پانی ایسا زمین میں نیچے اُتر جائے گا کہ پھر تم اس کو ہر گز

[1] ۔ اہل کتاب میں سے... جن لوگوں نے (ہمارے رسولوں کا) انکار کیا ہے وہ پسند نہیں کرتے۔ (تفسیر صغیر)

کبھی تلاش کر سکو گے ہی نہیں) وہ خود بھی پہلے سے یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ آنے والا وہ نبی بہت بڑا عظیم الشان ہو گا۔ اور اس کو ایسا عظیم الشان فضل ملے گا کہ کسی اور کو ایسا نہیں ملا اور حقیقت میں بھی جو کچھ اُن کو ملا تھا اس سے آپ کو بہت ہی بہتر ملا۔ اور ان کے کانوں میں بھی یہ آوازیں آنے لگیں کہ محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بنی اسرائیل سے بہت بہتر اور افضل اور عظیم الشان فضل ملا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی سننے لگے کہ بنی اسرائیل کا باغ اب مٹ گیا اور تباہ ہو گیا ہے اور ان کو خود بھی اس کی تباہی نظر آنے لگی۔ تو حسد سے جل کر یہ کہنے لگے کہ موسیٰؑ جیسا کون ہو سکتا ہے یا توریت کون مٹانے والا آیا ہے یا اس سے بہتر اور افضل کتاب کب ہو سکتی ہے؟

گزشتہ سوالوں کی تردید چار طریق سے:

تو ان کی ایسی باتوں کی تردید کیلئے خداوند کریم نے مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا الخ فرما کر چار طریق سے ان کی باتوں کو ردّ فرمایا۔

(1) یہ کہ دنیا کی ہر ایک چیز ایک آیت ہے اور تم دیکھتے ہو کہ خداوند تعالیٰ ان کو مٹاتا یا نَسْيًا مَّنْسِيًّا[1] (مریم:24) بناتا ہے اور پھر بعض سے بہتر لاتا اور بعض کی مثل پر اکتفاء کرتا ہے اور انبیاءؑ بھی سب آیات اللہ ہوتے ہیں اور ان میں بھی یہی طریق جاری ہے۔

(2) یہ کہ تمہارے اس قول سے لازم آتا ہے کہ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ نہ ہو حالانکہ تم زبان سے اس کا اقرار کرتے ہو اور تمہاری کتاب میں یہ لکھا ہوا ہے۔

(3) دنیا کے بادشاہ جو کہ مجازی حکام ہوتے ہیں ان کے لئے بھی اپنی سلطنت میں یہ اختیار ہوتا ہے تو جو اللہ زمین و آسمان کا حقیقی بادشاہ ہے کیا اس کیلئے یہ اختیار نہیں ہے؟

(4) یہ کہ اگر توریت اور موسیٰؑ کی اتباع رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لئے کافی ہے اور وہ مٹی نہیں اور محمدؐ کی اور قرآن مجید کی اتباع کی ضرورت نہیں پھر تو تم اس مقابلہ میں ضرور مظفر و منصور ہو جاؤ گے کیونکہ والی اور ناصر تو وہی ایک اللہ ہے۔ پر یاد رکھو کہ اگر ایسا نہیں اور ضرور نہیں تو پھر ضرور ہی محمدؐ مظفر و منصور ہوں گے اور تم مخذول اور

[1] ۔ یا دمٹا دی جاتی۔ (تفسیر صغیر)

مردود اور مغلوب ہو جاؤ گے۔ اور پھر اخیر پر دو باغوں کی مثال کے الفاظ کا ذکر کر کے اس کو بھی یاد دلایا ہے تا کہ ان کو بتائے کہ تمہارے باغ کی تباہی اور اس سے بہتر باغ تمہارے بھائی کو ملنے کی خبر تو ہم نے تم کو پہلے سے دی ہوئی ہے۔ اور اس مثال کے آخر میں یہ الفاظ آئے ہوئے ہیں وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا۔ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا۔ (الکہف:44-45) (اور اس کے لئے کوئی جماعت ایسی نہ تھی کہ اللہ کے سوا اس کو مدد دیتی اور نہ وہ مدد پانے والا بنا۔ وہاں پر تو اس حق خدا کیلئے ولایت ہے۔ وہ بہت بہتر ثواب اور بہت بہتر بدلہ دینے والا ہے) اور یہاں پر اس کو ان الفاظ کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

وَ مَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٌ۔ (اور تمہارے لئے اللہ کے سوا نہ کوئی ولایت والا ہے اور نہ کوئی نصرت دینے والا ہے) بلکہ سچ تو یہ ہے کہ خَيْرٌ کا لفظ لا کر پہلے سے اس مثال کو یاد دلا دیا تھا۔

یہاں پر یہ بات یاد رکھنی چاہیئے وہ یہ ہے کہ پہلی کتابوں کے منسوخ یا مٹانے کے یہی معنے ہیں جو کہ ہم نے بیان کئے ہیں کہ ان کا اتباع رضائے الٰہی کے لئے کافی نہیں نہ یہ کہ جو صداقتیں ان میں تھیں اور وہ قرآن مجید نے بھی لی ہوئی ہیں وہ اب صداقتیں نہیں رہیں۔

آیت 109: اَمۡ تُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَسۡـَٔلُوۡا رَسُوۡلَكُمۡ كَمَا سُئِلَ مُوۡسٰى مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَمَنۡ يَّتَبَدَّلِ الۡكُفۡرَ بِالۡاِيۡمَانِ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيۡلِ ۔

تشریح الفاظ:

اَمۡ ۔ اہل عربیت نے اس اَمۡ کے معنے لکھے ہیں اور ان دونوں معنوں کے لحاظ سے اس کے دو نام رکھے ہیں ایک اَمۡ متصلہ دوم اَمۡ منفصلہ۔ پہلے کا تو یہ کام ہے کہ جہاں پر یہ تو معلوم ہے کہ فلاں امر ضرور ہوا ہے اور فلاں فلاں سے البتہ یہ معلوم نہیں کہ خاص ان میں سے کس نے کیا ہے یا یہ معلوم ہے کہ فلاں شخص نے ان ان دو امروں میں سے ایک تو ضرور کیا ہے پر یہ معلوم نہیں کہ خاص کون سا کیا ہے تو اَمۡ لا کر تعیین طلب کی جاتی ہے۔

اسی وجہ سے جہاں یہ اَمۡ آتا ہے وہاں پر دو کام یا دو چیزیں ضرور لائی جاتی ہیں۔ ایک پر تو لفظ أ لایا جاتا ہے اور دوسرے پر اَمۡ لایا جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے اَزَيۡدٌ جَاءَكَ اَمۡ عَمۡرٌو (کیا زید آیا ہے یا عمرو) یا أَاَكۡرَمَكَ زَيۡدٌ اَمۡ اَعۡطَاكَ (کیا زید نے تیرا اعزاز کیا ہے یا تجھے کچھ دیا ہے)

اور دوسرے یعنی اَمۡ منفصلہ کے معنے بَلۡ کے ہوا کرتے ہیں یعنی ایسا نہیں بلکہ الخ اور ظاہر ہے کہ یہاں پر ہمزہ یعنی لفظ أ کے ساتھ کوئی دوسرا امر مذکور تو ہے نہیں۔ لیکن تاہم مفسرین دونوں طرف گئے ہیں اور جنہوں نے اس کو متصلہ قرار دیا ہے انہوں نے اس سے پہلے أَلَا تَعۡلَمُوۡنَ مقدر مانا ہے۔ تو معنے یہ کئے ہیں کہ کیا تم کو علم نہیں یا علم ہے اور باوجود علم کے اپنے رسول سے ایسا سوال کرنا چاہتے ہو جیسا کہ موسیٰؑ سے کیا گیا تھا اور اگر منقطع ہوا تب کسی تقدیر کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اور معنے یہ ہوتے ہیں بلکہ تم الخ۔

سَوَاءٌ کے معنے وسط کے اور مستوی (برابر اور سیدھا) کے ہیں۔

ترجمہ:

بلکہ تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے ویسا سوال کرو جیسا کہ موسیٰ سے پہلے سوال کیا گیا تھا۔ اور اگر کوئی کفر کو ایمان سے بدلے گا پس وہ سیدھی راہ سے بہک گیا۔

تفسیر:

اَمْ کا جھگڑا تو میں بتا ہی چکا ہوں پر مفسرین میں یہاں پر ایک بڑا نزاع ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ یہاں پر مخاطب کون ہیں بعض کا خیال ہے کہ یہاں پر مومن مخاطب ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جب نسخ آیات کا ذکر ہوا اور بعض مومنوں کے دلوں میں نسخ کی حکمت وغیرہ دریافت کرنے کا خیال پیدا ہوا تو خداوند کریم نے پہلے ہی منع فرما دیا کہ کیا اپنے رسول سے اس طریق اور طرز پر سوال کرنا چاہتے ہو جیسا کہ موسیٰؑ سے پہلے سوال کیا گیا تھا اور وہ یہ تھا کہ اَرِنَا اللّٰہَ جَھْرَۃً (النساء:154) (ہمیں خدا سامنے دکھا) یا یہ کہ اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰھًا کَمَا لَھُمْ اٰلِھَۃٌ (الاعراف:139) (ہمارے لئے کوئی ایک معبود ایسا بنا دے جیسے کہ ان کے لئے بہت معبود ہیں) اور پھر اس کے بعد قاعدہ کلیہ بتایا کہ اگر کوئی کفر کو ایمان سے بدلے گا وہ سیدھی راہ سے بہک جاوے گا۔

اور انہوں نے اپنی تفسیروں میں ایک روایت بھی لکھی ہے کہ غزوۂ خیبر میں اہل اسلام نے نبی کریمؐ سے یہ چاہا تھا کہ حضور ہمارے لئے ویسا ہی ذات انواط بُت بنا دیں جیسا کہ مشرکوں کے لئے ہے۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ سبحان اللہ یہ ویسا ہی ہے جیسا کہ قوم موسیٰؑ نے موسیٰؑ کو کہا تھا کہ ہمارے لئے کوئی ایک معبود ایسا بنا دیں جیسے کہ ان کے لئے بہت سے بت ہیں۔ اور مجھے اُس خدا کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ضرور تم اپنے سے پہلی قوموں کی چالوں پر ایسے چلو گے جیسے کہ ایک جوتی کا تلہ دوسری جوتی کے تلے سے برابر ہوتا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی اپنی والدہ سے بد نظر ہوا ہے تو تم میں بھی ہو گا۔ ہاں مجھے یہ معلوم نہیں کہ تم بھی گوسالہ کی پرستش کرو گے یا نہ۔

(سنن الترمذی کتاب الایمان باب ماجاء فی من یموت وھو یشھد ان لا الہ الا اللہ حدیث 2641)
(مصنف ابن ابی شیبۃ الجزء الثامن کتاب الفتن باب من کرہ الخروج فی الفتنۃ و تعوذ عنھا حدیث 289 مطبع دار الفکر)

پس اس روایت میں مومنوں کا نبی کریم سے سوال بھی ہے اور آنحضرتؐ نے اس سوال کو خود اس سوال جیسا قرار دیا ہے جو کہ حضرت موسیٰؑ سے کیا گیا تھا اور آپ نے خود وہ

موسیٰ کا سوال بھی بیان فرمادیا کہ وہ آپ کی قوم کا سوال ہے کہ ہمارے لئے کوئی ایک ایسا معبود بنادے جیسے کہ ان کے لئے بہت سے معبود ہیں۔

اور بعض نے کہا ہے کہ یہاں پر وہی یہود مخاطب ہیں اور مطلب یہ ہے کہ پہلی آیتوں میں ا ن کے اعتراض کی تردید فرماتے ہوئے فرمایا تھا کہ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ[1] (البقرۃ:107) اور کہ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ[2] (البقرۃ:108) جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کے سوال محض لاعلمی کے باعث ہیں نہ شرارت کے طور پر۔ لیکن اس کے بعد اَمْ تُرِیْدُوْنَ الخ فرما کر اَمْ منقطعہ کی صورت میں یہ فرمایا کہ نہیں لاعلمی کے باعث نہیں بلکہ تم اپنے رسول سے اسی طرح شرارت سے سوال کرنے چاہتے ہو جیسے کہ موسیٰؑ سے کئے گئے تھے الخ اور اَمْ متصلہ کی صورت میں فرمایا کہ سوال تمہارا کیا لاعلمی کی وجہ سے ہے یا کہ ویسا سوال کرنا چاہتے ہو؟ جیسا پہلے بھی حضرت موسیٰؑ سے کیا گیا ہے یعنی لاعلمی نہیں بلکہ یہ شرارت کے طور پر ہے۔ لیکن جب یہود مخاطب ہوئے تو پھر جس طرح آنحضرتؐ سے مخالفوں کا سوال کیا ہے اسی طرح حضرت موسیٰؑ سے بھی مخالفوں کا سوال لینا چاہیئے جیسا کہ ظاہر ہے لیکن اس بعض نے یہ نہیں بتایا کہ موسیٰؑ سے کنہوں نے سوال کیا تھا اور نہ یہ کہ جنہوں نے کیا تھا وہ کیا کیا تھا۔

ضروری نہیں کہ آیت واقعہ کی مناسبت سے نازل ہو:

اصل بات یہ ہے کہ بہت سی آیتیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ کئی صورتوں کی محتمل ہوتی ہیں اور بعض اوقات ان میں سے کوئی صورت کسی واقعہ کے مطابق بھی پائی جاتی ہے۔ لیکن اس سے نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ ضرور یہ اسی واقعہ میں نازل ہوئی ہے اور نہ یہ کہ وہی صورت درست ہے جو کہ فلاں مروی واقعہ کے مطابق ہے۔ بلکہ دیکھنا یہ چاہیئے کہ جس مقام پر اس کو رکھا ہوا ہے وہاں پر اس کے کون سے معنے ٹھیک اور مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ اور جہاں

[1] ۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ ہر ایک امر پر (جس کا وہ ارادہ کرے) پورا (پورا) قادر ہے۔ (تفسیر صغیر)

[2] ۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کی ہے اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی دوست ہے اور نہ کوئی مدد گار۔ (تفسیر صغیر)

پر سب ہی مناسبت رکھتے ہوں وہاں پر سب ہی مراد ہوتے ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ یہاں پر دونوں کا مخاطب ہونا درست ہو سکتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ شریر النفس مخالف اعتراض کرتے تھے تاکہ سامعین میں سے کسی ضعیف القلب پر ان کا اثر ہو جائے اور وہ اسلام سے مرتد ہو جائے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس آیت کے بعد متصل یہ آیت آتی ہے کہ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ الخ (البقرۃ:110) (بہت اہل کتاب نے چاہا ہے کہ تم کو مرتد کر دیں الخ) اور ظاہر ہے کہ مومن کو اعتراض نہیں سوجھتے پر جب شریروں کے اعتراض سنتا ہے تو کوئی ایسا اعتراض بھی آجاتا ہے جس کا اس کو جواب نہیں آتا اور اس کے دل میں وہ کھٹکتا رہتا ہے اور پھر اوروں سے اس کو دریافت کرتا ہے۔

ضعیف القلب مومنوں کو بہکانے کا ذکر:

اور اس میں بھی شک نہیں کہ حضرت موسیٰؑ سے مخالفوں نے بھی اعتراض کئے ہیں۔ چنانچہ فرعون کے سوال تو مشہور ہی ہیں اور اپنی قوم نے بھی ایسے سوال کئے جو نامناسب تھے۔ اور رسول کی نسبت بھی دونوں کی طرف ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْٓ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ (الشعراء:28) (بے شک تمہاری طرف جو تمہارا رسول بھیجا گیا ہے وہ مجنون ہے) تو اب یہ معنے ہوئے کہ جب یہود بے جا اعتراضوں میں حد سے گزرے اور ان کے شرارت آمیز اعتراضوں اور سوالوں سے خطرہ تھا کہ بعض ضعیف القلب مومن اور تھوڑی واقفیت والے بھی کوئی ایسا گندہ سوال کر کے خطرہ میں نہ پڑیں۔ اس لئے یہود کو تو کہا کہ نہیں تم لاعلمی کی وجہ سے سوال نہیں کرتے بلکہ تم اپنے رسول سے ایسے سوال کرنے چاہتے ہو جیسے کہ موسیٰؑ کے مخالفوں نے موسیٰؑ سے کئے (جو کہ انجام کار ان کی ہلاکت اور تباہی کا موجب ہوئے۔ تو اس میں یہ بتایا کہ تمہارے سوال بھی تمہاری ہلاکت اور تباہی کے ویسے ہی موجب ہوں گے) اور مومنوں کو فرمایا کہ تم اپنی حد کے اندر نہیں رہتے بلکہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے ایسے سوال کرو جیسے کہ پہلے موسیٰؑ سے کئے گئے ہیں۔ یعنی جس طرح موسیٰؑ کی قوم نے کفار سے متاثر ہو کر بت بنانے یا اللہ کو سامنے دکھانے کا سوال کر کے اپنے آپ کو مورد عتاب الٰہی بنایا تھا کیا تم بھی ایسا کرنا چاہتے ہو؟

اس آیت کے سمجھنے میں مفسرین کو دقت:

وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ الخ یہود کے لیے تو تبدیل یہ ہے کہ حق کھل چکا ہے جیسا کہ آگے کی آیت کریمہ میں آتا ہے کہ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ (البقرۃ:110) (بعد اس کے کہ یہود کے لئے حق پورا پورا کھل چکا ہے) تو اب ایمان کو نہ اختیار کریں اور کفر پر جم جائیں۔ اور مومنوں کے لئے وہ یہ ہے کہ مَعَاذَ اللهِ مِنْهُ ایمان کو چھوڑ کر کافر ہو جاویں۔ مفسرین نے یہاں پر ایک دقت لکھی ہے وہ یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ شرط ہے اور فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ جزاء ہے۔ اور ظاہر ہے کہ شرط جب واقع ہو جاتی ہے تو اس کے بعد جزاء واقع ہوا کرتی ہے اور یہاں پر لفظ اور واقعہ کے لحاظ سے اس کا اُلٹ ہے۔ اس لئے يَتَبَدَّلُ زمانۂ حال یا آئندہ پر دلالت کرتا ہے اور ضَلَّ گزشتہ زمانہ پر دال ہے۔ اور واقعہ میں بھی سیدھے راستہ کا بھولنا پہلے ہوتا ہے اور کفر کو ایمان پر اختیار کرنا بعد میں ہوتا ہے اور باوجود اس کے پھر پہلے مَنْ شرطیہ لایا ہوا ہے قَدْ ضَلَّ پر فَا جزائیہ لائی ہوئی جو کہ ان کو شرط اور جزاء بتاتے ہیں۔

مفسرین نے تو عام طور پر اس کا یہ جواب دیا ہے کہ قَدْ ضَلَّ اور فَا کے درمیان اس قدر عبارت مقدر ہے کہ السَّبَبُ فِيْهِ اَنَّهُ اور معنے یہ ہوئے کہ اگر کوئی کفر کو ایمان سے بدلے گا تو اس کا سبب یہ ہو گا کہ وہ پہلے سے سیدھی راہ بھول گیا ہوا ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ زبان عرب کی کمی واقفیت کے باعث یہ جواب دیا گیا ہے اور اصل بات یہ ہے کہ قواعد کلیہ یا چیزوں کی جو تعریفیں ہوا کرتی ہیں ان میں کوئی خاص زمانہ نہیں ہوتا۔ اور اگر کسی خاص زمانہ پر دلالت کرنے والا لفظ آ بھی جائے تو قواعد زبان کے مطابق وہ زمانہ سے خالی ہوتا ہے۔ پس یہاں پر نہ يَتَبَدَّلُ کسی خاص زمانہ پر دال ہے اور نہ قَدْ ضَلَّ۔ ہاں شرط میں لفظ مستقبل اس لئے رکھا ہے کہ قرآن کے مخاطبوں نے تو آئندہ ہی ایسا کرنا ہوا۔ اور جزاء میں لفظ ماضی اس لئے رکھا ہے تاکہ مخاطبوں کی نظر میں وہ پہلے لوگ بطور نظیر کے آ جاویں جو ایسا کرنے کے باعث سیدھی راہ سے بہکے تھے۔

دوم یہ غلطی اس لئے بھی مفسرین سے ہوئی ہے کہ یہ لوگ ہدایت اور راستہ پر چلنے یا

بھولنے سے دینی ہی راستہ ہمیشہ لیا کرتے ہیں اور حقیقت میں ایسا نہیں بلکہ اس سے سب کامیابیوں کی راہ پر چلنا وغیرہ مراد ہوتا ہے۔ پس یہاں پر یہ معنے ہوئے کہ جو کفر کو ایمان سے بدلتا ہے تو وہ سب کامیابیوں کی راہوں سے بہک جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بھولنا اور بہکنا کفر کے بعد ہی ہے۔

حق کھلنے کے بعد کفر کرنے والے ضرور بہک جاتے ہیں:

خلاصۂ مطلب یہ ہوا کہ جب حق کھل گیا اور باوجود اس کے یہود اپنی شرارت سے بھرے سوالوں میں حد سے بڑھتے گئے اور ان کے منشاء کے مطابق ضعیف القلب اہل اسلام کے دلوں پر بعض ایسے گندے سوالوں کی تحریک ہونے لگی۔ تو خداوند کریم نے پہلے تو یہود کو فرمایا کہ کیا تم باز نہیں آتے اور اپنے رسول سے ویسے سوال کرتے ہو جیسے کہ موسیٰؑ سے فرعون وغیرہ نے کئے تھے۔ پس یاد رکھو ان سوالوں نے جو ثمرہ فرعون وغیرہ کو دیا ہے وہی ثمرہ مثیل موسیٰؑ پر سوال کرنے والوں کو بھی ہم دیں گے۔ اور یہ بھی یاد رکھو کہ حق کھلنے کے بعد پھر بھی جو ایمان نہیں لاتے اور کفر پر جم جاتے ہیں وہ پہلے انبیاءؑ کے مخالفوں کی مانند کامیابیوں کی راہوں سے ضرور بہک جاتے ہیں۔ اور ضرور ہی نامراد ہلاک اور تباہ ہوا کرتے ہیں اور جن اہل اسلام کے دلوں میں کچھ ایسے سوالوں کی تحریک ہوئی تھی ساتھ ہی ان کو بھی فرمادیا کہ کیا تم بھی قوم موسیٰؑ کی مانند اپنے رسول سے سوال کرنے چاہتے ہو۔ اور یاد رکھو اگر ایسا کروگے تو اسی عتاب الٰہی کے نیچے تم بھی آجاؤ گے۔ جس کے نیچے قوم موسیٰؑ آئی تھی۔ اور پھر فرمایا کہ تمہیں ایسے سوالوں سے کیا تعلق؟ وہ تو شریر یہود اسی غرض سے کرتے ہیں کہ تم ایمان کو چھوڑ کر کفر اختیار کرو لیکن تم جانتے ہو کہ جس طرح پہلے کافر کامیابیوں کی سیدھی راہ سے بہکے ہیں اسی طرح اب بھی جو کفر اختیار کرے گا وہ بھی بہک جاوے گا۔

آیت 110 تا 111: وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔

تشریح الفاظ:

لَوْ۔ کبھی مصدر یہ ہوتا ہے جیسے کہ اَنْ اور مَا مصدر یہ آتے ہیں تو ان کا یہ کام ہوتا ہے کہ جو فعل ان کے بعد آتا ہے اس کو بمعنے مصدر بنا دیتے ہیں اور کبھی یہ لَوْ بمعنے لَیْتَ یعنی تمنا اور آرزو کیلئے آتا ہے۔ اور ایسے مقاموں میں جو اس کو شرطیہ بناتے ہیں وہ جزاء مقدر نکالتے ہیں۔ اور وہ عموماً لَکَانَ خَیْرًا (بہت عمدہ ہوتا) وغیرہ کی مانند نکال لی جاتی ہے۔

تَبَیَّنَ۔ تَبَیُّنٌ سے ہے، جس کے معنے بہت کھلنے اور واضح ہونے کے ہیں۔

اُعْفُوْا۔ عَفْوٌ سے ہے، جس کے اصل معنے مٹانے کے ہیں اور گناہ معاف کرنے کو بھی اسی وجہ سے عَفْوٌ کہتے ہیں کہ اس سے بھی اس ناراضگی اور رنج کو مٹایا جاتا ہے جو کہ قصور کے باعث ہو گئی تھی۔

اور اِصْفَحُوْا۔ صَفْحٌ سے ہے، جس کے معنے پہلو پھیرنے کے ہیں اور درگزر کو اسی وجہ سے صَفْحٌ کہتے ہیں کہ پہلے تو قصور کے باعث درپے انتقام تھا اور درگزر سے گویا اس سے رُخ اور پہلو پھیر لیا ہے۔

اَمْرٌ بمعنے حکم اور چیز کے آتا ہے۔

اور شَیْءٌ بمعنے چاہی ہوئی بات اور مطلق چیز کے آتا ہے۔

تُقَدِّمُوْا۔ تَقْدِیْمٌ سے ہے، آگے اور پیش کرنے کے معنے دیتا ہے۔

تَجِدُوْا۔ وِجْدَانٌ سے ہے، جس کے معنے پانے کے ہیں۔

بَصِیْرٌ۔ بَصَرٌ اور بَصَارَۃٌ سے ہے، جس کے معنے دیکھنے اور جاننے کے ہیں۔

ترجمہ:

بہت سے اہل کتاب نے اپنے آپ کے حسد کے سبب سے چاہا ہے کہ تم کو تمہارے ایمان لانے کے بعد کافر بنادیں (یا کاش کہ الخ یا اگر تم کو تمہارے ایمان کے بعد کافر بنا دیتے تو کیا ہی عمدہ ہوتا) اس کے بعد کہ ان کے لئے یہ حق پورا پورا کھل چکا ہے۔ سو تم عفو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے۔ یقیناً اللہ ہر ایک چاہے ہوئے امر پر قدرت رکھنے والا ہے۔ اور صلوٰۃ کو کھڑی کرو اور زکوٰۃ دو۔ اور جس کسی بھلائی کو تم اپنے آپ کے لئے پیش کرو گے اس کو اللہ کے پاس پاؤ گے۔ بے شک اللہ ان کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے جن کو تم کرتے ہو۔

تفسیر:

جب پہلی آیتوں میں اشارۃً یہ بات مذکور ہوئی کہ یہود کا ان سوالوں سے ایک یہ منشاء بھی ہے کہ ان سے تمہارے دلوں میں خدشے ڈالیں اور رفتہ رفتہ تم کو کفر پر لے آویں۔ لہٰذا تم ان کے سوالوں سے متاثر ہو کر ایسے سوال مت کرو جیسے کہ موسیٰ سے کئے گئے تھے تو اب ان آیتوں میں پہلے تو کھول کر بیان فرمایا ہے کہ اہل کتاب ہونا اس بات کو چاہتا تھا کہ وہ حق پر شُھَدَاءُ لِلنَّاسِ[1] ہوتے لیکن ان میں سے اکثر ایسے ہیں کہ ابتداءً حق کو ماننا تو درکنار حق پورا پورا کھل بھی گیا تب بھی انہوں نے اس کو تسلیم نہ کیا اور پھر اپنے نہ ماننے ہی پر بس نہ کی بلکہ یہ بھی چاہا کہ جو تم لوگ ایمان لائے ہوئے ہو تم کو بھی ایمان سے پھیر کر کافر بنادیں۔ اور یہ چاہنا بھی کسی اور وجہ سے نہیں بلکہ محض اس حسد کے باعث ہے جو کہ ان کے جی میں خود بخود پیدا ہو گیا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ جن پکے مومنوں کے کافر بنانے کی کوئی ایسی ایسی گہری تدبیریں کرے گا تو علم ہونے پر ضرور ان مومنوں کو سخت رنج گزرے گا۔ اور ہر ایک جائز کوشش سے کوشش کریں گے کہ اس کو سزا دیں کیونکہ اس نے ان کی حقیقی زندگی تباہ کرنی چاہی ہے۔ لہٰذا خدائے علیم و حکیم نے اس کے بعد مومنوں کو فرما دیا کہ تم اس وقت تک ان کو عفو کرتے رہو اور ان کی سزاء سے درگزر کرتے رہو کہ اللہ اپنا حکم نازل

[1]۔ لوگوں کے لئے گواہ۔ (از مرتب)

کر دے۔ یعنی تم خود سزا نہ دو اور خدا کے لئے درگزر کرو تا کہ وہ وقت آجائے کہ اللہ خود ان کو سزا دے خواہ اپنے طرف سے کوئی عذاب نازل کر دے یا تمہارے ہاتھوں سے ان کو سزا دے۔ اور اس کی یہ وجہ بتائی کہ تم قادر مطلق نہیں کہ جو چاہو گے وہ ہو بھی جائے پر اللہ قادر مطلق ہے جو امر وہ چاہتا ہے اس کو وہ کر بھی لیتا ہے۔

مصیبتوں کے علاج کا گُر:

اور پھر اس کے بعد مومنوں کو وہ گُر بتایا ہے جس سے ہر ایک مصیبت کا علاج ہو سکتا ہے۔ اور سب تکلیفیں دُور ہو سکتی ہیں اور جس سے قادر مطلق خدا انسان کا محافظ و مددگار بن کر اس کی مدد کرتا اور اس کے دشمنوں کو مغلوب اور ذلیل کرتا ہے۔ اور وہ گُر یہ بتایا کہ نماز اور دعا کا پہرہ قائم کرو اور اللہ کی راہ میں اس کے بتائے ہوئے طریق سے کچھ خرچ کرتے رہو۔ اور پھر بتایا کہ ان کے علاوہ اور بھی ہر ایک قسم کی بھلائی کرتے رہو۔ اور پھر اس کی وجہ بیان فرمائی کہ جو کچھ بھلائی تم اللہ کے آگے پیش کرو گے اُس کا فائدہ تمہارے ہی لئے ہے اور علاوہ اور فوائد کے اللہ کو پاؤ گے۔ اور اس کی طرف سے ان سب بھلائیوں کو پاؤ گے۔

اللہ تمہارے کاموں کو دیکھنے والا ہے:

اس کے بعد اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ (بیشک اللہ ان کاموں کو دیکھنے والا ہے) ایک تو ان کو یہ بتایا کہ چونکہ وہ تمہارے کاموں کو دیکھنے والا ہے لہٰذا کوئی ان میں سے ضائع نہ ہونے پائے گا۔

دوم ان کو وہ احسان بتایا جو کہ سب بھلائیوں کی روح ہے۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ ”احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی اس طور پر پرستش کرو کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور اگر ایسا نہ ہو تو کم از کم اس قدر تو ہو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔“

(صحیح البخاری کتاب الایمان باب سؤال جبریل النبی ﷺ عن الایمان... حدیث نمبر 50)

پس چونکہ پہلا طریق خواص کا ہے اور خاص ہے اور دوسرا عام قانون کی طرح ہے جس کو ہر ایک کر سکتا ہے۔ لہٰذا اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ فرما کر ان کو احسان کی تعلیم دی۔

ان آیات کی تفسیر میں لکھا ہے کہ فَاعْفُوْا الخ کی بجائے فَاصْبِرُوْا کیوں نہیں فرمایا حالانکہ اس وقت اہل اسلام کا ضعف اور مخالفوں کی تکلیف دہی صبر کے ارشاد کو چاہتی ہے نہ عفو اور درگزر کو۔ تو اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ موجودہ عبارت میں علاوہ صبر کی تعلیم کے اس بات کا اشارہ ہے کہ آئندہ تمہاری طاقت ترقی پکڑتی جائے گی یہاں تک کہ تم ان کو مواخذہ بھی کر سکو گے۔ لیکن باوجود اس کے تمہیں درگزر ہی کرنی چاہیئے یہاں تک کہ پھر وہ وقت آجائے گا کہ اللہ خود ہی کوئی امر تمہاری نصرت اور ان کی تباہی کے لئے لائے گا۔ اور تب وہ یا خود ان کو سزا دے گا یا تمہارے ہاتھوں سے ان کو سزا دلوائے گا۔ غرض کہ آئندہ کی طاقت اور حکم اور غلبہ کی پیشین گوئی کے لیے یہ عبارت اختیار کی گئی ہے جیسا کہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کا لانا اس پر دال ہے۔

آیت 112 تا 113: وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔

تشریح الفاظ:

هُوْدٌ کے لفظ میں تین قول ہیں کچھ کہتے ہیں کہ یہ هَادٌ کی جمع ہے جس کے معنے ہیں یہودی بننے والے لوگ۔ اور بعض کہتے ہیں کہ هُوْدٌ مصدر ہے جس کے معنے یہودی بننے کے ہیں واحد اور جمع سب میں یہ مساوی ہے۔ اور بعض کا خیال ہے کہ یہ یہود کا مخفف ہے۔ اور جمع والے قول کو عموماً پسند کیا گیا ہے جیسا کہ لفظ نَصَارٰی جمع ہے۔ اور مَنْ کے لفظ کے لحاظ سے کَانَ مفرد رکھا گیا ہے اور مَنْ کے معنے چونکہ جمع کے ہیں تو ان کی مناسبت سے هُوْدٌ اور نَصَارٰی کو جمع رکھا گیا۔ اور زبان عرب میں عموماً اور قرآن مجید میں خصوصاً مَنْ کے لفظ اور معنے دونوں کی رعایت ایک ہی فقرہ میں کی جاتی ہے۔

اور پہلے بتا چکا ہوں کہ اَمَانِیُّ۔ اُمْنِیَّةٌ کی جمع ہے اور اس کے معنے آرزو، جھوٹی آرزو اور جھوٹ اور باطل کے آتے ہیں۔

هَاتُوْا کو بعض نے اسم فعل بمعنے لانے کے لکھا ہے لیکن یہ غلط ہے بلکہ یہ فعل امر ہے مُهَاتَاةٌ جس کے معنے لانے کے ہیں جیسا کہ ابو حیان نے لکھا ہے۔

بُرْهَانٌ یا بَرَهٌ سے ہے جو بمعنے کاٹنے کے ہے تب یہ فُعْلَانٌ کے وزن پر ہو گا اور نون زائد ہو گا اور یا بُرْهَنَةٌ سے ہے جس کے معنے بیان اور ظاہر کرنے کے ہیں تب یہ فُعْلَلٌ کے وزن پر ہو گا اور نون اصلی ہو گا۔ اور عام طور پر بُرْهَانٌ اُس دلیل کو کہتے ہیں جو کہ صحت دعویٰ پر پیش کی جائے کیونکہ وہ شک و شبہ کو کاٹ دینے والی اور دعویٰ کے ثبوت کو کھول دینے والی ہوتی ہے۔

اور بَلٰی نفی کے سوال کے بعد اس کے اثبات کے لیے آیا کرتا ہے اور اس کے معنے ہاں

کے ہوتے ہیں جیسا قرآن مجید کے دوسرے مقام پر آیا ہے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (الاعراف:173) (کیا میں تمہارا رب نہیں) قَالُوْا بَلٰی (الاعراف:173)(انہوں نے کہا ہاں یعنی بے شک تو ہمارا رب ہے۔)

اَسْلَمَ۔ اِسْلَامٌ سے ہے جس کے معنے حوالہ کرنے اور خاص کرنے کے ہیں اور بمعنے فرمانبردار ہونے اور قصد کرنے کے بھی آتا ہے۔

وَجْہٌ منہ اور توجہ کو کہتے ہیں اور کبھی وَجْہٌ بول کر کل چیز مراد لے لیتے ہیں۔

مُحْسِنٌ۔ اِحْسَانٌ سے ہے جس کے معنے ابھی بیان کر آیا ہوں کہ نبی کریمؐ نے خود بیان فرما دیئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ایسے طور پر پرستش کرنی کہ گویا انسان اُس کو دیکھ رہا ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو کم از کم اس قدر ہو کہ اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

(صحیح البخاری کتاب الایمان باب سؤال جبریل النبی ﷺ عن الایمان... حدیث نمبر 50)

خَوْفٌ اور حُزْنٌ کے معنے پہلے گزر چکے ہیں اور جو ان دونوں میں لوگوں نے فرق بیان کیا ہے وہ بھی بیان ہو چکا ہے۔

ترجمہ:

اور انہوں نے کہا کہ جنت میں کوئی بھی داخل نہ ہو گا سوائے ان کے جو یہودی ہوئے یا نصرانی۔ یہ ان کی آرزوئیں (یا جھوٹ) ہیں۔ کہو تم اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔ ہاں جس نے اس حال میں اپنی توجہ اللہ ہی کے لئے سونپ دی کہ وہ مخلص ہو سو اسی کے لئے اس کے رب کے پاس ثواب (بدلہ مزدوری) ہے اور نہ (حقیقت میں) ان پر کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ وہ خود کڑھا کرتے ہیں۔

تفسیر:

چونکہ ان کی حسد کی وجہ بیان کرنے کے بعد پہلے اشارۃً یہ بتایا گیا تھا کہ اسی قدر نہیں کہ اس بے وجہ حسد کے باعث خود ہی گمراہ ہوئے ہیں بلکہ اس کی وجہ سے لوگوں کے سامنے ایسے ایسے اعتراض اور سوال کرتے ہیں جن سے تم لوگوں کو گمراہ کریں اور ان گندے سوالوں سے تم لوگوں کو ہلاک کریں اور پھر بعد ازاں صراحۃً بتایا کہ ان کو اہل کتاب سمجھ کر

دھوکہ میں مت آؤ۔ ان میں سے بہت سے لوگوں نے محض اس از خود پیدا شدہ حسد کیلئے چاہا ہے کہ ایمان کے بعد تم کو کافر بنادیں۔ تو ان آیات میں پہلے خداوند کریم نے ان کے گمراہ کرنے کی چالوں میں سے بطور نمونہ اور مثال کے ایک واقعہ اوران کی ایک چال بیان کی ہے اور بعد ازاں ان کی ایسی چالوں سے بچنے کی تدبیر بتائی ہے۔ اور وہ مثال یہ بتائی ہے کہ یہ لوگ جانتے ہیں کہ مومن لوگ محض خدا کی رضامندی اوراس کی خوشنودی کے مقام کے لئے ایمان لائے ہوئے ہیں۔

پس یہ اسی دھوکہ سے ایمان سے پھر سکتے ہیں کہ ان کو یہ بتایا جائے کہ خداوند تعالیٰ کی خوشنودی کا مقام تو کسی اور مذہب والے کو ہر گز حاصل ہو سکتا ہی نہیں وہ تو بالخصوص ہمارے ہی مذہب والوں کیلئے مخصوص کیا گیا ہے۔ پس اگر اہل کتاب کے فرقوں میں سے وہ دھوکہ دینے والے یہودی ہوئے تب وہ کہہ دیتے ہیں کہ جنت میں تو سوائے یہود کے دوسرا کوئی بھی یقیناً داخل نہ ہو گا۔ اور اگر وہ عیسائی ہوئے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ جنت میں تو سوائے نصاریٰ کے یقیناً کوئی بھی داخل نہ ہو گا۔ اور یہ محض اس لئے کہتے ہیں کہ یہ لوگ جنت کے لئے محمدؐ کے ساتھ ہوئے ہیں۔ تو جب ان کو یہ بتایا گیا کہ اسلام وغیرہ مذاہب میں تو جنت ملتی نہیں بلکہ وہ تو خاص یہودی یا نصرانی ہونے سے ملتی ہے تو یہ لوگ اسلام سے واپس ہو کر یہود بن جائیں گے یا نصرانی ہو جائیں گے۔

مفسرین کی آراء:

مفسرین نے لکھا ہے کہ ایسا نہیں کہ اہل کتاب میں سے ہر ایک یہ کہنے والا اِلَّا مَنۡ کَانَ ہُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰی اسی طرح تردید کے ساتھ کہہ دیا کرتا تھا کیونکہ وہ کہنے والے یا یہود ہوں گے یا نصرانی۔ اور ہر ایک دوسرے کو گمراہ کہتا ہے جیسا آگے آتا ہے۔ پس اَوۡ کا لفظ یہاں پر تردید کے لئے نہیں بلکہ تقسیم کے لئے ہے۔ اور معنے یہ ہیں کہ اہل کتاب سے یہود تو کہتے ہیں کہ جنت میں بجز یہود کے اور کوئی بھی داخل نہ ہو گا خواہ وہ مسلم ہو یا نصرانی ہو۔ اور نصرانی کہتے ہیں کہ جنت میں بجز نصاریٰ کے اور کوئی بھی داخل نہ ہو گا خواہ وہ مسلم ہو یا یہودی اور صابی ہو۔ اور ایسے دھوکوں سے بچنے کا جو گُر اور طریقہ بتایا ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ

جو وہ ایسی باتیں پیش کیا کرتے ہیں وہ یقیناً جھوٹ اور دل بہلانے والی آرزوؤں کی قسم سے ہوتی ہیں لہٰذا ایسی باتیں سنتے ہی ان کو جھوٹ یقین کر لو۔

اور جس طرح تم کو جب اسلام نے یہ کہا تھا کہ میری اتباع سے تمہیں جنت ملے گی تو اس کے براہین اور نشانات بھی تم کو دیئے تھے۔ پس اسی طرح جب یہ لوگ اس کی نفی کر کے یہ کہتے ہیں کہ خاص یہودی ہی بننے یا نصرانی ہی ہونے سے جنت ملتی ہے تو تم سب سے پہلے ان سے برہان مانگو اور صاف کہہ دو کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو دلیل لاؤ۔ اور چونکہ ان کے پاس دلیل تو کوئی ہوتی نہیں اس لئے وہ آئندہ ایسی باتیں پیش کرنے سے رُکیں گے اور تمہارے گمراہ بنانے سے ناامید ہوں گے اور تم پر ان کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائے گا۔

مفسرین کی ایک مشکل اور اس کا حل:

یہاں پر مفسرین نے ایک مشکل بیان کی ہے اور وہ یہ ہے کہ جس طرح مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی میں كَانَ مفرد اور هُوْدٌ اور نَصَارٰی جمع ہیں اسی طرح تِلْكَ جو واحد کا اشارہ ہے اور وہ ان کے مذکورہ قول کی طرف ہے جو کہ لَنْ يَّدْخُلَ الخ کے ساتھ بیان ہوا ہے اور ایک واقعہ ہونے کے باعث مفرد ہے اور اَمَانِيُّهُمْ جو اس کی خبر ہے وہ جمع ہے اور ظاہر ہے کہ ایک بات تو بہت سی آرزوئیں یا بہت سے جھوٹ نہیں ہو سکتی لیکن مَنْ كَانَ الخ میں تو چونکہ مَنْ کا لفظ تھا جو کہ مفرد ہے اور معنے اس کے جمع کے ہیں۔ لہٰذا اس میں تو یہ وجہ درست کرنے والی ہو گی کہ كَانَ کو باعتبار لفظ مَنْ کے مفرد لایا گیا ہے۔ اور هُوْدٌ اور نَصَارٰی کو بلحاظ مَنْ کے معنوں کے جمع لایا گیا ہے لیکن یہاں پر ایسی کوئی وجہ بھی نہیں پائی جاتی۔ تو اس کا جواب بعض نے یہ دیا ہے کہ تِلْكَ کے ساتھ جیسا ایک بات کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے ایسا ہی اس کے ساتھ ایک جماعت کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے۔

ایک جماعت اور ان کی تین باتوں کا ذکر:

اور یہاں پر بھی ایک جماعت کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ اس کے ساتھ ان کی تین باتوں کی طرف اشارہ ہے۔

(1) ان کا یہ چاہنا کہ اہل اسلام پر اپنے رب کی طرف سے کوئی خیر و برکت نازل نہ ہو۔

(2)ان کا یہ چاہنا کہ ایمان کے بعد تم کو کافر بنادیں۔

(3)ان کا یہ کہنا کہ یہود یا نصاریٰ کے سوا کوئی بھی جنت میں داخل نہ ہو گا۔

پس یہ تین باتیں ہیں اور ہر ایک قسم امانی کاذبہ سے ہیں کیونکہ نہ ان کے چاہنے سے خداوند کریم کا فضل تم سے رُک سکتا ہے اور نہ ان کے چاہنے سے کافر بن سکتے ہو اور نہ ان کے کہنے سے اور لوگ جنت سے محروم ہوسکتے ہیں اور نہ ان کے کہنے سے وہ خود جنت کے حق دار ٹھہر سکتے ہیں۔ اور بعض نے تِلْكَ کا اشارہ تولَنْ يَّدْخُلَ الخ کی طرف ہی کیا ہے پر چونکہ اس کے کہنے والے بہت ہیں اس لئے وہ بہت ہو گئی ہیں۔

پر اصل بات یہی ہے کہ عربی زبان میں بہت دفعہ ایک چیز مذکور ہوتی ہے اور چونکہ حقیقت میں وہ بہت سی چیزوں پر مشتمل ہوتی ہے یا وہ بعینہٖ مقصود نہیں ہوتی بلکہ مراد اس جیسی چیزیں ہوتی ہیں۔ لہٰذا باوجود ایک ہونے کے بہت چیزیں قرار دے دیتے ہیں اور یہاں پر دونوں باتیں ہو سکتی ہیں کیونکہ ایسی باتیں ان کی اور بھی بہت سی ہیں۔ اور نیز ان کی یہ ایک بات بھی بہت سی باتوں پر مشتمل ہے مثلاً ایک تو یہ امنیہ ہے کہ ہمارے سوا اور کوئی بھی داخل نہ ہو گا۔

دوم یہ کہ ہم ضرور داخل ہوں گے۔

سوم یہ کہ ایسا کہنے سے ان کو ہم ایمان سے مرتد کر کے اپنے طریق پر لے آویں گے۔ اس گُر کے بتانے کے بعد فرمایا کہ ایسی جھوٹی باتوں کی یہ علامت ہوتی ہے کہ کھلے کھلے حق کے خلاف ہوتی ہیں۔ چنانچہ انہوں نے جو نفی کی ہے کہ اور کسی کے لئے جنت میں داخل ہونا نصیب نہیں اس کھلی صداقت کے خلاف ہے کہ جنت تو اللہ کریم کی طرف سے اجر قرار دیا گیا ہے اور اجر بھی اس کا ہے کہ الٰہی احکام کی اخلاص کے ساتھ اتباع کی جائے خواہ وہ کرنے والا کسی قوم کا ہو یا ان احکام کا کوئی نام رکھا جائے۔

دنیا کی جنت اور آخرت کی جنت:

اور یہ ایسا پختہ قاعدہ ہے کہ یہ نہیں کہ اس کی صداقت دنیا پر ظاہر نہ ہو اور آئندہ ہی پر رکھا جائے کیونکہ جو لوگ ایسے ہوتے ہیں ان کو جس طرح آخرت میں جنت ملے گی اسی

طرح ان کو دنیا میں بھی جنت نصیب کی جاتی ہے تا کہ یہ جنت اخروی جنت کا ثبوت اور نشان ٹھہرے۔ اور جس طرح اخروی جنت کا اجمالی بیان یہ ہے کہ جنتیوں پر نہ کسی قسم کا خوف و خطرہ ہو گا اور نہ کسی قسم کا کُڑھنا ان کو دامنگیر ہو گا۔ اسی طرح ان کی دنیوی جنت کا خلاصۂ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں بھی ان کے خوف ایسے امن سے بدل جاتے ہیں گویا ان پر کوئی خوف آیا ہی نہیں۔ اور نہ ان کے لئے کچھ ایسے دُکھ ہوتے ہیں کہ جن کے باعث سے وہ اندر ہی اندر کُڑھتے رہیں۔

پس ایسے لوگوں کے لئے اجر ملنے کے کھلے کھلے قاعدہ کو تو بَلٰی مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ فَلَهٗۤ اَجۡرُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ کے ساتھ بیان فرما کر اس قول کو ردّ فرمایا کہ یہود یا نصاریٰ کے غیروں کو جنت نہ ملے گی۔ اور دنیوی جنت کے ساتھ اخروی جنت کے ثبوت کے وابستہ ہونے کو وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ کے ساتھ بیان فرما کر ان کے اس قول کو ردّ فرمایا ہے کہ یہود یا نصاریٰ کے لئے جنت ہے۔ یعنی اگر ان کے لئے جنت ہوتی تو ضرور دنیا میں بھی وہ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ کے ایسے ہی مصداق ہوتے جیسے کہ ان کے مقابل اہل اسلام ہیں لیکن چونکہ کھلے طور پر ثابت ہے کہ وہ اس کے مصداق بالکل نہیں لہٰذا ان کا اخروی جنت کا دعویٰ بھی باطل ہے۔ نیز جب هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ الخ فرمایا تو اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ ان کی کتابوں میں لَنۡ يَّدۡخُلَ الۡجَنَّةَ الخ ہر گز نہیں آیا ہوا اور اس کے بعد بَلٰی مَنۡ اَسۡلَمَ الخ فرما کر یہ بتایا کہ ہاں ان میں یہ ضرور آیا ہے کہ مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ الخ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قوم کے ساتھ جنت کی خصوصیت نہیں بلکہ ایسے اتباع کے ساتھ ہے جو کہ اہل اسلام میں ہے اور تم میں نہیں۔ اور اہل اسلام میں ہونے اور تمہارے میں نہ ہونے کا بڑا بھاری ثبوت یہ ہے کہ تم دنیا میں لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ الخ کے مصداق نہیں ہو اور وہ ہیں۔

جنّت خاص لوگوں کے لئے ہے:

فَلَهٗۤ اَجۡرُهٗ میں لَهٗ کو اس لئے مقدم کیا ہے تا کہ یہ ثابت ہو کہ خاص ایسے ہی لوگوں کے لئے جنت ہے۔ اور فَلَهٗ کے بعد اَلۡجَنَّةُ لانا چاہیئے تھا جیسا کہ ان کے لَنۡ يَّدۡخُلَ الۡجَنَّةَ الخ کی

تردید کے لئے بَلٰی مَنۡ اَسۡلَمَ الخ کا لانا چاہتا ہے کہ جس چیز کو وہ اپنے لئے خاص کرتے ہیں وہی مَنۡ اَسۡلَمَ الخ کے لئے ثابت اور مخصوص کی جائے۔ لیکن یہاں پر بجائے جنت کے اَجۡرٌ کا لفظ لایا گیا ہے اور وہ بھی ہٗ کی طرف منسوب ہو کر۔ تو یہ اس لئے کیا ہے تا کہ بتایا جائے کہ جنت تو اجر ہے اور اجر اپنے کئے اور اپنی فرمانبرداری پر ملا کرتا ہے تا کہ اس کی معقول وجہ معلوم ہو جائے کہ مَنۡ اَسۡلَمَ الخ کے لئے وہ کیوں ملے گا اور موجودہ یہود کو کیوں نہیں ملے گا۔ اور عِنۡدَ رَبِّہٖ اسی وجہ سے رکھا ہے تا کہ بتائے کہ رب کی ربوبیت تو عام ہے کسی خاص قوم کے ساتھ خاص نہیں۔ پس جو اجر کے قابل اتباع کرے گا وہ اس کا اجر ضرور اُس کو دے گا۔

مومنوں پر ذلیل وتباہ کرنے والے دکھ نہیں آتے:

لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ الخ میں خوف اور حزن کے لئے جدا جدا طرز کی عبارت لائی گئی ہے نہ تو یوں فرمایا کہ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا حُزۡنٌ اور نہ یوں کہ لَا ھُمۡ یَخَافُوۡنَ وَلَا ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ۔ سو اس کی وجہ یہ کہ خوف سے تو وہ دکھ اور مصائب مراد ہیں جو کہ باہر سے انسان پر آکر ابتداءً تو انسان کو ڈراتے ہیں اور اخیر میں اس کو ذلیل و ناکام کرتے ہیں اور حُزۡنٌ سے یہ مراد کہ انسان اپنی ناکامیوں، نامرادیوں اور دُکھوں سے اندر ہی اندر کُڑھتا رہے۔ پس جب خوف سے بیرونی دکھ مراد ہوئے تو ان کے مناسب تو ظاہر ہے کہ یہی چاہیئے کہ ان پر ایسے ذلیل و تباہ کرنے والے دُکھ آتے ہی نہیں اور جب حزن سے اندرونی کُڑھنا مراد ہے تو پھر اس کے مناسب یہی ہے کہ یوں کہا جائے کہ وہ اپنے اندر ہی اندر کُڑھا نہیں کرتے۔ اور موجودہ دونوں عبارتیں انہی معنوں کو ادا کرتی ہیں۔

آیت 114: وَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ لَیْسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَیْءٍ وَّ قَالَتِ النَّصٰرٰی لَیْسَتِ الْیَهُوْدُ عَلٰی شَیْءٍ وَّ هُمْ یَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ۔

تشریح الفاظ:

یَتْلُوْنَ۔ تِلَاوَۃٌ سے ہے، جس کے معنے پڑھنے کے ہیں۔

یَحْكُمُ۔ حُكْمٌ سے ہے، جس کے معنے فیصلہ کرنے اور حکم دینے کے ہوتے ہیں۔

ترجمہ:

اور یہود نے کہا کہ نصاریٰ کسی چیز پر نہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ یہود کسی چیز پر نہیں۔ حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں اسی طرح انہوں نے بھی ان کے کہنے کی مانند کہا جو کہ کچھ نہیں جانتے۔ سو اللہ ہی ان کے درمیان قیامت کے دن اُس میں فیصلہ کرے گا کہ جس میں یہ اختلاف کرتے تھے۔

تفسیر:

چونکہ ان کے گمراہ کرنے کا طریق بیان کرتے ہوئے ضمناً اس بات کا بھی ذکر آیا کہ وہ جنت کی تخصیص کو بیان کر کے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو جنت نصیب نہ ہو گی۔ تو اب خداوند کریم بیان فرماتا ہے کہ ان کا یہ ظلم اور یہ تنگ دلی اور کوتاہ ظرفی اسی حد تک نہیں کہ خاص اہل اسلام یا دور دور کے مذاہب ہی پر ایسا بے جا حملہ اور ظلم کریں۔ اور نہ جنت ہی سے محروم کرنے پر بس کرتے ہیں بلکہ بالکل ناچیز بنا دیتے ہیں۔ چنانچہ بتایا کہ اور مذہبوں کو تو جانے دو یہود بھی اپنے آپ کو توریت کی شریعت کے متبع کہلاتے ہیں اور عیسائی بھی اسی کی اتباع کے مدعی ہیں اور اس کے سوا ان کے پاس اور کوئی حامل شرع کتاب نہیں ہے۔ اور اس توریت میں لکھا ہوا ہے کہ کون جنت میں جائیں گے اور کون نہ جائیں گے اور کن کی اور کس حد تک کسی کی تضلیل وغیرہ کرنی چاہیئے۔ اور کن کی کس حد سے باہر نہ کرنی

چاہیئے اور پھر یہ دونوں گروہ اس توریت کو پڑھتے بھی ہیں لیکن باوجود اس کے یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ تو کسی چیز پر نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی کسی چیز پر نہیں۔

مفسرین نے یہاں پر لکھا ہے کہ ہر ایک فریق کسی نہ کسی چیز پر تو ضرور ہے لہٰذا ان کے کلام کے درست کرنے کے لئے ضروری ہے کہ شَیْءٍ کی صفت مقدر مانی جائے یعنی شَیْءٍ یُّعْتَدُّ بِهٖ (یعنی کسی قابل اعتبار چیز پر نہیں) لیکن اصل بات یہ ہے کہ مقدر نکالنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ وہ شریر تو مبالغہ کے طور پر مطلق نفی کر رہے ہیں ورنہ تو پھر حقیقت میں تو یہ بھی غلط ہے کہ کسی معتد بہ چیز پر نہیں۔

یہاں مشرکین عرب مخاطب ہیں:

اس کے بعد جو خداوند کریم نے یہ فرمایا ہے کہ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ۔ اکثر مفسرین نے اس پر تو اتفاق کیا ہے کہ اَلَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ سے مشرکین عرب مراد ہیں اور بعض نے خاص مشرکین قریش لئے ہیں اور بعض کا قول ہے کہ یہود اور نصاریٰ سے پہلے کی قومیں مراد ہیں جو فنا ہو گئی ہیں لیکن اس کی غرض بیان کرنے سے عموماً پہلو تہی کی گئی ہے۔ جنہوں نے پہلی قومیں لی ہیں ان میں سے بعض نے اس کے لانے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ اگر یہود و نصاریٰ کا یہ قول بے دلیل قابل تسلیم ہے تو پھر ان سے پہلی قومیں بھی ایسا کہتی تھیں۔ تب تو ان کی بات بھی قابل تسلیم ہے اور یہودیت اور نصرانیت کچھ چیز نہیں لیکن ظاہر ہے کہ نہ تو اَلَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ گزشتہ قوموں پر صادق آتا ہے اور نہ یہاں دلیل کے ہونے نہ ہونے کا کچھ ذکر ہے اور نہ اس میں ان کے لَا يَعْلَمُوْنَ ہونے کو کچھ دخل ہے۔

اور جنہوں نے مشرکین عرب یا قریش لئے ہیں ان میں سے بعض نے اس قدر بیان کیا ہے کہ جاہلوں کی بات کو ان کی بات سے اس لئے تشبیہ دی ہے کہ ان کا قول بہت بُرا ہے۔ اس لئے کہ یہ علم والے ہیں اور وہ جاہل ہیں پر ظاہر ہے کہ یہ جاہلوں کی بات کو یہاں پر بیان کرنے کی وجہ نہیں ہے۔

اور بعض کو جب اس کی کوئی وجہ معلوم نہ ہو سکی تو انہوں نے کہہ دیا کہ جس طرح اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا (البقرۃ:276) (بیع سود کی مانند ہے) کی طرح مقلوب تشبیہ ہے یعنی

جس طرح وہاں پر یہ مطلب ہے کہ سود بیع کی مانند ہے اور عبارت اُلٹ اس کے آئی ہے۔ اسی طرح یہاں پر بھی اگرچہ ظاہر عبارت میں یہود اور نصاریٰ کے قول سے جاہلوں کے قول کو تشبیہ دی گئی ہے پر حقیقت میں اس کے اُلٹ جاہلوں کے قول کے ساتھ ان کے قول کی تشبیہ ہے۔

اہل کتاب اور ان کی جاہلیت:

اور خلاصہ معنے یہ ہیں کہ انہوں نے اہل کتاب ہو کر جاہلوں کے مشابہ بات کی ہے اور اس صورت میں غرض ظاہر ہو جاتی ہے کہ اس کو اس لئے ذکر کیا ہے تا کہ اس کے اس قول کو باوجود اہل کتاب کے قول کے جاہلانہ قول قرار دیا جائے۔ پر مشکل یہ ہے کہ تشبیہ کو ظاہر سے اُلٹ دینا بالکل خلاف ظاہر اور بناوٹ ہے۔

میرے خیال میں مفسرین کو ان مشکلات میں دو باتوں نے ڈالا ہے اول یہ کہ انہوں نے یہ خیال کر لیا کہ لَا یَعْلَمُوْنَ تو بجز مشرکین یا گزشتہ بعض اقوام کے اہل کتاب سے تو کوئی ہو سکتا ہی نہیں حالانکہ اسی سورۃ اور اسی پارہ میں اور انہی اہل کتاب کے بیان میں اس سے چند آیات پہلے صاف آیا ہے کہ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ الخ (البقرۃ:79) (اور کچھ اہل کتاب سے اَن پڑھ ہیں وہ کتاب کو نہیں جانتے) اور یہاں پر جن یہود و نصاریٰ کا پہلے قول ذکر کیا گیا ہے ان کی نسبت وَهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ آیا ہے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ اہل علم ہیں تو اب اگر اَلَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ سے ان پڑھ یہود اور عیسائی لئے جائیں نہ کوئی حرج لازم آتی ہے اور نہ یہ مشکلات پیش آتے ہیں اور مطلب یہ ہو جاتا ہے کہ اہل علم نے اوّل تو خلاف علم یہ کہا دوسرا یہ ظلم کیا کہ اَن پڑھوں میں بھی یہ باتیں پھیلا دیں یہاں تک کہ باوجود جاہل ہونے کے وہ بھی انہی کی طرح کہتے جاتے ہیں۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ انہوں نے مشرکین لے کر پھر كَذٰلِكَ کے معنے تشبیہ کے کئے ہیں حالانکہ اس کے بعد مِثْلَ قَوْلِهِمْ بھی آیا ہوا ہے جو کہ تشبیہ کے لئے ہے اور ظاہر ہے کہ ایک جگہ پر ایک ہی تشبیہ کو دو دفعہ ذکر کرنے کی نہ کوئی ضرورت ہے اور نہ وہ مناسب ہے۔ پر باوجود اس کے انہوں نے مکرر تشبیہ کو درست کرنے کی کوشش کی ہے اور

كَذٰلِكَ کے اور معنے نہیں لئے حالانکہ تشبیہ کے علاوہ یہ اور بہت سے معنوں کے لئے آتا ہے جن میں سے ایک دوام اور استمرار بھی ہے۔ تو اگر مشرکین لے کر اس کے معنے دوام و استمرار کے لئے جاویں تو معنے یہ ہو جاویں گے کہ جو نہیں جانتے (جاہل ہیں) وہ ان کی بات کی مانند کہا کرتے تھے۔

پس مطلب یہ ہوا کہ جاہل تو اپنی جہالت کے باعث یہ کہا کرتے تھے کہ فلاں مذہب والے کسی چیز پر نہیں۔ پر اَب یہود اور نصاریٰ جو کہ اَلْكِتَابُ کو پڑھتے ہیں انہوں نے بھی یہ کہہ دیا ہے کہ نصاریٰ کسی شَے پر نہیں۔ اور یہ دونوں معنے جو میں نے لکھے ہیں بالکل صاف اور درست ہیں۔

سیدی و مولائی حضرت خلیفہ المسیحؑ نے فرمایا ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو نکما و بیہودہ و بیکار تجویز کرنا بڑی غلطی ہے نافع ہی چیز زمین میں رہ سکتی ہے۔ یہ جاہلوں نادانوں کا کام ہے علم والوں کو شرم دلائی کہ ایسا نہ کیا کریں۔“ یہ ارشاد دوسرے معنوں کی تائید کرتا ہے۔

قیامت سے مراد مصیبت کا دن:

اس کے بعد فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ۔ (اللہ جو کہ علیم و قدیر ہے وہ خود ان کے درمیان ان امور میں فیصلہ کرے گا کہ جن میں یہ اختلاف کر رہے ہیں) فرما کر ان کو ایسے اقوال کی سزا سے ڈرایا ہے۔ اور يَوْمَ الْقِيٰمَةِ جس طرح آخرت کے دن کو کہتے ہیں اسی طرح موت اور مصیبت کے دن کو بھی کہتے ہیں۔ اور جس طرح ان کا ظلم لَنْ يَّدْخُلَ الخ (البقرۃ:112) میں اشارۃً ذکر ہوا تھا اسی طرح لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ الخ ان کی دنیوی اور اخروی سزا یا بلفظ دیگر ان کے ظلم کا ثبوت اشارۃً مذکور ہوا ہے پھر جس طرح قَالَتِ الْيَهُوْدُ الخ میں ان کے ظلم پر پہلے اشارہ سے زیادہ تنبیہ کی گئی ہے اسی طرح فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ الخ میں ان کی سزا یا ظلم کے ثبوت پر پہلے اشارہ سے زیادہ تنبیہ کی گئی۔ اور اس کے بعد ان کے ظلم کی صاف تصریح ہو گئی لہٰذا ان کی دنیوی اور اخروی سزا یا ظلم کے ثبوت کی بھی پوری پوری تصریح کی جاوے گی۔ چنانچہ فرمایا۔

آیت 115 تا 116: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔

تشریح الفاظ:

مَنْ بمعنے کون استفہام انکاری کے لئے ہے جس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ کون ایسا ہے یعنی کوئی نہیں۔

اَظْلَمُ۔ ظُلْمٌ سے ہے اور اس کے معنے ہیں ظلم تریں اور بڑھ کر ظالم کے۔

مَنَعَ۔ مَنْعٌ سے ہے، جس کے معنے روکنے کے ہیں۔

خَرَابٌ کے معنے غیر آباد اور اجاڑنے کے ہیں۔

خِزْيٌ کے معنے گزر چکے ہیں۔

اَيْنَمَا جہاں کہیں جس طرف۔

تُوَلُّوْا، تَوْلِيَةٌ سے ہے، جس کے معنے پھیرنے کے ہیں۔

ثَمَّ کے معنے ہیں وہاں، ہمیشہ دور کی جگہ کی طرف اشارہ کرنے کے لئے آتا ہے اور جب اس پر مَنْ آتا ہے اس وقت اس کے معنے وجہ اور سبب کے کیا کرتے ہیں۔

وَجْهٌ کے معنے ابھی بیان ہو چکے ہیں۔

وَاسِعٌ، وُسْعَةٌ سے ہے، جس کے معنے فراخی اور قدرت اور قابو رکھنے کے ہیں۔

ترجمہ:

اور کون اُس سے بڑھ کر ظالم ہے جس نے اللہ کی مسجدوں کو اس سے روکا کہ اللہ کا نام ان میں یاد کیا جائے، اور ان کے غیر آباد کرنے میں کوشش کی۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے ان

میں داخل ہونا نہ تھا پر ڈرتے ہوئے۔ ان کے لئے دنیا میں بڑی ذلّت ہے اور ان کے لئے آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے۔ اور اللہ ہی کیلئے مشرق و مغرب ہے۔ پس جس طرف تم منہ پھیرو گے اسی طرف اللہ کی توجہ ہو گی۔ یقیناً اللہ بڑی قدرت (یا فراخی) والا بڑے علم والا ہے۔

تفسیر:

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت طیطوس رومی کے حق میں نازل ہوئی ہے جس نے بیت المقدس کو ایسا خراب کیا تھا کہ پھر حضرت عمرؓ کی خلافت میں جا کر نئے سرے بنایا گیا تھا۔ اور حضرت ابن عباسؓ سے لکھا ہے کہ مشرکین عرب کے حق میں نازل ہوئی ہے پر یہ سب خیال ہیں اور بے وجہ تخصیصیں ہیں۔ اور حق یہ ہے کہ یہاں پر اصالۃً تو اہل کتاب کی نسبت ہے اور دوسرے سب ایسا کرنے والے مشرک وغیرہ بالتبع داخل ہیں۔ پس پہلے تو ان کا یہ بڑا بھاری صریح ظلم ذکر کیا کہ یہ لوگ مَسَاجِدُ اللّٰہِ میں اللہ کے نام یاد کرنے سے دوسرے مذاہب کے لوگوں کو روکتے ہیں اور مسجدوں کو غیر آباد کرتے ہیں۔ یہ ایسا بدترین ظلم ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہو سکتا ہے؟ اور پھر فرمایا کہ کرتے تو یہ ظلم ہیں پر حقیقت میں ان کے لئے یہی حکم تھا اور یہی مناسب تھا کہ اللہ کی مسجدوں میں اللہ سے ڈرتے ڈرتے داخل ہوتے۔

اس کے یہ معنے بھی کئے ہیں کہ پہلے ان پر بھی ایک ایسا وقت گزرا تھا کہ لوگوں سے ڈرتے ڈرتے مسجدوں میں جایا کرتے تھے۔ پر خدا نے وہ خوف کا زمانہ بدل دیا تو اب اپنی اس حالت کو بھول کر خود اوروں کو ان میں اللہ کی عبادت کرنے سے روکنے لگے۔[1] پر عمدہ پہلے ہی معنے ہیں۔ یہاں تک جب ان کے بے جا حسد سے پیدا ہوئی ہوئی طرح طرح کی شرارتیں اور رنگا رنگ کے ظلم کثرت سے بیان ہو گئے۔ اور آخر میں ان کا وہ عظیم الشان ظلم بھی بیان ہو گیا جس سے بڑھ کر کوئی اور ظلم نہیں ہو سکتا تو اب ان کے لئے کھلی کھلی سزا بیان کی کہ اس نزدیک زندگی میں ان کے لئے ذلت ہے اور آئندہ زندگی میں بڑا عذاب۔

[1]۔ اس وقت کے مسلمان بھی اب احمدیوں کو اسی طرح مسجدوں سے روکتے ہیں خدا رحم کرے۔ آمین۔ (حاشیہ از رسالہ تعلیم الاسلام)

اور وہ دنیوی ذلت جیسی کہ سزا ہے ویسی ہی اخروی عذاب کی دلیل ہے۔ لیکن دنیوی ذلت کے متعلق ابھی یہ معلوم نہیں ہوا کہ وہ کس طرح ہو گی۔

خدا تعالیٰ مشرق و مغرب کا مالک ہے اس کے اصل معنے:

تو اس کے بعد وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ الخ فرما کر بتایا کہ وہ ذلت تمہارے (اہل اسلام) کے ہاتھ سے ان کو پہنچائی جائے گی۔ اور وہ ہو گی بھی دنیوی اور جلاوطن وغیرہ ہونے کے ساتھ۔ چونکہ جہاں پر قبلہ کی نسبت اعتراضوں کے جواب دیئے گئے ہیں وہاں پر بھی مشرق و مغرب کا ذکر آیا ہے اور اَیْنَمَا تُوَلُّوْا الخ بھی وہاں پر آیا ہے۔ اس لئے اول کا تو یہ مطلب لکھا ہے کہ جب مشرق و مغرب یعنی روئے زمین اللہ ہی کی ہے لہٰذا وہ جس مقام کو چاہے قبلہ بنا سکتا ہے۔ اور دوم کے دو معنے کئے ہیں اول یہ کہ جس طرف تم نماز کے لئے منہ پھیرو اسی طرف اللہ کی جہت ہے یعنی نماز ہو جاوے گی۔ اور جب ہمیشہ کیلئے یہ حکم ٹھیک نہ تھا تو بعض نے کہا کہ خاص سفر میں سواری پر نفل نماز کے حق میں ہے۔ اور بعض نے کہا کہ یہ اس وقت کے لئے ہے جب قبلہ کا پتہ نہ چلے۔ اور دوم یہ کہ جہاں پر تم نماز پڑھو اور (قبلہ کی طرف) منہ پھیرو پس وہاں پر ہی اللہ کا وَجْهٌ ہے یعنی قبلہ کے سامنے ہونا یا خاص مسجد میں ہونا ضروری نہیں بلکہ جہاں پر نماز پڑھو اور قبلہ کی طرف وہاں پر ہی منہ کر دو تو تمہاری نماز ہو جاوے گی۔

لیکن یہ دونوں معنے نہایت تکلف اور بعید از نظمِ قرآنی ہیں اور ٹھیک اور صاف معنے یہی ہیں کہ یہ لوگ تو تم کو مسجدوں میں بھی اللہ کا نام لینے نہیں دیتے۔ پر خدا جو مشرق و مغرب کا مالک ہے تمہاری ایسی مدد کرے گا کہ مشرق و مغرب سے جس طرف اور جس ملک اور جس شہر اور جس گاؤں کی طرف تم رُخ کرو گے اسی طرف اللہ کا بھی رُخ ہو گا۔ سو چونکہ اللہ بڑی وسعت و قدرت اور بڑے علم والا ہے (جو کہ غلبہ اور فتح کی جڑھ ہیں) اور پھر وہ زمین کا مالک بھی ہے۔ لہٰذا اس کی مدد سے ضرور تم مظفر و منصور ہو گے اور یہ لوگ جو تم کو مسجدوں سے روکا کرتے ہیں بڑی ذلت سے مغلوب ہوں گے۔ اور حضرت خلیفۃ المسیحؑ نے بھی یہی معنے فرمائے ہیں۔ اور پھر اس کا بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کا بھی ایک الہام ایسا ہی ہے اور اس کا یہی مطلب آپ نے بیان فرمایا ہے۔ حتیٰ کہ مخالفوں نے بھی اس کے یہی معنے کئے ہیں۔

آیت 117 تا 118: وَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ۔ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔

تشریح الفاظ:

اِتَّخَذَ۔ اِتِّخَاذٌ سے ہے، بمعنے بنانے کے۔

وَلَدٌ۔ بیٹا۔

سُبْحٰنَ۔ پاک اور منزّہ ہونا۔

قَانِتُوْنَ۔ قَانِتٌ کی جمع ہے اور وہ قُنُوْتٌ سے ہے جس کے معنے فرمانبرداری عبادت دعا کرنے اور کھڑا ہونے کے ہیں۔

بَدِيْعٌ۔ اِبْدَاعٌ سے ہے اور اِبْدَاعٌ بن مادہ کے پیدا کرنے اور عجیب بنانے کو کہتے ہیں اور بَدِيْعٌ بمعنے مُبْدِعٌ (بن مادہ کے پیدا کرنے والا) ہے۔

قَضٰى۔ قَضَاءٌ سے ہے اور یہ بمعنے حکم کرنے، فیصلہ کرنے، ادا کرنے کے ہے۔ اور کبھی بمعنے ارادہ آتا ہے۔

اِنَّمَا کے معنے ہیں سوائے اس کے نہیں یعنی حصر کے معنے دیتا ہے کہ یہی بات ہے اس کے سوا اور نہیں۔

كُنْ اور يَكُوْنُ۔ كَوْنٌ سے ہیں جس کے معنے ہونے کے ہیں۔

ترجمہ:

اور انہوں نے کہا کہ اللہ نے بیٹا بنایا ہے۔ اس کی پاکی (کو یاد کرو) بلکہ اسی کے لئے وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ سب اس کے فرمانبردار ہیں۔ آسمانوں اور زمین کا عجیب بنانے والا ہے۔ اور جب کسی امر کا پختہ ارادہ کرتا ہے سو اس کو کہتا ہی ہے کہ ہو تو وہ ہو جاتا ہے۔

تفسیر:

جب پہلی آیتوں میں یہ ذکر ہوا کہ جاہلوں کی طرح حقوق العباد میں ایسے ظلم کرتے ہیں

جن سے بڑھ کر کوئی ظلم نہیں اور وہ بھی اللہ کی عبادت کے موقعہ پر۔ تو اب بتایا جاتا ہے کہ اللہ کی شان میں بھی جاہلوں کی مانند انہوں نے وہ ظلم کیا ہے جس سے بڑھ کر کوئی ظلم نہیں ہے۔ جیسا کہ اور مقام پر فرمایا ہے کہ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا الخ (الانعام:22) (اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو کہ اللہ پر جھوٹا افتراء کرے الخ) اور پھر فرمایا ہے تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْہُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ ھَدًّا۔ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا (مریم:91-92) (قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین چِر جائے اور پہاڑ ہل کر گر جائیں کہ انہوں نے اللہ کے لئے بیٹا پکارا ہے۔) اور اتخاذِ ولد کا لفظ بظاہر متبنّٰی بنانے پر صادق آتا ہے اگرچہ حقیقی بیٹا لینے پر بولا جا سکتا ہے۔ اور جس طرح جاہلوں میں یہ گندہ اعتقاد تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں اسی طرح نصاریٰ مسیح کو ابن اللہ کہتے ہیں اور یہود کا ایک گروہ عزیر کو ابن اللہ پکارتے ہیں۔ اور اکثر عیسائی اگرچہ مسیح کو ابن کہتے ہیں پر بعض بعض کی مانند ابن اللہ کا اطلاق مسیح پر کرتے ہیں۔ پس اس قول میں یہ تینوں قومیں شریک ہیں۔

مذکورہ تین قوموں کے دلائل کا ردّ:

اس کے بعد خداوند کریم نے ان کے قول کو مختلف دلائل سے ردّ کیا ہے پہلے تو سُبْحٰنَہٗ کے ساتھ اس طور پر رد کیا کہ یہ وصف اللہ کی ذات کے بالکل منافی ہے۔ اس لئے کہ یہ بدیہی بات ہے کہ دنیا بھر میں بیٹا اسی چیز کا ہوتا ہے جو کہ عمر دنیا تک خود قائم نہیں رہ سکتی اور نظام عالم میں وہ دخل رکھتی ہے۔ پس چونکہ وہ خود قائم نہیں رہ سکتی لہٰذا وہ اپنا قائم مقام چاہتی ہے تا کہ اس کے واسطہ سے وہ دنیا میں باقی رہے۔ اور جس قدر بیٹوں والی چیزیں ہمارے تجربہ اور مشاہدہ میں آئی ہیں وہ سب بذاتہٖ فانی اور بیٹے کے ذریعہ سے باقی تا عمر دنیا ہیں۔ جیسے نباتات اور حیوانات اور پھر جو فانی ہو اور کسی عارضہ سے اس کا معتاد بیٹا نہ ہو تو وہ بناوٹی طور پر کسی دوسرے کے بیٹے اور قائم مقام کو اپنا قائم مقام تجویز کر لیتا ہے جس کو لوگ متبنیٰ کہا کرتے ہیں۔ اور جو اشیاء دنیا میں ایسی ہیں کہ عمر دنیا تک وہ بذات خود قائم رہ سکتی ہیں جیسا سورج، زمین اور باقی سیارات اور سمندر وغیرہا ہیں تو چونکہ ان کو قائم مقام کی ضرورت نہیں لہٰذا ان کا کوئی بیٹا بھی نہیں۔ پس یہ بدیہی اور پختہ اٹل قاعدہ اور بیٹے کی فلاسفی اور وجہ

صاف صاف بتاتی اور پکار کر کہتی ہے کہ جن کے لئے بیٹا ہے وہ عمر دنیا سے پہلے فنا ہونے والے اور جن کے لئے متبنّٰی ہے وہ، وہ فانی نامراد ہے جس کو حقیقی قائم مقام بھی اوروں کی مانند حاصل نہیں ہوا۔

اللہ کی ذات بیٹے یا متبنّٰی سے پاک ہے:

پس صاف ثابت ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے لئے ولد تجویز کرتے ہیں وہ اس کو عمر دنیا سے پہلے مرنے والا قرار دیتے ہیں۔ اور جو اس کے لئے متبنیٰ قرار دیتے ہیں اس کو فانی ہونے کے علاوہ نامراد بھی ٹھہراتے ہیں۔

سُبْحٰنَہٗ کے لفظی معنے ہیں اس کا پاک ہونا۔ اور مقام کے مناسب اس کے پہلے فعل مقدر ہوتا ہے۔ اور یہاں پر اُذْکُرُوْا وغیرہ ہے اور اس کا یہ ترجمہ درست نہیں کہ وہ پاک ہے۔ سُبْحٰنَہٗ کے ساتھ مذکورہ بالا تردید کر کے بَلْ لَّہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ الخ کے ساتھ اس دوسرے طریق سے تردید فرمائی کہ دنیا بھر میں باپ کے ذاتی مقتضی ہوتے ہیں یا جو باپ کے ذاتی متصرفات واملاک ہوتے ہیں بیٹا بھی ان میں حق رکھتا ہے۔ لیکن جو کچھ زمین و آسمان میں ہے وہ خالص اللہ ہی کے لئے ہے اور جن کو بیٹا تجویز کیا جاتا ہے۔ ان کے لئے ان میں کچھ دخل وتصرف نہیں اور نہ تھا۔ اور پھر سب اشیاء اسی کی فرمانبردار ہیں پر ان کے قابو میں کوئی نہیں۔ پھر وہی زمین و آسمان کا خالق ہے اور ان کو کوئی دخل نہیں۔ پھر وہ جب کسی امر کا ارادہ کرتا ہے تو مجرد اس کے اس قدر کہنے سے کہ ہو جا وہ امر ہو جاتا ہے۔ اور ان کے چلانے اور زور لگانے سے بھی کچھ نہیں ہوتا۔ جیسی کہ ان کی شاہد زندگی ان باتوں کی شاہد ہے اور فرض کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

اور اِذَا قَضٰٓی اَمْرًا الخ جس طرح ان کے قول کو ردّ کرتا ہے اسی طرح عیسائیوں کے منشائے غلطی کا بھی اظہار کرتا ہے جیسا کہ دوسرے مقامات پر صاف بتایا ہے کہ ان کو مسیحؑ کی پیدائش سے یہ شبہ پیدا ہوا ہے۔ سو اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی طرح مسیحؑ کو کُنْ کے امر سے پیدا کیا ہے اور یہ نہ کوئی نرالی بات ہے اور نہ اس سے کوئی ابنیت یا الوہیت آجاتی ہے اس لئے کہ ہر ایک چیز جس کو وہ ارادہ کرتا ہے اسی طرح اس کو کُنْ کے امر سے پیدا کرتا ہے۔

آیت 119: وَ قَالَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ لَوۡ لَا یُکَلِّمُنَا اللّٰہُ اَوۡ تَاۡتِیۡنَاۤ اٰیَۃٌ ؕ کَذٰلِکَ قَالَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ مِّثۡلَ قَوۡلِہِمۡ ؕ تَشَابَہَتۡ قُلُوۡبُہُمۡ ؕ قَدۡ بَیَّنَّا الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ۔

تشریح الفاظ:

لَوۡلَا کے معنے ہیں کیوں نہیں۔ یہ اُکسانے یا جھڑکنے کیلئے آیا کرتا ہے جیسے ھَلّا اور اَلَّا۔

یُکَلِّمُ۔ تَکۡلِیۡمٌ سے ہے بمعنے کلام کرنے کے۔

کَذٰلِکَ۔ یہاں پر بھی استمرار کے لئے ہے۔

تَشَابَہَتۡ۔ تَشَابُہٌ سے ہے، جس کے معنے آپس میں مشابہ ہونے کے ہیں۔

یُوۡقِنُوۡنَ۔ اِیۡقَانٌ سے بمعنے یقین کرنے کے ہے۔

ترجمہ:

اور جو نہیں جانتے انہوں نے کہا کہ کیوں اللہ ہمارے ساتھ باتیں نہیں کرتا یا کیوں ہمارے پاس کوئی نشان نہیں آتا؟ جو لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں وہ بھی یونہی کہتے رہے ہیں ان کے قول کی مانند ان کے دل ایک دوسرے جیسے ہو گئے ہیں۔ بے شک ہم نے بہت سے نشان کھول دیئے ہیں اُن لوگوں کے لئے جو یقین کرتے ہیں۔

تفسیر:

اگرچہ اکثر مفسرین اسی طرف گئے ہیں کہ یہ مشرکوں کے حق میں نازل ہوئی ہے اور اَلَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ سے وہی مراد ہیں لیکن ابن جریر، امام رازی، علی مہائمی نے یہی پسند کیا ہے کہ اہل کتاب مراد ہیں۔ اور انہی کے بارہ میں یہ نازل ہوئی ہے۔ اور ابن عباس سے بھی یہی مروی ہے کہ رافع بن خزیمہ یہودی نے یہ سوال کیا تھا۔ لیکن میرے نزدیک حق یہ ہے کہ جس طرح اس سے پہلے تین ہی قومیں شریک تھیں اسی طرح یہاں پر بھی تین ہی شریک ہیں۔ اس سے پہلا قول تو شانِ الوہیت پر حملہ تھا اور یہ الوہیت اور نبوت دونوں پر حملہ ہے۔ اور چونکہ باوجود اہل کتاب ہونے کے شانِ الوہیت اور شانِ نبوت کو نہیں سمجھا

اور جاہلوں کی طرح سوال کر دیا ہے۔ لہٰذا ان کو بھی جاہل کہا گیا ہے۔ اور وہ مشترکہ سوال یہ ہے اگر تم رسول اللہ ہو اور خدا تم سے ہمکلام ہوتا ہے تو کیوں خدا ہم سے نہیں بولتا اور کیوں ہمیں نہیں کہہ دیتا کہ یہ میرا رسول ہے یا بولتا نہیں، تو کوئی ایسا نشان دے دیتا جس سے یقین ہو جاتا کہ بے شک تو اس کا بھیجا ہوا ہے۔ چونکہ یہاں پر ان کا قول ان کی جہالت کے اظہار اور مذمت کے لئے مذکور ہوا ہے اس لئے فرمایا کہ پہلے انبیاء کے مخالفوں کو یہ بھی بُرا کہتے ہیں اور ان کی ناکامی اور تباہی کو بھی جانتے ہیں۔ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ انہوں نے بھی ایسا ہی کہا تھا اور ان کو کہا گیا تھا کہ یہ تمہارا متکبرانہ سوال ہے تم کون اور خدا سے ہمکلام ہونا کیا؟ اور آیات کا انکار حق کا انکار ہے اور پھر ایسے ہی سوالوں سے ان پر عذاب بھی آیا اور تباہ ہوئے اور تم یہ جان کر پھر ایسا کہتے ہو۔ پس یاد رکھو تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی کیا جائے گا۔

تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ کے ساتھ اس کی وجہ بتائی ہے کہ باوجود یہ سب کچھ جاننے کے انہوں نے کیوں ایسا سوال کیا ہے؟ جو کہ ان کی ہلاکت کا موجب ہے تو اس کی وجہ بتائی کہ ان کے دل ان پہلوں کے دلوں کے بالکل ہمرنگ ہو گئے ہیں یعنی حسد اور کینہ میں۔ لہٰذا ان سے بھی وہ کچھ ہو رہا ہے جو کہ ان سے ہوا۔ اور وہ کچھ ان کو بھی ملے گا جو کہ اُن کو ملا۔

قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ الخ فرما کر بتایا کہ وہ ایک آیت مانگتے ہیں ہم نے تو بہت سے آیات اور وہ بھی کھول کھول کر بتا دیئے ہیں، پر ان سے فائدہ وہی اُٹھاتے ہیں جو یقین کرنے والے ہوتے ہیں۔

آیت 120: اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ بِالۡحَقِّ بَشِيۡرًا وَّ نَذِيۡرًا وَّ لَا تُسۡـَٔـلُ عَنۡ اَصۡحٰبِ الۡجَحِيۡمِ۔

تشریح الفاظ:

حَقٌّ کے معنے گزر چکے ہیں۔

بَشِیۡرٌ۔ بِشَارَۃٌ سے ہے اور پہلے بتایا گیا ہے کہ بِشَارَۃٌ اُس خبر کو کہتے ہیں جو چہرہ پر اثر کر دے خواہ خوشی کی ہو یا غمی کی لیکن عام استعمال میں اکثر خوشی کی خبر پر بولا کرتے ہیں اور یہاں پر بھی ایسا ہی ہے۔

نَذِیۡرٌ۔ اِنۡذَارٌ سے بمعنے ڈرانے کے ہے۔

جَحِیۡمٌ۔ دوزخ کا نام ہے۔

ترجمہ:

بے شک ہم نے تجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے خوشخبری دینے اور ڈرانے والا اور تُو دوزخیوں سے نہ پوچھا جائے گا۔

تفسیر:

جب قوم کی یہ حالت بیان ہوئی کہ باوجود ہزاروں عظیم الشان نشان دیکھنے کے پھر بھی وہ نشان ہی مانگتی ہے اور گستاخی کی یہ حد کہ اللہ تعالیٰ کی عزت و جلال کا بھی خیال نہیں اور ان کی اس حالت پر پہلی قوموں والی سزا اور عذاب کی دھمکی بھی آ گئی۔ تو اس سے نبی اور خصوصاً رحمۃ للعالمین ؐ کو بہت کچھ رنج ہو سکتا ہے اور آپ کو یا دوسرے کو یہ خیال گزر سکتا ہے کہ تبلیغ کا نقص رہا ہے ورنہ ہدایت ہو جاتی۔ تو خداوند کریم نے بتایا کہ ہم نے تجھ کو حق دے کر بھیجا ہے جو کہ نہ کسی کے روکنے سے رُکتا ہے اور نہ کسی کے مٹانے سے مٹ سکتا ہے اور تجھے بشارت دینے والا بنایا اُن کے لئے جو اس حق کو لیں گے۔ اور ڈرانے والا ان کے لئے جو کہ اس کا مقابلہ کریں گے اور اپنے آپ کو جو خود دوزخی بنا رہے ہیں ان کا کوئی تو داروغہ اور ذمہ وار نہیں کہ ان کے دوزخی بننے کی نسبت تم سے سوال ہو۔

آیت 121 تا 122: وَ لَنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْیَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَی اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰی وَ لَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیْرٍ۔ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖۤ اُولٰٓىِٕكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۔

تشریح الفاظ:

مِلَّۃٌ۔ لغت کے لحاظ سے املاء یا املاء کی ہوئی چیز کو کہتے ہیں اور اب اصول شرائع پر اس کو بولتے ہیں اور اصول باطلہ پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔

یَتْلُوْنَ۔ تِلَاوَۃٌ سے ہے، جس کے معنے پڑھنے کے ہیں۔

خَاسِرُوْنَ۔ خَاسِرٌ کی جمع ہے۔ اور وہ خُسْرَانٌ سے ہے جو بمعنے گھاٹا پانے کے ہے۔

ترجمہ:

اور تجھ سے نہ یہ یہود خوش ہوں گے اور نہ یہ نصاریٰ یہاں تک کہ تو ان کے دین کا تابع ہو جائے۔ تم کہہ دو کہ یقیناً اللہ ہی کی ہدایت کامل ہدایت ہے۔ اور اگر تم ان کی گری ہوئی خواہشوں کے تابع ہو گے اس کامل علم کے بعد جو تمہارے پاس آ چکا ہے۔ تو اللہ کی طرف سے نہ کوئی تمہارا والی ہو گا اور نہ مددگار جن کو ہم نے وہ کتاب (حقیقۃً) دی ہے۔ اور اس کو ایسا پڑھتے ہیں کہ اس کے پڑھنے کا حق ادا کرتے ہیں۔ وہی اس پر ایمان لاتے ہیں (اور لائیں گے) اور جو اس کا انکار کرتے ہیں (یا کریں گے) سو وہی کامل نقصان اُٹھانے والے ہیں۔

تفسیر:

جس طرح پہلے ان کی طرح طرح کی خباثتیں اور شرارتیں اور نافرمانیاں بیان کر کے اخیر

میں اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَکُمْ [1] الخ (البقرۃ:76) فرما کر ان کے ایمان سے ناامید کیا گیا تھا۔ اسی طرح اس کے بعد پہلے ان کے فسق و کفر اور اتباع ہوا اور عہد شکنیوں پر جرأت اور اسلام سے سخت انکار اور اُس پر بے جا حملے اور ان کا سخت کمینہ پن وغیرہا بتایا اور پھر ان سب باتوں کے بعد ان کے ایمان لانے ہی سے ناامید نہیں کیا بلکہ اس سے بڑھ کر یہ بتایا کہ ایمان لانا تو درکنار یہ تم سے خوش بھی نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ تم ایمان اور اسلام پر رہو کیونکہ ان کے حسد کی جڑھ تو ان کے کفر اور تمہارے اسلام ہی سے شروع ہوئی ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے بلکہ حُبِّ جاہ اور تکبر علم کے باعث تب ہی راضی ہوں گے کہ تم ان کے من گھڑت مذہب کے تابع ہو جاؤ۔ اس کے بعد بتایا کہ تم کہہ دو کہ کامل اور حقیقی ہدایت تو اللہ ہی کی ہے۔

سو میں اس کو چھوڑ کر کس طرح دوسری طرف جا سکتا ہوں اور اگر انسان کو اللہ کی طرف سے کوئی ہدایت اور علم نہ ملے تب بھی اس کو لوگوں کی گری خواہشوں کی اتباع نہ کرنی چاہیئے۔ پر ہم کو تو اللہ کی طرف سے کھلا کھلا علم آ چکا ہے اور اس کے بعد تمہاری گری ہوئی خواہشوں کی اتباع کرنے سے تو اللہ کی جانب سے وہ عذاب آئے گا کہ جس سے نہ کوئی بچا سکے گا اور نہ کوئی مددگار اس سے چھوڑائے گا۔

پھر بتایا کہ یہ تو چاہتے ہیں کہ تم ان کے تابع ہو جاؤ پر دیکھو ہم کس طرح ان کی خواہشوں کے اُلٹ کریں گے کہ جو چیدہ لوگ ان میں ہیں (اور یہ وہی اہل علم لوگ ہیں جن کو حقیقی طور پر ہم نے کتاب دی ہے) وہ چونکہ خوف خدا کے ساتھ اتباع کی نیت سے اس کتاب کو پڑھتے ہیں (جس میں تیری اور تیری کتاب کی کھلی کھلی پیشگوئیاں موجود ہیں) اور اس کی باتوں کو مانتے ہیں۔ لہٰذا وہ قرآن مجید اور مذہب حق کو بھی مان لیویں گے۔ ہاں ایک گروہ ان میں سے اس حق کا انکار کر کے اپنی کتاب سے بھی منکر بنے گا۔ سو یہ لوگ ہوں گے جو تمہارے مقابلہ میں ناکام اور سخت گھاٹا پانے والے ٹھہریں گے۔

[1] ۔(اے مسلمانو)! کیا تم امید رکھتے ہو کہ وہ (یہودی) تمہاری بات مان لیں گے۔ (تفسیر صغیر)

تورات پر کامل ایمان لانے والے رسول کریمؐ پر ضرور ایمان لائیں گے:

اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ الخ کے عکرمہ وغیرہ نے یہ معنے بھی کئے ہیں کہ جو آنحضرتؐ کے صحابہؓ ہیں وہ قرآن کو پڑھتے اور قرآن پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جو قرآن مجید کا انکار کرتے ہیں وہ گھاٹے میں ہیں۔ اور عام طور پر مفسرین نے اس سے اہل کتاب مراد لئے ہیں اور یہی حق ہے۔ ہاں اہل کتاب لے کر بھی اس میں اختلاف کیا ہے کہ یُؤۡمِنُوۡنَ بِہٖ میں بِہٖ کی ضمیر سے کیا مراد ہے۔ پس بعض نے تو جس طرح پہلی کتاب سے توریت لی ہے اس سے بھی وہی لی ہے۔ اور بعض نے کتاب سے توریت اور بِہٖ سے قرآن مجید یا نبی کریمؐ لئے ہیں۔ اور اول زیادہ عمدہ ہے پر مطلب یہی ہے کہ جو توریت پر ایمان لاتے ہیں وہ ضرور محمدؐ اور قرآن مجید پر ایمان لائیں گے کیونکہ اُس پر ایمان لانا ان پر ایمان لانے کو ضروری قرار دیتا ہے۔

آیت 123 تا 124: يٰبَنِيۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِيَ الَّتِيۡۤ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَ اَنِّيۡ فَضَّلۡتُكُمۡ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ۔ وَ اتَّقُوۡا يَوۡمًا لَّا تَجۡزِيۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَيۡـًٔا وَّ لَا يُقۡبَلُ مِنۡهَا عَدۡلٌ وَّ لَا تَنۡفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ۔

تشریح پہلے گزر چکی ہے۔

ترجمہ:

اے اسرائیل کی اولاد تم میری وہ نعمت یاد کرو جو کہ میں نے تم پر انعام کی ہے۔ اور یہ کہ میں نے تم کو ان لوگوں پر (جن کو یہ نعمت نہ ملی) فضیلت دی ہے۔ اور اُس دن سے بچو کہ کوئی جی کسی جی سے کچھ چیز نہ ادا کرے گا اور نہ اس سے کوئی معاوضہ قبول ہو گا۔ اور نہ سفارش اس کو نفع دے گی۔ اور نہ ہی وہ مدد دیئے جاویں گے۔

تفسیر:

اس کی مفصل تفسیر پہلے مذکور ہو چکی ہے البتہ یہاں پر اس قدر یاد رکھ لینا کہ میں نے پہلے بتا دیا تھا کہ اس سورۃ کا اصل دعویٰ ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ[1] (البقرۃ:3) ہے۔ اور چونکہ جاہل اور غیر اہل کتاب کے پاس کوئی کتاب نہ تھی کہ اس سے اس دعوے کا ثبوت ان کے آگے پیش کیا جاتا لہٰذا اول يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعۡبُدُوۡا الخ[2] (البقرۃ:22) سے خطاب کر کے پہلے ان کا نقص بتایا اور پھر اس کی اصلاح کا طریق بتایا۔ اور چونکہ طریق اصلاح پر یقین ضروری تھا اور وہ ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ کے ثبوت حاصل ہوتا تھا لہٰذا اس کے بعد وَ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِيۡ رَيۡبٍ الخ[3] (البقرۃ:24) کے ساتھ وہ عام برہان بیان فرمایا جو کہ اہل کتاب اور غیر اہل کتاب دونوں کو شامل ہے۔ اسی طرح جب اہل کتاب کا ذکر شروع کیا تو پہلے ان

[1]۔ یہی کامل کتاب ہے، اس (امر) میں کوئی شک نہیں۔ (تفسیر صغیر)
[2]۔ اے لوگو!... عبادت کرو۔ (تفسیر صغیر)
[3]۔ اور اگر... تم کسی (قسم کے) شک میں (مبتلا ہو گئے) ہو۔ (تفسیر صغیر)

کے حد درجہ کے گند اور جھوٹے امانی اور حسد و کینہ اور عہد شکنیاں وغیرہا بیان کر کے اصلاح کی ضرورت بلکہ اشد ضرورت بتائی۔ اور پھر یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ الخ کے ساتھ ان کو مخاطب کر کے اصلاح کے طریق کی طرف توجہ دلائی اور اس پر کاربند نہ ہونے کی صورت میں سخت عذاب سے ڈرا کر اس طریق اصلاح پر یقین دلانے کے لئے وَ اِذِ ابۡتَلٰۤی اِبۡرٰهٖمَ الخ[1] (البقرۃ:125) میں علاوہ اور باتوں کے ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ لَا رَیۡبَ فِیۡهِ کا ایسا ثبوت دیا ہے جو کہ خاص اہل کتاب کے مذاق پر ہے۔ پس گویا یہ یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ الخ اس خاص ثبوت کی تمہید ہے۔ اور ثبوت آگے آتا ہے۔

[1] ۔ اور (اس وقت کو بھی یاد کرو) جب ابراہیم کو... آزمایا۔ (تفسیر صغیر)

آیت 125 تا 130: وَ اِذِ ابْتَلٰۤی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ۔ وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی وَ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤی اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَ الْعٰكِفِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۔ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ وَ مَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِیْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰی عَذَابِ النَّارِ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ۔ وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَیْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۔ رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ یُزَكِّیْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۔

تشریح الفاظ:

اِبْتَلٰی۔ اِبْتَلَاءٌ سے ہے اور وہ بَلَاءٌ سے بنا ہوا ہے۔ اس کے معنوں میں عموماً لوگوں نے غلطی کھائی ہے۔ کوئی تو بَلَاءٌ کے معنے مصیبت کے کرتے ہیں اور کوئی آزمائش کے اور یہ دونوں ٹھیک نہیں۔ بَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَ السَّیِّاٰتِ (الاعراف:169) (بھلائیوں اور برائیوں کے ساتھ ہم نے ان کو مبتلا کیا) سے ثابت ہوتا ہے کہ بَلَاءٌ کا اطلاق جس طرح مصیبت پر

ہوتا ہے اسی طرح انعام پر بھی ہوتا ہے۔ یعنی یہ عام ہے۔ اور حق یہ ہے کہ بَلَاءٌ کے یہ معنے ہیں کہ کسی کو کوئی اچھی یا بُری چیز اس لئے دینی تا کہ اس کی اچھی یا بری حالت اس کے ذریعہ سے ظاہر ہو جائے اور میں نے بتایا ہوا ہے کہ خداوند عالم کے دو علم ہیں ایک قبل از وجود اشیاء و وجود افعال اس پر کوئی جزا و سزا نہیں۔ اور دوسرا بعد از وجود اور اس پر جزا و سزا ہے۔ اور چونکہ اردو وغیرہ زبانیں الٰہی زبانیں نہیں حتی کہ خدائی ذات اور صفات کے لئے نہ کوئی مخصوص لفظ ان میں ملتا ہے اور نہ ان کی صحیح تعبیر کے لئے کوئی الفاظ ملتے ہیں بلکہ وہی الفاظ وہاں پر رکھنے پڑتے ہیں جو کہ انسانوں میں استعمال ہونے کے باعث انسانی لوازم کو خیال میں ڈال دیتے ہیں اور جاہل یہ خیال کر لیتا ہے کہ یہ لوازم خدا میں ہیں یا تسلیم کئے گئے ہیں۔ مثلاً اب اِبْتَلَاءٌ کا ترجمہ اردو میں اگر کریں تو امتحان و آزمائش وغیرہ کے ساتھ کریں جو کہ کرنے والے کی لاعلمی کو ادا کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ نہ لفظ اِبْتَلَاءٌ میں لازم ہے جیسا کہ بتایا گیا ہے اور نہ لفظ امتحان میں ہے کیونکہ اس کے زبان عرب کے لحاظ سے محنت لینا اور محنت کا پھل دینا معنے ہیں۔

کَلِمٰتٌ۔ کَلِمَۃٌ کی جمع ہے اور قرآن مجید میں کَلِمَۃٌ کے تین معنے ہیں ایک پیشگوئی، دوم حکم، سوم چیز جو حکم الٰہی سے موجود ہو۔

اِمَامٌ۔ مقتدیٰ، پیشوا۔

ذُرِّیَّۃٌ۔ اولاد کو کہتے ہیں اصل کے لحاظ سے اس کے معنے انسان سے جدا ہونے والی چیز کے ہیں۔ اور وہ اولاد ہے۔

یَنَالُ۔ نَیْلٌ سے ہے، جس کے معنے پانے اور پہنچنے کے ہیں۔

مَثَابَۃٌ۔ ثَوْبٌ اور ثَوَابٌ سے ہے اور اس کے معنے جائے ثواب کے ہیں اور امام خلیل اور قتادہ نے بمعنے مجمع اور ابن عباسؓ نے بمعنے معاد اور ملجاء اور مجاہد و جبیر نے بمعنے مرجع کہا ہے۔

عَھْدٌ۔ وعدہ کو کہتے ہیں پر جب اس کے بعد اِلیٰ آئے تو مؤکد حکم کے معنے دیتا ہے۔

طَآئِفِیْنَ۔ طَائِفٌ کی جمع ہے بمعنے ارد گرد پھرنے والے کے۔

اور عَاکِفِیْنَ۔ عَاکِفٌ کی جمع ہے بمعنے بیٹھنے والے اور جھکنے والے کے۔

رُكَّعٌ اور سُجُوْدٌ۔ رَاكِعٌ اور سَاجِدٌ کی جمع ہیں بمعنے رکوع اور سجدہ کرنے والے کے۔

بَلَدٌ۔ بستی۔

اٰمِنٌ۔ امن والا یا امن دینے والا۔

اُمَتِّعُ۔ تَمْتِيْعٌ سے ہے بمعنے نفع مند کرنے کے۔

اَضْطَرُّ۔ اِضْطِرَارٌ سے ہے بمعنے ناچار کرنے کے۔

قَوَاعِدُ۔ قاعدہ کی جمع ہے اور قاعدہ کہتے ہیں بنیاد اور نیو کو۔

اُمَّةٌ۔ (1) جماعت، (2) اتباع نبی، (3) جامع و معلم الخیرات شخص، (4) دین و ملت، (5) وقت و زمانہ، (6) قد و قامت، (7) کسی دین کا اکیلا متبع جس کے ساتھ دوسرا شریک نہ ہو۔ اور (8) ماں کو کہتے ہیں۔

مَنَاسِكُ۔ مَنْسَكٌ کی جمع ہے اور مَنْسَكٌ نَسْكٌ سے ہے۔ اور نَسْكٌ اصل میں ذبح کو کہتے تھے پھر مشقت والی عبادت پر بولنے لگے اور پھر زیادہ تر افعال حج پر استعمال ہو گیا۔

اور مَنْسَكٌ بمعنے عبادت یا عبادت حج یا بمعنے مقام عبادت اور مقامات حج ہے۔

حِكْمَةٌ۔ لغت میں روکنے والی چیز کو اور محکم اور مضبوط باتوں کو کہتے ہیں اور پہلے معنے سے عقل کو حکمت کہتے ہیں اور لگام کو حَكَمَةٌ بولتے ہیں اور دوسرے معنے کی رو سے عقلی اور معقول اور مبرہن باتوں کو حکمت کہتے ہیں۔

يُزَكِّيْ۔ تَزْكِيَةٌ سے ہے، جس کے معنے پاک کرنے کے ہیں۔

عَزِيْزٌ۔ عزت اور غلبہ والا۔

ترجمہ:

اور (یاد کرو کہ) جب ابراہیم (کے کمال) کو اس کے رب نے چند حکموں کے ساتھ ظاہر کرنا چاہا تو اس نے ان کو پورا کیا۔ اس نے فرمایا بے شک میں تجھے لوگوں کے لئے مقتدا بنانے والا ہوں۔ اُس نے کہا اور میری اولاد سے۔ اُس نے فرمایا کہ میرا یہ عہد ظالموں کو نہ پہنچے گا۔ اور (یاد کرو کہ) جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لئے ثواب (اور اجتماع) کی جگہ اور امن بنایا۔ اور (حکم دیا کہ) ابراہیم کے مقام سے نماز کی جگہ بناؤ۔ اور ہم نے ابراہیم اور

اسمٰعیل کو تاکیدی حکم دیا کہ تم میرے اس گھر کو طواف اور اعتکاف اور رکوع سجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھو۔ اور (یاد کرو) جب ابراہیم نے کہا تھا کہ اے میرے رب تو اس کو امن والا شہر بنا۔ اور اس کے رہنے والوں سے جو اللہ اور پیچھے آنے والے دن پر ایمان لائے ہوں ان کو پھلوں سے رزق دے۔ اس نے فرمایا اور جو کافر ہو گا سو میں اسے تھوڑا نفع مند کروں گا۔ اور پھر اس آگ کے عذاب کی طرف اس کو مجبور کروں گا۔ اور وہ لوٹنے کی جگہ بہت بری ہے اور (یاد کرو) جب ابراہیم اور اسمٰعیل اس گھر کی بنیادیں اُٹھاتے تھے (یہ کہتے ہوئے کہ) اے ہمارے رب ہم سے قبول کر۔ بے شک تُو ہی کامل سننے والا جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب اور ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنا۔ اور ہم دونوں کی اولاد سے بھی ایک گروہ اپنے لئے فرمانبردار (بنا) اور ہمیں اپنے مجاہدہ کی عبادتیں دکھا اور مہربانی کے ساتھ ہم پر توجہ کر۔ بے شک تُو ہی مہربانی کے ساتھ بہت توجہ کرنے والا اور اچھا مدد دینے والا ہے۔ اے ہمارے رب اور ان میں انہی میں سے ایک عظیم الشان رسول بھیج جو ان پر تیری آیتیں پڑھے اور اُن کو کامل کتاب اور پکی (معقول اور نقص سے روکنے والی) باتیں سکھائے اور اُن کو پاک کرے۔ بے شک تُو ہی بڑا غالب (پیارا، عزت والا) کامل حکمت والا ہے۔

تفسیر:

جس طرح پہلے ان کی نا قابلی اور آنحضرتؐ کی قابلیت بیان کر کے پھر ان کو آنحضرتؐ کی رسالت پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا تھا۔ اسی طرح یہاں استدلال کے موقعہ پر بھی پہلے وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰھٖمَ الخ کے ساتھ بتایا کہ جس ابراہیمؑ کی فرزندی پر تمہارا ناز ہے۔ وہ بھی تو فرمانبرداری ہی کے باعث امامت کے قابل ٹھہرا تھا۔ پھر وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ الخ فرما کر یہ بتایا کہ ہاں تمہارا یہ بھی خیال ہے کہ دعائے نبی سے بھی یہ فضل ہو جاتا ہے پر تم جانتے ہو کہ ابراہیمؑ کی کس قدر دعائیں قبول ہوئی ہیں۔ لیکن ذریت کی امامت کے لئے جب اس نے دعا کی تھی اور خدا نے وہ دعا قبول فرمائی تھی تو ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا تھا کہ جو تمہاری اولاد سے ظالم ہوں گے ان پر یہ فضل نہ ہو گا۔

اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ کی چند ایک وہ دعائیں بیان فرمائی ہیں جو کہ بیت اللہ کے بنانے کے وقت حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے کی تھیں۔ تا کہ ان کی دعاؤں کی قبولیت کا اندازہ ہو۔ اور دوم یہ معلوم ہو کہ مکہ کی طرف اس قدر خاص الٰہی توجہ کسی عظیم الشان امر کا پیش خیمہ تھی، اور سوم یہ ثابت ہو کہ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کا کوئی ایسا نائب بھی ضرور ہونا چاہیئے جو کہ ناپاک کرنے والوں کے ہاتھ سے اس کو چُھڑا کر پاک کرے اور پاک رکھے۔ پس پہلے بتایا کہ ہم نے اس گھر کو (کہ جس کو ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ نے بنایا تھا اور اس کے شہر اور پر امن شہر ہونے اور اس کے لوگوں کے لئے مرجع ہونے اور لوگوں کے اس کے حج کے لئے آنے اور ثواب ملنے وغیرہا کے لئے دعائیں کی تھیں) لوگوں کے لئے مرجع اور ثواب گاہ اور امن بنایا اور حکم دیا کہ ابراہیمؑ کی اس جگہ کو عام طور پر مسجد بناؤ (اور جس خاص پتھر پر وہ کھڑا ہو کر مکان کو تعمیر کرتا تھا اس کے متصل جگہ کو طواف کی دو رکعتوں کی جگہ بناؤ) اور ان دونوں کو حکم دیا کہ میرے گھر کو طواف، اعتکاف (اللہ کے لئے مسجد میں ٹھہرنے کو اعتکاف کہتے ہیں) رکوع سجود کرنے والوں کے لئے پاک کرو اور پاک رکھو۔

جس میں دعا کی قبولیت کا اظہار اور ان امور کے لئے اس کے مرجع اور مجمع ہونے اور کسی وقت اس میں بُت پرستی ہونے اور پھر ان کے یا ان کے مظہر کے ہاتھ سے اس کے پاک ہونے کی پیشگوئی ہے۔ اس کے بعد ابراہیم کی یہ دعا ذکر کی کہ اس گھر کو امن والا بنا۔ اس کے رہنے والوں میں سے ایمان والوں کو ثمرات سے رزق دے (اور ابراہیمؑ کی یہ تخصیص اس لئے ذکر کی کہ دیکھو وہ کیسا اتباع کرنے والا تھا کہ جب ذریت کے لئے امامت کی دعا میں خداوند تعالیٰ نے مشرکوں اور ظالموں کو علیحدہ کیا تھا تو آئندہ اس نے معمولی رزق کی دعا میں بھی ان کو علیحدہ کر دیا۔ چہ جائیکہ وہ پھر اصرار کرتا کہ خواہ ظالم بھی ہوں تو بھی ان کو امامت دینا) لیکن اس کی تخصیص کی نسبت خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ جو ان سے کافر ہوں گے ان کو بھی چند روزہ گزارہ دوں گا۔ اور پھر عَذَابُ النَّارِ کی طرف مجبور کر کے لے جاؤں گا۔ پھر بتایا کہ اس گھر کی بنیادیں اُٹھاتے ہوئے ان دونوں نے اس کے مقبول ہونے اور اپنے مسلم

ہونے کی دعا کی (جس سے معلوم ہوا کہ ان کا دین و مذہب اسلام تھا) اور پھر یہ کہ ہماری ذریت سے مسلم جماعت بنانا (جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان دونوں کی ذریت یعنی بنی اسمٰعیل سے مسلم جماعت ہو گی۔ اور پھر یہ کہ ہمارے مناسک (معابد اور حج وغیرہ عبادتوں کے مقامات) کو اپنے بندوں کیلئے مناسک (معابد) بنا کر دکھا۔

رسول اللہ اور کتاب اللہ کے آنے کا ثبوت:

اور پھر خدائے رحیم کی توجہ اور رحم کی استدعاء کر کے ان دونوں نے یہ عظیم الشان دعا کی کہ اے ہمارے رب تو اس ہماری ذریت میں (جو کہ مکہ میں رہنے والی ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر آیا ہے کہ اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ بِوَادٍ غَیۡرِ ذِیۡ زَرۡعٍ عِنۡدَ بَیۡتِکَ الۡمُحَرَّمِ [1] (ابراہیم:38) اور اسی ذریت یعنی خاص بنی اسمٰعیل) سے رسول بھیج۔ پر بہت نہیں ایک ہی ہو پر عظیم الشان ہو جو ان پر تیری آیتیں پڑھے (یعنی اس کی کتاب کا ہر ایک حصہ اٰیَۃٌ مِّنۡ اٰیٰتِ اللّٰہِ [2] اور معجزہ اور نشان ہو) اور کامل کتاب اور حکمت سکھائے اور ان کو پاک کرے (یعنی اُس کی قوت قدسیہ ایسی اعلیٰ درجہ کی ہو کہ اس کے انفاس طیبہ اور صحبت اور توجہ سے وہ پاک اور مصفّٰی ہو جائیں)۔ پس جب اس کے ساتھ کی اور سب دعائیں قبول ہو گئی ہیں اور ان سے تمہیں انکار نہیں ہو سکتا تو پھر اس رسول والی دعا کی قبولیت بھی تم کو ضرور ماننی چاہیئے جس میں رسول اللہ اور کتاب اللہ کا ثبوت ہے۔

اس کے بعد خداوند تعالیٰ ایک اور طریق سے اسلام کی طرف بلاتا ہے۔ اور وہ یہ ہے:

[1] ۔ میں نے اپنی اولاد میں سے بعض کو تیرے معزز گھر کے پاس ایک ایسی وادی میں جس میں کوئی کھیتی نہیں ہوتی لا بسایا۔ (تفسیر صغیر)
[2] ۔ اللہ کے نشانوں میں سے ایک نشان۔ (از مرتب)

آیت 131 تا 135: وَ مَنۡ یَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّۃِ اِبۡرٰہٖمَ اِلَّا مَنۡ سَفِہَ نَفۡسَہٗ وَ لَقَدِ اصۡطَفَیۡنٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَ اِنَّہٗ فِی الۡاٰخِرَۃِ لَمِنَ الصّٰلِحِیۡنَ۔ اِذۡ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗۤ اَسۡلِمۡ قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ۔ وَ وَصّٰی بِہَاۤ اِبۡرٰہٖمُ بَنِیۡہِ وَ یَعۡقُوۡبُ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰہَ اصۡطَفٰی لَکُمُ الدِّیۡنَ فَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ۔ اَمۡ کُنۡتُمۡ شُہَدَآءَ اِذۡ حَضَرَ یَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ اِذۡ قَالَ لِبَنِیۡہِ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِیۡ قَالُوۡا نَعۡبُدُ اِلٰہَکَ وَ اِلٰہَ اٰبَآئِکَ اِبۡرٰہٖمَ وَ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِسۡحٰقَ اِلٰہًا وَّاحِدًا ۚ وَّ نَحۡنُ لَہٗ مُسۡلِمُوۡنَ۔ تِلۡکَ اُمَّۃٌ قَدۡ خَلَتۡ ۚ لَہَا مَا کَسَبَتۡ وَ لَکُمۡ مَّا کَسَبۡتُمۡ ۚ وَ لَا تُسۡـَٔلُوۡنَ عَمَّا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ۔

تشریح الفاظ:

یَرۡغَبُ۔ رَغۡبَۃٌ سے ہے اور اس کے بعد جب فِیۡ یا اِلٰی آتا ہے تب اس کے معنے خواہش کرنے کے ہوتے ہیں۔ اور جب اس کے بعد عَنۡ آتا ہے تب اس کے معنے اعراض کرنے اور منہ پھیرنے کے ہوتے ہیں۔

سَفِہَ۔ سَفَہٌ اور سَفَاھَۃٌ سے ہے، جس کے معنے ہلکا اور ذلیل ہونے اور کرنے کے اور احمق بننے اور بنانے کے ہیں۔

اِصۡطَفَیۡنَا اور اِصۡطَفٰی۔ اِصۡطِفَاءٌ سے ہے، جس کے معنے برگزیدہ کرنے اور چُن لینے کے ہیں۔

وَصّٰی۔ وَصِیَّۃٌ سے ہے، جس کے معنے وصیت اور مؤکد حکم کے ہیں۔

اَمۡ کی بحث گزر چکی ہے اور یہ منقطعہ ہے جس کے معنے بَلۡ اور أَ کے ہیں یعنی بلکہ کیا۔

ترجمہ:

کون ہے جو ابراہیمؑ کے دین سے اعراض کرے بجز اس کے جس نے اپنی جان کو احمق (یا ذلیل) بنایا۔ اور ضرور ہی ہم نے اُس کو دنیا میں برگزیدہ کیا ہے اور بے شک وہ مابعد میں یقیناً سنوار والوں سے ہے۔ جب اُس کے رب نے اسے فرمایا کہ تُو اسلام لا (فرمانبرداری کر) اُس نے عرض کی کہ میں رب العالمین کے لئے فرمانبردار ہو گیا۔ اور اسی دین اسلام کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی اور یعقوب نے (بھی) اے میری اولاد اللہ نے تمہارے لئے کامل دین چنا ہے۔ پس ہرگز نہ مرنا پر اس حالت میں کہ تم مسلم (فرمانبردار) ہو۔ بلکہ کیا تم حاضر تھے جب یعقوب پر موت آئی جب اس نے اپنے بیٹوں کو کہا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے کہا تھا کہ ہم تیرے معبود اور تیرے بزرگوں ابراہیم اور اسمٰعیل و اسحٰق کے معبود کی عبادت کریں گے جو کہ اکیلا معبود ہے۔ اور ہم اس کے لئے مسلم (فرمانبردار) ہیں یہ وہ (نیکی سکھانے والی) جماعت ہے جو یقیناً گزر چکی ہے۔ اس کے لئے وہ ہے جو اس نے کمایا اور تمہارے ہی لئے وہ ہے جو تم نے کمایا۔ اور تم اُس کی نسبت نہ پوچھے جاؤ گے جو کہ وہ کرتے تھے۔

تفسیر:

پہلے تو یہ بتایا کہ جب ہم نے ابراہیم کو دنیا میں برگزیدہ کر کے آخرت میں اس کا برگزیدوں سے ہونا ثابت کر دیا ہے جس کو تم بھی تسلیم کرتے ہو تو پھر باوجود اس کے، اس کے طریق سے وہی اعراض کر سکتا ہے جو کہ دنیا پر اپنے آپ کو احمق ثابت کرنا چاہتا ہو۔ اور پھر بتایا کہ اس کا دین حقیقی اسلام تھا اسی کا اس کو حکم ملا تھا اور اسی کا اس نے اقرار کیا تھا اور اسی کی اس نے اپنی اولاد کو وصیت کی تھی۔ پھر فرمایا کہ ابراہیمؑ کی بات کو جانے دو بلکہ اپنے مورث اعلیٰ یعقوبؑ ہی کی بات سُن لو کیا تم (تمہارے بزرگ) اس وقت موجود نہ تھے جب کہ اس کی وفات کا وقت آیا اور اس نے اپنی اولاد سے دریافت کیا کہ میرے بعد کس کی عبادت کرو گے۔ تو انہوں نے یہ بتایا کہ ہم اس وحدہ لاشریک اللہ کی

عبادت کریں گے جو کہ تیرا اور تیرے بزرگوں کا معبود ہے۔ اور پھر یہ اقرار کیا کہ ہم اس کے مسلم ہیں۔

(اور چونکہ وہ ان بزرگوں کی طرف ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو نجات یافتہ خیال کرتے تھے اور فخر کے طور پر ان کے کارناموں کو ذکر کیا کرتے تھے اس کی تردید کے لئے خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ) وہ لوگ تو نیکی سکھانے والے تھے (پس اگر خالی نسبت یا ذات کچھ کام آتی تو وہ کیوں یہ تکلیف اُٹھاتے اور دیتے) اور اسی میں اپنی زندگی صرف کر گئے اور جو کچھ انہوں نے کمایا ہے وہ بھی خاص انہی کے لئے ہے (پس ان کی کمائی سے بھی تم نجات نہیں پاسکتے) اور جو کچھ تم کمارہے ہو وہ بھی خاص تمہارے ہی لئے ہے۔

(پس یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ تمہاری بدیاں وہ اٹھالیں) اور جو کچھ وہ کرتے رہے اس کی نسبت تم سے سوال نہ ہو گا (بلکہ تم سے اس کی ہی نسبت سوال ہو گا جو کہ تم خود کرتے ہو۔ لہٰذا اپنے اعمال کی اصلاح کرو۔)

آیت 136 تا 139: وَ قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ مَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۔ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ۔

تشریح الفاظ:

حَنِيْفٌ۔ سیدنا مولانا حضرت خلیفۃ المسیحؒ نے بارہا بیان فرمایا ہے کہ حَنِيْفٌ کے معنے عموماً غلط کئے گئے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہوئی ہے کہ اَحْنَفُ اس شخص کو کہتے ہیں کہ جس کی ٹانگیں ٹیڑھی اور پھری ہوئی ہوں۔ تو باوجود یہ کہ یہ تفاول اور دعا کے طور پر تھا جیسا کہ سانپ کے ڈسے ہوئے کو سَلِيْمٌ کہتے ہیں لیکن اس سے غافل ہو کر حَنِيْفٌ کے معنے مائل اور پھرنے والے کے کر دیئے۔ اور مطلب یہ لیا کہ شرک بدی سے پھرنے والا۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ اس کے معنے مستقیم اور افراط و تفریط کے درمیان چلنے والے کے ہیں۔

اَسْبَاطٌ۔ سِبْطٌ کی جمع ہے اور سِبْطٌ نواسہ کو کہتے ہیں۔ اور اَسْبَاطٌ کا اطلاق مطلق اولاد پر بھی آتا ہے۔ اور لکھا ہے کہ جس طرح اولاد اسمٰعیلؑ کو قبائل کے لفظ سے عموماً ذکر کیا جاتا ہے اسی طرح اولاد اسحٰقؑ اور بقول بعض اولاد یعقوبؑ پر لفظ اسباط بولا جاتا ہے۔

بَيْنَ۔ درمیان۔

اَحَدٌ۔ دو ہیں ایک اعداد میں سے پہلا عدد جو کہ اصل میں وَحْدٌ تھا اس کا اطلاق تو ایک

ہی پر اور مذکر ہی پر ہوتا ہے۔ دوم وہ ہے جس کا ہمزہ اصلی ہے اور اس کے معنے ایک کے نہیں بلکہ اس کے معنے ہیں جو قابل مخاطب بننے کے ہو اور یہ مذکر و مؤنث اور واحد و تثنیہ جمع سب کے لئے برابر ہے۔ اور یہ اَحَدٌ بدون نفی یا لفظ کُلّ کے کبھی نہیں آیا۔ اور یہاں پر بھی یہی ہے ورنہ پہلے پر لفظ بَیْنَ کا آنا درست نہ ہوتا۔

تَوَلَّوْا۔ تَوَلّٰی سے ہے بمعنے پیچھے پھرنے کے۔

شِقَاقٌ۔ خلاف اور عداوت۔

صِبْغَةٌ۔ صَبْغٌ سے ہے، جس کے معنے رنگ اور رنگ دینے کے ہیں۔ پس صِبْغَةٌ کے معنے ہوئے ایک قسم کا رنگنا۔

ترجمہ:

اور انہوں نے کہا کہ تم یہود یا نصاریٰ ہو جاؤ تا کہ ہدایت پاؤ۔ تم کہو بلکہ (ہم تو) ابراہیم کی ملت (کو لیں گے) جو کہ مستقیم تھا اور مشرکوں سے نہ تھا۔ تم کہو ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اُتارا گیا ہے اور اس پر جو کہ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اسباط (اولاد) پر اور اس پر جو کہ موسیٰؑ و عیسیٰ کو دیا گیا اور اس پر جو کہ سب انبیاءؑ کو اپنے رب کی طرف سے دیا گیا ہے، ہم ان میں سے کسی میں جدائی نہیں کرتے۔ اور ہم تو اسی اللہ کے فرمانبردار ہیں۔ تو جس پر تم ایمان لائے ہو اگر وہ (بھی) اس کی مثل پر ایمان لے آئیں تب تو وہ ضرور ہدایت پا گئے۔ اور اگر وہ پھر جائیں تب تو وہ ضد ہی میں ہیں۔ سو اللہ ان کے لئے تجھے کافی ہو گا اور وہی کامل سننے والا اور پورا پورا جاننے والا ہے۔ (ہم نے) اللہ کا رنگ (لیا ہے) اور اللہ سے بڑھ کر کون اچھا رنگ دینے والا ہے۔ اور ہم اسی کی پرستش (غلامی) کرنے والے ہیں۔

تفسیر:

ابراہیمؑ کے دین اور ان کی اور یعقوبؑ کی وصیت کے ذکر کے بعد فرمایا کہ یہود اوروں کو کہتے ہیں کہ یہود بنو! اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ نصاریٰ بنو! تب ہی ہدایت پاؤ گے۔ تو اس کے بعد قُلْ الخ فرما کر ان کی یوں تردید فرمائی کہ اگر ملت ابراہیمؑ کی ابراہیم کے اجتباء اور ابوالانبیاء اور

امام الاتقیاء اور مامور بالاتباع اور سب انبیاءؑ کی متفق علیھا ہونے کی وجہ سے اتباع نہ بھی کریں۔ پر جس ملت میں افراط و تفریط ہو یا شرک ہو وہ تو ہر گز قابل اتباع نہیں جیسی کہ یہودیت اور نصرانیت ان سے پُر ہیں۔

پس علاوہ اور وجوہات کے ملت ابراہیم کا ان سے پاک ہونا اور یہودیت و نصرانیت کا ان سے ملوث ہونا ہمیں مجبور کرتا ہے کہ دین ابراہیم ہی کو لیں اور ان دونوں کو ہر گز نہ لیں (تو چونکہ اس سے یہ خیال گزرتا تھا کہ جب یہودیت و نصرانیت ایسی ردّی ہیں اور وہ موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کی ملتیں ہیں تو پھر نہ سب انبیاءؑ کی ایک ملت ہوئی اور نہ اہل اسلام ان کی ملت کو منجانب اللہ تسلیم کرنے والے ہوئے۔ لہٰذا) اس کے بعد فرمایا قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ الخ (جس سے یہ ثابت ہوا کہ موسیٰؑ و عیسیٰؑ اور سب انبیاءؑ کی ملت وہی ابراہیمی ملت ہے۔ جس سے یہودیت و نصرانیت مخالف ہیں اور چونکہ یہ اس کے مخالف ہیں لہٰذا یہ ان دونوں کی ملتیں ہر گز نہیں)

حقیقی اصطباغ اللہ کی فرمانبرداری ہے:

اس کے بعد صِبْغَۃَ اللّٰہِ الخ فرما کر ان کی اس وجہ کو ردّ کیا ہے کہ جس کی بناء پر وہ کُوْنُوْا ھُوْدًا الخ کہا کرتے تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہر ایک مذہب جب وہ رسمی مذہب ہو جاتا ہے تو اس کے اتباع میں کوئی خاص امر مذہب کا روح و رواں بن جاتا ہے جیسا کہ ہنود میں چھوت کا مسئلہ ہے۔ اسی طرح یہود اور نصاریٰ میں اصطباغ کا حال تھا۔ اصطباغ کو عربی میں مَعْمُوْدِیَّۃٌ بھی کہتے ہیں اور پادری لوگ اس کو بپٹسمہ بولتے ہیں۔ اور اسی کو قرآن مجید نے صِبْغَۃٌ فرمایا ہے۔ تو چونکہ ان میں یہ بہت ضروری خیال کیا جاتا تھا اور اسلام میں نہ تھا۔ لہٰذا وہ کہتے تھے کہ یہودیت یا نصرانیت کا اصطباغ لو تاکہ پاک ہو اور پھر ہدایت پاؤ۔ تو خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ حقیقی اصطباغ تو اللہ کی فرمانبرداری ہے اور یہی صِبْغَۃُ اللّٰہِ ہے اور صِبْغَۃُ اللّٰہِ سے کسی کا اصطباغ ہر گز اچھا نہیں ہو سکتا۔ اور ہم اس کی غلامی کرتے ہیں (یعنی دیکھو صِبْغَۃُ اللّٰہِ ہم میں کیا رنگ لاتا ہے اور تمہارا صِبْغَۃٌ کیا رنگ دکھائے گا۔ اور ہم اس کی غلامی کے سوا اور کوئی اصطباغ نہیں لیتے۔)

آیت 140: قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰہِ وَ ھُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّکُمْ وَ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ وَ نَحْنُ لَہٗ مُخْلِصُوْنَ۔

تشریح الفاظ:

تُحَآجُّوْنَ۔ مُحَاجَّۃٌ سے ہے جو کہ حُجَّتٌ سے ہے اور مُحَاجَّۃٌ کے معنے ہیں بہت جھگڑنا یا ایک دوسرے سے جھگڑنا۔

ترجمہ:

کہو کیا تم اللہ (کے بارہ) میں ہم سے جھگڑتے ہو۔ حالانکہ وہ ہمارا (بھی) رب ہے اور تمہارا (بھی) رب ہے اور ہمارے لئے ہمارے کام ہیں اور تمہارے لئے تمہارے کام ہیں اور ہم ہی خاص اس کے لئے اخلاص رکھنے والے ہیں۔

تفسیر:

یہود اور نصاریٰ اہل اسلام اور بنی اسمٰعیل کو کہتے تھے کہ چونکہ ان میں اصطباغ نہیں لہٰذا ان پر خدا کا کوئی فضل نہیں ہو سکتا۔ تو خداوند تعالیٰ نے ان کے تردید یوں بتائی کہ تم ان کو یہ کہو کہ تمہارا یہ کہنا تو یہ معنے رکھتا ہے کہ اللہ تمہارا ہی ہے اور ہمارا نہیں۔ پس گویا تم اللہ میں ہم سے نزاع کرتے ہو۔ حالانکہ یہ غلط ہے اس لئے کہ اللہ کے انسانوں کے ساتھ دو تعلق ہیں ایک ربوبیت کا دوم الوہیت کا۔ ربوبیت کی نسبت تو تم انکار کر سکتے ہی نہیں کہ جس طرح وہ تمہارا رب ہے اسی طرح وہ ہمارا بھی رب ہے کیونکہ وہ رب العالمین ہے۔

رہی الوہیت تو اس کا تعلق عبودیت سے ہوتا ہے اور عبودیت کی دو جزو ہیں ایک اعمال دوم اخلاص۔ اور اعمال ہم بھی کرتے ہیں اور تم بھی کرتے ہو۔ اور ہم میں اس کا اخلاص ہے اور تم میں نہیں۔ پس اس کے رو سے ربوبیت میں اگر تم ہمارے ساتھ شریک ہو پر الوہیت کے فضلوں میں تو تم ہمارے شریک نہیں ہو سکتے۔

آیت 141 تا 142: اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ اِنَّ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطَ كَانُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى قُلۡ ءَاَنۡتُمۡ اَعۡلَمُ اَمِ اللّٰهُ وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ كَتَمَ شَهَادَةً عِنۡدَهٗ مِنَ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ۔ تِلۡكَ اُمَّةٌ قَدۡ خَلَتۡ لَهَا مَا كَسَبَتۡ وَلَكُمۡ مَّا كَسَبۡتُمۡ وَلَا تُسۡـَٔلُوۡنَ عَمَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ۔

تشریح الفاظ:

پہلا اَمۡ منقطعہ ہے جس کے معنے ہیں بلکہ کیا۔ اور دوسرا متصلہ ہے جس کے معنے یا کے ہیں۔

ترجمہ:

بلکہ کیا تم کہتے ہو کہ یقیناً ابراہیم اور اسمٰعیل و اسحٰق اور یعقوب اور اسباط (اولاد) یہود یا نصاریٰ تھے۔ تم کہو کیا تم زیادہ علم رکھتے ہو یا اللہ۔ اور کون اس سے بڑھ کر ظالم ہو گا جو کہ اس شہادت کو چھپائے جو کہ اللہ کی طرف سے اُس کے پاس ہو، اور اللہ ان کاموں سے غافل نہیں جو کہ تم کرتے ہو۔ وہ (نیکی سکھانے والی) جماعت تھی جو گزر چکی اسی کیلئے وہ ہے جو اس نے کمایا اور تمہارے ہی لئے وہ ہے جو تم نے کمایا ہے اور تم اس کی نسبت نہ پوچھے جاؤ گے جو کہ وہ لوگ کرتے تھے۔

تفسیر:

مَنۡ يَّرۡغَبُ الخ کے ساتھ جو بیان کیا گیا تھا کہ سب انبیاء کی ملت ایک ہی تھی اور وہ اسلام ہے۔ اس کا انہوں نے یہ جواب دیا کہ بے شک سب کی ملت ایک ہی تھی پر یہود نے کہا کہ وہ یہودیت ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ وہ نصرانیت ہے تو خدائے علیم نے اس کا جواب دیا "کہ خداوند تعالیٰ نے تم اہل کتاب کے پاس اپنی یہ شہادت رکھی تھی کہ جب قرآن مجید نازل ہو تو تم یہ شہادت دو کہ یہ حق اور منجانب اللہ ہے۔ اور یہی اسلام ابراہیمؑ اور دیگر انبیاءؑ کی ملت اور مذہب تھا۔ جس کو تم نے چھپایا ہے اور اس کے برعکس یہ کہا ہے کہ وہ یہودی یا

نصرانی تھے۔ اور خداوند تعالیٰ اپنی اس کتاب اور پہلی کتابوں میں تمہارے خلاف یہ بتاتا ہے کہ وہ مسلم تھے اور مشرک نہ تھے۔ پس اگر تمہارے کہنے سے ہم ان کو یہودی یا نصرانی تسلیم کریں تو گویا ہم تم کو اللہ سے زیادہ جاننے والے تسلیم کریں گے اس لئے ہم تو ہر گز تمہاری بات کو تسلیم نہیں کر سکتے۔

رہا فیصلہ تو اول حق پرست کیلئے خدائی شہادت قرآن مجید اور کتب سابقہ میں کافی ہے۔ اور اس کے علاوہ دوسری راہ یہ ہے کہ تم جانتے ہو کہ الٰہی شہادت کو چھپانے والا اظلم ترین ہوتا ہے۔ اور خدا کی یہ سنت ہے کہ وہ ایسے اظلم لوگوں کو ضرور ناکام اور ذلیل کرتا ہے۔ پس ہمارے مقابلہ میں تمہاری ناکامی اور ذلت خود فیصلہ کر دے گی۔ (اور چونکہ اس عظیم الشان جرأت کی جڑھ ان بزرگوں کی طرف منسوب ہونا تھا لہٰذا اس کے کاٹنے کیلئے اس کے بعد) تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ الخ کو لا کر یہ بتایا گیا کہ ان برگزیدوں کو جو بڑائی حاصل ہوئی تھی وہ نہ ذاتی تھی اور نہ بڑوں سے ملی تھی۔ بلکہ اپنی نیک کمائی اور بھلائی سکھانے سے ملی تھی یہی وجہ تھی کہ وہ بھلائی ہی سکھاتے سکھاتے اس جہان سے چل بسے۔ اب رہی کمائی تو ان کی نیک کمائی خاص انہی کے لئے ہے اور تمہاری بُری کمائی بھی خاص تمہارے ہی لئے ہے اور ان کے کارناموں پر فخر بے جا ہے۔

آیت 143 تا 148: سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَ اِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ۔ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ وَ مَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ وَ مَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ۔ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ۔

تشریح الفاظ:

قِبْلَةٌ۔ اصل میں اس حالت کو کہتے تھے کہ جس میں انسان کسی کی طرف متوجہ ہوتا ہے لیکن بعد ازاں اس پر اس کا اطلاق شائع ہو گیا کہ جس کی طرف توجہ کی جاتی ہے۔

وَسَطٌ۔ درمیان کو کہتے ہیں۔

شُهَدَآءُ۔ شَهِيْدٌ کی جمع ہے جس کے معنے حاضر، گواہ، نگاہ بان، نمونہ واسوہ ہونے کے ہیں۔

يَنْقَلِبُ۔ اِنْقِلَابٌ سے ہے، جس کے معنے پھرنے کے ہیں۔

عَقِبَيْ۔ اصل میں عَقِبَيْنِ تھا جو کہ عُقْبَةٌ کا تثنیہ ہے۔ اور بمعنے ایڑی کے ہے۔

يُضِيْعُ۔ اِضَاعَةٌ سے ہے، بمعنے ضائع کرنے کے۔

رَءُوْفٌ۔ رَأْفَةٌ سے ہے، جس کے معنے مہربانی کے ہیں۔

شَطْرٌ۔ طرف اور جانب۔

حَرَامٌ بمعنے محرم ہے یعنی جس میں جنگ منع ہے یا جو محفوظ یا معظم و محترم ہے۔

حَيْثُ مَا۔ جہاں کہیں۔

اَتَيْتَ۔ اِتْيَانٌ سے ہے، جس کے معنے آنے کے ہیں لیکن اس کے بعد بِ آنے سے بمعنے لانے کے ہو گیا ہے۔

اَهْوَآءَ۔ هَوَاءٌ کی جمع ہے بمعنے گری ہوئی خواہش کے۔

اِذًا۔ اس وقت اور تب۔

اٰتَيْنَا۔ اِيْتَاءٌ سے ہے، جس کے معنے دینے کے ہیں۔

مُمْتَرِيْنَ۔ اِمْتِرَاءٌ سے ہے۔ اور مفسرین نے عام طور پر اس کے معنے شک اور تردد کے کئے ہیں۔ لیکن چونکہ اِمْتِرَاءٌ۔ مِرَاءٌ سے بنا ہوا ہے۔ جس کے معنے جھگڑنے کے ہیں۔ اس لئے میرے نزدیک اس کے معنے محنت سے جھگڑنے کے ہیں۔

ترجمہ:

ابھی لوگوں میں سے کم عقل کہیں گے کہ کس نے ان کو اپنے قبلہ سے پھیر دیا ہے کہ جس پر یہ تھے۔ تم کہو کہ مشرق و مغرب اللہ ہی کے لئے ہے۔ جس کو وہ چاہتا ہے (جو چاہتا

ہے اُس کو) سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ اور اسی طرح ہم نے تم کو میانہ رو، نیکی سکھانے والا گروہ بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر نمونہ (یا گواہ) ہو اور کامل رسول تم پر نمونہ (یا گواہ) ہو۔ اور ہم نے وہ قبلہ نہیں بنایا تھا کہ جس پر تم تھے۔ مگر تا کہ ہم جان لیں کہ کون کامل رسول کی اتباع کر کے ان سے ممتاز ہوتا ہے جو کہ اپنی ایڑیوں پر واپس ہوتے ہیں۔ اور بے شک البتہ یہ بڑی چیز تھی مگر ان پر کہ جن کو اللہ نے ہدایت فرمائی ہے۔ اور اللہ کی شان سے نہیں کہ وہ تمہارے ایمانوں کو ضائع کرے۔ یقیناً اللہ لوگوں پر مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ بہت دفعہ دیکھتے ہم ہیں تیرے آسمان کی جانب میں منہ پھیرنے کو۔ تو ہم تجھے اس قبلہ کا والی بنا دیں گے۔ (یا اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے) جس کو تو پسند کرتا ہے۔ سو تم اپنی توجہ کو محترم (محفوظ) مسجد کی طرف پھیر دو۔ اور جہاں کہیں تم ہو اپنی توجہوں کو اس کی جانب پھیر دو۔ اور یقیناً جن کو کتاب دی گئی ہے وہ ٹھیک ٹھیک جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے۔ اور اللہ اس سے ہر گز غافل نہیں جو کہ وہ کرتے ہیں۔ اور اگر تم سب نشان ان کے پاس لاؤ جن کو وہ کتاب دی گئی ہے تو وہ تمہارے قبلہ کی پیروی نہ کریں گے۔ اور نہ ہی تم ان کے قبلہ کے تابع ہونے والے ہو۔ اور نہ ہی وہ ایک دوسرے کے قبلہ کے تابع ہیں۔ اور اگر تم ان کی گری ہوئی خواہشوں کے تابع ہو گے اس کے بعد کہ تمہارے پاس علم آچکا ہے۔ تو بے شک تم اس وقت ظالموں سے ہو جاؤ گے۔ جن کو ہم نے وہ کتاب دی ہے وہ اس کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ اور بے شک ان میں سے ایک گروہ تو حق کو چھپاتا ہے حالانکہ وہ اس کو جانتے ہیں۔ حق ہمارے رب کی طرف سے (کھل چکا) ہے۔ لہٰذا تم جھگڑنے والوں سے (یا شک کرنے والوں سے) مت بنو۔

تفسیر:

حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور پیشین گوئی کے بعد یہ ذکر ہوا کہ اہل کتاب نے یہ بڑا ظلم کیا کہ اللہ کی شہادت کو چھپا دیا اور اس کے خلاف ظاہر کیا تو سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ الخ میں خداوند کریم ان کے ایک اور شہادت اللہ کو پوشیدہ کرنے اور اس کے خلاف ظاہر کرنے بلکہ اس پر اعتراض کرنے کا ذکر کرتا ہے۔ اور اس کی تفصیل کے لئے اس قدر یاد رکھنا ضروری ہے کہ

صحیح سندوں کے ساتھ بہت سے صحابہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریمؐ جب پہلے مکہ معظمہ میں رہتے تھے تو آپ کعبہ کی طرف نماز پڑھتے تھے اور بعض سے یہ بھی مروی ہے کہ بیت المقدس کی طرف پڑھتے تھے اور ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایسے طور پر کھڑے ہوتے تھے کہ دونوں کی طرف رُخ ہو جائے۔ پھر جب آپ مدینہ میں تشریف لائے تو چند ماہ تک بیت المقدس کی طرف پڑھتے رہے۔ یہ بہت صحابہؓ سے مروی ہے اور اس پر اتفاق ہے۔ اور بعد ازاں کعبہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم آیا تو آپ کعبہ کی طرف نماز پڑھنے لگے۔ گو ہمارے ایک معظم و مکرم محقق عالم کا یہ خیال ہے کہ مسجد حرام ہی کی طرف آپ ہمیشہ نماز ادا کرتے رہے ہیں اور کبھی آپ نے بیت المقدس کو قبلہ نہیں بنایا۔

لیکن یہ روایات صحیحہ ہمیں مجبور کرتی ہیں اور حضرت مسیح موعودؑ کی زبانی بھی میں نے خود سنا ہے کہ آنحضرتؐ کچھ عرصہ بیت المقدس کی طرف پڑھتے رہے تھے۔ اور حضرت خلیفۃ المسیحؓ سے بھی بارہا ان روایتوں کی تصحیح اور تصدیق سنی ہے۔ اور اہل کتاب اگرچہ اس امر کے شاہد تھے کہ جس طرح وہ نبی ملت ابراہیمؑ اور ملت اسلام پر ہو گا اسی طرح اس کا قبلہ بھی ابراہیمؑ کا قبلہ ہو گا۔ لیکن چونکہ وہ بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ کی طرف پھرنے پر شہادت اللہ کے اخفاء کے علاوہ یہ اعتراض کرنے والے تھے کہ کس چیز اور کس غرض نے ان کو اس قبلہ سے پھیر دیا ہے کہ جس پر پہلے تھے۔ (یعنی بیت المقدس سے) تو خداوند علیم نے اوّل ان کا یہ اعتراض بیان فرمایا اور پھر قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ الخ فرما کر جواب دیا کہ تم ان کو کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ کیلئے کسی خاص مکان سے تو کوئی خاص تعلق نہیں بلکہ مشرق و مغرب اور کُل روئے زمین اسی کے لئے ہے۔ (پس اس کی نسبت سب مکان برابر ہیں ہاں اپنی حکمت بالغہ اور دینی اور دنیوی فائدہ اور مناسبت سے یک سوئی اور اتحاد قائم کرنے کے لئے جس مقام کی طرف توجہ کا حکم دے دے وہی قبلہ ہو سکتا ہے۔ پر مجرد توجہ کوئی ایسی چیز نہیں جس پر اصلاح نفس یا تحصیل قرب کا دار و مدار ہو اور بڑی اہم چیز ہو بلکہ اہم امر تو صراط مستقیم کی ہدایت ہے اور) اللہ جس کو چاہتا ہے صراط مستقیم پر لگا دیتا ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ الخ (البقرۃ:178) (نیکی یہ نہیں کہ مشرق و مغرب کی طرف منہ پھیر دو بلکہ حقیقی نیک تو وہ ہیں جو کہ الخ) یعنی ہمیں خداوند تعالیٰ نے صراط مستقیم پر چلایا ہے اور تم اس سے محروم ہو اور بمقابل اس کے ایک جگہ کی طرف منہ کرنے کو اہم بنا رہے ہو۔

نیز اس میں یہ بھی بتایا ہے کہ چونکہ یہ پہلا گھر ہے جو کہ اللہ کے لئے بنایا گیا ہے اور پھر ابراہیمؑ و اسمٰعیل کی یادگار اور اُن کی دعاؤں کا نتیجہ ہے اس لئے خداوند کریم نے اس کو قِيٰمًا لِّلنَّاسِ (المائدۃ:98) اور لوگوں کے صراط مستقیم پر قائم رکھنے کا موجب اور اپنی ہستی اور علیم و قدیر ہونے کا ہمیشہ کے لئے زبردست نشان بنایا ہوا ہے۔ لہٰذا جس قوم کو اس کے قبلہ بنانے کی ہدایت ہو اس پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ وہ ہمیشہ اس کو صراط مستقیم پر رکھنا چاہتا ہے۔ اور اسی بات کے ظاہر کرنے کے لئے اس کے بعد وَكَذٰلِكَ الخ فرما کر صراط مستقیم پر قائم رہنے کا دوسرا سبب اس طرح بیان فرمایا کہ جس طرح صراط مستقیم پر قائم رکھنے والا قبلہ دیا ہے اسی طرح ہم نے تم کو وہ میانہ رو جماعت بنایا ہے جس میں وہ افراط و تفریط نہیں جو کہ بالآخر قوم کی گمراہی اور مذہب کے مٹنے اور تبدیل ہونے کی موجب ہوتی ہیں۔ اور پھر ایسا کرنے کا منشاء یہ ظاہر فرمایا کہ تاکہ دنیا میں تو تم لوگ دوسروں کے لئے اسوہ حسنہ اور نیک نمونہ ہو اور کامل رسول تمہارے لئے نمونہ ہو اور آخرت میں تم دوسروں پر گواہ ہو۔

جیسا کہ صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ قیامت کو جب دوسرے انبیاءؑ سے تبلیغ کی شہادت طلب ہو گی تو امت محمدؐیہ کو وہ گواہ پیش کریں گے۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الزھد باب صفۃ امۃ محمد ﷺ حدیث 4284)

اور جب امت مرحومہ سے یہ سوال ہو گا کہ تم کو کس طرح ان کی تبلیغ کا علم ہوا۔ اور وہ بتائے گی کہ مخبر صادقؐ سے تو پھر آنحضرتؐ اس کی شہادت دیں گے۔ تو چونکہ اس سے بالطبع سوال پیدا ہو سکتا تھا کہ جب یہ قبلہ ایسا تھا تو پھر پہلے سے اس کو کیوں نہ بتایا اور کچھ عرصہ بیت المقدس کی طرف کیوں پھیرا؟ تو خداوند کریم نے خود ہی جواب دے دیا کہ جس قبلہ پر تم پہلے تھے وہ محض اس لئے ہم نے بنایا تھا تاکہ تبدیل قبلہ سے سچی فرمانبرداری کرنے والوں میں اور واپس ہونے والوں میں کھلا کھلا امتیاز ہو جائے۔

لِنَعْلَمَ الخ پر جو سوال وجواب ہے وہ میں نے پہلے مفصل اور مکرر بیان کر دیا ہوا ہے اور اس کے مابہ الامتیاز بنانے کی وجہ بتائی کہ یہ بات لوگوں پر بڑی گراں گزرنے والی تھی۔ ہاں جن کو خداوند تعالیٰ نے ہدایت دی ہوئی ہے چونکہ ان کا کام فرمانبرداری ہے لہٰذا ان پر یہ کوئی گراں نہ تھی۔ اور یہ اس لئے نہ تھا کہ اللہ مومنوں کے ایمانوں اور ان کے ایمانوں کے ثمرات (اعمال) کو ضائع کرنا چاہتا تھا کیونکہ اللہ تو لوگوں پر بھی مہربان اور رحیم ہے۔ پھر خصوصاً مومنوں پر کیوں نہ ہو؟ اس کے بعد جو قَدْ نَرٰی الخ آیا ہے اس کا عام طور پر مفسرین نے تو یہی مطلب بیان کیا ہے کہ جو تم قبلہ کے لئے آسمان کی طرف منہ کر کے دعائیں کرتے رہے ہو ہم ان کو دیکھتے رہے ہیں لہٰذا پہلے تو یہ وعدہ دیا کہ ضرور ہم تجھے اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے کہ جس کو تُو پسند کرتا ہے یا کرے گا۔ اور بعد ازیں اس وعدہ کو پورا کیا اور فرمایا کہ مسجد حرام کی طرف منہ پھیر دو۔ اور جہاں پر تم ہو اسی کی طرف منہ پھیرو۔

اللہ تعالیٰ کا خانہ کعبہ کو مسلمانوں کے لئے قبلہ بنانے میں مضمر وعدہ:

لیکن جہاں تک میں نے غور و فکر کیا ہے میرے نزدیک اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جب قبلۂ اسلام کعبہ شریف قرار دیا گیا جو کہ اس وقت سخت ترین دشمنوں کے قبضہ میں اور ان کا بت خانہ تھا جس کو غیرت مند بلند پرواز عالی حوصلہ فطرت کبھی برداشت نہیں کر سکتی۔ تو خداوند کریم نے اس کی فتح کا وعدہ دیا اور اس کی صداقت کو قبلہ کے حق ہونے کا نشان قرار دیا۔

پس پہلے فرمایا کہ ہم نے تمہاری توجہ کو بلندی میں پھرتا ہوا بار بار دیکھا ہے لہٰذا ہم تجھے اس قبلہ کا ضرور ہی والی بنا دیں گے جس کو تُو پسند کرتا ہے۔ سو تم اپنی توجہ کو معزز و محترم مسجد کی طرف پھیر دو اور اہل اسلام جہاں جہاں پر ہیں وہ سب اسی کی طرف اپنی توجہوں کو پھیر دیں۔ (اور اس نشان کے بعد فرمایا کہ اہل کتاب کا یہ اعتراض لاعلمی کے باعث ہے اور نہ یہ نشان اس لئے رکھا ہے کہ ان کو علم ہو جائے کیونکہ) جن کو وہ کتاب (توریت) دی گئی ہے وہ ضرور جانتے ہیں کہ بے شک یہ ان کے ربّ کی طرف سے حق ہے۔ (اور پھر ان کو اس شرارت کی سزا سے ڈرانے کے لئے فرمایا) اور اللہ ان کاموں سے ہرگز غافل نہیں جو کہ

وہ کرتے ہیں۔ (اور چونکہ وہ باوجود پورے علم کے نہ مانتے تھے اور ایسے لوگ دلائل سے نہیں مانا کرتے لہٰذا فرمایا کہ) اور جن کو وہ کتاب دی گئی ہے اگر ان کو ہر قسم کے نشان بھی دو تو بھی وہ کبھی ہر گز تمہارے قبلہ کے تابع نہ ہوں گے۔

(اور اتفاق کی دوسری صورت یہ ہے کہ تم ان کے قبلہ کے تابع ہو جاؤ تو) اور (جب خدائے تعالیٰ نے تم پر حق ظاہر کر دیا ہے تو) نہ تم ان کے قبلہ کے کبھی تابع ہونے والے ہو۔ (اور نہ ایسا اتفاق کبھی ہوا ہے کہ وہ ایسی امید رکھتے چنانچہ) وہ خود بھی ایک دوسرے کے قبلہ کے تابع نہیں (اور پھر باوجود اس کے وہ یہ بھی بخوبی جانتے ہیں کہ بفرض محال) اگر تم ان کی گری ہوئی خواہشوں کے اس علم کے بعد تابع ہو جاؤ جو کہ تمہارے پاس آچکا ہے تو ضرور تم ظالموں کے گروہ سے ہو جاؤ گے۔ (تو پھر کس طرح وہ یہ امید کر سکتے ہیں کہ باوجود اس علم اور اس یقین کے تم ان کے قبلہ کے تابع ہو سکو گے۔

اور یاد رکھنا چاہیئے کہ جہاں کہیں بظاہر خطاب نبی کریمؐ کی طرف ہوتا ہے اور وہ بات ایسی ہوتی ہے جو کہ آپ کی شان سے بعید ہوتی ہے۔ جیسا ان کی گری ہوئی خواہشوں کے تابع ہونا اور ظالم ہونا اور اسلام میں شک اور تردد کا ہونا۔ تو قرآن مجید وہاں پر ان امور کی آنحضرتؐ سے نفی بھی ضرور کر دیتا ہے تاکہ کوئی شبہ باقی نہ رہے۔ چنانچہ یہاں پر پہلے تو صاف فرما دیا کہ تم ان کے قبلہ کے تابع نہیں ہونے والے تو جب علام الغیوب یہ خبر دیتا ہے تو پھر ان کی اَھْوَآءٌ کے تابع ہونے کا احتمال ہی کب ہو سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ مفسرین نے ایسے امور کو بفرض محال لکھا ہے یا کہا ہے کہ اس خطاب سے امت کے وہ افراد مراد ہیں جن سے ایسا ہونے کا احتمال ممکن ہو سکتا ہو۔ بہر حال جب نفی موجود ہے تو آنحضرتؐ سے ایسا واقع ہونے کا احتمال بجز کسی ظالم کے اور کوئی نہیں خیال کر سکتا۔ جس کے اتباع بھی علیٰ بصیرۃ اسلام کی طرف بلاتے ہوں اس کی نسبت تردد وغیرہ کا احتمال نکالنا شرارت نہیں تو اور کیا ہے؟

حق کو چھپانے والے فریق کا ذکر:

اس کے بعد ان کی شرارت کے اظہار کیلئے فرمایا کہ) جن کو کتاب دی ہوئی ہے وہ اس امر کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ پر ایک فریق ان سے باوجود حق

جاننے کے حق کو پوشیدہ کر رہا ہے (تو جب باوجود حق کے جاننے کے وہ نہیں مانتے اور مباحثہ محض اس غرض سے ہوا کرتا ہے کہ جس کو حق معلوم نہیں اس کو حق کا علم دیا جائے لہٰذا اس کے بعد فرمایا کہ) یہ حق تیرے رب کی طرف سے کھل چکا ہے لہٰذا آئندہ تم جھگڑا کرنے والوں میں سے مت بنو۔

(مفسرین نے اس کے معنے یہ کئے ہیں کہ تم شک کرنے والے لوگوں سے نہ ہو۔ لیکن مُمْتَرِيْنَ اِمْتِرَاءٌ سے ہے اور یہ مِرَاءٌ سے بنا ہوا ہے اور قرآن مجید میں مِرَاءٌ کے معنے جھگڑے کے آئے ہیں چنانچہ سورۂ کہف میں آیا ہے کہ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا (الکہف:23) (ان میں بجز ظاہری جھگڑے کے اور کچھ نہ کر) نیز سورہ آل عمران ع 6 میں آیا ہے۔ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ۔ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ الخ (آل عمران:61-62) (حق تیرے رب سے ظاہر ہو چکا ہے لہٰذا تم ممترین سے نہ ہو۔ سو جو اس بارہ میں اس کے بعد تم سے جھگڑے کہ تم کو پورا علم حاصل ہو چکا ہے تو کہو آؤ ہم اور تم مباہلہ کر لیں الخ) پس یہاں پر مُمْتَرِيْنَ کے بعد فَمَنْ حَآجَّكَ فرمانے اور اس کے بعد مباہلہ کیلئے بلانے سے صاف صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس کے معنے یہاں پر جھگڑے کے ہیں نہ شک کرنے کے)

آیت 149 تا 153: وَ لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ وَ مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ اِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ وَ مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَ اخْشَوْنِيْ وَ لِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِيْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ۔

تشریح الفاظ:

وِجْهَةٌ۔ جہت یا وہ جہت کہ جس کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

مُوَلِّیْ۔ تَوْلِیَۃٌ سے ہے جس کے معنے بیان ہو چکے ہیں۔ تو ان کے مطابق اس کے معنے ہوئے والی بنانے والا یا پھیرنے والا۔

اِسْتَبِقُوْا۔ اِسْتِبَاقٌ سے ہے جو بمعنے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے ہے۔

خَیْرَاتٌ۔ بھلائیاں۔

حَیْثُ۔ مکان، جہان۔

حُجَّۃٌ۔ برہان اور کبھی بمعنے احتجاج یعنی جھگڑنے کے آتا ہے۔

تَخْشَوْا، اِخْشَوْا۔ خَشْیٌ سے ہے جو بمعنے ڈرنے کے ہے۔

ترجمہ:

اور ہر ایک (گروہ) کے لئے کوئی جہت ہے کہ وہ اسی کی طرف (اپنا منہ) پھیرنے والا ہے (یا وہ اللہ (تم کو) اس کا والی بنانے والا ہے) سو بھلائیوں میں ایک دوسرے پر آگے بڑھو۔ جہاں کہیں تم ہو گے اللہ تم سب کو لائے گا۔ بے شک اللہ ہر ایک چاہے ہوئے امر پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ اور جہاں سے تم نکلے ہو سو اپنی توجہ کو محترم مسجد کی طرف پھیر دو۔ اور یقیناً یہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے۔ اور اللہ ان کاموں سے ہر گز غافل نہیں جو کہ تم کرتے ہو۔ اور جہاں سے تم نکلے ہو سو اپنی توجہ کو عزت والی مسجد کی طرف پھیر دو۔ اور جہاں تم ہو تو اپنی توجہوں کو اس کی طرف پھیر دو تا کہ لوگوں کے لئے تم پر کوئی حجت بازی نہ رہے۔ بجز ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم بنے ہیں۔ سو ان سے نہ ڈرو۔ اور مجھ سے ڈرو۔ اور تا کہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کروں اور تا کہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ۔ جیسا کہ ہم نے تم میں تم ہی سے ایک عظیم الشان رسول بھیجا ہے جو کہ تم کو ہماری آیتیں سناتا ہے اور تم کو پاک کرتا ہے۔ اور تم کو کامل کتاب اور مضبوط باتیں سکھاتا ہے اور تم کو وہ کچھ سکھاتا ہے جو کہ تم نہ جانتے تھے۔ سو تم مجھے یاد کرو تا کہ میں تمہیں یاد کروں اور تم میری شکر گزاری کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔

تفسیر:

مفسرین نے ان آیتوں کا مطلب یوں بیان کیا ہے کہ سب کے لئے کوئی نہ کوئی قبلہ ہے جس کی طرف وہ اپنا اپنا منہ پھیرتے ہیں پر اس میں کوئی کمال نہیں کمال تو بھلائیوں میں سبقت لے جانے میں ہے۔ اور ہم قیامت میں تم سب کو جمع کریں گے اور پھر اُس وقت تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کمال بھلائیوں میں سبقت لے جانے میں تھا اور کون سبقت لے گیا ہے۔ اور پھر حکم دیا کہ جس طرف تم سفر کرو یا جہاں کہیں تم مقیم ہو مسجد حرام ہی کی طرف نماز پڑھو تا کہ نہ یہود اور نصاریٰ کا یہ اعتراض رہے کہ کتب سابقہ میں تو اس نبی کا قبلہ مسجد حرام ہے اور یہ اس کی طرف نماز نہیں پڑھتا۔ اور نہ مشرکین کا یہ اعتراض رہے کہ دعویٰ تو ابراہیمی ملت کا کرتا ہے اور اس کے قبلہ کو ترک کرتا ہے۔

ہاں جن ظالموں نے اعتراض کرنا اپنا پیشہ بنایا ہوا ہے وہ تو اب بھی کچھ نہ کچھ کہتے ہی رہیں گے۔ نیز تا کہ ہم تم پر اپنی نعمت پوری کریں اور تا کہ تم ہدایت والے ہو جاؤ۔ اور پھر بتایا کہ اس قبلہ کو ہم نے تمہاری ہدایت کا موجب ایسا ہی بنایا ہے جیسا کہ ہم نے تم میں تمہارے ہی درمیان سے ایسا رسول بھیجا ہے الخ اور اخیر پر ان نعمتوں کے شکریہ کا حکم دیا ہے۔ لیکن میرے نزدیک ان کا مطلب یہ ہے کہ پہلے تو خداوند کریم نے اس کے حق ہونے کا یہ نشان بتایا تھا کہ اہل اسلام اس کو فتح کر لیں گے تو اب ان سب معترضین کو ایک جامع نشان بتاتا ہے۔ کہ ہر ایک معترض قوم کے لئے ایک قبلہ مقرر ہے پر اللہ ان سب پر اب اہل اسلام کو والی بنانے والا ہے۔ اور چونکہ یہ خاص فضل تھا اس لئے حکم دیا کہ بھلائیوں میں بڑھو تا کہ یہ انعام ہاتھ آئے۔ نیز یہ بھی بتایا کہ دوسروں کے قبلوں پر والی بن کر ان کے ساتھ بھلائی کا برتاؤ کرنا۔

کعبہ کی طرف توجہ پھیرنے کا حکم:

اس کے بعد اہل اسلام کے اس اجتماع کا نظارہ بتایا ہے جو کہ فتح مکہ کے وقت دس ہزار قدوسیوں کے اجتماع سے اور فتح بیت المقدس کے وقت امیر المومنین سیدنا عمرؓ کے وہاں پر تشریف لے جانے سے ہونے والا تھا۔ اس کے بعد سب سے پہلے کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم دیا اور اس کی دو وجہیں بتائیں۔

اول یہ کہ تم وہاں سے دکھ اور ایذا اُٹھا کر نکلے ہو اور تمہارا اصل وطن وہی ہے۔

دوم یہ کہ ابراہیم و اسمٰعیل کی یادگار معزز و محترم مسجد وہاں ہی ہے۔ پھر اس وعدہ کی پختگی اور اس کی سچی اطاعت کا نتیجہ ہونے کے اظہار کے بعد بظاہر تو یہ حکم دیا کہ انہی دو باعث سے تم اپنا قبلہ بھی اسی کو بناؤ لیکن اس سے سب سے پہلے اس کی طرف متوجہ ہونے کی تیسری وجہ یہ بتائی کہ خدائے تعالیٰ کے حکم سے وہ تمہارا قبلہ بھی ہے اور بالآخر اس کے قبلہ بنانے اور فتح کرنے بلکہ اوروں کے قبلوں کے فتح کرنے کے تین فائدے بتائے ہیں۔

(1) یہ کہ لوگوں کی کوئی حجت بازی اور کوئی اعتراض تم پر نہ رہے ہاں جو ان میں سے ظالم ہیں وہ تو پھر بھی باز نہ آویں گے لہٰذا ان سے نہ ڈرنا چاہیئے۔

(2) یہ کہ تا میں تم پر اپنی نعمت کو پوری کروں۔ چنانچہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ[1] الخ (المائدۃ:4) فتح مکہ پر ہی نازل ہوا ہے۔

(3) یہ کہ تا کہ تم ہدایت یافتہ ہو جاؤ۔ ایک تو ایسے بیّن اور اقویٰ ترین نشان سے۔ دوم کعبہ کے اثر مذکور سے۔ اور بتایا کہ یہ تمہارے ہدایت یافتہ ہونے کا ایسا ہی ذریعہ ہے جیسا کہ ہم نے تم میں تم ہی سے ایسا عظیم الشان رسول بھیجا ہے جو کہ تم کو الخ۔ اخیر پر فرمایا کہ جب سچی اطاعت سے یہ کچھ ملا ہے تو آئندہ اور بھی یاد الٰہی اور اس کا شکر بجالانا چاہیئے تا کہ اور انعام ہوں۔ اور کفر اور کفرانِ نعمت سے بچو تا کہ یہ نعمتیں نہ چھن جائیں۔

[1]۔ آج میں نے تمہارے (فائدہ کے) لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور تم پر اپنے احسان کو پورا کر دیا ہے۔ (تفسیر صغیر)

آیت 154 تا 164: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔ وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ۔ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ۔ اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ الْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ۔ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ بَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ۔ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ۔ وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ۔

تشریح الفاظ:

نَبْلُوَ۔ بَلَاءٌ سے جس کی تحقیق گزر چکی ہے۔

جُوْعٌ۔ بھوک۔

صَفَا۔ اصل میں نرم پتھر۔

اور مَرْوَۃٌ۔ سپید اور نرم پتھر کو کہتے ہیں۔ اور اب مکہ میں دو جگہوں کے نام ہیں۔

شَعَائِرُ۔ شَعِیْرَۃٌ یا شِعَارَۃٌ کی جمع ہے، جس کے معنے علامت اور نشان کے ہیں۔

حَجَّ۔ لغت میں قصد کرنے۔

اور عُمْرَۃٌ۔ زیارت کرنے کو کہتے ہیں اور اب مکہ میں خاص دو عبادتیں ادا کرنے کو حج اور عمرہ کہتے ہیں۔

جُنَاحٌ۔ پھرنے اور جھکنے کو کہتے ہیں اور گناہ اسی سے بنا ہے۔

طَوَافٌ۔ پھرنے اور گھومنے کو کہتے ہیں۔

تَطَوَّعَ۔ تَطَوُّعٌ سے ہے جس کے معنے فرمانبردار بننے اور زائد کام کرنے کے ہیں۔

شُکْرٌ۔ شکریہ ادا کرنے اور خوشی سے قبول کرنے کو کہتے ہیں۔

لَعْنَۃٌ۔ دوری۔

یُنْظَرُوْنَ۔ اِنْظَارٌ سے یا نَظَرٌ سے ہے، جس کے معنے دیکھنے اور مہلت دینے اور مؤخر کرنے کے ہیں۔

ترجمہ:

اے وہ جو ایمان لائے ہو صبر اور نماز (دعا) کے ساتھ مدد چاہو۔ یقیناً اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے۔ اور جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں اُن کو مردے نہ کہو۔ بلکہ وہ زندے ہیں ولیکن تم نہیں جانتے۔ اور ضرور ہی ہم تم کو کسی قدر خوف اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے گھاٹے کے ساتھ مبتلا کریں گے۔ اور ان صبر والوں کو بشارت دے دو جن کو جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یقیناً ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور یقیناً ہم اسی کی طرف پھرنے والے ہیں۔ یہ وہ ہیں جن پر اپنے رب کی طرف سے درود اور رحمت ہے اور یہی وہ ہیں جو ہدایت پانے والے ہیں۔ بے شک صفا اور مروہ اللہ کے (مقرر کردہ) نشانوں سے ہیں۔ سو جو اس گھر کا حج یا عمرہ کرے اس پر کوئی حرج (یا گناہ) نہیں کہ وہ ان میں پھرے۔ اور جو زائد

بھلائی کرتا ہے (یا جو اچھی طرح فرمانبردار رہتا ہے) تو بے شک اللہ خوشی سے قبول کرنے والا اور خوب جاننے والا ہے۔ بے شک جو لوگ ان کھلی کھلی باتوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں جن کو ہم نے اتارا ہے بعد اس کے کہ ہم نے کتاب میں اس کو لوگوں کیلئے کھول کر بیان کر دیا ہے اُن کو اللہ (بھی) دور کرتا ہے اور سب دور کرنے والے (بھی) ان کو دور کرتے ہیں۔ بجز ان کے جو باز آئے اور اصلاح کی اور بیان کر دیا سو ان پر میں (مہربانی کے ساتھ) پھر آؤں گا۔ اور میں بہت پھر آنے والا مہربان ہوں۔ بے شک جو کافر ہوئے اور کافر ہونے کی حالت میں ہی مر گئے ان پر اللہ اور سب فرشتوں اور آدمیوں کی لعنت ہے وہ اس میں پڑے رہنے والے ہیں نہ ان سے وہ عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔ اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے اس رحمان رحیم کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔

تفسیر:

جب پہلے یہ ذکر ہوا کہ کتمان شہادت کے باعث ان کو سزا ملے گی۔ نیز قبلہ کی حقانیت کا نشان معترضین کے قبلوں کا فتح ہو جانا قرار دیا گیا اور اپنے قبلہ کی فتح کی طرف سب سے پہلے متوجہ کیا گیا تھا لہٰذا ضروری ہوا کہ اس کے بعد جہاد کا ذکر ہو اور سب سے پہلے کامیابی اور ناکامی کی راہیں بتائی جائیں۔ اور ابتدا میں جو تکلیفیں پیش آئیں گی ان کی ایسی حکمت بتائی جائے کہ باوجود شماتت اعدا کے نہ تو ناگوار گزریں اور نہ سستی کا باعث ہوں۔ پس سب سے پہلے سب سے بڑے نقصان کی نسبت بتایا کہ جو لوگ تم سے شہید ہو جائیں گے ان کو مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اور تمہاری امداد کیلئے خدا کے آگے دعاؤں میں مشغول ہیں۔

اور پھر سب کی حکمت بتائی کہ چونکہ انسان اپنے اختیار سے خدا کیلئے وہ دکھ نہیں اُٹھا سکتا جو کہ عظیم الشان انعامات کا موجب ہوں لہٰذا خداوند تعالیٰ اپنی قدرت سے اس پر کچھ دکھ نازل کرتا ہے۔ تاکہ وہ ان پر صبر کرکے اور دنیا کی بے ثباتی اور رجوع الی اللہ کا نقشہ اس پر وارد ہو کر اس کو بے انتہا رحمتوں اور فضلوں کا مورد بنا دے۔ اس کے بعد اس کے ثبوت کے لئے ایک مثال پیش فرمائی کہ ہاجرہ و اسمٰعیلؑ پر بھی یہ حالت آئی تھی۔

پھر دیکھو (کہ ان پر کیا کچھ فضل ہوئے جن کی یادگار صفا و مروہ بھی ہیں (یعنی اگرچہ جاہلیت کے زمانہ میں ان پر اساف اور نائلہ نام بُت بھی رکھے گئے پر اس سے ان کا طواف منع نہیں ہو گیا جیسا کہ کعبہ میں بت رکھنے سے اس کا طواف ممنوع نہیں ہوا (لکھا ہے کہ صحابہؓ نے اس وجہ سے ان کے طواف کو ناپسند کیا تھا تو خداوند تعالیٰ نے جواب دے دیا) اس کے بعد بتایا کہ کامیابی کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ فریق مقابل مورد غضب الٰہی ہو۔ سو یہ بھی حاصل ہے کہ فریق مقابل کتمان شہادۃ اللہ اور کفر عنادی کے باعث ملعون ہے۔

ہاں اگر دونوں کے جدا جدا معبود ہوتے تو بھی بچاؤ کی کوئی صورت ہو جاتی لیکن معبود بھی ایک ہی ہے جو کہ رحمان ورحیم ہے۔

آیت 165 تا 168: اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ وَ الۡفُلۡكِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَ بَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ۔ وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَنۡدَادًا یُّحِبُّوۡنَهُمۡ كَحُبِّ اللّٰهِ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ وَ لَوۡ یَرَی الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اِذۡ یَرَوۡنَ الۡعَذَابَ اَنَّ الۡقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِیۡعًا ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِیۡدُ الۡعَذَابِ۔ اِذۡ تَبَرَّاَ الَّذِیۡنَ اتُّبِعُوۡا مِنَ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡا وَ رَاَوُا الۡعَذَابَ وَ تَقَطَّعَتۡ بِهِمُ الۡاَسۡبَابُ۔ وَ قَالَ الَّذِیۡنَ اتَّبَعُوۡا لَوۡ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنۡهُمۡ كَمَا تَبَرَّءُوۡا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ یُرِیۡهِمُ اللّٰهُ اَعۡمَالَهُمۡ حَسَرٰتٍ عَلَیۡهِمۡ ؕ وَ مَا هُمۡ بِخٰرِجِیۡنَ مِنَ النَّارِ۔

تشریح الفاظ:

فُلۡكٌ۔ کشتی، کشتیاں۔

بَثَّ۔ بَثٌّ۔ پھیلانا۔

دَابَّةٌ۔ زمین پر چلنے والی چیز۔

تَبَرُّءٌ۔ بیزار ہونا۔

تَقَطُّعٌ۔ کٹ جانا۔

اَسۡبَابٌ۔ سبب، رسّہ، تعلق۔

كَرَّةٌ۔ ایک دفعہ پھرنا۔

ترجمہ:

یقیناً آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے اور رات اور دن کے اختلاف اور ان جہازوں میں جو کہ سمندر میں کچھ لے جاتے ہیں، جو لوگوں کو نفع دیتا ہے۔ اور اس پانی میں جس کو اللہ بلندی سے نازل کرتا ہے۔ پھر اس کے ساتھ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے۔ اور اس میں ہر قسم کی چلنے والی چیزیں پھیلاتا ہے۔ اور ہواؤں کے مختلف طور پر چلنے میں اور اس بادل میں جو زمین و آسمان کے درمیان قابو کیا ہوا ہے۔ اُن لوگوں کے لئے ضرور نشان ہیں جو عقلمند ہیں۔ اور بعض لوگ وہ ہیں جو کہ اللہ کے سوا کچھ (اس کے) ہمسر بنالیتے ہیں۔ جن سے اللہ کی محبت کی مانند محبت کرتے ہیں اور (لیکن) جو ایمان لاتے ہیں ان کی محبت اللہ کیلئے بہت قوی ہوتی ہے۔ اور جنہوں نے ظلم کیا ہے (ہمسر بنائے ہیں) اگر وہ دیکھتے جبکہ عذاب کو دیکھتے کہ یقیناً سب طاقت اللہ ہی کیلئے ہے اور بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے (تو ایسے بیزار ان سے ہوتے جیسے کہ) جب متبوع لوگ ان سے بیزار ہوں گے جو تابع تھے اور عذاب کو دیکھیں گے اور ان کے تعلقات کٹ جاویں گے۔ اور تابع لوگ کہیں گے کہ کاش ہمارے لئے ایک دفعہ پھر جانا ہوتا تو ہم ان سے ایسے ہی بیزار ہوتے جیسے کہ وہ ہم سے بیزار ہوئے ہیں۔ اسی طرح اللہ ان کے سب اعمال کو ان پر حسرتیں کر دکھائے گا اور (ان باتوں کے ساتھ) وہ آگ سے نکلنے والے نہ ہوں گے۔

تفسیر:

جب یہ بتایا گیا کہ باوجود کھلے کھلے بینات کے کس طرح یہ لوگ قبلہ سے اور دین اسلام کی حقانیت اور سید الرسل کی رسالت سے انکار کرتے ہیں اور سلیم الفطرت انسان کے فہم میں یہ بات آسکتی ہی نہیں کہ بینات کے ہوتے ہوئے بھی انکار ہو سکتا ہے۔ تو ان آیات میں پہلے خداوند کریم نے یہ بتایا ہے کہ ان باتوں کو جانے دو یہ تو تم جانتے ہو کہ زمین اور آسمانوں کی پیدائش وغیرہ میں اللہ کی قدرت اور حکمت اور دوسرے صفات اور توحید کے کیسے کھلے کھلے نشان ہیں لیکن پھر بھی بعض لوگ اس کے ہمسر مانتے اور ان سے اللہ کی

طرح محبت رکھتے ہیں اور حالانکہ اگر ان کا ایمان ہوتا تو پھر اللہ کی محبت ان کے دلوں میں سب سے زیادہ ہوتی۔ اس کے بعد بتایا کہ ان ہمسروں سے بیزاری کے اسباب بھی پیش آتے ہیں پر بیزار نہیں ہوتے۔ چنانچہ دنیا میں جب وہ اپنے آپ کو یا دوسروں کو عذاب میں دیکھتے ہیں تو اگر ذرہ بھی غور کرتے تو ضرور اس کو مشاہدہ کر لیتے۔ (کہ سب طاقت اللہ ہی کے لئے ہے اور وہ سخت عذاب دینے والا ہے)۔ جیسا کہ قیامت کو مشاہدہ کر کے بیزار ہوں گے پر اس وقت وہ کام نہ آئے گی۔

مفسرین نے عام طور پر وَلَوْ یَرَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا الخ کے یہ معنے کئے ہیں کہ قیامت کے دن جب وہ عذاب کو دیکھیں گے کہ سب طاقت اللہ ہی کے لئے ہے اور وہ سخت عذاب دینے والا ہے تو اس وقت جانیں گے کہ ہمارے شرکاء کچھ نفع و ضرر نہیں رکھتے) اور یہ جواب مقدر نکالا ہے اور بعض نے یہ کئے ہیں کہ اگر اب اللہ تعالیٰ کو ایسا دیکھتے جیسا کہ اس وقت دیکھیں گے۔ جبکہ عذاب کو دیکھیں گے تو ضرور ان سے بیزار ہوتے اور یہ پہلے معنوں کی نسبت عمدہ ہیں۔

آیت 169 تا 177: يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۔ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ۔ وَ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۔ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ يَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ لَا يُزَكِّيْهِمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَ الْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ۔ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ۔

تشریح الفاظ:

طَيِّبٌ۔ پاکیزہ۔

خُطُوَاتٌ۔ خُطْوَۃٌ کی جمع ہے، قدم گام۔

مُبِیْنٌ۔ اِبَانَۃٌ سے ہے، ظاہر ہونا یا کرنا یا دور کرنا۔

اَلْفَیْنَا۔ اِلْفَاءٌ سے ہے، پانا۔

یَنْعِقُ۔ نَعْقٌ اور نَعِیْقٌ سے ہے، آواز دینا چار پایوں کو ہانکنے وغیرہ کے لئے بار بار آواز دینا۔

دُعَآءٌ۔ بلانا۔ نِدَآءٌ۔ آواز دینا۔

اُھِلَّ۔ اِھْلَالٌ، اصل میں چاند دیکھنے کو کہتے تھے اور اب آواز دینے اور پکارنے کے معنوں میں آتا ہے۔

بَاغٍ۔ باغی۔ عَادٍ۔ حد سے تجاوز کرنے والا۔

ترجمہ:

اے لوگو! جو کچھ زمین میں ہے اس سے پاکیزہ حلال کو کھاؤ۔ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔ یقیناً وہ تمہارے لئے کھلا (یا دور کرنے والا) دشمن ہے۔ وہ تم کو بدی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ تم اللہ پر وہ کچھ کہو جو تم نہیں جانتے۔ اور جب ان کو کہا جاتا ہے کہ اس کی متابعت کرو۔ جو اللہ نے نازل کیا ہے وہ کہتے ہیں بلکہ ہم اس کی پیروی کریں گے جس پر اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔ کیا (وہ ان کی پیروی کریں گے) اگرچہ ان کے باپ دادے نہ کچھ سمجھتے ہوں اور نہ ہدایت پاتے ہوں اور کافروں کی حالت ایسی ہے جیسے کوئی اس کو آواز دیتا ہے جو کہ بجز بلانے اور آواز کے اور کچھ نہیں سنتا (وہ) بہرے، گونگے، اندھے ہیں لہٰذا نہیں سمجھتے۔

اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ جو کہ ہم نے تم کو نصیب کی ہیں اور اللہ کا شکر کرو اگر خاص اسی کی فرمانبرداری کرتے ہو۔ تم پر تو اس نے مردار اور خون اور خنزیر کے گوشت اور اُسی چیز کو حرام کیا ہے کہ جس کو اللہ کے سوا کسی دوسرے کیلئے پکارا جائے۔ سو جو اس حالت میں مجبور ہو جائے کہ نہ بغاوت کرنے والا ہو اور نہ تعدی کرنے والا تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ بیشک جو اس کو چھپاتے ہیں کہ اللہ نے اس کو

کتاب سے اُتارا ہے اور اس کے عوض تھوڑا مول لیتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ ہی ڈالتے ہیں اور نہ اللہ قیامت کے دن ان سے بولے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور عذاب کو مغفرت کے عوض خرید لیا ہے۔ سو وہ کیا ہی عجیب صبر کرنے والے ہیں آگ پر۔ اس وجہ سے ہے کہ یقیناً اللہ نے اس کتاب کو حق کے ساتھ اُتارا ہے۔ اور یقیناً جو لوگ اس میں اختلاف کرتے ہیں وہ ضرور دور کی عداوت میں ہیں۔

تفسیر:

چونکہ پہلے محبت الٰہی کا ذکر آیا تھا اور بہت سے لوگ محبت الٰہیہ کا یہ نشان قرار دیا کرتے ہیں کہ خدا کے بہت سے حلالوں کو اپنے پر حرام قرار دے دیں۔ لہٰذا یہاں پر پہلے فرمایا کہ یہ شیطان کی پیروی ہے پس تم ایسا نہ کرو۔ اور شیطانی کاموں کی شناخت یہ بتائی کہ بدی، بے حیائی اور خدا پر افتراء پردازی یہ شیطانی کام ہیں اور حلال کو حرام کرنا بھی افتراء پردازی ہے۔ اس کی وجہ یہ بتائی کہ وہ رسم کے ایسے پابند ہوتے ہیں کہ اگر ان کو مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ کی اتباع کیلئے کہا جائے تو عملاً بھی ظاہر کرتے ہیں کہ ہم اس کی اتباع نہیں کرتے بلکہ اس کی کریں گے کہ جس پر اپنے بزرگوں کو پایا ہے۔ خواہ اس کا کوئی ثبوت بھی ان کے پاس نہ ہو کہ وہ عقلمند اور ہدایت یافتہ تھے۔ اور بتایا کہ حق نما کی بات نہ ماننے میں ان کی حالت ایسی ہے جیسا کوئی جانوروں کو بار بار آواز دیتا ہے اور وہ بجز پکار اور آواز کے اور کچھ نہیں سنتے۔ اسی طرح یہ بھی اس کی باتوں کو نہیں سمجھتے۔

مفسرین نے مَثَلُ الَّذِیْنَ کی تقدیر مَثَلُ وَاعِظِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا[1] نکالی ہے۔ لیکن اس کی کوئی ضرورت نہیں مطلب واضح ہے۔ پس حق کی نسبت وہ بہرے، گنگے، اندھے ہیں لہٰذا وہ کچھ نہیں سمجھتے۔ اس کے بعد مومنوں کو فرمایا کہ اگر اور نہیں مانتے تو تم تو خاص اللہ ہی کی فرمانبرداری کرنے والے ہو تم تو رسم وعادت کو ترک کر کے خدا کے دیئے ہوئے طیبات سے

[1]۔ جنہوں نے کفر کیا ان کو نصیحت کرنے والے کی مثال۔ (از مرتب)

متمتع ہو کر اس کا شکر بجالا کر اس کے فضل و کرم کے مورد بنو۔ پھر بتایا کہ تمہاری معتاد اور مستعمل اشیاء میں سے یہی چند چیزیں ہم نے حرام کی ہیں۔ مردار خون خنزیر کا گوشت اور جس کو اللہ کے سواء کسی اور کے لئے پکارا جائے۔ حنفی اور بعض دیگر علماء نے لکھا ہے کہ ذبح کے وقت اگر اور کے نام سے ذبح کیا جائے تب حرام ہے اور اگر پہلے دوسروں کے نام سے پکاریں اور ذبح اللہ کے نام سے کریں تب نہیں۔ لیکن قرآن مجید سے عام طور پر حرمت ثابت ہے۔

ہر قسم کی بغاوت سے بچو:

غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ کے معنے شوافع کے نزدیک یہ ہیں کہ نہ بادشاہ وقت سے باغی ہو اور نہ معصیت کے سفر میں ہو اور حنفیوں نے یہ کئے ہیں کہ نہ دوسرے سے چھیننے والا ہو۔ اور نہ بقدر ضرورت سے زیادہ کھانے والا ہو۔ لیکن حق یہ ہے کہ ہر قسم کی بغاوت اور تعدی کو یہ شامل ہے اور تخصیص درست نہیں ہے۔ اور چونکہ اہل کتاب کو حلال و حرام کا علم تھا۔ اور باوجود اس کے اسلام پر بعض چیزوں کی حلت و حرمت کی نسبت اعتراض کرتے تھے لہٰذا فرمایا کہ جو لوگ اُن باتوں کو چھپاتے ہیں جن کو اللہ نے کتاب میں نازل کیا ہے وہ محض دنیوی منافع کے خیال سے حق پوشی کرتے ہیں۔ سو جو کچھ وہ کھاتے ہیں وہ حقیقۃً آگ کھا رہے ہیں اور قیامت کے دن نہ اللہ ان سے بولے گا نہ ان کو پاک کرے گا بلکہ دردناک عذاب دے گا۔ کیونکہ انہوں نے گمراہی لی اور ہدایت چھوڑی اور عذاب لیا اور مغفرت کو ترک کیا اور آگ پر عجیب جرأت کی ہے اور دیدہ و دانستہ ایسا کرنے کی وجہ بتائی کہ یہ لوگ تو حق سے بہت مخالفت رکھنے والے تھے اور یہ کتاب حق لائی پس اس وجہ سے انہوں نے یہ سب کچھ کیا جو کیا۔

آیت 178 تا 183: لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَ السَّآئِلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَ الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ِلْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ۔ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔

تشریح الفاظ:

بِرٌّ۔ نیکی۔

ذَوِی۔ والے۔اَلْقُرْبٰی۔ بہت نزدیکی رشتہ۔
اِبْنٌ۔ بیٹا۔سَبِیْلٌ۔ راہ۔اِبْنُ السَّبِیْلِ۔ مسافر۔
رِقَابٌ۔ جَمْعُ رَقَبَۃٍ، گردنیں۔
مُوْفُوْنَ۔اِیْفَاءٌ سے ہے۔
بَاْسَآءٌ۔ دکھ۔ضَرَّآءٌ۔ ضرر۔
حِیْنَ۔ وقت۔بَأْسٌ۔ جنگ۔
قِصَاصٌ۔ بدلہ۔حُرٌّ۔ آزاد، شریف۔
اُولِیْ۔ والی۔اَلْبَابُ۔ جَمْعُ لُبٍّ مغز، عقل۔
وَصِیَّۃٌ۔ وصیت اور موکد حکم۔
مُوْصِی۔ وصیت کرنے والا۔
جَنَفًا۔ کسی طرف جھکنا اور ظلم کرنا۔

ترجمہ:

نیکی یہی نہیں کہ تم اپنے مونہوں کو مشرق و مغرب کی طرف پھیرو و لیکن نیکی تو وہ کرتا ہے جو اللہ اور پیچھے آنے والے دن اور فرشتوں اور نبیوں پر ایمان لاتا ہے۔ اور مال کو باوجود اس کی محبت کے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر اور سوال کرنے والوں کو اور گردنوں میں دیتا ہے۔ اور نماز کو قائم کرتا اور زکوٰۃ ادا کرتا ہے۔ اور جو اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوتے ہیں جبکہ وہ عہد کرتے ہیں۔ اور جو دکھ اور ضرر اور جنگ کے وقت صبر کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو سچے ہوتے ہیں اور یہی متقی ہوتے ہیں۔

اے ایمان لانے والو! مقتولوں میں تم پر قصاص مقرر کیا گیا ہے۔ آزاد آزاد کے عوض اور غلام غلام کے عوض اور عورت عورت کے عوض سو جس کو اپنے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کیا جائے تو اچھے دستور کے مطابق پیروی ہو اور احسان کے ساتھ اُس کے آگے ادا ہو۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے۔ سو جو اس کے بعد تعدی کرے گا اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اور اے عقل والو! تمہارے لئے قصاص میں بڑی زندگی ہے تا کہ تم بچ جاؤ۔ تم پر والدین اور رشتہ داروں کے لئے اچھے دستور کے ساتھ وصیت مقرر کی گئی ہے جبکہ تم میں سے کسی کو موت حاضر ہو اگر خیر (مال) چھوڑے۔ متقیوں پر حق کی گئی ہے۔ تو جو اس کے سننے کے بعد اسے بدلے گا تو اس کا گناہ انہی پر ہو گا جو کہ اسے بدلیں گے۔ بے شک اللہ اور خوب سننے والا جاننے والا ہے۔ سو جو وصیت کرنے والے سے میلان یا گناہ سے ڈرے پھر ان کے درمیان اصلاح کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر:

اصل حقیقت یہ ہے کہ جب قبلہ کے بیان پر فتح قبلہ اور جہاد کا ذکر آیا تو جہاد کے باعث سے بعض خاص مسائل اور احکام کی ضرورت پیش آنے والی تھی جیسی بعض اشیاء کی حلت و حرمت اور قصاص، وصیت، نفقہ، طلاق وغیرہا تو قبلہ کے مباحثہ کو بند کر کے محبت الٰہیہ کی مناسبت سے پہلے حلت و حرمت کے مسئلہ کو بیان فرمایا۔ اور چونکہ معترضین قبلہ کے مباحثہ کو بار بار چھیڑتے تھے۔ لہٰذا پھر فرمایا کہ مشرق و مغرب وغیرہ کی طرف رُخ کرنا کوئی ایسی چیز نہیں کہ جس پر نجات یا قرب اور رضائے الٰہی کا دار و مدار ہو بلکہ نیکی تو حق اعتقاد رکھنا مثلاً اللہ اور آخرت اور فرشتوں اور کتاب اور جمیع انبیاء پر ایمان لانا۔ اور حقوق العباد کو ادا کرنا مثلاً باوجود مال کی محبت کے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں، سوالیوں اور گردنوں کے آزاد کرنے میں مال صرف کرنا۔ اور حقوق اللہ کو ادا کرنا مثلاً نماز کو قائم کرنا اور زکوٰۃ دینی اور جو کچھ اپنے پر لازم کرنا اس کو ادا کرنے والا بننا۔ مثلاً کسی سے عہد کریں تو اس کو پورا کرنے والے ہوں۔ اور پھر خاص تعریف کے لائق وہ ہیں جو دکھوں ضرروں میں اور مقابلہ کے وقت میں صبر کرنے والے ہوتے ہیں۔ اور ان کے نیک ہونے کی یہ وجہ بتائی کہ یہ لوگ سچے اعتقاد رکھتے ہیں اور اپنے اقرار اور قول کو سچا کر دکھاتے ہیں۔ اور وہ کام کرتے ہیں جن کے ساتھ اپنے رب کی ناراضگی اور اس کے عذاب سے اور مذمت سے بچتے ہیں۔ اور یہی نیکی کا فلسفہ ہے۔

اس کے بعد بتایا کہ نیکی تو یہ ہے کہ کمال غضب کے وقت بھی انصاف اور تقویٰ اور

دور اندیشی مد نظر رہے۔ اور الٰہی احکام اور فوائد عامہ کی نسبت کوئی رعایت وغیرہ روک نہ ہو۔ چنانچہ فرمایا کہ اے ایمان والو! ہم نے تم پر مقتولوں میں قصاص مقرر کیا ہے پر یوں نہیں کہ فلاں قوم شریف یا اشرف ہے لہٰذا ان کے غلام کے بدلے شریف اور عورت کے بدلے مرد قتل ہو یا ان اشراف سے کوئی قاتل ہو تو قصاص میں بجائے اس کے غلام قتل کیا جائے۔ بلکہ شریف آزاد کا قاتل جب شریف آزاد ہو تو وہی مارا جائے اور غلام کا قاتل اگر غلام ہو تو وہی مارا جائے اور اگر عورت کی قاتلہ عورت ہو تو وہی ماری جائے۔ اور جس طرح سورۂ مائدہ ع 7 میں وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ الخ[1] (المائدۃ:46) فرما کر اہل کتاب کو ملزم کیا ہے کہ تم اس کا خلاف کرتے اور شرفاء کی رعایت برتتے ہو۔ اسی طرح یہاں پر بھی اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ الخ کے ساتھ ان پر تعریض کی گئی ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر حُرٌّ کا قاتل حُرٌّ نہ ہو بلکہ غلام ہو تو پھر وہ نہ مارا جائے۔

اس کے بعد بتایا ہے کہ والی مقتول اگر قاتل کو کچھ معاف کر دے تو پھر اس کو اس کے بعد اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیے اور جو کچھ دینا ہو وہ احسان کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔ اور خدا کا بھی شکر کرنا چاہیے کہ اس نے یہ تخفیف اور رحمت کر دی۔ پر جو اس کے بعد تعدی کرے گا اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور بدلہ لینے اور پھر اس میں مساوات کرنے کی حکمت یہ بتائی کہ اس میں علاوہ دوسروں کے لئے عبرت ہونے کے فریقین میں جو قتل کا سلسلہ جاری ہو جایا کرتا تھا اس کی روک ہونے کے باعث تمہارے لئے زندگی ہے۔ اور پھر کمال غضب کے وقت تقویٰ کا ثبوت دینے سے آئندہ زندگی بھی عمدہ ہو گی، پس تم بچ بھی جاؤ گے اور متقی بھی ثابت ہو جاؤ گے۔

وراثت اور وصیت کے بارے میں احکام:

اور چونکہ قتل اور موت کے بعد معًا وراثت اور وصیت کا سوال پیدا ہوتا ہے لہٰذا اس کے بعد وصیت کا ذکر یوں فرمایا کہ جب تم سے کوئی مرنے لگے اور کچھ مال چھوڑے تو والدین اور رشتہ داروں کے لئے دستور کے مطابق تم پر وصیت لازم کی گئی ہے۔ مفسرین

[1]۔ اور ہم نے اس (تورات) میں اُن پر فرض کیا تھا کہ جان کے بدلہ میں جان۔ (تفسیر صغیر)

نے لکھا ہے کہ یہ حکم وراثت کے حکم سے پہلے پہلے تھا کہ مرنے والا خود وارثوں کے لئے وصیت کرے اوراس کے مطابق پھر تقسیم ہو۔ لیکن جب وراثت کی آیتیں نازل ہوئیں تو وصیت کا لازم ہونا منسوخ ہو گیا اور خصوصًا وارثوں کے لئے وصیت بالکل منع ہو گئی اور یہ آیت منسوخ ہو گئی۔

نسخ کا مسئلہ تو ہم بتا چکے ہیں کہ قرآن مجید میں کوئی ایسی آیت نہیں کہ جس کے حکم کی پیروی ہمیشہ کے لئے شرعاً منع ہو یا اس کا حکم رفع ہو گیا ہو اور جن کو منسوخ کہتے ہیں ان کو کسی دلیل سے نہیں بلکہ معنے نہ سمجھنے سے کہتے ہیں۔ آیت وراثت میں ہر گز کوئی لفظ ایسا نہیں آیا جس سے یہ ثابت ہو کہ وصیت وارث کے لئے جائز نہیں اور دوسروں کے لئے ضروری نہیں۔ ہاں حدیث میں یہ تو آیا ہے کہ لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الوصایا باب لا وصیۃ لوارث حدیث نمبر 2714)

لیکن حدیث کو وہ قرآن کی ناسخ نہیں مانتے اور وصیت کی نسبت تو حدیثوں میں صاف تاکید آئی ہوئی ہے۔ پس منسوخ تو ہر گز نہیں۔ پس اس کا مطلب یہ ہے کہ وراثت کے احکام کو خداوند تعالیٰ نے يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ (النساء:12) (اللہ تم کو وصیت کرتا ہے) کے ساتھ ذکر کر کے ان کا نام وصیت رکھا ہے۔ اور اس کو ضروری قرار دیا ہے اور ایک وہ وصیت ہوتی ہے کہ مرنے سے پہلے انسان کرتا ہے اور احادیث کے الفاظ پر نظر کر کے علمائے ظاہر یہ نے تو اس کو بھی عام طور پر واجب قرار دیا ہے۔ لیکن جنہوں نے عام طور پر واجب نہیں کہا انہوں نے بھی بعض ضرورتوں کے وقت مثل امانت اور قرض وغیرہ کے واجب قرار دیا ہے۔ پس معنے یہ ہوئے تم پر وصیت مقرر ہے خواہ انسان خود کر دے اگر کرنی ہو یا جن صورتوں میں ضروری کرنی ہو یا وہ جو خداوند علیم نے بیان کر دی ہوئی ہے جو کہ کسی صورت میں تبدیل نہیں ہو سکتی۔ اور جو ان دونوں وصیتوں کو سننے کے بعد تبدیل کرے گا اس پر گناہ ہو گا پر جو شخص موصی سے کسی طرف میلان یا خدا کی وصیت کے خلاف دیکھ کر اصلاح کرے اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔

آیت 184 تا 189: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ وَ اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَ مَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَ لْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ۔ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ عَفَا عَنْكُمْ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَ ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ

لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۔ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔

تشریح الفاظ:

صِيَامٌ۔ جَمْعُ صَوْمٍ اصل میں کسی چیز سے کسی وقت تک رُکنے کو کہتے تھے اور اصطلاح شرع میں کھانے پینے اور جماع سے صبح سے لے کر شام تک رُکنے کو کہا جاتا ہے۔

عِدَّةٌ۔ گنتی۔

يُطِيْقُوْنَ۔ اِطَاقَةٌ سے جو کہ طَاقَةٌ سے بنا ہوا ہے۔ طَاقَةٌ کے معنے طاقت اور قوت رکھنے کے ہیں اور اِطَاقَةٌ کے معنے کبھی بہت طاقت رکھنے کے آتے ہیں اور کبھی طاقت سلب کرنے کے ہوتے ہیں کیونکہ یہ باب کبھی سلب کے لئے آتا ہے جیسا شَكَوْتُ (میں نے شکایت کی) اور اَشْكَيْتُ (میں نے شکایت رفع کی)۔

تَطَوُّعٌ کے معنے گزر چکے ہیں۔

شَهْرٌ۔ ماہ۔

فُرْقَانٌ۔ وہ چیز جو کہ فرق کرنے والی ہو۔

شَهِدَ۔ شُهُوْدٌ سے ہے، جس کے معنے حضور کے ہیں خواہ بذات خود ہو یا بذریعہ علم حاضر ہو۔

اَلدَّاعُ۔ دَاعٍ دعا کرنے والا۔

يَرْشُدُوْنَ۔ رُشْدٌ راستہ پانا اور سیدھی راہ پر چلنا۔

رَفَثٌ کہتے ہیں اُن باتوں کو کھول کر کسی سے کہنا جو کہ شرم و حیا کے باعث بلفظ کنایہ و اشارہ کہی جاتی ہیں۔

تَخْتَانُوْنَ۔ خیانت سے ہے۔

اَلْاٰنَ۔ اب۔

بَاشِرُوْا۔ مُبَاشَرَۃٌ سے ہے، عورت سے صحبت کرنا۔

اِبْتَغُوْا۔ اِبْتِغَاءٌ سے ہے، چاہنا۔

خَيْطٌ۔ دھاگا۔

عَاكِفُوْنَ۔ عُكُوْفٌ سے ہے بمعنے کسی پر جھکنے اور بیٹھنے اور اس پر بند ہو جانے کے جس کو اعتکاف بھی کہتے ہیں۔

تُدْلُوْا۔ اِدْلَاءٌ سے ہے، کنوئیں میں ڈول ڈالنے کو کہتے ہیں اور توصل اور ذریعہ بنانے اور کھینچ لانے پر بھی آتا ہے۔

فَرِيْقٌ۔ حصہ۔

ترجمہ:

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو تم پر روزے مقرر کئے گئے ہیں۔ جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر مقرر کئے گئے تھے تا کہ تم بچو۔ چند مقرر (یا تھوڑے) دنوں میں۔ سو جو تم میں سے بیمار یا سفر پر ہو تو پھر اور دنوں سے شمار کرنا ہے۔ اور ایک مسکین کا کھانا ان پر فدیہ ہے جو اس کی طاقت کھو دیتے (یا اس کی طاقت رکھتے) ہیں۔ اور جو زائد بھلائی (یا بھلائی کی تابعداری) کرتے ہیں تو وہ اُن کے لئے بہت اچھا ہوتا ہے۔ اور روزہ رکھنا تمہارے لئے بہت اچھا ہے اگر تم جانتے ہو۔

ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے لوگوں کے لئے ہدایت اور ہدایت سے کھلے نشان اور فرق کرنے والا۔ سو جو اس ماہ کے اندر حاضر ہو تو وہ اس کے روزے رکھے۔ اور جو بیمار یا سفر پر ہو تو اور دنوں سے شمار کرنا۔ اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا اور تمہارے ساتھ تنگی نہیں چاہتا۔ اور تا کہ تم شمار کو پورا کرو اور اللہ کی بڑائی کرو اس پر کہ اس نے تم کو ہدایت کی ہے اور تا کہ تم شکر گزاری کرو۔ اور جب تجھ سے میرے بندے میری نسبت دریافت کریں تو بے شک میں قریب ہوں۔ دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے سو تم میری مانو اور مجھ پر ایمان لاؤ تا کہ سیدھی راہ پر ہو جاؤ۔

تمہارے لئے روزوں کی رات میں اپنی عورتوں کی طرف رغبت کرنا (یا اپنی عورتوں تک راز کی بات پہنچانا) حلال کیا گیا ہے۔ وہ تمہارے لئے جامہ ہیں اور تم ان کے جامہ ہو۔ اللہ جانتا تھا کہ تم اپنے نفسوں کی خیانت کرتے تھے سو وہ تم پر پھر آیا اور تم سے مٹا دیا۔ تو اب ملو اُن کو اور وہ کچھ چاہو جو کہ اللہ نے تمہارے لئے مقدر کیا ہے اور کھاتے اور پیتے رہو۔ یہاں تک کہ سپید دھاگا سیاہ دھاگے سے ان میں صبح خوب کھل جائے، پھر روزوں کو رات تک پورا کرو اور تم ان سے مت ملو اس حالت میں کہ تم مسجدوں میں معتکف ہو۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں سو ان کے قریب نہ ہو۔ اسی طرح اللہ لوگوں کے لئے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ بچیں۔ اور اپنے مال اپنے درمیان باطل کے ساتھ نہ کھاؤ اور نہ کھینچو ان کو حاکموں کی طرف تاکہ لوگوں کے مالوں سے کچھ حصہ گناہ کے ساتھ کھاؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔

تفسیر:

میں بتا چکا ہوں کہ وہ لوگ قبلہ کی بات پر بے حد زور دیتے تھے اور خیرات کی پرواتک نہ کرتے تھے۔ سو خداوند تعالیٰ نے پہلے مومنوں کو مجملاً یہ حکم دے کر (کہ تم ایسا نہ کرو) پھر تفصیل میں حلت و حرمت اور قصاص اور وراثت کو ذکر فرمایا جن میں انہوں نے عجیب وغریب تبدیلیاں اور خلاف ورزیاں استعمال میں لائی ہوئی تھیں۔ تو اب اسی ذیل میں روزوں کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ایمان والو ہم نے تم پر بھی روزے مقرر کئے ہیں تاکہ (اگر وہ متقی نہیں بنے تو) تم ہی متقی بن جاؤ۔ کیونکہ انسان کا شخصی بقاء کھانے پینے پر موقوف ہے اور اس کی نسل کا بقاء ان دو اور اپنے جوڑے کی صحبت پر۔ اور روزہ میں مومن بقدر امکان ایک وقت تک اپنے پیٹ اور فرج کی شہوتوں اور اپنے دونوں بقاؤں کو اپنے آقا کے حکم سے قربان کر کے اپنے اتقا اور سچی فرمانبرداری کا ثبوت دیتا ہے۔ اور خداوند کریم مومن سے یہی بات چاہتا ہے نہ یہ کہ اس کو ہلاکت اور مشقت میں ڈالے۔

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ کو بعد میں لا کر یہ دونوں باتیں بتائی ہیں کہ روزے چند دن ہی رکھنے ہیں اور یہ کہ چند دن ہی میں تم اپنے متقی ہونے کا ثبوت دے دو۔ اور ایک اور معنے بھی

ہوسکتے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ چونکہ روزہ قویٰ کی تیزی کو توڑ دیتا اور اس اعلیٰ فرمانبرداری کا جوش ارادت بھی ہر قسم کی اتباع اوامر اور اجتناب منہیات کی قوت دیتا ہے، لہٰذا ایام صیام میں عموماً مخلص انسان بدیوں سے بچتا اور نیکی میں ترقی کرتا ہے۔ اسی وجہ سے حدیث میں آیا ہے کہ ماہ رمضان میں شیطان مقید ہو جاتا ہے۔

(صحیح البخاری کتاب الصوم باب ھل یقال رمضان او شھر رمضان... الخ حدیث نمبر 1899)

پس اس طور پر بھی چند دن میں متقی ہونا درست ہو جاتا ہے۔ اور ان لفظوں کے ساتھ تخفیف کا اظہار بھی مد نظر ہے اسی وجہ سے اس کے بعد دوسری تخفیف یہ بتائی کہ اگر کوئی مریض یا مسافر ہو تو پھر اس حالت میں روزوں کا حکم ہی نہیں بلکہ اور دنوں سے اس قدر شمار کر کے روزے رکھ لینے چاہئیں۔

اس کے بعد وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ الخ کے ساتھ ایک اور تخفیف ذکر فرمائی ہے۔ اس کے معنوں میں مفسرین کے درمیان بڑا اختلاف ہے اور وہ اختلاف صحابہؓ سے روایت کیا گیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ابتداء میں چونکہ لوگ روزہ کے عادی نہ تھے اور ان پر بہت گراں تھا تو ابتداءً اس آیت کے ذریعہ سے ان کو یہ حکم دیا گیا کہ جو شخص باوجود روزہ کی طاقت رکھنے کے اگر روزہ نہ رکھے تو ایک مسکین کا کھانا فدیہ دے دیا کرے لیکن بعد ازیں فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ نازل کر کے اس کو منسوخ کر دیا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، وغیرہ میں سلمۃؓ بن الاکوع سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ جب یہ آیت اُتری تو جو چاہتا روزہ رکھتا اور جو چاہتا افطار کر کے فدیہ دے دیتا لیکن جب اس کے بعد کی آیت فَمَنْ شَهِدَ الخ نازل ہوئی تو اُس نے اُس کو منسوخ کر دیا۔

(صحیح البخاری کتاب الصوم باب وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ حدیث نمبر 1949 و صحیح مسلم کتاب الصیام باب بیان نسخ قولہ تعالیٰ وعلی الذین... الخ حدیث نمبر 2680 وسنن اَبی داؤد کتاب الصوم باب نسخ قولہ تعالیٰ وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ حدیث نمبر 2315 وجامع الترمذی کتاب الصوم باب ماجاء وعلی الذین یطیقونہ حدیث نمبر 798)

اور بعض نے کہا ہے کہ یہ منسوخ نہیں بلکہ یہ بہت بوڑھے اور دائمی ضعیفوں کے حق میں ہے۔ پھر کچھ تو کہتے ہیں کہ یہاں پر لَا مقدر ہے اور معنے یہ ہیں کہ جو لوگ طاقت روزہ

کی نہیں رکھتے ان پر فدیہ ہے اور بعض لَا مقدر نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ یُطِیْقُوْنَ کے معنے طاقت صرف کرنے یا مشقت اُٹھانے کے ہیں اور بخاری اور ابو داؤد وغیرھما نے ابن عباسؓ سے یہی روایت کیا ہے۔

(صحیح البخاری کتاب التفسیر باب ایاما معدودات...الخ حدیث 4505)

(سنن أبی داؤد کتاب الصوم باب من قال ھی مثبتۃ للشیخ والحبلی حدیث 2318)

نفلی روزوں کا ذکر:

پر ہم تو نہ ایسے نسخ کے قائل ہیں اور نہ از خود تقدیروں پر جاتے ہیں اور نہ بے وجہ بعید معنے لے سکتے ہیں۔ حضرت مولانا خلیفۃ المسیحؒ نے درس قرآن میں بارہا فرمایا ہے کہ ماہ رمضان کے فرض روزوں کا ذکر آگے آتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ نفلی روزوں کی نسبت ہے کہ باوجود طاقت کے فدیہ دے دو۔ نیز اس کے یہ معنے ہیں کہ جو زیادہ خیر چاہتے ہیں وہ روزہ بھی رکھیں اور مسکین کو کھانا بھی دیں۔ میں نے پہلے پہل جب بدون مدد استاد اور تفسیر کے قرآن مجید کا مطالعہ کیا تھا تو اس کے یہ معنے خیال میں آئے تھے کہ جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہیں ان کو روزہ تو ضرور ہی رکھنا ہو گا لیکن طاقت کے شکریہ اور قصوروں کے عوض میں صدقۃ الفطر، طعام مسکین کو دے دینا چاہیئے جو کہ گیہوں سے نصف صاع اور جَو وغیرہ سے صاع آیا ہے۔ لیکن جب میں نے اس میں بہت تدبر کیا تو میرے رب نے مجھ پر بڑی صفائی سے اس کا مطلب کھول دیا (دوسرے کو ہو یا نہ ہو پر مجھے اس پر ثلج قلب حاصل ہے) میں نے بتایا ہے کہ نسخ کی بناء ناسمجھی پر ہوتی ہے کبھی آیتوں کا مطلب نہیں سمجھتے اور کبھی صحابہؓ کے اقوال کو ناسمجھی سے نسخ پر چسپاں کر دیتے ہیں۔

حضرت سلمۃؓ بن الاکوع کی روایت مذکورہ سے صاف ثابت ہے کہ فَمَنْ شَھِدَ الخ جس میں رمضان کے روزوں کا ذکر ہے بعد میں نازل ہوئی ہے جس سے صاف ثابت ہوا کہ جس طرح اس آیت میں یا اس سے پہلے رمضان کا ذکر نہیں ہے اسی طرح اس میں رمضان کے روزوں کا بیان بھی نہیں اور ابتداء میں یوں ہی حکم تھا کہ کچھ روزے بھی رکھا کرو۔ پس حضرت سلمہؓ کی روایت کا یہ مطلب ہوا کہ رمضان کے روزوں کی فرضیت سے پہلے جو چاہتا

روزہ رکھتا اور جو چاہتا افطار کر کے فدیہ دے دیتا۔ پر جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو پھر ان میں ایسا کوئی نہ کرتا تھا یہ تو حضرت مولانا صاحب کے اس ارشاد کے مطابق ہے کہ یہ رمضان کے سفر اور روزوں کے بارہ میں ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ قرآن مجید تدریجاً حکم اتارتا تھا شراب جیسی چیز بھی دفعۃً حرام نہیں کی۔ رمضان کی فرضیت سے پہلے کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الصِّیَامُ الخ فرما کر روزے ضروری قرار دیئے تھے پھر فَمَنۡ شَهِدَ الخ فرما کر انہی ضروری روزوں کی تعداد اور وقت معین کر دیا۔ اور اس کے بعد کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الصِّیَامُ الخ اور فَمَنۡ شَهِدَ الخ والے روزے ایک ہی ہو گئے۔ جس سے عبد اللہ بن عباسؓ وغیرہ نے رمضان کے روزوں کو مد نظر رکھ کر وَ عَلَی الَّذِیۡنَ یُطِیۡقُوۡنَهٗ الخ کے معنے بیان کئے۔ اور امت مرحومہ کا تعامل ان معنوں کی تائید کرتا ہے کیونکہ دائمی کمزوروں کے لئے جن پر روزہ فرض ہو پر رکھ نہ سکتے ہوں ہمیشہ فدیہ کا حکم جاری رہا ہے اور باوجود طاقت کے فدیہ پر کفایت کرنے کا تعامل ہر گز نہیں پایا گیا۔

لیکن اب یُطِیۡقُوۡنَهٗ کے معنے طاقت نہ رکھنے کے کس طرح ہوں ؟ اگرچہ متواتر قرأت یُطِیۡقُوۡنَ ہے پر اور قرأتیں بھی آئی ہیں۔ سعید بن المسیب نے یُطَیَّقُوۡنَ پڑھا ہے اور مجاہد و عکرمہ نے یَطَیَّقُوۡنَ۔ اور دونوں کے معنے یقیناً تکلف کرنے کے ہیں اور حضرت عائشہؓ نے یُطَوَّقُوۡنَ پڑھا ہے جو بمعنے تکلیف دیئے جانے یا گلے میں قلادہ ڈالے جانے کے ہے۔ اور یہ تینوں ابن عباسؓ سے بھی مروی ہیں اور خصوصیت سے انہوں نے یِتَطَوَّقُوۡنَ پڑھا اور اس کے معنے حضرت عائشہؓ کی قرأت کے ہیں۔ اور حضرت حفصہؓ نے لَا یُطِیۡقُوۡنَ پڑھا ہے۔

پس جب ثابت ہو گیا کہ باقی سب قرأتوں کے یہی معنے ہیں کہ تکلیف اُٹھاتے ہیں یا طاقت نہیں رکھتے۔ اور حاملہ دودھ پلانے والی تکلیف اُٹھاتی ہے اور ضعیف العمر طاقت نہیں رکھتا۔ اور متواتر قرأت میں یُطِیۡقُوۡنَ آیا ہے جو کہ اِطَاقَۃٌ سے ہے نہ یَطِیۡقُوۡنَ جو کہ طاقت سے ہے اور اِطَاقَۃٌ کے معنے طاقت کی آخری حد کو پہنچنے اور طاقت سلب کرنے کے بھی ہو سکتے ہیں۔ پس اگر احادیث کو نظر انداز بھی کر دیں تو دوسری قرأتیں مجبور کرتی ہیں کہ

اس کے معنے ان کے مخالف نہ ہوں۔ اس کے بعد ترغیب دی کہ جو زائد نیکی کرے گا یعنی زائد دے گا یا جو بہتر چیز کی پیروی کرے گا تو یہ اس کے لئے بہت اچھا ہو گا اور پھر وہ بہتر چیز خود بیان فرمادی کہ روزہ رکھنا بہت بہتر ہے یعنی فدیہ دینے سے۔ اور یہ اس وقت کی نسبت ہے۔ جب طاقت تو ہے پر پُر مشقت والی صورتوں میں سے کوئی درپیش ہے۔

اس کے بعد ماہ رمضان کے روزوں کی پہلی تمہید شروع کی۔ اور اس کی یہ فضیلت بیان فرمائی کہ ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا ہے جو کہ لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت کی کھلی کھلی باتیں ہیں اور وہ اپنے اعجاز کے رو سے حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے۔ شہر رمضان میں قرآن مجید نازل ہونے کے تین معنے تفسیروں میں آئے ہیں۔ نمبر (1) یہ کہ نزول کی ابتدا ماہ رمضان لیلۃ القدر میں ہوئی ہے چنانچہ ابن اسحٰق سے یہی مروی ہے۔ نمبر (2) یہ کہ سارا قرآن مجید پہلے سماء دنیا پر رمضان میں نازل ہو گیا تھا اور پھر وہاں سے 23 سال میں اس کا نزول کامل ہوا۔ نمبر (3) یہ کہ اس کے بارہ میں قرآن مجید نازل ہوا ہے یعنی جو پہلے کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ الخ نازل ہوا تھا۔ وہ اسی رمضان کی نسبت تھا جس کا اب تصریح کے ساتھ تم کو حکم دیا جاتا ہے۔ میرے خیال میں اس کی تفسیر دوسری آیتوں سے خوب ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ جب کسی عظیم الشان مامور من اللہ کا انتخاب ہوتا ہے تو پہلے ملاء اعلیٰ میں اس پر بات چیت ہوتی ہے اور پھر فیصلہ ہوتا اور ارشاد الٰہی صادر ہوتا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ کی بعثت کا معاملہ جو ملاء اعلیٰ میں پیش ہوا تھا اس کا ذکر سورہ ص میں بدیں الفاظ ہوا ہے مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ إِذْ يَخْتَصِمُونَ (ص:70) (مجھے اعلیٰ مجلس کا علم نہ تھا جبکہ وہ جھگڑتے تھے) اور پھر سورۂ دخان میں اس کا وقت بدیں الفاظ بیان فرمایا ہے۔ حٰمٓ۔ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ۔ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ۔ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ (الدخان:2-6) (قسم ہے کتاب مبین کی کہ ہم نے اس کو بابرکت رات میں اتارا ہے بے شک ہم ڈرانے والے تھے۔ اس میں ہر ایک مضبوط امر ہمارے حکم سے فیصلہ کیا جاتا ہے۔ بے شک ہم رسول بھیجنے والے تھے) اور یہ وہی لیلۃ القدر ہے جس کا رمضان میں ہونا ثابت ہے۔

پس ان آیات سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے نزول کا فیصلہ اور حکم رمضان کی لیلۃ القدر میں ہوا ہے۔ اور اسی کو یہاں پر بھی بیان کیا گیا ہے۔ علاوہ بریں امام احمدؒ اور طبرانی نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ صحف ابراہیم رمضان کی ابتداء میں اُترے اور توریت رمضان کے چھ دن گزرنے پر اور انجیل رمضان کی 13 کو اور قرآن مجید 24 کو۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 5 صفحہ 793 حدیث نمبر 17109، عالم الکتب بیروت لبنان 1998ء)

(المعجم الکبیر للطبرانی جلد 22 صفحہ 75 حدیث نمبر 185 دار احیاء التراث العربی)

اور قرآن مجید کا فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۔ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا (الدخان:5-6) کہنا اس حدیث کی تائید کرتا ہے کہ ان کے نزول کا حکم بھی رمضان ہی میں ہوا ہے اور لیلۃ القدر رمضان کی راتوں میں بدل کر آیا کرتی ہے۔

روزہ مکالمہ الٰہیہ کا ایک اعلیٰ ذریعہ:

پس جب یہ ماہ مکالمہ الٰہیہ اور اس کے فضل و کرم سے خاص تعلق رکھنے والا ہوا اور روزہ بھی اس کا ایک اعلیٰ ذریعہ ہے۔ چنانچہ توریت ملنے کے وقت حضرت موسیٰؑ کے 40 روزے ثابت ہیں اور نزول قرآن سے پہلے آنحضرت ﷺ کا غارِ حراء میں صائم رہنا بھی ثابت ہے۔ لہٰذا حکم دیا کہ جو تم میں سے اس ماہ رمضان کو پائے وہ اس کے روزے رکھے۔ ہاں جو بیمار یا مسافر ہو وہ اور دنوں سے شمار کرے۔ اور یہ اس لئے رخصت دی گئی ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور تنگی نہیں چاہتا۔ اور دن اس لئے رکھے ہیں تا کہ وہ شمار بھی پورا ہو جائے اور تا کہ اللہ کی ہدایت کرنے پر تم اس کی بڑائی کرو اور اس کا شکر کرو۔

اس کے بعد وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ الخ لا کر یہ بتایا کہ رمضان کے روزے قرب الٰہی اور استجابت دعا کے موجب ہیں۔ لیکن اگر قرب الٰہی اور استجابت دعا چاہتے ہو تو پھر میرا کہا بھی مانو اور میرے پر ایمان لاؤ تا کہ قرب و استجابت کی راہ تمہیں مل جائے۔ یاد رہے یہ قصہ نہیں عمل کے لئے ہے۔ اور احمدیوں کو اسی کی طرف خاص توجہ چاہیے۔

روزہ رکھنے کا وقت:

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ الخ کی نسبت اہل تفاسیر نے لکھا ہے کہ پہلے یہ حکم

تھا جب روزہ رکھنا ہو تو مغرب کے وقت سے جب تک جاگتے رہیں تب تک تو سب کچھ جائز ہوتا لیکن جب سو جاتے تو اس کے بعد کھانا پینا جماع جائز نہ رہتا۔ لیکن بعض صحابہؓ کھانا کھانے سے پہلے سو جاتے اور پھر بڑی تکلیف سے دوسرے دن کا بھی روزہ رکھتے اور غشی تک نوبت پہنچتی اور بعض سے سونے کے بعد اپنی بی بی سے صحبت ہو گئی۔ چنانچہ بعض صحابہؓ کی نسبت روایتیں بھی درج ہیں جن میں سے کعبؓ بن مالک اور حضرت سیدنا عمرؓ ہیں اور ان روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں اپنا حال سنایا تو پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور روزہ کی حد صبح صادق سے شام تک رکھی گئی اور رات میں سونے سے پہلے اور پیچھے کھانا وغیرہ حلال کیا گیا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ بات بالکل غلط ہے کہ پہلے یہ حکم تھا۔ بلکہ تدریجی نزول کی حکمت کے مطابق جس طرح تعداد اور وقت بعد میں بیان فرمائی ہیں اسی طرح ابتدا میں صوم کی کوئی حد بست نہ کی گئی تھی۔ اور صوم کا مفہوم اگرچہ ان اشیاء سے کسی حد تک رُکنا تھا لیکن کچھ مجاہدات کے شوق سے اور کچھ دوسرے لوگوں کے دیکھا دیکھی سے صحابہؓ سونے کے بعد کھانے وغیرہ سے اجتناب کرتے تھے جس کے باعث مجاہدہ میں زیادتی اور اپنے نفس کی حق تلفی (اور ان عشاق الٰہی سے عموماً ایسا ہوا کرتا تھا چنانچہ صحیح احادیث میں ایسے نظائر آئے ہیں۔ مثلاً آیا ہے کہ بعض صحابہؓ نے وعدہ کیا ہوا تھا کہ ساری رات بیدار رہوں گا اور ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور ہر روز قرآن ختم کروں گا۔ تو رحیم و کریم رسول اکرم ﷺ نے اس کو منع کیا اور فرمایا کہ ضرور تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیرے گھر والوں کا بھی تجھ پر حق ہے۔

(مسلم کتاب الصیام باب النھی عن الصوم الدھر لمن تضر ربہ... الخ حدیث 2728-2730)

اللہ کی حدود کی پابندی کا ذکر:

یہی وجہ ہے کہ یہاں پر تَخْتَانُوْنَ اللّٰہَ (اللہ کی خیانت کرتے تھے) نہیں آیا حالانکہ مفسرین کے بیان کے مطابق اسی طرح کہنا مناسب تھا۔ بلکہ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَکُمْ فرمایا ہے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مجاہدہ اور زہد میں بڑھ کر نفس کی حق تلفی) کرتے تھے۔ اور اصلاح نفس کے تارک نہ تھے۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ گئے تھے۔ تو خداوند تعالیٰ نے

روزہ کی حد بست کے لئے صبح صادق کے پورا پورا ظاہر ہونے سے غروب آفتاب تک وقت مقرر کیا اور رات میں کھانا اور صحبت حلال بتا کے اس تشدد کو بے اصل ظاہر کیا اور پھر تَخْتَانُوْنَ الخ فرما کر اس کا ناپسند ہونا بتایا۔ پس یہ بعینہٖ صوم وصال (دو روزوں میں افطار نہ کرنے) کی ممانعت کی حدیث کی مانند ہے۔ لیکن اس سے مستثنیٰ کر دیا کہ جب تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھے ہوئے ہو (جو کہ رمضان کے آخری دہاکے میں مسنون ہے اور اس سے کم و بیش اور اور وقتوں میں بھی جائز ہے اور جو کہ موسیٰؑ کے طوری اعتکاف اور آنحضرت ﷺ کے غار حراء والے اعتکاف کی طرح فضل الٰہی اور اس کے مکالمہ کے ساتھ رمضان اور روزہ کی طرح مناسبت رکھتا ہے) تو ان راتوں میں صحبت جائز نہیں۔ پھر ان امور کی پابندی کی تاکید کے لئے فرمایا کہ یہ اللہ کی حدیں ہیں ان کے نزدیک بھی نہ جانا چہ جائے کہ ان سے آگے گزر جانا اور اس قدر کھول کر اس لئے بیان کیا جاتا ہے تاکہ تم بچتے رہو۔

بنی اسرائیل پر خدا تعالیٰ کی ایک تعریض کا ذکر:

اس کے بعد بنی اسرائیل پر ایک اور تعریض کی کہ روزہ میں تو حلال چیزوں سے بچنا ہوتا ہے۔ پر یہ لوگ تو حرام اور پھر دوسرے لوگوں کے حق سے بھی نہیں بچتے کہ لوگوں بلکہ اپنے لوگوں کے مالوں کو باطل طریق سے کھاتے ہیں اور کھینچ تان کر حکام کے پاس لے جاتے ہیں تاکہ لوگوں کے مالوں سے رشوت یا ظلم کے طور پر جھوٹ وغیرہ گناہوں کے ارتکاب سے کچھ دبالیں۔ (جیسا کہ دوسرے مقامات پر مفصل اور صراحۃ سے بیان کیا ہے) پر تم مومن ہو جو کہ روزہ میں اپنے حلال سے الٰہی حکم کے ساتھ اجتناب کرتے ہو ہم تم کو حکم دیتے ہیں کہ تم سے کبھی ایسا امر سرزد نہ ہو۔

آیت 190 تا 197: يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ وَ لَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَ اْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ۔ وَ اقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَ اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَ الْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَ لَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ۔ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ وَ قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ۔ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَ الْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ۔ وَ اَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ وَ اَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔ وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَ لَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ

تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔

تشریح الفاظ:

اَهِلَّةٌ۔ هِلَالٌ کی جمع ہے، پہلی تاریخوں کے چاند کو سات تاریخ تک ہلال کہتے ہیں۔

مَوَاقِيْتُ۔ مِيْقَاتٌ کی جمع ہے جس کے معنے اصل میں پہچاننے کے ذریعہ کے ہیں۔ اور مقررہ وقت اور مقرر مقام کو بھی کہہ دیتے ہیں۔

ثَقِفْتُمْ۔ ثَقْفٌ سے ہے، جس کے معنے ہیں چیز کے علماً یا عملاً پانے میں ہوشیاری کرنے کے۔

اِنْتَهَوْا۔ اِنْتِهَاءٌ سے ہے، باز آنا اور ختم ہونا۔

عُدْوَانٌ۔ تعدی۔

حُرُمٰتٌ۔ حُرْمَةٌ کی جمع عزت واحترام اور محترم چیز۔

تُلْقُوْا۔ اِلْقَاءٌ سے ہے، ڈالنا۔

تَهْلُكَةٌ۔ ہلاکت۔

اُحْصِرْتُمْ۔ اِحْصَارٌ سے ہے، جس کے معنے لغت میں مطلق روکنے کے ہیں خواہ روکنے والا دشمن ہو یا بیماری وغیرہ لیکن اکثر استعمال یہی ہے کہ اِحْصَارٌ اس بندش کو کہتے ہیں جو کہ خوف اور مرض کے باعث سے ہو اور جو دشمنوں کے باعث سے ہو اس کو اکثر حَصْرٌ کہتے ہیں۔

اِسْتَيْسَرَ۔ اِسْتِيْسَارٌ سے اور وہ یُسْرٌ سے ہے۔

هَدْيٌ۔ اس بیل، گائے، اونٹ، اونٹنی کو یا ان کو اور بکرے، بکری کو کہتے ہیں جو کہ حاجی لوگ بطور ہدیہ لے جاتے یا ذبح کرتے ہیں۔

ترجمہ:

تجھ سے ہلالوں کی نسبت دریافت کریں گے۔ تم کہو یہ لوگوں اور حج کے لئے وقت بتانے کے ذریعے ہیں اور یہ کوئی نیکی نہیں کہ تم گھروں کو ان کی پشتوں کی طرف سے آؤ ولیکن نیکی ہے جو تقویٰ کرے۔ اور گھروں کو ان کے دروازوں سے آؤ۔ اور اللہ سے بچتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو۔ اور اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو کہ تم سے لڑتے ہیں اور تعدی نہ کرنا۔ یقیناً اللہ تعدی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور ان کو قتل کرو جہاں ہوشیاری سے تم ان پر قابو پاؤ۔ اور تم ان کو نکالو جہاں سے کہ انہوں نے تم کو نکالا ہے۔ اور فتنہ قتل سے سخت ترین ہے۔ اور محترم مسجد کے پاس تم نے ان سے نہ لڑنا یہاں تک کہ وہ تم سے اس میں لڑیں۔ سو اگر وہ تم سے لڑیں تو تم ان کو قتل کرو ان کافروں کی ایسی ہی جزا ہے۔ سو اگر وہ باز آجائیں تو یقیناً اللہ بخشنے والا بہت مہربان ہے۔

اور تم ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور دین خالص اللہ ہی کیلئے ہو جائے۔ سو اگر وہ باز آجائیں تو ظالموں کے سوا اور کسی پر کوئی تعدی نہیں۔ محترم مہینہ محترم مہینہ کے بدلے میں ہے۔ اور عزتیں مساوی بدلہ رکھتی ہیں۔ سو جو تم پر تعدی کرے تو تم اس پر اسی قدر تعدی کرو جس قدر کہ اس نے تم پر تعدی کی ہو۔ اور اللہ سے بچو۔ اور جان لو کہ بے شک اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔ اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرو۔ اور اپنے ہاتھوں کے ساتھ اپنے تئیں ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اور احسان کرو۔ یقیناً اللہ محسنوں کو پسند کرتا ہے۔ اور حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے پورا کرو۔ سو اگر تم بند کئے جاؤ تو جو کچھ ہَدْی میسر آئے۔ اور اپنے سروں کو نہ منڈاؤ یہاں تک کہ ہَدْی اپنی جگہ پر پہنچ جائے۔ سو جو تم میں سے بیمار ہو یا اس کے ساتھ سر سے کوئی دکھ ہو تو فدیہ ہو روزوں سے یا صدقہ سے یا قربانی سے۔ تو جب تم امن میں ہو جاؤ۔ تو جو عمرہ کو حج کے ساتھ ملانے سے نفع اُٹھائے تو جو ہَدْی سے میسر آئے وہ دے۔ سو جو نہ پائے تو تین دن کے روزے ہوں حج میں اور سات کے جب تم واپس آؤ۔ یہ پورے دس ہیں۔ یہ اس کے لئے ہے جس کے لوگ عزت والی مسجد کے سامنے نہ ہوں اور اللہ سے بچو اور جان لو کہ یقیناً اللہ سخت سزا والا ہے۔

تفسیر:

اصل بات یہ ہے کہ جب ماہ رمضان کے روزوں اور اس کے اعتکاف کا ذکر آیا اور اس کی فضیلت بھی بیان ہوئی۔ اور دوسرے گیارہ مہینوں کی نسبت کچھ فضائل اور احکام بیان نہ ہوئے اور بنی اسرائیل میں قریباً ہر ایک چاند کی نسبت کچھ خاص فضائل اور خاص احکام بنائے ہوئے تھے جو کہ اب بھی ان کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اور عموماً وہ ایسے ہی احکام تھے کہ فلاں چاند اور فلاں تاریخ میں فلاں کھانا کھلاؤ اور فلاں چڑھاوا کاہن کے پاس لاؤ تو اس وجہ سے ماہ رمضان کے ذکر کے بعد باطل طریق کے ساتھ مال کھانے کا ذکر کیا اور بتایا کہ اگر بخوشی کوئی نہ دیتا تو حکام کے ذریعہ قابو کرتے۔

اور بعد ازیں یَسۡئَلُوۡنَکَ عَنِ الۡاَہِلَّۃِ فرما کر یہ بتایا کہ اسی پر کفایت نہیں کی بلکہ یہاں تک بڑھے ہیں کہ سب چاندوں کی نسبت جو کچھ انہوں نے باتیں بنا رکھی ہیں۔ ان کو اپنے مذہب کی فضیلت کا باعث قرار دے کر تم سے دریافت کرتے ہیں کہ رمضان کی فضیلت اور احکام تو ہوئے پر باقی چاندوں کی نسبت کیا تفصیل ہے۔ سو تم جواب دو کہ چاندوں کا فائدہ تو اسی قدر ہے کہ لوگوں کے مواعید وغیرہ اور حجوں کے اوقات پہچاننے کے ذریعے ہیں۔ (اور جو کچھ تم نے بنا رکھا ہے اس کی کچھ اصلیت نہیں اور وہ تمہارا خود ساختہ ہے۔ اور جس طرح تم جانتے ہو کہ جہال کا احرام کی حالت میں گھروں میں دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ ان کے پچھواڑے سے آنا عقلاً اور نقلاً کوئی خوبی کی بات نہیں۔ بلکہ خوبی کی بات تو خدا کا تقویٰ اختیار کرنا ہے اسی طرح تمہارا ان امور کو باعث فضیلت و افتخار بنانا بھی بالکل اُلٹ اور پچھواڑے سے داخل ہونا ہے۔ اس لئے کہ لوگوں کے مال کھانے کے لئے باطل طریق بنانے اور افتراء علی اللہ کرنا تو سخت قابل شرم اور باعث ہلاکت ہے اور تم اس کو موجبِ فخر اور باعثِ نجات خیال کرتے ہو۔ اور تم چاہتے ہو کہ ان حیلوں سے ہم کامیاب ہو جائیں پر یاد رکھو اگر کامیابی چاہتے ہو تو کامیابی کے دروازے سے داخل ہو اور وہ تقویٰ اللہ ہے اور بس۔

قرآن کریم کی آیات کے سمجھنے میں ماقبل اور مابعد کی اہمیت:

میں نے بار بار بتایا ہے کہ چونکہ قرآن مجید حکمت بالغہ کے باعث تدریجاً نازل ہوتا تھا

لہٰذا اس کے ہر ایک حصہ کے نزول کے لئے کوئی محرّک بھی پیش آتا تھا اور اس کے لحاظ سے کچھ مطلب ظاہر ہوتا ہے۔ پھر ترتیب کے لئے جہاں وہ رکھا جاتا تھا اور حکم الٰہی سے رکھا جاتا تھا تو ما قبل و ما بعد سے مل کر علاوہ اس پہلے مطلب کے کچھ اور مطلب بھی اس سے مقصود ہو جاتا ہے۔ پر مفسرین عموماً اس کو نظر انداز کر کے غلطی میں پڑ جاتے ہیں۔ یہاں پر اگر وہ ما قبل کو مد نظر رکھتے تو ان پر مطلب کھل جاتا لیکن اس کا خیال نہ رکھنے سے انہوں نے اس کے دو معنے کئے ہیں۔ اول (جن کو امام سکاکی وغیرہ نے زیادہ پسند کیا ہے) یہ ہیں کہ یہود نے صحابہؓ سے سوال کیا تھا اور صحابہؓ میں سے معاذؓ بن جبل اور ثعلبہؓ بن الفتح نے آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے سوال کیا کہ کیا سبب ہے کہ چاند پہلے دھاگے کے برابر باریک ہوتا ہے اور پھر بڑھتے بڑھتے پورا ہو جاتا ہے اور پھر کم ہوتے ہوتے بالکل ختم ہو جاتا ہے؟ تو خداوند کریم نے یہ نازل کر کے بتایا کہ مومن کو پھر خصوصاً نبی سے ایسا لغو سوال نہ کرنا چاہیئے بلکہ وہ سوال کرنا چاہیئے جس میں کوئی دینی فائدہ ہو اسی وجہ سے جواب میں دینی فائدہ بیان کر دیا کہ یہ لوگوں اور حج کے اوقات بتاتے ہیں اور اختلاف کا سبب جو کہ فلسفہ میں مذکور ہے وہ نہ بیان کیا اور اس کے بعد گھروں میں پُشت کی طرف سے آنا ذکر کر کے بتایا ہے کہ تمہارا یہ سوال بھی اُلٹا ہے۔ اور ہمیشہ سیدھا سوال کیا کرو۔

دوم یہ کہ انہوں نے چاندوں کے اختلاف کا سبب دریافت نہیں کیا بلکہ اس کی غرض اور فائدہ پوچھا ہے اور وہ بتایا گیا ہے۔ اور چونکہ مواقیت حج کا ذکر آیا اور حج میں حمس کہلانے والے لوگوں (قریش اور بنی کنانہ) کے سوا باقی سب احرام کی حالت میں گھروں میں پُشت کی طرف سے نقب یا سیڑھی لگا کر آیا کرتے تھے اور اس کو نیکی اور دروازہ سے آنا گناہ خیال کرتے تھے اس لئے اس کو بھی بیان کر دیا۔ لیکن میرے نزدیک حق وہی ہے جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔

کافروں سے جنگ میں تعدی سے بچنے کا ارشاد:

اس کے بعد ایک اور حکم بیان فرمایا جس کا بنی اسرائیل کو بھی حکم دیا گیا تھا اور انہوں نے اس سے صاف انکار کر کے کہہ دیا تھا کہ موسیٰؑ تو اور تیرا رب اس کی تعمیل کریں اور ہم

یہاں بیٹھنے والے ہیں۔ حالانکہ کامیابی کا ذریعہ جیسا تقویٰ تھا ایسا ہی دوسرا ذریعہ وہ تھا لیکن انہوں نے ناکامی اور ذلت اختیار کی پر اس کی تعمیل سے انکار کیا لیکن تم ایسا نہ کرو اور ضرور ان کافروں سے جنگ کرو جو کہ تم سے لڑتے رہتے ہیں لیکن تعدی سے بچتے رہنا کیونکہ اللہ تعدی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ لیکن تعدی یہ نہیں کہ ان جنگ کرنے والے شریروں کو باوجود قابو پانے کے پھر بھی کچھ تکلیف نہ دی جائے بلکہ ہوشیاری سے جب ان پر قابو پاؤ تو ان کو قتل کر دو۔ اور جس طرح یا جہاں سے (چونکہ) انہوں نے تم کو نکالا ہے تم بھی ان کو نکالو۔

رہا یہ خیال کہ شاید اس خاص شخص نے ہم سے کسی کو نہ مارا ہو یا کم از کم اس کا ہمیں علم نہیں لہٰذا اس کو مارنا تعدی نہ ہو۔ تو اس کا یہ جواب ہے کہ انہوں نے اہل اسلام کو فتنہ میں تو ضرور ڈالا ہے۔ حق پر چلنے سے روکتے اللہ کے رسول کی اتباع اور ساتھ سے منع کرتے اور طرح طرح کے دکھ دیتے اور قتل کی کوششیں کرتے رہے ہیں اور یہ فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔ پس ان کا قتل ہر گز تعدی نہیں بلکہ فتنہ مٹانے اور حق کی روک رفع کرنے اور اصلاح الناس کے لحاظ سے از بس ضروری ہے۔ ہاں اس فتنہ اور قتال سے خواہ ان سے لڑنا اور ان کا قتل درست بلکہ ضروری ہے لیکن اس سے عزت والی مسجد کے پاس ان سے لڑنا جائز نہیں ہوتا جب تک کہ وہ تم سے اس میں نہ لڑیں۔ تو اگر وہ لڑیں تو پھر بے شک تم ان کو قتل کرو تا کہ یہ ان کے ایسے کفر کی سزا ہو۔

لیکن باوجود ان سب باتوں کے اگر وہ کفر سے باز آجاویں تو چونکہ اللہ غفور رحیم ہے اس لئے تم کو بھی ان سے مغفرت اور رحم کا برتاؤ کرنا چاہیئے۔ اور یہ جنگ نہ کوئی ایک دو دن کے لئے ہے اور نہ اس کی کوئی اور غرض ہے کہ اس کے حاصل ہونے سے وہ رُک جائے۔ بلکہ اس کی حد اور اس کی غرض یہ ہے کہ جس فتنہ کے لئے یہ جنگ شروع کی گئی ہے وہ فتنہ نہ رہے اور اس کی علامت اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ دین اللہ ہی کے لئے ہو جائے اور جیسے اس وقت بہت سے لوگ صنادید کے ڈر سے اور اور وجوہات سے کوئی دین اختیار کرتے ہیں یہ نہ رہے بلکہ سب روکیں اور دباؤ اور خوف رفع ہو جائیں اور جو کسی دین کو اختیار کرے تو

محض اس لئے اختیار کرے کہ اس کی سمجھ میں وہی خدا کا قائم کردہ دین ہے اور بس۔ یہاں تک کہ اگر وہ خود باز آجائیں تو چونکہ وہ غرض حاصل ہوگئی لہٰذا پھر ان کو کچھ نہ کہنا چاہیئے کیونکہ یہ تو ظالموں کے ظلم کی وجہ سے تھا اور وہ اب ظالم نہیں۔ چونکہ اللہ عالم الغیب ہے لہٰذا جب وہ کسی امر کو اپنی حکمت بالغہ سے چاہتا ہے تو وہ پہلے ہی سے ایسے امور معرض ظہور میں لاتا ہے کہ اس کے اسباب مہیا ہو جائیں اور اس کے موانع رفع و دفع ہو جائیں۔

رسول کریم ﷺ کا وجود عذاب الٰہی سے بچانے کا باعث:

جب اس نے کفار مکہ کو عذاب دینا چاہا تو ایک طرف ان کی شوخی کے محرکات بڑھا دیئے دوسری طرف رحمۃ للعالمین کے وجود باجود کا ان میں ہونا ان کے عذاب میں مبتلا ہونے سے مانع تھا (جیسا کہ فرمایا ہے مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيْهِمْ (الانفال:34) اللہ کی شان سے بعید ہے کہ وہ ان کو اس حالت میں عذاب دے کہ تو ان میں ہو) تو ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ حضور ﷺ کی ان سے ہجرت کرا کے یہ مانع بھی رفع کر دیا۔ اور پھر جیسی اس کی عادت ہے وہ مومنین کی کامیابی اور کفار کی ناکامی کے متعلق ایسے امور سے اپنے برگزیدہ رسولؐ کو تسلی اور مومنین کے ازدیاد ایمان و معرفت کے لئے قبل از وقت خبر بھی دے دیا کرتا ہے۔ اسی طرح کفار مکہ کے عذاب کی نسبت یہ مقدر تھا کہ مومنین کے ہاتھ سے ان کو عذاب دے۔

اور دوسری طرف مکہ میں مسجد حرام کے اعزاز کی وجہ سے قتل و مقاتلہ ابتداءً منع تھا تو اس کے رفع کے لئے یوں مقدر کیا کہ نبی کریم ﷺ مکہ میں باامن داخل ہونے کی رؤیا کی بنا پر بڑی تیاری کے ساتھ حج کے لئے تشریف لے گئے اور کفار مکہ مانع ہوئے اور آمادۂ جنگ ہوئے یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ نے مسجد حرام کے اعزاز کے لئے لڑنا نہ چاہا۔ اور کفار کی نہایت سخت شرائط صلح کو منظور فرما کر بدون حج کرنے کے آئندہ سال کے حج کی امیدواری لے کر واپس تشریف لے گئے جس کو صلح حدیبیہ کہا جاتا ہے۔ اور چونکہ بہت بڑا مانع اس تقریب سے رفع ہوا لہٰذا باوجود دبے ہوئے اور سخت شرائط کے سورۂ فتح نے اس میں نازل ہو کر فتح مبین کی مبارک باد دی۔

مسجد حرام کی حرمت:

اسی نقشہ کا علم دینے کے لئے وَ لَا تُقَاتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الخ اور اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ الخ نازل کئے یعنی عزت والے مہینوں میں اگرچہ لڑنا ایسا ہی منع ہے جیسا کہ مسجد حرام کے پاس۔ پر جس طرح ان کے مسجد حرام میں تم سے لڑنے سے تمہارا ان سے مسجد حرام میں جنگ کرنا جائز ہو جاتا ہے۔ اسی طرح عزت والا مہینہ عزت والے مہینہ کے مقابل ہے کیونکہ سب حرمتیں (عزتیں) جب ہتک کی جاتی ہے تو ان کا مساوی بدلہ لیا جاتا ہے۔ جب اس مقام اور اس وقت میں انہوں نے دوسری جانوں کو محفوظ نہیں رہنے دیا جو ان کا حق تھا تو اس کی سزا یہ ہے کہ اسی مقام اور وقت میں ان کی جانیں بھی محفوظ نہ رہیں۔ اور یہ قاعدہ یاد رکھو کہ جو تم پر تعدی کرے تم بھی اس کی تعدی کا اس کی مثل جواب دو اور اللہ سے ڈرتے رہو کہ زیادتی نہ ہو اور اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ اللہ تمہارا مددگار ہو جاوے گا کیونکہ وہ ہمیشہ متقیوں کا ساتھ دیتا ہے۔

جہاد کی ضرورت:

چنانچہ خدائے علیم و حکیم آگے نظیر بتاتا ہے پر چونکہ کامیابی کے لئے جہاد ضروری ہوا اور جہاد کے ضروریات سے انفاق فی سبیل اللہ تھا اور بنی اسرائیل نے جس طرح جہاد سے جی چُرایا تھا اسی طرح انفاق سے بھی بھاگے تھے۔ لہٰذا اس کے بعد فرمایا کہ اللہ کی راہ میں (مالوں اور جانوں اور خدا کی سب دی ہوئی چیزوں سے) صرف کرتے رہو (کیونکہ اگر تم صرف نہ کروگے تو علاوہ اس کے کہ ضعفاء کی دعائیں تمہارے شامل حال نہ ہوں گی کہ جن کے ساتھ تمہارا قیام اور ترقی وابستہ ہے۔ اول تو جہاد ہی نہ ہو گا اور دشمن تم کو تباہ کر دیں گے۔ دوم اگر ہو گا تو بے سروسامانی اور بھوک اور پیاس اور پاپیادہ سفروں کے باعث تم اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں سے ہلاک کرنے والے ٹھہروگے لہٰذا تم کو کہا جاتا ہے کہ تم اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ اور دینے میں اخلاص کو مدنظر رکھو کیونکہ اللہ مخلصوں کو پسند کرتا ہے۔

مفسرین نے بہت سے معنے کئے ہیں جن میں سے ایک یہ ہیں کہ جب کامیابی کی امید نہ

ہو بلکہ صاف ہلاکت نظر آتی ہو تو تم دیدہ و دانستہ اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ اور بعض نے کہا ہے کہ جہاد کا ترک کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اور جبائی کا قول ہے کہ انفاق میں اسراف کرنا ہلاکت میں پڑنا ہے۔ حضرت حسن سے مروی ہے کہ بخل کرنا ہلاکت میں پڑنا ہے۔ حضرت براء بن عازب سے مروی ہے کہ گناہ کرتے کرتے اس حد کو پہنچنا کہ اب خدا بخشے ہی گا نہیں یہ مراد ہے۔ لیکن مقام کے مناسب اور ظاہر وہی معنے ہیں جو ہم نے بیان کئے ہیں۔ اور چونکہ مقدر یہی تھا کہ صلح حدیبیہ کے سال میں حج سے وہ روکیں اور سال آئندہ جب اس کی قضا کے لئے آئیں تو ابراہیم و اسمٰعیل کے سچے جانشین اور حقیقی مظہر اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ[1] الخ (البقرۃ:126) کی تعمیل میں پہلے سال میں روکنے والوں کے معبودوں کو ان کے سامنے البیت سے باہر پھینک کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔

حج و عمرہ کے موقع پر قربانی کا ذکر:

لہٰذا یہاں پر فرمایا کہ تم حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے پورا کرو اور اگر دشمنوں یا اور کسی باعث سے روکے جاؤ اور حج و عمرہ نہ کر سکو تو پھر اونٹ گائے سے جو میسر آئے اس کا ہدیہ دے دیں۔ سو اگر مسجد حرام کے پاس رکاوٹ ہو جیسا کہ حدیبیہ میں واقع ہوا تھا تب اس ہدیہ کے ذبح ہونے تک حلال نہ ہوں اور اس کے بعد احرام توڑ دیں اور اگر دور ہوں تو وہ ہدیہ کسی کے ہاتھ مسجد حرام کی طرف روانہ کر دیں۔ اور اس کے ساتھ ایک وقت مقرر کر دیں کہ فلاں وقت یہ ذبح ہو جائے گا تو پھر اس وقت احرام کو توڑ دیں اور سر منڈا دیں اور وہ شخص اس کو حرم میں ذبح کر دے۔ جیسا آیا ہے کہ ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ[2] (الحج:34) ہاں اگر کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی دکھ ہو، بیماری یا جوؤں وغیرہ سے تو وہ پہلے ہی سر منڈا کر احرام سے نکل جائے اور فدیہ دیدے روزوں سے یا مساکین کے صدقہ سے یا قربانی سے۔ حدیث میں آیا ہے کہ تین روزے یا چھ مسکینوں کا کھانا کھلانا یا کوئی قربانی دینا ہے۔

(صحیح البخاری ابواب المحصر باب قول اللہ تعالیٰ او صدقۃ... الخ حدیث نمبر 1815)

---

[1]۔ کہ میرے گھر کو... پاک (اور صاف) رکھو۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ پھر خدا کے پُرانے گھر تک ان کو پہنچانا ضروری ہے۔ (تفسیر صغیر)

اور جب سرے سے وہ بندش نہ ہو یا رفع ہو کر امن ہو جائے تو پھر حج یا عمرہ یا دونوں میں سے جس کا قصد تھا وہ ادا کر دے ہاں جو تمتع کرے (یعنی پہلے میقات سے احرام باندھ کر عمرہ کر لے اور جب حج کا وقت آ جائے تو مکہ سے احرام باندھ کر حج کر لے) تو اس پر وہ ہدیہ دینا ہے جو میسر آئے اور جس کو ہدیہ نہ ملے وہ تین روزے تو ایام حج میں رکھے اور سات روزے اس وقت رکھے جب واپس آ جائے یہ پورے دس ہوئے۔ لکھا ہے کہ دس پورے اس لئے فرمایا ہے کہ کوئی یہ خیال نہ کر لے کہ یا حج میں تین روزے رکھے یا لوٹ کر سات رکھے کیونکہ ایسے مقامات میں وَاوْ بمعنے اَوْ آیا کرتی ہے۔ بعد ازیں فرمایا کہ یہ اس کے لئے ہے جس کے لوگ مسجد حرام کے سامنے نہ ہوں اور باہر سے آئے کیونکہ اسی کے لئے مقرر مقاموں سے حج کے لئے احرام باندھنا ضروری تھا جو کہ تمتع کی صورت میں نہیں ہو۔ بلکہ مکہ ہی سے احرام باندھا ہے پر جو مکہ کے یا اس کے ارد گرد کے رہنے والے ہیں انہوں نے تو بہر حال مکہ ہی سے احرام باندھنا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ نے ذٰلِكَ سے تمتع مراد لیا ہے اور کہا ہے کہ مکہ والوں کے لئے تمتع نہیں اور امام شافعیؒ نے اس سے ہدیہ اور اس کے عوض جو روزے ہیں وہ لئے ہیں اور کہا ہے کہ مکہ والے تمتع تو کر سکتے ہیں پر ہدیہ اور روزے لازم نہیں ہوتے۔ پر اصل بات یہ ہے کہ تمتع کے جواز سے تو مکی کے لئے کوئی مانع نہیں اور نہ عبارت سے ایسا ثابت ہوتا ہے البتہ اس میں شک نہیں کہ مکی کو ایسا کرنا اس کے لئے تمتع نہیں ہو سکتا۔ پس معنے یہ ہوئے کہ مکی کے لئے نہ ایسا کرنے سے کچھ تمتع ہے کہ عبادت میں کچھ نقص آئے اور نہ قصور کے رفع کے لئے ہدیہ وغیرہ ہے۔ اور اخیر میں پھر تقویٰ کی تاکید کی اور خلاف ورزی پر بتایا کہ جان رکھو کہ اللہ سخت سزا والا ہے۔

(تفسیر القرآن جلد 4 نمبر 4 بابت ماہ اکتوبر، نومبر، دسمبر 1909ء صفحہ 244 تا 340 مطبوعہ قادیان)

آیت 198 تا 211: اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوْقَ وَ لَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَ اتَّقُوْنِ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ۔ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاِذَاۤ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَ اذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ۔ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا وَ اللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۔ وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْۤ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ وَ مَنْ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَ هُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ۔ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَ يُهْلِكَ الْحَرْثَ وَ النَّسْلَ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ۔ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ

فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۔ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ قُضِيَ الْاَمْرُ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۔

تشریح الفاظ:

اَشْهُرٌ۔ جَمْعُ شَهْرٍ۔ مہینہ۔

فَرْضٌ۔ مقرر اور لازم کرنا۔

رَفَثٌ۔ کے معنیٰ گذر چکے ہیں عموماً اس سے جماع اور اس کی محرک باتیں مراد ہوتی ہیں۔

فُسُوْقٌ۔ نافرمانی، گناہ۔ جِدَالٌ۔ جھگڑا اور دنگہ فساد۔

تَزَوَّدُوْا۔ تَزَوُّدٌ سے ہے اور وہ زَادٌ سے بنا ہوا ہے جس کے معنیٰ سفر خرچ اور توشہ تیار کرنے اور ساتھ رکھنے کے ہیں۔

اَلْبَابُ۔ جَمْعُ لُبٍّ، مغز اور گُدّہ۔ اور کبھی عقل مراد ہوتی ہے۔

اَفَضْتُمْ۔ اِفَاضَةٌ سے ہے جس کے اصل معنے پانی گرانے اور نیچے بہانے کے ہیں اور اوپر سے کسی چیز کو نیچے دھکیلنے اور اترنے کے بھی آتا ہے۔

مَشْعَرٌ۔ مَشْعُوْرٌ سے ہے معنے اس کے جائے علم کے ہیں اور یہ نام ہے مکہ معظمہ اور عرفات کے مابین ایک مقام کا جس کو مزدلفہ اور جمع کہتے ہیں۔

قَضَيْتُمْ۔ قَضَاءٌ سے ہے جس کے معنے ادا کرنے کے ہیں۔

خَلَاقٌ۔ نصیب اور حصہ۔ اِثْمٌ۔ گناہ۔

تُحْشَرُوْنَ۔ حَشْرٌ سے ہے جس کے معنیٰ کثرت کے ساتھ جمع کرنے کے ہیں۔

یُعْجِبُ۔ اِعْجَابٌ سے ہے جس کے اصل معنے حیرت اور تعجب میں ڈالنے کے ہیں اور کبھی بمعنے دلربا ہونے کے آتا ہے۔

اَلَدُّ۔ لُدٌّ سے ہے جس کے معنے جھگڑنے کے ہیں۔

خِصَامٌ۔ خَصْمٌ کی جمع ہے دشمن۔

سَعْیٌ۔ دوڑنے اور کوشش کرنے کو کہتے ہیں۔

حَرْثٌ۔ کھیتی۔نَسْلٌ۔ ہر ایک جاندار چیز اور اولاد۔ اور اصل معنے نکلنے کے ہیں۔

حَسْبٌ۔ کافی۔مِهَادٌ۔ فرش اور نرم بچھونا۔

یَشْرِیْ۔ شِرَاءٌ سے ہے۔

سِلْمٌ۔ تسلیم اور فرمانبرداری اور صلح واسلام۔

کَآفَّةً۔ کَفٌّ سے ہے جس کے معنے روکنے کے ہیں اور کَآفَّةً کے معنے یا بہت روکنے والے کے ہوتے ہیں یا عام اور شامل کے کیونکہ وہ باہر ہونے سے روکتا ہے۔

زَلَلْتُمْ۔ زَلَّةٌ سے ہے۔ گرنا، پھسلنا۔

ظُلَلٌ۔ ظُلَّةٌ کی جمع ہے سایہ۔

قَضَا۔ ادا اور فیصلہ۔

ترجمہ:

حج معلوم مہینے ہیں۔ سو جس نے ان میں حج مقرر کیا تو حج میں نہ (عورتوں سے) شرم والی بات ہے اور نہ حکم عدولی ہے اور نہ جھگڑنا۔ اور جو تم کوئی بھلائی کرتے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔ اور تم سفر خرچ ساتھ رکھو اس لئے کہ سفر خرچ کا فائدہ بے شک تقویٰ ہے۔ اور اے عقلوں والو مجھ سے ڈرتے رہو۔ تم پر کوئی نقص نہیں کہ اپنے رب سے فضل چاہو۔ سو جب عرفات سے نیچے اترو تو عزت والے مشعر کے پاس اللہ کو یاد کرو۔ اور اس کو یاد کرو جیسی کہ اس نے تم کو ہدایت دی ہے اگرچہ تم (یا اور بے شک تم) اس سے پہلے راستہ سے بہکی ہوئی قوم سے تھے۔

پھر تم وہاں سے اترو کہ جہاں سے لوگ اترتے ہیں اور اللہ سے مغفرت مانگو۔ بے شک

اللہ مغفرت کرنے والا مہربان ہے۔ سو جب تم اپنی عبادت (حج) کو ادا کر چکو تو اللہ کو ایسا یاد کرو جیسا کہ تم اپنے بزرگوں کا ذکر کیا کرتے ہو یا اس سے بھی زیادہ مضبوط یاد کرنا۔ سو بعض لوگ (تو) وہ ہیں کہ کہتے ہیں کہ ہمیں دنیا میں (سب کچھ) دے۔ اور اس کے لئے پیچھے آنے والی میں کوئی حصہ نہیں۔ اور ان میں سے بعض وہ ہیں کہ کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں اچھی چیزیں دے اور پیچھے آنے والی میں (بھی) اچھی چیزیں دے۔ اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچانا۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے اس سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا ہے اور اللہ تیز حساب والا ہے۔

مقرر دنوں میں اللہ کو یاد کرو۔ سو جس نے دو دنوں میں جلدی کی تو اس پر بھی کوئی برائی نہیں اور جس نے تاخیر کی تو اس پر (بھی) کوئی برائی نہیں۔ (یہ) اس کے لئے ہے جو تقویٰ اختیار کرے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تم ضرور اس کے آگے جمع کئے جاؤ گے۔ اور انسانوں سے وہ (بھی) ہے جس کی بات نزدیک زندگی میں تجھے خوش کرتی ہے اور اللہ کو اس پر گواہ بناتا ہے جو اس کے دل میں ہوتا ہے حالانکہ سب دشمنوں سے بڑھ کر جھگڑنے والا ہے اور جب لوٹتا ہے تو کوشش کرتا (یا دوڑتا) ہے تاکہ زمین میں فساد ڈالے اور کھیتی اور مویشی (یا اولاد) کو ہلاک کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا اور جب اس کو کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو عزت اس کو بدی پر لگاتی ہے سو اس کے لئے جہنم کافی ہے۔ اور یقیناً وہ بہت برا بستر ہے۔

اور انسانوں سے وہ (بھی) ہے جو اللہ کی رضامندیوں کے چاہنے کیلئے اپنی جان کو بیچ دیتا ہے۔ اور اللہ بندوں پر بہت مہربان ہے۔ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو تم سارے کے سارے فرمانبرداری میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے گاموں کی پیروی نہ کرو۔ بے شک وہ تمہارے لئے کھلا کھلا (یا کاٹنے والا) دشمن ہے۔ سو اگر تم پھسل جاؤ گے اس کے بعد کہ تمہارے پاس کھلی کھلی باتیں آچکیں۔ تو پھر جان لو کہ بے شک اللہ بڑا غالب اور بہت حکمت والا ہے۔ کیا یہ لوگ اس کے سوا کسی اور چیز کا انتظار کرتے ہیں کہ اللہ ان کے پاس بادلوں کے سایوں میں آجائے اور فرشتے (بھی) اور کام تمام کیا جائے اور اللہ کی طرف کام لوٹائے جائیں۔

تفسیر:

جب خداوند کریم نے فتح مکہ کا سارا نقشہ بتادیا کہ وہ تم کو حج سے روکیں گے اور تم رک جاؤ گے اور یہی تمہارے لئے فتح مبین کا موجب ہو گا اور پھر جب قضاء حج کے لئے تم جاؤ گے تو مکہ فتح ہو جاوے گا۔ تو اس کے بعد اب پہلے تو حج کا وقت بیان فرمایا کہ حج چند معلوم اور معروف مہینے ہیں یعنی حج کی نیت اور احرام باندھنے اور اس کے افعال بجا لانے کا وقت معروف و مشہور مہینے ہیں۔ لیکن زبان کا قاعدہ ہے کہ جب ایک امر کے لئے بہت سے امور درکار ہوتے ہیں اور ان میں سے بعض غیر ضروری لیکن مناسب ہوتے ہیں اور بعض ضروری اور بعض اشد ضروری ہوتے ہیں۔ جیسی نماز کہ اس کے افعال میں یہ سب اقسام موجود ہیں مثلاً سینہ پر ہاتھ باندھنا اور درمیانی التحیات کے لئے بیٹھنا اور سجدہ کرنا تو ضروری اور اشد ضروری کی ضرورت کے اظہار کے لئے کہہ دیا کرتے ہیں کہ فلاں امر فلاں چیز ہے جیسا کہا جائے کہ نماز سجدہ ہے۔

حج کے مہینے:

تو چونکہ حج کے لئے خاص اوقات مقرر ہیں اور ان کے باہر حج ہر گز نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اس ضرورت کے اظہار کیلئے یوں فرمایا کہ حج چند معروف مہینے ہیں۔ احادیث میں آیا ہے کہ وہ تین مہینے ہیں۔ شوال، ذی قعدہ، ذی الحج۔

(صحیح البخاری کتاب الحج باب ذالک لمن لم یکن اھلہ... حدیث 1572)

لیکن امام ابو حنیفہ نے ذی الحج کے پہلے دس دن ہی لئے ہیں۔ اور ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ، ابن الزبیرؓ، ابن عمرؓ اور حسن سے بھی یہی مروی ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک ذی الحجہ کے نو دن ہیں اور دسویں کی رات بھی ان کے ساتھ شامل ہے۔ لیکن امام مالکؒ نے احادیث کے مطابق سارے ذی الحج کو حج کے مہینوں میں داخل مانا ہے۔ لیکن علمائے محققین نے لکھا ہے کہ حقیقت میں کوئی نزاع نہیں اور یہ محض لفظی نزاع ہے اس لئے کہ حج کے وقت سے یا تو وہ وقت مراد ہو گا جس میں احرام باندھا جاتا ہے یا وہ وقت کہ جس میں سوائے کسی قصور اور معذوری کے افعال حج ادا ہوتے ہیں۔ یا وہ جس میں بے معذوری اور با معذوری

افعال حج ادا ہو سکتے ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ احرام 9 ذی الحج ہی تک ہو سکتا ہے اور امام شافعیؒ نے احرام کا وقت بیان کیا ہے۔ اور بے معذوری اور بے قصور افعال حج دس تک ختم ہو جاتے ہیں اور امام ابو حنیفہؒ نے سوائے کراہت کے افعال حج کا وقت بتایا ہے اور جب عورت کو ایام حج میں ایام مخصوصہ آجائیں تو پھر وہ آخر ذی الحج تک طواف کر سکتی ہے اور امام مالکؒ نے مطلق افعال حج کا وقت بیان فرمایا ہے، خواہ بے عذر ادا ہوں یا باعذر۔

پر امام مالکؒ کا بیان قرآن مجید کے ظاہر الفاظ اور احادیث صحیحہ کی تصریح کے مطابق ہے۔ ہاں ایک اور نزاع یہاں پر ہے اور وہ یہ ہے کہ جیسا یہاں سے مفہوم ہوتا ہے کہ حج کے سب کام انہی مہینوں میں ہونے چاہئیں اسی طرح عموماً ائمہ دین نے بھی کہا ہے کہ اگر کوئی شخص ان مہینوں سے پہلے حج کا احرام باندھے تو وہ حج کیلئے درست نہیں ہو سکتا۔ لیکن امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے کہ احرام تو حج کا پہلے بھی ہو جاتا ہے لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے اور اچھا نہیں ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ حج کے افعال ان مہینوں سے باہر نہیں ہو سکتے۔ پس جنہوں نے احرام کو حج کا ایک فعل خیال کیا ہے انہوں نے تو اس کو ان سے پہلے کرنا ناجائز قرار دیا ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ نے چونکہ احرام کو حج کا فعل نہیں قرار دیا بلکہ وضو کی طرح اس کی شرط قرار دیا ہے اس لئے کہا ہے کہ وضو کی طرح وقت سے پہلے بھی جائز ہے لیکن چونکہ بظاہر احادیث کے خلاف تھا اس لئے مکروہ کہا ہے۔

حج کی شرائط:

وقت بتانے کے بعد فرمایا کہ جو شخص ان میں اپنے پر حج فرض اور مقرر کرے یعنی نیت یا احرام باندھ لے سو اس پر لازم ہے کہ نہ بی بی سے صحبت کرے اور نہ قابل شرم باتیں کرے اور نہ حکم عدولی کرے اور نہ حج میں جنگ و جدل کا مرتکب ہو بلکہ ان کو ترک کر کے بجائے ان کی بھلائیوں میں ترقی کرے اور ان میں احسان کی راہ اختیار کرے یعنی یہ جانے کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں اور اگر یہ نہ ہو تو پھر کم از کم یہ ہو کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

زادِ راہ رکھنے کی حکمت:

اس کے بعد وَتَزَوَّدُوْا الخ فرما کر بظاہر تو زادِ راہ ساتھ لینے کا حکم دیا اور حقیقت میں ماہ

رمضان کے روزوں کی مانند حج کا فلسفہ بیان فرمایا کہ جس طرح تقویٰ کا ہمیشہ حکم ہے پر انسانی کمزوریوں پر نظر کر کے خدائے حکیم نے چند دنوں کے روزوں کا حکم دے کر تقویٰ کی اثبات اور شہادت کی راہ بتائی ہے اسی طرح عمر بھر میں حج مقرر کر کے اور ایام حج میں بالخصوص تقویٰ کا حکم دے کر اس چند روزہ سفر کو اخروی اور دائمی سفر کیلئے زادِ راہ بتایا ہے۔ لہٰذا اس کے بعد فرمایا ہے کہ زادِ راہ کا نتیجہ اور برکت تقویٰ ہے یعنی جس طرح حج کے سفر میں جو شخص اپنا زادِ راہ ساتھ رکھے گا اس کو سوال کرنے یا چوری وغیرہ جرائم کے مرتکب ہونے یا دکھ اور تکلیف اٹھانے کی نوبت نہ آئے گی اور اس کا سفر خرچ ان امور سے بچاؤ ہو گا۔ اسی طرح جو شخص حج کا سفر اور ایام حج کا چند روزہ اعلیٰ تقویٰ اختیار کر کے اپنے اخروی سفر کا زادِ راہ اپنے لئے تیار کر لے گا تو اس زادِ راہ کا نتیجہ اور فائدہ یہ ہو گا کہ وہ اخروی دکھوں اور اپنے آقا کی ناراضگی اور غضب سے بچ جائے گا۔

مفسرین نے اس کے ایک معنے یہ بھی کئے ہیں بلکہ اکثروں نے یہی کیے ہیں کہ سب زادوں سے بہتر زاد تقویٰ ہے یعنی حج کیلئے زادِ راہ لو پر تمہارے اخروی سفر کا زاد تقویٰ ہے اور سب سے عمدہ زاد ہے۔ لیکن الفاظ کے مطابق پہلے ہی معنے ہیں۔ اور اس کے بعد وَاتَّقُوْنِ یٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ فرما کر بتایا ہے کہ ناسمجھوں کی طرح حج کو محض رسم کے طور پر ادا نہ کرو بلکہ عقلمند بن کر اس کو ایسا ادا کرو کہ تمہارے تقویٰ کا ثبوت اور شاہد ہو۔ اور چونکہ ایام حج میں جائز صحبت بھی ممنوع کی گئی اور تقوی اللہ کی سخت تاکید ہوئی اور عام قاعدہ ہے کہ ایسے مقامات پر عام طور پر طبائع تشدد کی طرف جھک جاتی ہیں۔ جس سے خطرہ تھا کہ لوگ ان ایام میں دنیوی کاروبار جیسے تجارت مزدوری وغیرہ اور دنیوی مطالب کی دعائیں بھی ممنوع قرار دے کر اپنے آپ کو حرج میں ڈالیں گے۔ لہٰذا فرمایا کہ اس میں کوئی حرج اور گناہ نہیں کہ تم اپنے رب سے فضل چاہو یعنی عرفات پر فضل کی دعائیں مانگو یا بذریعہ تجارت وغیرہ رزق چاہو (ہاں ہر ایک چیز کا محل اور موقعہ ہوتا ہے۔)

پس جب عرفات سے اترو تو مشعر حرام کے پاس یاد الٰہی کرو (اور ایسا نہ کرو کہ تجارت وغیرہ میں لگ کر یادِ الٰہی کو چھوڑ دو) اور اس کو اس طرح یاد کرو کہ جس طرح اس نے

تم کو ہدایت کی ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے تم بہکے ہوئے لوگوں میں سے تھے اور تمہاری طبیعت اس پہلی رسم و عادت کو چاہتی بھی ہو تو بھی اس کو ترک کر کے ہدایت کے مطابق اس کو یاد کرو۔

مفسرین نے عموماً اس کے معنے یہی کئے ہیں کہ بے شک تم پہلے گمراہوں میں سے تھے۔ یعنی وَ اِنۡ کُنۡتُمۡ الخ میں اِنۡ شرطیہ نہیں بلکہ یہ اِنَّ کا مخفف ہے اور تقدیر اس کی وَاِنَّکُمۡ کُنۡتُمۡ تھی۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وَاِنۡ جس کے معنے اگرچہ کے ہوتے ہیں اور جس کو اِنۡ وصلیہ کہا کرتے ہیں یہ اس مقام میں آیا کرتا ہے کہ جہاں پر موجودہ جزاء کی مقابل اور مخالف بات جزا بننے کے زیادہ مناسب ہوتی ہے اور ان کے خیال میں یہاں پر ایسا نہیں ہے۔ لیکن میں بتا چکا ہوں کہ اس کا مطلب بعینہٖ ایسا ہے جیسا کہا جائے کہ سچ بولو اگرچہ اس میں تمہارا نقصان ہی متصور ہو یا اگرچہ تمہاری عادت نہ ہو۔

پس اس وجہ سے میں نے پہلے اسی ترجمہ کو لکھا ہے کیونکہ اس میں کسی تقدیر کی ضرورت نہیں اور ٹھیک بھی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ پھر تم وہاں سے اترو کہ جہاں سے لوگ اترا کرتے تھے (اور ان کی غلطی اور متکبرانہ فعل کو یاد کر کے تم ان پر نکتہ چینی نہ کرو بلکہ اپنی کمزوریوں کی نسبت) اللہ سے مغفرت مانگو بے شک وہ مغفرت دینے والا اور مہربان ہے۔ (یعنی تم سے یہ غلطی نہ ہو کہ لوگوں کی طرح عرفات پر نہ جاؤ اور مشعر حرام ہی سے اتر پڑو۔ بلکہ پہلے عرفات سے اترو اور پھر مشعر حرام سے۔)

مفسرین نے لکھا ہے کہ قریش اور کنانہ جو کہ اپنے آپ کو حمس کہلاتے تھے وہ عرفات پر لوگوں کے ساتھ نہ جایا کرتے تھے بلکہ مشعر حرام ہی میں کھڑے ہو کر وہاں ہی سے واپس آجایا کرتے تھے۔ جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔

(صحیح مسلم کتاب الحج باب فی الوقوف و قولہ تعالیٰ ثم افیضوا... الخ حدیث 2945)

اور انہوں نے عموماً اس کے یہ معنے کئے ہیں کہ پھر یہ بات سنو کہ تم وہاں سے (یعنی عرفات سے) اترو کہ جہاں سے اور لوگ اترا کرتے ہیں۔ لیکن یہ ٹھیک نہیں کیونکہ فَاِذَاۤ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفٰتٍ کے بعد پھر اسی کا حکم دینا اور پھر ثُمَّ کے معنوں کو بدلنا

اور پھر خاص قریش اور کنانہ کو مخاطب بنانا سب تکلفات ہیں۔ اور جو معنے ہم نے لکھے ہیں ان میں حدیث والے قصہ کی طرف اشارہ بھی ہو جاتا ہے اور تکرار بھی نہیں ہوتا کیونکہ پہلا اترنا عرفات سے تھا اور یہ مشعر حرام سے ہے اور ثُمَّ بھی ٹھیک رہتا ہے کیونکہ دوسرا اترنا پہلے کے بعد ہے۔ اس کے بعد ایک اور ممنوع امر بتا کر اس کے عوض نیک امر ارشاد فرما کر کہا کہ سو جب تم حج کی عبادتوں کو ادا کر چکو تو پھر اللہ کو ایسا یاد کرو جیسا کہ تم اپنے آباو اجداد کو یاد کیا کرتے تھے یا اس سے بھی زیادہ سخت یاد کرو۔ کیونکہ بعض لوگ تو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں سب کچھ دے۔ اور اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ اور بعض ان میں سے وہ ہوتے ہیں کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی اچھی چیزیں، اچھی حالتیں دے اور آخرت میں بھی اچھی دے اور ہمیں (دنیا اور آخرت میں) آگ کے عذاب سے بچائیو (اور دنیا کی آگ کا بھی قرآن مجید میں ذکر ہے اور وہ حرص، طمع، حسد، غضب، عداوت اور ہر قسم کی کڑھن ہے جو کہ دل پر مسلط ہوتی ہے) یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے ان کی کمائی سے عظیم الشان حصہ ملنے والا ہے۔ (اور یہ نہ خیال کرو کہ اس قدر پراگندہ اعمال کا کون حساب کرے گا کیونکہ) یقیناً اللہ بہت جلد حساب کرنے والا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں حج کے بعد کی رسومات:

(مفسرین نے لکھا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں جب عرب لوگ حج سے فارغ ہو جاتے تو بازار عکاظ وغیرہ میں ان کے اکھاڑے لگتے اور ہر ایک قوم کے شاعر اور خطیب نکلتے اور اپنے بزرگوں کی تعریفیں اور ان کے مفاخر کا ذکر کرتے اور اپنے مقابلوں کی ہجو اور مذمت کا اظہار کرتے تھے۔ تو قرآن مجید نے ان آیات میں اس بدرسم کی یہ اصلاح فرمائی کہ بجائے اکھاڑوں کے تم اپنے پیارے مولیٰ کی یاد کیا کرو۔ اور اس ذوق وشوق کے برابر بلکہ اس سے بڑھ کر کیا کرو کہ جس کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں تم اپنے بزرگوں کی یاد کیا کرتے تھے۔ اور اس کے بعد قاعدۂ کلیہ کے طور پر فرمایا کہ دنیا کے کام منع نہیں پر دنیا میں ایسا غرق ہو جانا کہ دوسرا جہان بھول جائے یہ بہت برا ہے۔ یہاں تک کہ دعا جو کہ عبادت کا مغز اور لب لباب

ہے اگر کوئی دنیا میں غرق ہو کر محض دنیا ہی کے لئے اللہ سے دعا بھی کرتا ہے تو اس کو آخرت میں کچھ حصہ نہیں ملتا۔ پر جو لوگ دنیا اور آخرت کی بھلائیاں اللہ سے چاہتے ہیں ان کو ان کی کوشش کا پھل دونوں جہانوں میں ملتا ہے۔ (اس کے بعد بتایا کہ جس طرح ایام حج تقویٰ کیلئے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اسی طرح یہ ایام یاد الٰہی کیلئے ہیں۔

پس جس طرح چند معدودہ ایام میں تقویٰ پر سچا قدم مار کر انسان اپنے متقی ہونے کی شہادت قائم کر سکتا ہے۔ اسی طرح ان چند دنوں میں الٰہی یاد میں سرگرمی اختیار کر کے ذَاکِرِینَ اللّٰہَ میں سے ہونے کی شہادت اپنے لئے پیش کر سکتا۔ لہٰذا حکم دیا کہ) چند معدود دنوں میں اللہ کو یاد کرلو۔ (چونکہ تشدد کی طرف مائل طبائع جب ایک امر میں کوئی وقت وغیرہ کی تقیید دیکھ کر دوسرے امور کو بھی مقید کرنا چاہتی ہیں اور حج میں عرفات پر کھڑا ہونے یا مشعر حرام میں ذکر الٰہی کرنے کا چونکہ وقت مقرر ہے جس سے تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی تو اس سے اندیشہ تھا کہ دوسرے امور میں بھی لوگ وقت خاص کی ضرورت خیال کریں گے تو فرمایا کہ) جو دو دن جلدی کرے اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو تاخیر کرے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں (پر یہ) اس کے لئے ہے جو تقویٰ اختیار کرے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ اس کے پاس تم جمع کئے جاؤ گے (یعنی تھاون اور لاپروائی اور سستی کے طور پر تو تقدیم و تاخیر اچھی نہیں بلکہ انہی اوقات میں ان افعال کو کرنا چاہیے کہ جن میں ان کو سنت نے بتایا ہے لیکن عذر سے یہ تقدیم و تاخیر گناہ کی موجب نہیں اور نہ اس سے حج میں کوئی نقص عائد ہوتا ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ یَوۡمَیۡنِ سے مراد ایام تشریق کے تین دنوں میں سے دوسرا اور تیسرا دن (12,13) مراد ہیں۔ جیسا کہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔

(صحیح ابن خزیمۃ، جماع ابواب الفریضۃ فی السفر، باب ذکر خبرٍ احتجّ بہ بعض من خالف الحجازیین... حدیث 958)

اور جس امر میں تعجیل مراد ہے وہ دوسرا اترنا ہے۔ لیکن حدیثوں میں آیا ہے کہ جب آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حج کیلئے تشریف لائے تھے تو لوگ آپ سے دریافت کرنے لگے کوئی کہتا کہ میں نے فلاں امر پہلے کیا ہے کوئی کہتا کہ میں نے فلاں امر نہیں کیا۔ پھر راوی کہتا ہے کہ

جو تقدیم و تاخیر کسی نے دریافت کی آپ نے یہی فرمایا کہ کوئی حرج نہیں۔
(صحیح البخاری کتاب الحج باب الذبح قبل الحلق حدیث 1722)

اور میں نے پہلے بتایا ہے کہ فتح مکہ کا نقشہ کھینچنے کے لئے خداوند تعالیٰ نے حج کی بندش اور پھر عمرۃ القضاء میں فتح مکہ ہونے کی طرف اشارہ کرنے کے لئے حج کا یہاں پر بیان کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ فتح مکہ کے وقت جو لوگ اسلام میں داخل ہونے والے تھے۔ وہ مختلف حالات والے تھے لہٰذا ان کی طرف اشارہ کرنے کے فرمایا کہ) بعض ایسے لوگ ہیں کہ جن کی بات اس نزدیک زندگی میں تجھے بہت پسند آئے گی اور وہ اللہ کو گواہ بنائے گا ان باتوں پر جو کہ اس کے دل میں ہیں (یعنی کہے گا کہ خدا شاہد ہے کہ میرے دل میں آپ کی بڑی محبت اور بہت اخلاص ہے اور کامل ایمان اور پختہ یقین ہے) حالانکہ وہ حقیقت میں سخت ترین دشمن ہے۔ اور جب واپس جائے گا (یا جب والی اور بااختیار ہو جائے گا) تو زمین میں کوشش کرے گا (یا دوڑے گا) تاکہ اس میں فساد پھیلائے اور کھیتی اور نسل کو ہلاک کرے۔ اور (وہ خوب جانتا ہے کہ) اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ اور جب اس کو کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو اس کی عزت اس کو گناہ) یعنی شیطان والے گناہ تکبر اور حق کی مخالفت) پر لگا دیتی ہے۔ سو اس کے لئے جہنم کافی ہے۔ اور وہ کیا ہی برا بسترہ ہے۔ اور بعض ایسے لوگ ہیں کہ اپنی جان کو اللہ کی رضائیں چاہنے کیلئے فروخت کر دیتے ہیں۔ اور اللہ (اپنے ایسے) بندوں پر بہت مہربان ہے۔

(چونکہ فتح مکہ کے بعد عموماً اہل مکہ نے اسلام میں داخل ہو جانا تھا جن میں سے وہ لوگ بھی تھے کہ جن سے بعض صحابہؓ کو خاص طور پر دکھ پہنچے ہوئے تھے اور سخت ترین رنجشیں اور مخالفتیں پیدا ہو گئی تھیں اور خطرہ تھا کہ اسلام کے بعد بھی وہ رنجشیں قائم رہیں اور کسی وقت پھوٹ اور جنگ و جدال کا موجب ہوں۔ چنانچہ بالآخر بنی ہاشم اور بنی امیہ کی پچھلی نسلوں میں اس کا رنگ آ ہی گیا تھا اور خدائے علیم پہلے سے جانتا تھا اور ایسے احکام میں عموماً آئندہ کیلئے ایک قسم کی پیشن گوئی ہوا کرتی ہے۔

پس اس وجہ سے خداند کریم نے اس کے بعد فرمایا کہ) اے ایمان والو! تم صلح اور سچی فرمانبرداری میں پورے کے پورے اور سارے کے سارے داخل ہو جاؤ (اور اسلام

کے بعد کسی طرح کی مخالفت اور کینہ اور عناد نہ رکھنے چاہیے۔ ہاں شیطان تم کو ضرور اس بگاڑ کی طرف بلائے گا۔ چنانچہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ شیطان اس سے ناامید ہو گیا ہے کہ عرب میں پھر شرک ہو۔ ہاں وہ اس تاک میں ہے کہ تم میں چھیڑ چھاڑ شروع کرا دے۔

(سنن ابن ماجہ کتاب المناسک باب الخطبۃ یوم النحر حدیث 3055)

پر تم) شیطان کے قدموں کی مت پیروی کرو۔ بے شک وہ تمہارے لئے کھلا کھلا (یا جدا کرنے والا) دشمن ہے۔ سو اگر تم اس کے بعد بھی پھسلو گے کہ تمہارے پاس کھلی کھلی باتیں آچکی ہیں تو جان لو کہ یقیناً اللہ بڑی طاقت اور حکمت والا ہے۔

(مفسرین نے عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا الخ عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں کے حق میں نازل ہوا ہے کیونکہ یہ لوگ اہل کتاب سے ایمان لائے تھے اور قرآن مجید کے احکام کے علاوہ توریت کے باقی احکام کی بھی ساتھ ہی پیروی کرنی چاہتے تھے۔ چنانچہ سبت کے دن کی تعظیم کرتے اور اونٹوں کے گوشت اور دودھ سے اجتناب کرتے تھے تو خداوند کریم نے ان آیات میں ان کو ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس صورت میں مومنوں سے خاص اہل کتاب مومن مراد ہوں گے۔

اور بعض کا خیال ہے کہ یہ منافقوں کے بارہ میں نازل ہوئی ہیں۔ یعنی نفاق نہ رکھو اور پکے مسلمان بن جاؤ۔ اور بعض کا خیال ہے کہ یہ کفار کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ یعنی اے وہ لوگو! جو کہ تم ایک اپنی شریعت پر ایمان رکھتے ہو اسلام میں داخل ہو کر ساری شریعتوں میں داخل ہو جاؤ۔ لیکن ٹھیک وہی ہے جو کہ میں نے پہلے بیان کر دیا ہے اور جو لوگ کہ اس بین نشان کے بعد بھی اَلَدُّ الْخِصَامِ رہیں گے ان کی وجہ یہ بتائی کہ چونکہ جنگ بدر کے متعلق یہ پیشن گوئی تھی کہ اس دن خداوند تعالیٰ بادلوں کے سایوں میں نزول فرمائے گا اور فرشتے اس کے ارد گرد گھرے ہوئے ہوں گے اور اس امر کا فیصلہ کیا جائے گا یعنی حق و باطل میں فیصلہ ہو جائے گا اور اسی وجہ سے یوم بدر کو یوم الفرقان کے نام سے نام زد کیا گیا ہے۔

اور جیسا دنیا اور ایمان بالغیب کے مناسب حال اور شان قدوسیت کے شایاں تھا وہ تو ہو گیا لیکن جیسا شریر مخالفوں کا قاعدہ ہوتا ہے (کہ وہ پیشن گوئیوں کی تکذیب کے لئے ضرور

ان کو ظاہری معنوں پر محمول کیا کرتے ہیں خواہ وہ سنت اللہ اور صفات الٰہیہ اور ایمان بالغیب کے کیسی ہی مخالف کیوں نہ ہوں) وہ اس کو ظاہری معنوں پر محمول کر کے یہ انتظار کرتے تھے کہ اللہ بادلوں کے سایوں میں فرشتوں سے گھرا ہوا نازل ہو کر بالکل فیصلہ ہی کر دے۔ تو بتایا کہ یہ امر تو ہو چکا ہے۔ پر وہ ابھی اس کی انتظار میں ہیں۔

پھر بتایا کہ ہاں ایسا فیصلہ بھی ہونے والا ہے پر اس وقت جبکہ) اللہ کی طرف سب امور لوٹائے جاویں گے۔ (پر اس وقت ان کو کیا فائدہ ہو سکتا ہے وہ تو حقیقی جزاؤ سزا کا وقت ہو گا۔ مفسرین نے یہاں پر لکھا ہے کہ یہ سب کچھ قیامت کے دن ہونے والا ہے۔ تو خداوند تعالیٰ نے یہاں پر بتایا ہے کہ یہ قیامت کے منتظر ہیں اور پہلے ایمان نہیں لاتے پر بات وہی ہے جو اوپر بیان ہو چکی ہے۔)

آیت 212 تا 217: سَلۡ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ کَمۡ اٰتَیۡنٰہُمۡ مِّنۡ اٰیَۃٍۭ بَیِّنَۃٍ وَمَنۡ یُّبَدِّلۡ نِعۡمَۃَ اللّٰہِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡہُ فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ۔ زُیِّنَ لِلَّذِیۡنَ کَفَرُوا الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا وَیَسۡخَرُوۡنَ مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا فَوۡقَہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَاللّٰہُ یَرۡزُقُ مَنۡ یَّشَآءُ بِغَیۡرِ حِسَابٍ۔ کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیۡنَ وَمُنۡذِرِیۡنَ وَاَنۡزَلَ مَعَہُمُ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِیَحۡکُمَ بَیۡنَ النَّاسِ فِیۡمَا اخۡتَلَفُوۡا فِیۡہِ وَمَا اخۡتَلَفَ فِیۡہِ اِلَّا الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡہُ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡہُمُ الۡبَیِّنٰتُ بَغۡیًۢا بَیۡنَہُمۡ فَہَدَی اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَا اخۡتَلَفُوۡا فِیۡہِ مِنَ الۡحَقِّ بِاِذۡنِہٖ وَاللّٰہُ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ۔ اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّۃَ وَلَمَّا یَاۡتِکُمۡ مَّثَلُ الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِکُمۡ مَسَّتۡہُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلۡزِلُوۡا حَتّٰی یَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَہٗ مَتٰی نَصۡرُ اللّٰہِ اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰہِ قَرِیۡبٌ۔ یَسۡـَٔلُوۡنَکَ مَاذَا یُنۡفِقُوۡنَ قُلۡ مَاۤ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ خَیۡرٍ فَلِلۡوَالِدَیۡنِ وَالۡاَقۡرَبِیۡنَ وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَابۡنِ السَّبِیۡلِ وَمَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیۡمٌ۔ کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الۡقِتَالُ وَہُوَ کُرۡہٌ لَّکُمۡ وَعَسٰۤی اَنۡ تَکۡرَہُوۡا شَیۡـًٔا وَّہُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ وَعَسٰۤی اَنۡ تُحِبُّوۡا شَیۡـًٔا وَّہُوَ شَرٌّ لَّکُمۡ وَاللّٰہُ یَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ۔

تشریح الفاظ:

سَلۡ۔ سوال سے ہے دریافت کرنا۔

کَمْ۔ کبھی تو سوال کیلئے آتا ہے، جس کو کَمْ استفہامیہ کہتے ہیں، جس کے معنے ہوتے ہیں کس قدر اور کبھی کسی چیز کی کثرت بتانے کیلئے آتا ہے، اور اس کو کَمْ خبریہ کہتے ہیں جس کے معنے بہت کچھ کے ہوتے ہیں۔ اور مفسرین نے یہاں پر دونوں کا ہونا درست قرار دیا ہے جس کی تفصیل تفسیر میں انشاء اللہ آئے گی۔

اٰیَۃٌ۔ نشان اور کتاب کا ٹکڑہ۔

بَیِّنَۃٌ۔ بیان سے ہے جس کے معنے ظاہر کرنے اور ظاہر ہونے کے ہیں۔ پس بَیِّنَۃٌ کے معنے ہوئے ظاہر کرنے والی یا کھلی کھلی۔

عِقَابٌ۔ عُقُوْبَۃٌ سے ہے اس سزا کا نام ہے جو کسی بدی کے بعد ہو۔

یَسْخَرُوْنَ۔ سَخْرٌ، مُسَخَّرَۃٌ سے ہے۔ اس کے بعد مِنْ کا لفظ آتا ہے اور حقیر کرنے اور سمجھنے کے معنوں میں آتا ہے۔ لیکن انسان چونکہ جس کو حقیر کرتا ہے اس کے ساتھ ہنسی ٹھٹھا کرتا ہے۔ لہٰذا اس کے معنے مسخری کرنے کے کئے جاتے ہیں۔

یَحْکُمُ۔ حُکْمٌ سے ہے جس کے معنے کبھی حکم دینے اور کبھی فیصلہ کرنے کے ہوتے ہیں۔ جب اس کے بعد عَلٰی کا لفظ ہو تو پہلے معنے دیتا ہے اور جب اس کے بعد بَیْنَ کا لفظ ہو تب دوسرے معنے ہوتے ہیں۔

حَسِبْتُمْ۔ حُسْبَانٌ سے ہے خیال اور گمان کرنا۔

لَمَّا۔ کے معنے ہوتے ہیں اب تک نہیں۔ مَثَلٌ۔ حالت۔

مَسَّتْ۔ مَسٌّ سے ہے چھونا۔

بَأْسَاءُ۔ دکھ۔ ضَرَّآءُ۔ ضرر۔ مَتٰی۔ کب۔

اَلَآ۔ ایک لفظ ہے کہ ھَا اور ھَلَّا کی طرح ہوشیار کرنے کے لئے ابتدا میں لایا جاتا ہے۔ اور اردو میں چونکہ ایسا کوئی خاص لفظ نہیں ہے۔ لہٰذا ادائے مطلب کے لئے اس کے معنے کر دیتے ہیں کہ ہوش سے سنو یا خبردار۔ اور یہ بحث مفصل بیان ہو چکی ہے۔

کَرِہَ۔ کراہت۔ عَسٰی۔ امید ہے یا احتمال ہے۔ اور بعض نے لکھا ہے کہ کلام الٰہی میں عموماً اور اور کلاموں میں گاہے گاہے یقین ہے، کے معنوں میں آتا ہے۔

ترجمہ:

بنی اسرائیل سے دریافت کر کہ کس قدر (یا بہت کچھ) ہم نے ان کو کھلے کھلے (یا کھولنے والے) نشان (یا آیتیں) دی ہیں۔ اور جو اللہ کی نعمت کو اس کے بعد بدلتا ہے کہ وہ اس کے پاس آجاتی ہے۔ تو پھر یقیناً اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ جو کافر ہوئے ان کے لئے ورلی زندگی مزین کی گئی ہے اور وہ ان کی تحقیر کرتے رہتے ہیں جو کہ ایمان لائے ہیں۔ اور (یا حالانکہ) جو تقویٰ کرتے ہیں وہ قیامت کے دن ان کے اوپر ہوں گے۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے اس کو بے حساب دیتا ہے۔ لوگ ایک ہی گروہ تھے تو اللہ نے نبی بھیجے خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے۔ اور ان کے ہمراہ حق کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ لوگوں کے درمیان ان امور میں فیصلہ کرے کہ جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ اور اس میں اختلاف نہیں کیا پر انہی لوگوں نے کہ جن کو وہ دی گئی تھی اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلے کھلے (یا کھولنے والے دلائل) آچکے۔ اپنے درمیان سرکشی کرنے کے لئے۔

سو جو لوگ ایمان لائے تھے اللہ نے ان کو اپنے حکم سے اس کی راہ بتادی کہ جس میں انہوں نے اختلاف کیا تھا یعنی حق (کی طرف) اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف اس کو راہ نمائی کرتا ہے۔ بلکہ کیا تم خیال کرتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔ حالانکہ ابھی تم پر ان لوگوں کی حالت نہیں آئی جو کہ تم سے پہلے گذر چکے ہیں۔ ان کو دکھ اور ضرر پہنچا اور وہ ہلائے گئے یہاں تک کہ رسول اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے کہنے لگے کہ اللہ کی نصرت کب ہوگی۔ خبردار اللہ کی مدد قریب ہے۔ تجھ سے دریافت کریں گے کہ کون سی چیز (یا کس طریق پر) خرچ کریں۔ تم کہو جو کچھ تم اچھے مال سے خرچ کرو تو والدین اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور راہ گذروں کیلئے ہو۔ اور جو کچھ تم بھلائی سے کرتے ہو اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے۔ تم پر جنگ کرنا مقرر کیا گیا ہے اور وہ تمہارے لئے برا لگتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو برا جانو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو۔ حالانکہ وہ تمہارے لئے بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

تفسیر:

عام طور پر انسانی طبائع کا یہی حال ہے کہ جب کامیابی حاصل ہو جاتی ہے اور سب ہم و غم خوشی اور راحت سے بدل جاتے ہیں اور آسائش کے اسباب پورے پورے مہیا ہو جاتے ہیں تو پھر خدا سے غفلت ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ پھر انسان رضاء الٰہی سے بہت دور جا پڑتا ہے اور دنیا میں منہمک ہو جاتا ہے اس لئے خداوند حکیم و کریم نے بشارت فتح اور اس کے بعد لوگوں کی حالت بیان کر کے اہل اسلام کو مابعد الفتح کی نسبت نصیحت کرنے اور اپنے سے پہلی قابل عبرت فاتح امت بنی اسرائیل کی حالت سے عبرت پکڑنے کیلئے فرمایا کہ) تم سے جو چاہے یا تمہارے سردار نبی کریم بنی اسرائیل سے دریافت کر لے کہ ہم نے کس قدر کھلے کھلے اور بین طور پر ثابت کرنے والے نشان اور واضح آیتیں ان کو دی تھیں (اور علاوہ ان کے ان پر بڑے بڑے فضل و انعام کئے تھے لیکن باوجود اس کے جب انہوں نے منعم کو فراموش کر کے شہوت پرستی اختیار کر لی اور فضل و انعام کی راہ سے روگردان ہو گئے تو اس کی وجہ سے ان کو بڑی سخت سزا دی گئی جس کا حال مخفی نہیں۔ اور اسی امر کو بیان کرنے کے لئے قاعدہ کلیہ کے رنگ میں فرمایا کہ جو کوئی شخص خدا کی اس نعمت کو تبدیل کرتا ہے جو کہ اس کو پہنچی ہوئی ہے یعنی نعمت حاصل ہونے کے بعد وہ طریق اختیار کرتا ہے کہ جس کے باعث سے وہ نعمت اس سے چھن جائے تو ایسے شخص کی نسبت وہ کریم خدا سخت سزا دینے والا ہوتا ہے۔

بنی اسرائیل کا تبدیلِ نعمت کرنا اور سزا پانا:

پس بنی اسرائیل نے چونکہ انعام ہونے کے بعد اس نعمت کو بدلا تھا۔ لہٰذا خداوند تعالیٰ نے ان کو سخت سزا دی۔ اور اس کے بعد ان کی تبدیل نعمت کی وجہ اور کیفیت بتائی اور فرمایا کہ) ناشکروں اور منکروں کیلئے یہ نزدیک زندگی مزین کی گئی (اور دوسری زندگی کو بالکل بھول گئے اور یہی ان کی تبدیل نعمت کا باعث ہوا اور مومن چونکہ دنیا سے جی نہیں لگاتے لہٰذا) وہ ان کی تحقیر کرتے ہیں جو کہ ایمان لاتے ہیں اور جو متقی ہیں قیامت کے دن ان کے اوپر ہوں گے (مکان اور مرتبہ کے لحاظ سے۔ اور دوسری آیتوں سے ثابت ہے کہ قیامت

کے دن مومن ان کی تحقیر کریں گے۔ اور اگر وہ ایسا نہ کرتے اور اللہ کو راضی کرتے تو دنیا بھی اور آخرت بھی مل جاتی کیونکہ) اللہ جس کو چاہتا ہے اس کو بے حساب دیتا ہے (اور اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اب تم کو بھی بے حساب دے گا۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس میں ان فتوحات کی طرف اشارہ ہے جو کہ اہل اسلام کو ملی ہیں لیکن تم کو چاہیے کہ بنی اسرائیل کی طرح نعمت اللہ کی تبدیل نہ کرو اور یہ نزدیک زندگی تمہاری نظروں میں خوبصورت نہ ہو جائے اور پھر تم بھی مومنوں کی تحقیر نہ کرنے لگو۔ اگر تم ایسا کروگے تو پھر یاد رکھو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

رہا یہ کہ اس نزدیک زندگی کو مزین کون کرتا ہے تو اس میں شک نہیں کہ ایسے خیالات شیطان ہی دل میں ڈالتا ہے اور قرآن مجید میں شیطان کی نسبت فرمایا کہ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ [1](الحجر:40) مذکورہ نصیحت اور عبرت کے بیان سے طبعاً یہ سوال پیدا ہو سکتا تھا کہ بنی اسرائیل کی سزا کا باعث تبدیل نعمت تھی اور تبدیل نعمت کی جڑھ یہ بتائی گئی ہے کہ کافروں کیلئے ورلی زندگی مزین کی گئی الخ۔

جس سے ثابت ہے کہ ورلی زندگی کا مزین ہونا کافروں کیلئے ہے نہ مومنوں کیلئے اور اہل اسلام مومن ہیں تو پھر ان کی نسبت کس طرح یہ اندیشہ ہو سکتا ہے تو خداوند کریم نے اس کے رفع کرنے کے لئے فرمایا کہ) لوگ ایک ہی امت یعنی ایک ہی مذہب کے پیرو تھے (اگرچہ ان میں اندرونی اختلاف اور فرقے اور اتقاء اور عدم اتقاء کے لحاظ سے مختلف گروہ بھی تھے جو کہ رسولوں کی بعثت کا موجب اور مقتضی ہے۔ جیسا کہ آگے کے بیان سے صاف پایا جاتا ہے) تو اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجے جو کہ اپنے متبعین کو خوشخبری دینے والے اور مخالفوں کو ڈرانے والے تھے اور ان کے ہمراہ وہ کتاب اتاری جو کہ حق کے ساتھ تھی۔ تاکہ لوگوں کے درمیان ان امور میں فیصلہ کرے کہ جن میں وہ (رسولوں کے آنے سے پہلے) اختلاف کرتے تھے (جو کہ رسولوں کی بعثت کا موجب ہوا تھا تو باوجودیکہ رسول اور کتاب تو ان کے اندرونی اختلاف مٹانے کیلئے آئے تھے پر تاہم کچھ لوگوں نے کتاب اور رسول کا

[1]۔ میں ضرور اُن کے لیے دنیا میں (گمراہی کو) خوبصورت کر کے دکھاؤں گا اور اُن... کو گمراہ کر دوں گا۔ (تفسیر صغیر)

انکار کر کے ایمان لانے والوں کے ساتھ اختلاف اختیار کر لیا۔ جیسا کہ آیہ کریمہ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ[1] (البقرۃ:102) میں مفصل طور پر بیان ہو چکا ہے۔ ہاں جو رسول اور کتاب کے تابع ہو گئے ان میں جو پہلے اندرونی اختلاف واقع تھے وہ رفع ہو گئے اور وہ امت واحد بن گئے۔

ہاں پھر کچھ عرصہ کے بعد ان میں اختلاف پیدا ہوئے اور ان کے رفع کے لئے پھر رسول آیا اور اس کے ساتھ نئی کتاب یا وہی پہلی کتاب اصلی صورت پر اس کے قلب پر نازل ہوئی اور پھر کچھ لوگ اس امت واحد سے اس رسول اور کتاب کا انکار کر کے مختلف اور علیحدہ ہو گئے اور یہی سلسلہ پہلے سے ہمیشہ جاری رہا۔

انبیاء اختلاف کی وجہ نہیں:

پس جس طرح وہ پہلے ایک امت ہوتے تھے اور مصلحین کی بعثت پر (جو کہ اندرونی اختلافات مٹانے کیلئے آیا کرتے تھے) ان میں سے ایک گروہ منکر اور مخالف اور کافر بالرسول ہو جاتا تھا اسی طرح تم میں بھی مجددِ دین اور مصلحینِ امت اندرونی اختلافوں کے رفع کرنے کے لئے مبعوث ہوں گے اور ان کو کتاب اللہ کا خاص علم دیا جائے گا تو ایک گروہ تم میں سے بھی ان کا منکر اور مخالف اور کافر بالمجدد ین ٹھہرے گا۔ یہاں پر نادان لوگوں یا تعصب کے شہیدوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ لوگوں میں کوئی اختلاف نہ تھا اور رسولوں کو بھیج کر خدا نے پھوٹ ڈلوائی ہے۔ اور یہ قدوس خدا کی شان سے بعید ہے لیکن میں اپنی تقریر میں اس کا جواب دے چکا ہوں۔ اور اس اعتراض کی بنا الفاظ قرآنیہ پر غور نہ کرنے پر ہے۔

رسولوں کی نسبت فرمایا گیا ہے، وہ بشارت دینے والے اور ڈرانے والے تھے اور اس لئے بھیجے تھے تا کہ ان کے درمیان ان امور میں فیصلہ کریں کہ جن میں وہ پہلے سے اختلاف

[1] ۔ اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک ایسا رسول آیا جو اس (کتاب) کو جو ان کے پاس ہے سچا کرنے والا ہے تو ان لوگوں میں سے جنہیں (وہ) کتاب دی گئی تھی ایک فریق نے اللہ کی (تازہ) کتاب کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا گویا کہ وہ (اسے) جانتے ہی نہیں۔ (تفسیر صغیر)

کرتے تھے۔ جس سے صاف ثابت ہے کہ ان میں پہلے اختلاف تھا۔ گو وہ ایک بڑے مذہب کے پیرو ہونے میں ایک امت بھی کہلا سکتے تھے۔ پر اندرونی اختلافات اور فرقہ بندیوں کے لحاظ سے جدا جدا بھی تھے۔ اور کہ رسول اس لئے آئے تھے کہ لوگ ان کی اتباع میں آکر متحد ہو جائیں اور جو اندرونی اختلافات ان میں ہیں وہ مٹ جاویں۔ چنانچہ جو ان کے تابع ہوتے رہے وہ متحد بھی ہوتے رہے۔ جیسا کہ تاریخ اُمَم سے روشن ہے، پر باوجود اس کے کچھ ایسے بدقسمت بھی ہوتے رہے ہیں جو کہ اپنی شامت اعمال اور طمع نفسانی اور اتباع ہَوا اور بے جا تکبر سے ان کی مخالفت پر کھڑے ہوتے رہے۔

مفسرین نے اَلنَّاسُ سے مراد سب دنیا کے لوگ لئے ہیں اور اُمت واحدہ سے بعض نے حق پر ایک ہونا لیا ہے اور بعض نے باطل پر متفق ہونا لیا ہے۔ پس جنہوں نے حق پر متحد ہونا لیا ہے ان میں سے بعض نے تو کہا ہے کہ پہلے پہل جب خدا نے بنی آدم سے عہد لیا ہے اس وقت وہ سب حق پر متحد تھے جیسا کہ ابی بن کعب سے مروی ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ آدمؑ اور ادریسؑ کے درمیان۔ اور بعض نے آدمؑ اور نوحؑ کے درمیان، جیسا کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ طوفان نوحی کے بعد کہ کل 80 مرد اور ایک عورت باقی رہے تھے اور وہ سب مر گئے اور نوحؑ اور ان کے بیٹے حام، سام، یافث اور ان کی بی بیاں باقی رہے اور وہ سب دین نوحی پر تھے۔ اور جنہوں نے باطل پر متفق ہونا لیا ہے۔

ان سے بعض نے کہا ہے کہ ادریسؑ کے بعد نوحؑ تک سب گمراہ تھے اور بعض نے کہا ہے کہ حضرت نوحؑ اور حضرت ہودؑ کے درمیان سب گمراہ تھے۔ لیکن نہ تو قرآن مجید سے کسی وقت کی تخصیص ہوتی ہے اور نہ اَلنَّبِیّٖنَ بلفظ جمع ان صورتوں میں سے کسی کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے اور نہ ان صورتوں کو اس مقام سے کوئی مناسبت ہے اور جو کچھ ہم نے لکھا ہے الفاظ اور مقام اور واقعہ کے مطابق ہے۔ اور یہ طبعی بات ہے کہ جب دینی امور میں اختلاف ہو اور فیصلہ نہ ہوتا ہو تو ہر ایک شخص کی طبیعت یہی چاہتی ہے کہ کوئی فیصلہ اور حق کے کھلنے کی راہ نکل آئے۔ اور خداوند کریم کی سنت یہی جاری رہی ہے کہ وہ کسی مصلح کو بھیج کر فیصلہ کیا کرتا ہے تو پھر بالطبع سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب خدا نے فیصلہ کرنیوالے بھیجے تو

بعض لوگوں نے کیوں ان کا خلاف کیا۔ کیا ان کے پاس اپنے منجانب اللہ ہونے اور فیصلہ کے لئے دلائل اور بینات نہ تھے۔ تو بتایا کہ) یہ اختلاف اس کے بعد ہوا ہے کہ ان کے پاس بینات آچکیں۔ (تو پھر کیوں کیا ہے؟ فرمایا کہ) اپنے درمیان سرکشی کرنے کے لئے۔ (یہ تو قاعدہ ہی ہے کہ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ[1] (المؤمنون:54) اور جو مصلح آتا ہے۔ وہ سب کے موافق ہو سکتا ہی نہیں۔ پس اس کو اپنے خیال کے خلاف اور کسی دوسرے ایسے فرقے کے موافق پاکر (جو کہ ان کے زعم میں گمراہ قرار پایا ہوا ہے) جھٹ اس پر بھی گمراہی کا فتویٰ لگا کر مخالفت پر قائم ہو جاتے ہیں۔)

ایمان لانے والوں کی آزمائش:

پر جو لوگ ان پر ایمان لاتے ہیں، خداوند تعالیٰ ان مختلف فیھا امور میں اپنے حکم سے ان کو حق کی راہ بتا دیتا ہے اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف راہ نمائی کرتا ہے (میں نے پہلے بتایا ہے کہ یہ سب بیان فتح مکہ پر چلا ہوا ہے تو جب فتح کی کیفیت اور اس کے بعد کے مناسب حال نصیحت بیان ہو چکی تو اب خداوند کریم اس خیال کو رفع کرتا ہے جو کہ عموماً ایسے موقعہ پر پیدا ہوا کرتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی خدا کا فرستادہ آتا ہے اور وہ لوگوں کو دعوت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جو مجھ پر ایمان لائے گا، وہ جنت میں داخل ہو گا اور کچھ لوگ اس کو حق یقین کر کے اس کے پیرو ہو جاتے ہیں تو چونکہ انہوں نے ایک بہت بڑی تبدیلی کی ہوتی ہے اور حقیقت میں بھی بڑی بہادری کا کام انہوں نے کیا ہوتا ہے۔ اس لئے عموماً یہ خیال گذرتا ہے کہ میں اب اس عظیم الشان تبدیلی سے دخول جنت کا مستحق ہو گیا ہوں۔ خواہ وہ اخروی جنت ہو یا دنیوی اور خیال کرتا ہے کہ میں نے تو جو کچھ کرنا تھا، وہ کر چکا ہوں اور اب انعام پانے کی دیر ہے اور اب خود خداوند کریم سب انعام اور ترقیات دے دے گا۔ اور پھر جوں جوں دیر ہوتی یا تکالیف درپیش آتے ہیں تو ان کو حیرانی اور تعجب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ یہ کیا خلاف امید ہو رہا ہے تو خداوند کریم نے فرمایا کہ) بلکہ کیا تم نے خیال کیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔ حالانکہ ابھی تم پر وہ حالت نہیں آئی جو کہ تم

[1]۔ ہر فرقہ نے جو ٹکڑا اپنے لئے اختیار کیا، اس پر فخر کرنے لگے۔ (تفسیر صغیر)

سے پہلے لوگوں کی تھی۔ ان کو دکھ اور ضرر پہنچا اور ان پر زلزلے آئے، یہاں تک کہ رسول اور اس کے ساتھی مومن کہنے لگے کہ اللہ کی نصرت کب آئے گی (یعنی ان کی تکلیف حد درجہ کو پہنچ گئی۔ پس اس وقت ان کو کہا گیا کہ) خبردار اللہ کی مدد قریب ہے (یعنی گھبراؤ نہیں اور استقلال رکھو۔)

مفسرین نے لکھا ہے کہ اَمۡ حَسِبۡتُمۡ الخ غزوۂ خندق میں نازل ہوا ہے جبکہ اہل اسلام پر تکلیف، خوف، سردی، تنگدستی اور طرح طرح کے دکھ اور مصائب پیش آئے اور بعض کا قول ہے کہ غزوۂ احد کے بارہ میں اترا ہے۔ اور عطاءؒ نے کہا ہے کہ جب نبی کریم مدینہ میں تشریف لے گئے تو صحابہؓ پر تکلیف بہت بڑھ گئی کیونکہ صحابہؓ اپنے اموال تو مشرکوں کے ہاتھوں میں چھوڑ آئے اور یہود نے عداوت شروع کر دی۔ اور مالدار لوگوں میں سے ایک گروہ نے نفاق شروع کر دیا تو اس وقت یہ نازل ہوا۔ بہر حال شان نزول کوئی ہو۔ پر مطلب وہی عام ہے جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ الخ میں جب عام رنگ میں بیان ہوا کہ دخول جنت کے لئے جو امور ضروری ہیں ان کے سوا ہی جنت میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ تو اس کے بعد خداوند کریم نے ان کے چند ایک ایسے امور سے بچنے اور ان سے نفرت کرنے کی کچھ مثالیں ذکر فرمائی ہیں۔ نیز اَمۡ حَسِبۡتُمۡ الخ میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس کی نسبت بعض قلوب میں یہ خیال بھی ہوا کرتا ہے کہ ہمیں تو بتایا گیا تھا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے بہت ملتا ہے اور دکھ و مصائب دور ہوتے اور ترقیات نصیب ہوتی ہیں اور پھر یہ دکھ پر دکھ اور مصائب پر مصائب اور عسر پر عسر کیوں آرہے ہیں تو اس کے رفع کرنے کے لئے اور یہ بتانے کیلئے کہ ترقیات کیلئے انفاق فی سبیل اللہ کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسی کہ جہاد (کوشش اور سعی) فی سبیل اللہ کی ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ) تجھ سے دریافت کرتے ہیں یا کریں گے کہ اس کی کیا حقیقت یا کیا کیفیت ہے جو کہ لوگ خرچ کرتے ہیں یا کریں گے (جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر آیا ہے کہ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا (محمد:17) کیا حقیقت یا کیا مطلب ہے اس بات کا جو کہ

اب اس نے کہی ہے جس کا عام طور پر یوں ترجمہ کیا جاتا ہے کہ ابھی اس نے کون سی بات کہی تھی اور کون سی بات کے بھی وہی معنے ہیں جو پہلے بیان ہو چکے ہیں) یعنی وہ چیزیں تو بے فائدہ اور بے حقیقت اور باطل ہی ہوئیں (تو خداوند کریم نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ایک فائدہ تو ان کا یہ ہے کہ جو کچھ تم خیر (مال کثیر یا اچھے مال) سے صرف کرتے ہو یا کیا ہے۔ سو وہ والدین اور اقرباء اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کیلئے ہے یعنی خداوند تعالیٰ ان چیزوں سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتا بلکہ ان سے تمہارے ہی اس قسم کے مستحق الامداد افراد کی امداد ہوتی ہے (ہاں تم چونکہ اللہ کے حکم سے دیتے ہو لہٰذا تم بھلائی کرتے ہو۔ اور وہ کبھی ضائع نہ ہو گی اور ضرور اس کا اجر تم کو ملے گا اور جو کچھ تم بھلائی سے کرتے ہو سو یقیناً اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے۔

(پس سوال کرنے سے تو یہ بتایا کہ انفاق جو کہ ترقیات کے ضروریات سے ہے۔ اس سے بچنے کے لئے ایسے سوال کرتے ہیں۔ اور یہ بتا کر کہ (جو کچھ فی سبیل اللہ صرف کیا جاتا ہے اس سے فائدہ تو تمہارے یہ لوگ اٹھاتے ہیں اور چونکہ وہ فعل خیر ہے اس لئے اللہ کریم ضرور اس کا اجر عنایت فرمائے گا) انفاق کے ترقیات کے لئے ضروری ہونے کا فلسفہ بتایا گیا ہے کہ اس سے تمہاری قوم کی امداد ہوتی ہے۔ اور پھر یہ لوگ تمہارے ممنونِ احسان ہو کر تمہارے خیر خواہ اور دعا گو اور مددگار اور عزت افزاء ہو جاویں گے اور تمہاری کامیابیوں میں کام آویں گے اور اس فعل خیر کے اجر میں تم کو بہت زیادہ ملے گا۔ اور اسی میں اس خیال کو یوں رفع کیا کہ انفاق کیا بلکہ جو کچھ بھی تم بھلائی کرتے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔ نہ تو اس کے علم سے وہ باہر ہوتی ہے کہ ضائع ہو جائے اور اجر نہ ملے اور نہ اس پر وہ مقدار مخفی ہے جو کہ مقدرہ اور موعودہ ترقیات کیلئے اشد ضروری ہے۔ پس تم کئے جاؤ جب اس مقدار کو پہنچ جاؤ گے جو کہ ضروری ہے تو ضرور وہ تم کو موعودہ ترقیات بھی عنایت کر دے گا۔

مفسرین کے نزدیک سببِ نزول:

مفسرین نے اس کے دو سبب نزول لکھے ہیں۔ اول جو کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ

عمرو بن جموع بہت بوڑھا اور بڑا مالدار شخص تھا تو اس نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ ہم کون سا مال صدقہ میں دیں اور کس کو دیں تو پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

(تفسیر کبیر امام رازی جلد 6 صفحہ 20 سورۃ البقرۃ زیر آیت یَسْأَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ، دار الکتب بیروت 2004ء)

تو اس سبب نزول کے مطابق مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ اصل میں دو چیزوں کی نسبت سوال تھا۔

(1) یہ کہ کون سا مال خرچ کریں۔

(2) یہ کہ کس پر صرف کریں۔ اور جواب بھی دونوں کی نسبت دیا ہے۔ مال کی نسبت تو بتایا کہ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ یعنی جو کچھ خرچ کرو وہ مال خیر ضرور ہو۔ اور جن پر صرف کرنا ہے وہ بتائے کہ والدین، اقرباء، یتامٰی، مساکین، ابن السبیل ہوں۔

قرآن مجید نے سوال میں مال ہی کا ذکر کیا ہے اور مصرف (جن کو دینا ہے) کا ذکر نہیں کیا۔ اور لکھا ہے کہ یہ محض اختصار کیلئے ایسا کیا گیا ہے اور اصل مطلب میں کچھ حرج نہیں۔ اس لئے کہ جواب میں دونوں امور کا ذکر ہو گیا ہے۔

اور دوسرا سبب نزول بھی ابن عباسؓ ہی سے مروی ہے البتہ پہلا ابی صالح نے آپ سے روایت کیا ہے اور دوسرا عطاء نے روایت کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ آیت ایک شخص کے بارہ میں نازل ہوئی تھی جو کہ آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور عرض کی کہ میرے پاس ایک اشرفی ہے آپ نے فرمایا اپنی جان پر صرف کر پھر اس نے کہا کہ میرے پاس دو دینار ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ان کو اپنے اہل بیت پر صرف کر۔ پھر اس نے کہا کہ میرے پاس تین دینار ہیں تو حضورؐ نے فرمایا کہ ان کو اپنے خادم پر صرف کر۔ پھر اس نے کہا کہ میرے پاس چار دینار ہیں تو حضورؐ نے فرمایا کہ اپنے والدین پر صرف کر۔ پس اس نے کہا کہ میرے پاس پانچ دینار ہیں آپؐ نے فرمایا کہ اپنے اقرباء پر صرف کر۔ پھر اس نے کہا کہ میرے پاس چھ دینار ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ ان کو فی سبیل اللہ صرف کر۔

(تفسیر کبیر لامام رازی جلد 6 صفحہ 20 سورۃ البقرۃ زیر آیت یَسْأَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ، دار الکتب بیروت 2004ء)

اور ابن جریج سے مروی ہے کہ مومنوں نے عرض کیا تھا کہ ہم اپنے مال کہاں دیں تو

پھر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ تو ان دونوں روایتوں کے مطابق مصرف ہی سے سوال ہے اور جواب میں بھی صراحۃً مصرف ہی کا بیان ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو سوال مذکور ہے اس میں ان چیزوں کی نسبت سوال ہے کہ جن کو صرف کیا جاتا ہے تو اس کے مطابق بھی انہوں نے یہی کہا ہے کہ سوال میں جو چیز صراحۃً مذکور تھی اس کو جواب میں ضمناً بیان کیا ہے اور جو چیز مقدر رکھی تھی (یعنی مصرف اس کو صراحۃً جواب میں ذکر کر دیا گیا ہے۔ لیکن قرآن مجید میں از خود اس قدر تقدیر نکالنی مفسرین نے خود بھی پسند نہیں کی اس لئے ان معنوں کو تو انہوں نے خود بھی پسند نہیں کیا۔ اور کہا ہے کہ ٹھیک بات یہ ہے کہ سوال تو ان کا اموال ہی کی نسبت ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کے الفاظ سے ظاہر ہے لیکن جواب میں حکیمانہ طریق اختیار کیا گیا ہے۔ اور وہ یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص غیر ضروری یا غیر مناسب سوال کرتا ہے تو مجیب اس سوال کو ترک کر کے ایک اور سوال کا جواب دے دیتا ہے جو کہ زیادہ ضروری اور اہم اور بڑھ کر مناسب ہوتا ہے۔

چنانچہ انہوں نے تو اموال سے سوال کیا حالانکہ اموال میں تو کوئی غلطی نہیں ہوتی اور ہر ایک حلال طیب مال کا دینا درست ہے۔ البتہ بڑی غلطی جو کہ ان میں رائج تھی اور جس پر صدقات کا دارومدار ہے۔ وہ مصارف ہی ہیں۔ لہٰذا خداوند کریم نے ان کے سوال کو ترک کر کے یا اس کے جواب کو ضمناً بیان کر کے مصارف کے متعلق مفصل جواب دے کر ان کو یہ سمجھایا کہ تمہارے مناسب حال تو مصارف کی نسبت سوال تھا۔ جس کا جواب یہ ہے۔ اور مفسرین نے قرآن مجید کے بہت سے سوالوں اور جوابوں میں یہی طریق بیان کیا ہے۔

لیکن مفسرین اگر وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ پر غور کرتے نیز ایسے سوالات کے محاوروں پر نظر کرتے تو ان کو یہ دقت پیش نہ آتی۔ اردو وغیرہ میں بھی ایسا کہہ دیا کرتے ہیں کہہ دیا کرتے ہیں کہ کیا کریں اور کیا دیں اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کا کیا فائدہ ہے یعنی کچھ نہیں۔ بلکہ اس کو ان آیات کے مطابق کیا جائے کہ جن میں منافقوں کی وہ نکتہ چینیاں بیان ہوئی ہیں۔ جو کہ انہوں نے مخلصین کے فی سبیل اللہ خرچ کرنے پر کی ہیں۔ تو پھر بہت ہی عمدہ ہو جاتا ہے اور معنے یہ ہو جاتے ہیں کہ انفاق سے بچنے والے لوگ

تجھ سے دریافت کریں گے کہ یہ انفاق کرنے والے کیا کچھ خرچ کرتے ہیں۔ یعنی تھوڑی اور معمولی چیزیں دیتے ہیں یا ان کو اس سے کیا فائدہ ہے۔

اور مَاذَا کے معنی مَا الَّذِیْ (کیا ہے وہ چیز) اور اَیُّ شَیْءٍ (کونسی چیز) دونوں آتے ہیں۔ اور مَاذَا نُنْفِقُ بھی نہیں آیا بلکہ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ آیا ہے۔ اور پھر قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ آیا ہے مَا تُنْفِقُوْنَ نہیں آیا اور موجودہ الفاظ کے ساتھ زیادہ موزوں یہی ہے کہ سائل اور ہوں اور نفقہ کرنے والے اور ہوں۔ اور یہی اعتراض منافقوں کا دوسرے مقام پر مذکور بھی ہے۔ اور جو اس کے بعد مذکور ہوا ہے کہ باوجود قتال مقرر ہو جانے کے، پھر بھی تم اس کو ناپسند کرتے ہو۔ وہ بھی تو مخلصین کا کام نہیں ہے۔

پس اسی کے مطابق یہاں پر بھی سائلین وہی غیر مخلص لوگ ہیں۔ اور اگر بہر حال وہی لینا ہو جو کہ مفسروں نے لکھا ہے تو پھر سوال میں مصارف کے سوال کو مقدر ماننے یا حکیمانہ طریق پر سوال دیگر و جواب دیگر بنانے سے یہی بہتر ہے کہ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ میں ہُ تو بہر حال مقدر ہے۔ پر یُنْفِقُوْنَهُ ماننے سے سوال جواب کے مطابق نہیں ہوتا اور یُنْفِقُوْنَ عَلَیْهِ یا لَهُ ماننے سے مطابقت ہو جاتی ہے اور ایسی تقدیر قواعد کے مطابق اور کلام میں عموماً اور قرآن مجید میں خصوصاً بکثرت موجود ہے اور اس کی تعیین کرنے والا صریح قرینہ جواب مذکور ہے۔ اور معنے یہ ہو جاویں گے کہ کس پر یا کس کیلئے صرف کریں۔

اس کے بعد خداوند کریم نے دوسری مثال یہ بیان فرمائی کہ جنگ تم پر مقرر کیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناپسند ہے اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لئے بہتر ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لئے بدترین ہو اور (پھر تم یہ بھی خوب جانتے ہو کہ) اللہ جانتا ہے (یعنی سب کچھ) اور تم نہیں جانتے۔

آیت 218 تا 222: يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا وَيَسْئَلُوْنَكَ مَا ذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ۔ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ۔

تشریح الفاظ:

صَدٌّ۔ روکنا۔

فِتْنَةٌ۔ کے معنے پہلے مفصل بیان ہو چکے ہیں۔

لَا یَزَالُوْنَ۔ ان افعال سے ہے کہ جن پر مَا اور لَا وغیرہما حرف نفی آنے سے استمرار اور ہمیشگی کے معنی نکلتے ہیں۔ پس مَا زَالَ اور لَا یَزَالُ کے معنے ہوں گے ہمیشہ وہ۔

اِسْتَطَاعُوْا۔ اِسْتَطَاعَةٌ سے ہے طاقت اور قدرت رکھنا۔

یَرُدُّوْا۔ رَدٌّ سے ہے بمعنے پھیرنے اور واپس کرنے کے اور یَرْتَدِدْ۔ اِرْتَدَادٌ سے ہے بمعنے پھرنے اور واپس ہونے کے۔

حَبِطَتْ۔ حَبْطٌ سے ہے بمعنے برباد اور بیکار و بے فائدہ ہونے کے۔

هَاجَرُوْا۔ هِجْرَةٌ سے ہے۔ چھوڑنا یا خصوصاً وطن کو چھوڑنا۔

جَاهَدُوْا۔ جِهَادٌ اور جَهْدٌ سے ہے۔ کوشش اور سعی کرنا۔

یَرْجُوْنَ۔ رِجَاءٌ سے ہے۔ امید کرنا۔

خَمْرٌ۔ ہر ایک قسم کی شراب۔ مَیْسِرٌ۔ ہر ایک طرح کا جُوّا اور قمار بازی۔

اِثْمٌ۔ گناہ۔

عَفْوٌ۔ اصل میں آسان کو کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے جو ہموار اور نرم زمین ہو اس کو بھی عَفْوٌ کہتے ہیں اور اسی وجہ سے اہل لغت نے اس کے یہ معنے بھی کئے ہیں کہ جو تکلیف اور مشقت میں نہ ڈالے۔ اور ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ جو عیال سے زائد ہو اور بعض نے کہا ہے کہ جو دے کر بھی انسان غنی رہے۔

یَتٰمٰی۔ یتیم کی جمع ہے۔ اور یتیم وہ ہے جس کا باپ مر گیا ہو اور وہ ابھی بالغ نہ ہوا ہو۔

اِصْلَاحٌ۔ سنوار اور درستی۔

تُخَالِطُوْا۔ خَلْطٌ سے ہے ملانا۔

اَعْنَتَ۔ اِعْنَاتٌ سے ہے اور وہ عَنَتٌ سے ہے جس کے معنے ایسی مشقت میں ڈالنے کے ہیں کہ جس کو آدمی برداشت نہ کر سکے۔

تَنْكِحُوْا۔ نِكَاحٌ سے، شادی کرنا۔ تُنْكِحُوْا۔ اِنْكَاحٌ سے ہے۔ شادی کر دینا۔
اَمَةٌ۔ لونڈی۔ عَبْدٌ۔ غلام۔
اَعْجَبَ اور اَعْجَبَتْ۔ اِعْجَابٌ سے ہیں، تعجب میں ڈالنا اور خوش کر دینا۔
يَتَذَكَّرُوْنَ۔ تَذَكُّرٌ سے ہے، یاد کرنا اور نصیحت پکڑنا۔

ترجمہ:

تجھ سے وہ عزت والے مہینہ (یعنی) اس میں جنگ کرنے کی نسبت دریافت کرتے ہیں (یا کریں گے) تم کہو کہ اس میں جنگ کرنا بڑا ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کا اور عزت والی مسجد کا انکار کرنا ہے۔ اور اس کے لوگوں کا اس سے نکالنا اللہ کے نزدیک بہت بڑا ہے۔ اور فتنہ قتل سے بہت بڑا ہے۔ اور وہ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے تا کہ تم کو اپنے دین سے پھیر لیں اگر وہ طاقت رکھیں۔ اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھرے گا۔ پھر اس حالت میں وہ مرے گا کہ وہ کافر ہو سو یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے کام نزدیک (زندگی) اور پیچھے آنے والی میں برباد ہو گئے۔ اور وہ لوگ آگ والے ہیں اور وہ اس میں رہ پڑنے والے ہیں۔

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں کوشش کی یہ لوگ امید رکھتے ہیں اللہ کی رحمت کی۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔ تجھ سے شراب اور جوئے کی نسبت دریافت کرتے ہیں (یا کریں گے) تم کہو کہ ان دونوں میں بڑی برائی ہے اور لوگوں کے لئے کچھ نفعے ہیں۔ اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت بڑا ہے۔ اور تجھ سے دریافت کرتے ہیں (یا کریں گے) کہ کون سی چیز دیں۔ تم کہو بے تکلیف (یا زائد) اسی طرح اللہ تمہارے فائدہ کیلئے آیتیں بیان کرتا ہے۔ تا کہ (یا اس امید سے کہ) تم سوچ کرو۔ نزدیک (زندگی) میں اور پیچھے آنے والی میں۔

اور تجھ سے دریافت کرتے ہیں (یا کریں گے یتیموں کی نسبت تم کہو کہ ان کے لئے اصلاح کرنی بہتر ہے۔ اور اگر تم ان کو اپنے ساتھ ملاؤ تو تمہارے بھائی ہیں۔ اور اللہ تمیز کرتا ہے بگاڑ کرنے والے کو اصلاح کرنے والے سے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تم پر بڑی مشقت ڈال دیتا۔ یقیناً اللہ طاقت ور اور حکمت والا ہے۔

اور مشرک عورتوں کو نکاح میں نہ لاؤ یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں۔ اور یقیناً ایماندار لونڈی مشرک عورت سے بہت اچھی ہے اگرچہ وہ تم کو بہت خوش کردے۔ اور مشرک مردوں کو نکاح نہ کردو یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں۔ اور یقیناً ایماندار غلام مشرک مرد سے بہت اچھا ہے۔ اگرچہ وہ تم کو بہت خوش کردے۔ یہ لوگ آگ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے اذن سے جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اور لوگوں کو ان کے فائدہ کیلئے اپنی آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ (یا اس امید سے کہ) وہ نصیحت پکڑیں (یا یاد کریں)

تفسیر:

(جب وہ کراہت کی مثالیں ذکر ہو چکیں تو اب اس کے بعد یہ بتانا چاہا ہے کہ ہر ایک امر کی ضرورت عدم ضرورت اور نفع و نقصان کا موازنہ ضرور کرنا چاہیے اور یہ موازنہ نہ کرنا بہت بڑے نقصان اور اختلافات کا موجب ٹھہرتا ہے۔ تو اس کے بیان کے لئے کراہت قتال کے بعد فرمایا کہ) عزت والے مہینہ میں جنگ کرنے کی نسبت تجھ سے دریافت کرتے ہیں (یعنی یا تو اس کو ناپسند کرتے تھے اور یا عزت والے مہینہ میں بھی جنگ پر تیار ہیں) تم کہو کہ اس میں جنگ بڑا برا ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کا اور مسجد حرام کا کفر ہے (کیونکہ ان میں جنگ ممنوع ہونے کے باعث بے خطرہ ہو کر لوگ دور و دراز سے مسجد حرام کی زیارت کو آتے ہیں۔ اور ان میں جواز جنگ ہونے سے روک پیدا ہو جاتی ہے اور اللہ کی حکم عدولی اور مسجد حرام کی بے عزتی اور تخریب ہے۔ پر باوجود اس کے اگر کسی سے ایسا ہو جائے تو اس پر بڑے زور سے اعتراض کرنا اور بمقابل اس کے مسجد حرام والوں کو اس سے نکالنے اور فتنہ پردازی کرنے کی پرواتک نہ کرنا یہ موازنۂ امور کے بالکل خلاف ہے) حالانکہ مسجد حرام والوں کو اس سے نکالنا اللہ کے نزدیک بہت بڑا ہے اور فتنہ پردازی قتل سے بڑھ کر ہے۔

(مفسرین نے عروہؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن جحش کو مقام نخلہ کی طرف روانہ کیا اور اس کو ایک خط دیا اور فرمایا کہ اس کو نہ کھولنا۔ پر جب دو دن کا سفر طے کر لو تو پھر اس کو کھولنا اور جو کچھ اس میں میں نے تجھ کو حکم دیا ہو اس کی تعمیل کرنا۔ لیکن اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ جانے پر مجبور نہ

کرنا۔ تو جب اس نے دو دن کا سفر کر کے اس کو کھولا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس میں لکھا ہوا ہے کہ تو نخلہ مقام پر چلا جا اور اس کے ارد گرد جو قریش ہیں ان کی خبریں لا۔ تو اس کے ساتھ آٹھ آدمی تھے اس نے ان کو کہا تم میں سے جس کو شہادت کا شوق ہے وہ تو میرے ساتھ چلے اور میں حضورؐ کے حکم کی تعمیل کیلئے جاتا ہوں اور جو اس کو ناپسند کرے وہ واپس ہو جائے کیونکہ حضورؐ نے مجھ کو اس سے منع فرمایا ہے کہ میں تم میں سے کسی کو مجبور کروں۔ تو وہ سب اس کے ساتھ ہی چلے تو جب نجران میں پہنچے تو سعد بن ابی وقاص اور عتبۃ بن غزوان کا اونٹ گم ہو گیا۔ جس پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے تو اس کی تلاش کیلئے وہ تو پیچھے رہ گئے اور باقی نخلہ میں چلے گئے۔ تو وہاں پر ان کے پاس سے عمرو بن الحضرمی، حکم بن کیسان، عثمان بن عبد اللہ بن المغیرۃ، نوفل بن عبد اللہ گذرے اور ان کے پاس مال تجارت بھی تھا جو کہ طائف سے لے کر آئے تھے۔ تو جب عبد اللہ بن جحش کے ہمراہیوں نے ان کو دیکھا تو واقد بن عبد اللہ نے آگے ہو کر ان کو جھانکا اور اس نے سر منڈوایا ہوا تھا تو جب ان لوگوں نے اس کو سر منڈوائے ہوئے دیکھا تو کہنے لگے کہ یہ عمرہ کرنے والے لوگ ہیں ان سے کچھ خطرہ نہیں اور وہ جمادی یا رجب کا آخری دن تھا تو اہل اسلام نے مشورہ کیا کہ اگر ان کو قتل کرتے ہیں تو ماہ حرام میں کرتے ہیں اور اگر چھوڑتے ہیں تو آج ہی رات میں یہ مکۃ الحرام میں جا کر محفوظ ہو جاویں گے تو بالآخر ان کے قتل کرنے ہی کا فیصلہ ہوا اور واقد سہمی نے عمرو بن الحضرمی پر تیر چلایا اور اس کو قتل کر دیا اور عثمان بن عبد اللہ اور حکم بن کیسان قید ہو گئے اور نوفل بھاگ گیا۔ اور وہ اونٹ اور مال لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضورؐ نے فرمایا واللہ میں نے تو تم کو ماہ حرام میں قتل و مقاتلہ کا حکم نہ دیا تھا اور قیدیوں اور مال کو موقوف رکھا اور ان سے کچھ بھی نہ لیا۔ تو جب حضور نے فرمایا یہ۔ اور صحابہؓ نے بھی ان کو ملامت کی وہ تو گر پڑے اور خیال کیا کہ ہم تو ہلاک ہو گئے۔ اور اس طرف جب قریش کو یہ خبر پہنچی تو وہ کہنے لگے کہ محمدؐ نے حرام خون بہایا اور مال لیا اور لوگوں کو قید کیا اور شہر حرام کی بے حرمتی کی ہے اور ان کی ایک سفارت نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور کہا کہ کیا عزت والے مہینوں میں قتال جائز ہے۔ تو تب ان کے جواب کے لئے یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

(الدر المنثور فی التفسیر بالماثور جلد 1 صفحہ 603-604 زیر آیت البقرۃ 218 دار الفکر بیروت)

اس روایت سے اور وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ (البقرۃ:218) سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ سائل مخلصین نہیں تھے بلکہ مشرک لوگ تھے جنہوں نے اہل اسلام کو زمین حرم سے نکالا تھا اور طرح طرح کی فتنہ پردازیاں کی تھیں۔ اور اس سے وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ الخ کے سوال مذکور کے جواب کے ساتھ ذکر کرنے کی وجہ بھی معلوم ہو جاتی ہے ہاں اس سوال کے کرنے والے اہل اسلام سے تھے۔

حرمت والے مہینے:

پس ایک طرف تو وہ ناپسندی اور دوسری طرف یہ جوش کہ عزت والے مہینوں کا بھی خیال نہیں۔ مفسرین کو یہاں پر ایک بڑی مشکل پیش آئی ہے اور وہ یہ ہے کہ ان آیتوں سے تو ثابت ہوا کہ حرام مہینوں میں جنگ حرام ہے اور دوسری طرف لوگوں کا عملدرآمد اس کے خلاف پایا۔ پس بعض نے توہمت کی اور کہہ دیا کہ لوگوں کی غلطی ہے اور اشہر حرم میں جنگ حرام ہے۔ اور اکثروں نے یہ کہا ہے کہ یہ حرمت ابتداء میں تھی اور پھر یہ منسوخ ہو گئی ہے۔ اور ناسخ یہ آیت ہے کہ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ [1] (التوبۃ:5) اس لئے کہ اس آیت میں جو اشہر حرم ہیں یہ وہ چار ماہ ہیں جن میں کفار کو سیر وسیاحت کی اجازت دی گئی تھی نہ یہ عزت والے مہینے کہ جن میں جنگ حرام ہوا کرتا تھا۔ تو جب یہاں پر یہ حکم ہوا کہ جب وہ چار ماہ گذر جائیں کہ جن میں ان کو سیاحت کی اجازت ہے تو پھر جہاں پر ان کو پاؤ۔ وہاں پر ہی ان کو قتل کرو۔ خواہ کوئی وقت اور کوئی مقام ہو خواہ اشہر حرم ہی کیوں نہ ہوں۔ لیکن قرآن مجید میں مشرکوں کی رسم نَسِیْءٌ پر سخت خفگی کا اظہار کرنا کہ جس کے ساتھ وہ اشہر حرم کو حلال کر لیتے تھے اور پھر نبی کریمؐ کا حجۃ الوداع جیسے آخری وقت میں اشہر حرم کی حرمت کی تصریح کرنا نسخ کے خیال کو صاف صاف منسوخ کرتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ) وہ ہمیشہ تم سے لڑتے ہیں اور لڑتے رہیں گے تا کہ تم کو تمہارے دین سے واپس کر لیں۔ حالانکہ جو

[1] ۔ پس جب وہ چار مہینے گذر جائیں جن میں (عرب کے کافروں سے اوپر کی آیات میں) لڑائی سے منع کیا گیا تھا (مگر پھر بھی وہ معاہدہ کی طرف راغب نہیں ہوئے حالانکہ وہ اس سے پہلے مسلمانوں سے لڑ رہے تھے) تو مشرکوں کے اس خاص گروہ کو جہاں پاؤ قتل کرو۔ (تفسیر صغیر)

شخص تم میں سے اپنے دین سے مرتد ہوا پھر وہ کفر ہی کی حالت میں مرا سو ان لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت میں برباد ہوئے اور وہ آگ والے ہیں اور اس میں ٹھہرنے والے ہیں (اور بالمقابل ان کے) یقیناً جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں مجاہدہ کیا وہ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ (ان کے قصور) معاف کرنے والا (ان پر) مہربانی کرنے والا ہے۔ (یعنی دوسری طرف سے تو حرام مہینہ میں جنگ ہونے سے اس قدر اعتراض۔ اور آپ سارے دین سے واپس کرنے کے لیے ہمیشہ جنگ کرنا۔ حالانکہ مطلق دین میں روک نہ ہونی چاہیے اور دین بالکل اللہ ہی کیلئے ہونا چاہیے اور پھر خصوصاً وہ دین جس پر قائم ہونے سے رحمت الٰہیہ کا انسان امیدوار ہوتا ہے اور ارتداد کی صورت میں جہنم کا وعید شدید ہے۔

ان آیات میں فتح مکہ کا نقشہ بیان ہوا ہے:

لیکن میں نے پہلے بتایا ہے کہ یہ فتح مکہ کا نقشہ بیان ہوا ہے اور وہ عمرۃ القضاء کے موقعہ پر ہوئی تھی اور اس پر بھی یہ سوال ٹھیک چسپاں ہو جاتا ہے۔ اور وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ میں بتایا ہے کہ یہ تو جس طرح پہلے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر انہی ایام میں جنگ پر تیار ہو گئے تھے لیکن تمہارے صلح کرنے سے رک گیا تھا اسی طرح ہمیشہ ہر ایک زمانہ میں کرتے رہیں گے۔ اور جس طرح اس وقت حج جیسے دینی کام سے روکنے اور واپس کرنے کے لیے جنگ پر تیار ہوئے تھے اسی طرح سارے دین سے واپس کرنے کے لئے جنگ کرتے رہیں گے۔ اس کے بعد اسی موازنہ کے بیان کرنے کے لئے ایک اور سوال ذکر کیا کہ جس میں کھلے طور پر موازنہ کا لحاظ کیا گیا ہے تو فرمایا کہ) تجھ سے شراب اور جوئے کی نسبت دریافت کرتے ہیں تو تم ان کو کہہ دو کہ ان میں بڑی برائی اور گناہ ہے اور لوگوں کیلئے کچھ نفع ہیں۔ اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بہت بڑا ہے۔

(پس انسان کو اسی طرح ہر ایک امر کی خیر و شر پر نظر کر کے موازنہ کر لینا چاہیے۔ اس کے بعد ایک اور سوال ذکر فرما کر یہ بتایا ہے کہ ایسی باریک تحقیق اور چھان بین بھی شروع نہ کر دینی چاہیے کہ جب کسی امر کا مطلق حکم کیا جائے تو تخصیص اور تعیین کے پیچھے پڑ کر تعمیل سے رہ جاؤ۔ ہر ایک مذہب میں کچھ انفاق بھی ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے بھی بار

بار اَنْفِقُوْا اور لِیُنْفِقْ کے ساتھ انفاق کا حکم دیا اور اَنْفِقُوْا اور یُنْفِقُوْنَ کے ساتھ اس کی بار بار ترغیب دی۔ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ کے جواب میں مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ الخ (البقرۃ:216) فرما کر یہ بتایا بھی گیا کہ خَیْرٌ میں سے جو چاہو اور جس قدر چاہو دو لیکن باریک چھان بین والے پھر بھی باز نہ رہے) تجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ کیا چیز خرچ کریں۔ تم کہو کہ آسان، بے مشقت، یا زائد، فاضل کو۔ (اس کے بعد اصل غرض کی طرف متوجہ کرنے کے لئے فرمایا کہ) اسی طرح اللہ تمہارے لئے آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم نزدیک زندگی اور پیچھے آنے والی میں فکر کرو (یعنی اصل غرض ان کے بیان کرنے سے یہ ہے کہ تم دنیا اور آخرت کے درمیان بھی موازنہ کر کے نافع اور مضر اور اَنفع اور نافع میں فرق کر کے نافع اور اَنفع کو اختیار کرو۔ اور اسی طرح دنیا و آخرت کے امور میں بھی یہی طریق جاری رکھو۔ اور یہ اس لئے نہیں کہ محض لسانی طور پر تحقیقیں اور باریک مباحثات اور چھان بین کرتے رہو۔

میں نے پہلے بتایا تھا کہ اصل کلام فتح مکہ پر شروع ہوئی تھی اور کفار کے ساتھ مقابلہ کی ضرورت بتائی گئی تھی۔ تو اس کے بعد گو جس قدر سوالات وغیرہ مذکور ہوئے ہیں ان میں ایک باریک ربط اور ترتیب شروع ہے اور ساتھ ساتھ میں بیان بھی کرتا آیا ہوں لیکن اس بات کو بھی اس ربط اور ترتیب کے متعلق ضرور ہی یاد رکھنا چاہیے جو کہ ان سب سوالوں وغیرہ امور مذکورہ کیلئے جامع وجہ سے اور وہ یہ ہے کہ جب جنگِ کفار کی اجازت ہوئی اور اس کی ضرورت پیش آگئی تو اس کے ساتھ ہی اخراجات کا اور اشہر حرم میں جنگ کرنے کا اور ان سب امور کا جو کہ جنگوں میں ضروری ہوتے ہیں یا پیش آتے ہیں بیان شروع کر دیا۔ عربوں کا دستور تھا کہ وہ شراب پینے پلانے اور قمار بازی کرنے کا بہت فخر کیا کرتے تھے اور اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ جب کسی قوم میں جنگ شروع ہوتا یا قحط سالی پیش آجاتی تو اس وقت ان کے امراء (جو کہ بڑے بہادر اور سخی ہوتے وہ) آپس میں جُوا کھیلتے پھر جو ہار جاتا تو جنگ یا قحط کا سارا خرچ اس کے ذمہ ہوتا اور وہ علاوہ اور خرچوں کے ایسے موقعوں پر شراب بھی پلایا کرتے تھے اور اس کی تجارت سے ایسے خرچوں میں ان کو مدد ملا کرتی تھی۔ اور جنگوں میں شراب کا استعمال تو اور قوموں میں بھی بکثرت پایا جاتا ہے لہٰذا جب اہل اسلام کو کفار کے ساتھ جنگ کرنے کی

اجازت دی گئی تو اب عرب کی معمول بہار سم کے مطابق موقعہ تھا کہ خرچ کے انتظام کے موقعہ پر جوئے کا سوال پیش کریں اور تیاری میں شراب کو بھی مد نظر رکھیں۔ تو جب ان دونوں سے منع کیا گیا تو معاً یہ سوال پیدا ہوا کہ جب یہ منع ہیں تو پھر جنگوں کے موقعوں پر کیا صرف کریں تو خداوند علیم و حکیم نے فرمایا کہ جو ضرورت سے زائد اموال ہوں یا جن کے صرف کرنے میں چنداں دقت نہ واقع ہوتی ہو ان کو صرف کرو۔ اور چونکہ جنگوں میں بہت سے لوگ شہید ہوں گے اور ان کے بال بچے یتیم رہ جاویں گے اس لئے فرمایا کہ) تجھ سے یتیموں کی نسبت دریافت کریں گے۔ نیز جب پہلے یہ بتایا تھا کہ بہت باریک چھان بین بھی نہ شروع کر دیں تو اب یتامٰی کے متعلق سوال کو ذکر فرما کر یہ بتایا ہے کہ اس کے یہ معنے نہیں کہ حکمت اور نفع و نقصان کا بالکل خیال نہ کریں بلکہ اس کا ضرور خیال رکھنا چاہیے۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جب یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ [1] (الانعام: 153) اور اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا [2] (النساء: 11) تو جن صحابہؓ کے پاس کوئی یتیم تھا انہوں نے جا کر ان کا کھانا پینا اپنے کھانے پینے سے علیحدہ کر دیا تو جو ان کا کھانا پینا بڑھ جاتا وہ دوسرے وقت کے لئے محفوظ رکھا جاتا پھر کبھی وہ کھاتا اور کبھی بگڑ جاتا تو پھینکا جاتا تو یہ ان پر شاق گذرا تب انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور فرمایا کہ) تم کہو کہ ان کے لئے اصلاح بہتر ہے (یعنی جس میں ان کی اصلاح ہو وہی بہتر ہے خواہ وہ ان کے علیحدہ رکھنے میں ہو یا ساتھ ملانے میں)

اور اگر تم ان کو اپنے ساتھ ملاؤ تو وہ تمہارے بھائی ہیں (یعنی جس طرح دو بھائیوں کا مال جدا جدا ہوتا ہے اور ایک پر دوسرے کا مال حرام ہے لیکن تاہم وہ اکثر اوقات ساتھ رہتے ہیں اور معروف طور پر ایک پر دوسرے کا مال حرام ہے لیکن تاہم وہ اکثر اوقات ساتھ رہتے ہیں اور معروف طور پر ایک دوسرے کے مال سے کھاتے ہیں تو نہ شرع نے اس کو منع کیا ہے

[1] ۔ اور (یہ حکم دیتا ہے کہ) تم یتیم کے مال کے پاس..... بے احتیاطی سے نہ جاؤ۔ (تفسیر صغیر)

[2] ۔ جو لوگ ظلم سے یتیموں کے مال کھاتے ہیں وہ یقیناً اپنے پیٹوں میں صرف آگ بھرتے ہیں اور وہ یقیناً شعلہ زن آگ میں داخل ہوں گے۔ (تفسیر صغیر)

اور نہ عرف میں اس کو برا سمجھا گیا ہے اسی طرح وہ یتیم بھی تمہارے بھائی یا کم از کم دینی بھائی ہیں تو اگر اصلاح کی نیت سے ان کو ساتھ ملاؤ تو اس میں کون سا حرج ہے۔

رہا لوگوں کا اعتراض اور شبہ یا یتیم رکھنے والے کی بد نیتی سو اس کا فیصلہ یہ ہے کہ کسی اور کو اس کا کوئی حق نہیں کیونکہ اللہ ہی نے ان کی نسبت اصلاح کا حکم دیا ہے اور اسی نے ان کی نسبت فساد منع کیا ہے اور وہی اجر اور سزا دینے والا ہے) اور وہی اللہ مفسد اور مصلح کو علیحدہ علیحدہ اور ممتاز طور پر جانتا ہے (اور دوسرا کوئی نہ جانتا ہے اور نہ اجر اور سزا دے سکتا ہے۔ اس کے بعد یہ سمجھانے کے لئے کہ جو خدا تم کو بتا چکا ہے کہ یُرِیۡدُ اللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَلَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ [1] (البقرۃ:186) اور پھر ساری شریعت میں اس نے اس یُسۡرٌ کا ثبوت دیا ہے اور پھر وہ خدا جو کہ بڑا حکیم ہے اس کی نسبت ایسے مشقت دہ اور بے فائدہ بلکہ مضر حکم کا گمان کرنا بھی تم کو مناسب نہ تھا فرمایا کہ) اور اگر اللہ (تم کو مشقت میں ڈالنا) چاہتا تو ضرور تم کو مشقت میں ڈال چکا ہوتا (تو جب آج دن تک اس نے کسی حکم میں تم کو مشقت میں نہیں ڈالا تو پھر اس حکم کو تم نے کس طرح اس کی طرف منسوب کیا ہے۔ پھر تم یہ بھی جانتے ہو کہ) بے شک وہ غالب حکمت والا ہے (جس کی شان سے بعید ہے کہ دبی زبان سے یا بے فائدہ یا مضر حکم دے۔

چونکہ مشرکین سے مقابلہ تھا۔ اور گھر سے دور ہونے پر بھی شادی کی ضرورت پیش آجایا کرتی ہے اور بعض اوقات دوسرے ملک اور دوسری قوم کی کوئی عورت خوش آجاتی ہے تو پھر بھی شادی کا خیال پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر چونکہ مکہ کے مشرک تو عام طور پر ان کے رشتہ دار ہی تھے تو جب ایک رشتہ دار مارا گیا تو اس کی پس ماندہ مستورات کی پرورش اپنے یا کسی اپنے آدمی کے نکاح میں لانے کے ساتھ کرنے کا خیال پیدا ہوتا ہے اور نیز عربوں میں یہ دستور تھا کہ یتیم لڑکیاں جب مالدار ہوتی تھیں تو ان کے مال کی لالچ سے بہت بہت یتیم لڑکیاں نکاح میں لے آیا کرتے تھے تو مشرکین کی لڑکیاں جب یتیم ہوں گی تو گو مال کی لالچ سے نکاح میں لانے کی ممانعت اسلام نے کر دی تھی۔ پر ان کی پرورش وغیرہ کے خیال سے

[1] ۔ اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے تنگی نہیں چاہتا۔ (تفسیر صغیر)

ان کے نکاح کا ارادہ ہو سکتا تھا تو اس وجہ سے یتامٰی کے مسئلہ کے بعد فرمایا کہ) مشرکہ عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ لاؤ یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں۔

(اور فرمایا کہ) مومن لونڈی مشرکہ عورت سے یقیناً بہتر ہے اگرچہ وہ مشرکہ عورت تم کو بہت پسند بھی آجائے۔ اور نہ مشرک مردوں سے (اپنی لڑکیوں بہنوں وغیرھما کا) نکاح کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آویں۔ اور مومن غلام یقیناً مشرک مرد سے بہتر ہے اگرچہ وہ تم کو بہت پسند آجائے۔ (اس لئے کہ وہ خدا کے منشاء کے خلاف پر لے جانے والے ہیں) یہ لوگ تو آگ کی طرف بلاتے ہیں اور بلائیں گے۔ اور اللہ اپنے حکم کے ساتھ جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے۔

(اور اخیر میں پھر اصل غرض کی طرف متوجہ کرنے کے لئے فرمایا کہ) اللہ اپنی آیتیں لوگوں کیلئے اس لئے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ لوگ نصیحت پکڑیں اور چوکس اور ہوشیار ہو جائیں۔ (مثلاً ایک نکاحِ مشرکات اوراِنکاحِ مشرکین کی ممانعت کی جو وجہ اور حکمت بیان فرمائی ہے اگر انسان اس پر غور کرے تو سب صحبتوں اور تعلقات میں اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اور یہ کوئی احتمالی فائدہ نہیں بلکہ بالکل یقینی اور قطعی ہے۔ جس سے محبت کی راہ و رسم ہو گی ضرور ہی اس کا برا اثر اس کے قلب پر پڑے گا پر اس کے یہ معنے نہیں کہ ایسے لوگوں کے حقوق بھی ادا نہ کرو بلکہ ان کے حقوق ادا کرنے اور ان کے ساتھ بھلائی اور خیر خواہی کرنے کا قرآن شریف میں صاف حکم ہے۔

آیت 223 تا 229: وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ۔ لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔

تشریح الفاظ:

مَحِيْضٌ۔ زجاج نے کہا ہے کہ یہ مصدر ہے اور اکثروں نے یہی پسند کیا ہے۔ اس صورت میں اس کے اصلی معنے بہنے کے ہیں اور لوگوں نے لکھا ہے کہ حوض کو اسی وجہ سے

حوض کہتے ہیں کہ پانی اس کی طرف بہتا ہے اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اسم مکان ہے یعنی بہنے کی جگہ۔ لیکن بہر حال یہاں پر اس کے معنے مطلق عورتوں کے ایام مخصوصہ کے ہیں، جن کو عام طور پر لوگ حیض کہتے ہیں۔

اَذًی مصدر ہے جس کے اصل معنے دکھ دینے اور برا ماننے کے ہیں اور یہاں پر اسم فاعل یا اسم مفعول کے معنوں میں ہے یعنی دکھ دینے والی چیز یا بری منائی ہوئی اور نفرت کی ہوئی چیز ہے۔

اِعْتَزِلُوْا۔ اِعْتِزَالٌ سے ہے جس کے معنے علیحدہ ہونے اور کنارہ کشی کرنے کے ہیں۔

یَطْهُرْنَ۔ طُهْرٌ سے ہے۔ پاک ہونا۔

تَطَهَّرْنَ۔ تَطَهُّرٌ سے ہے۔ بہت پاک ہونا۔

حَیْثُ۔ جگہ۔ مکان۔ حَرْثٌ۔ کھیتی۔

اَنّٰی کے معنے مفسرین نے تین لکھے ہیں۔ جہاں سے، جس طرح، جس وقت اور اس کی تحقیق انشاء اللہ تفسیر میں آئے گی۔

عُرْضَةٌ۔ کے دو معنے آتے ہیں ایک روک اور آڑ اور دوم پیش کی ہوئی چیز جیسا کہ فروخت کے لئے مال پیش کیا جاتا ہے۔

اَیْمَانٌ۔ یَمِیْنٌ کی جمع ہے۔ اور یَمِیْنٌ قسم کو کہتے ہیں اور کبھی اس چیز کو بھی یَمِیْنٌ کہا جاتا ہے کہ جس پر قسم کھائی جاتی ہے۔

تَبَرُّوْا۔ بِرٌّ سے ہے نیکی کرنا یا نیک بننا۔

لَغْوٌ۔ اس گری ہوئی ردّی کلام اور چیز کو کہتے ہیں جس کا کچھ اعتبار نہ ہو۔

حَلِیْمٌ۔ حِلْمٌ سے ہے اور یہ لفظ تین طور پر عموماً آیا ہے۔ حِلْمٌ آہستی اور سزا اور پکڑ میں تاخیر کرنا۔ حَلَمٌ چھڑے کا بگڑ جانا۔ حُلْمٌ پراگندہ خواب دیکھنا۔ یا عقلمند ہونا۔

یُؤْلُوْنَ۔ اِیْلَاءٌ سے ہے اور اس کے اصل ماخذ کے معنے تو کمی کرنے کے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا (آل عمران:119) (تمہاری ناکامی میں کمی نہ کریں گے) لَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ (النور:23) (تم میں سے فضل والے کمی نہ کریں گے) پر

ایلاء کے معنی اس قسم کے ہیں جو کہ اس امر میں کمی اور نقص کو چاہتی ہو کہ جس میں قسم کھائی گئی ہو۔ اور شریعت میں اس قسم کو کہتے ہیں جو کہ جماع سے رکنے کیلئے کھائی جائے۔

تَرَبُّصٌ۔ انتظار اور توقف۔

فَاؤُا۔ فَیْئٌ سے ہے رجوع۔

قُرُوْءٌ۔ قَرْءٌ کی جمع قَرْءٌ اصل میں اس انتقال کو کہتے ہیں جو کہ حیض سے طہر کی طرف ہو یا طہر سے حیض کی طرف ہو۔ لیکن شوافع اور احناف کے درمیان مشہور نزاع ہے کہ اس آیت کریمہ میں قُرُوْءٌ کے کیا معنے ہیں۔ احناف کے نزدیک تو حیض ہے اور شوافع کے نزدیک طہر ہے پر جو معنے لغت کے لحاظ سے ہیں اگر ان پر لیا جائے تو کوئی نزاع نہیں رہتا اور امام شافعی کا قول جو کہ قوی مانا گیا ہے۔ وہ یہی ہے کہ طہر مراد نہیں بلکہ طہر سے حیض کی طرف انتقال مراد ہے اور ظاہر ہے کہ اس کے مطابق نزاع حقیقۃً باقی نہیں رہتا۔

یَکْتُمْنَ۔ کِتْمَانٌ سے ہے پوشیدہ کرنا۔

اَرْحَامٌ۔ رِحْمٌ کی جمع ہے۔ بچہ دان۔

بَعُوْلَتٌ۔ بَعْلٌ کی جمع ہے خاوند۔ اور اصل میں مالک۔ سردار اور اس درخت خرما کو کہتے ہیں جو کہ خود پانی کھینچے اور اس کو پانی نہ دیا جاتا ہو۔

ترجمہ:

اور تجھے حیض (یا مقام حیض) کی نسبت دریافت کریں گے (یا کرتے ہیں) تم کہو کہ وہ مضر (یا مکروہ) چیز ہے۔ سو تم عورتوں سے علیحدہ ہو جاؤ حیض میں اور ان کے قریب نہ ہو یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں۔ سو جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس آؤ اس مقام (یا اس وجہ اور طریق) سے کہ اللہ نے تم کو حکم دیا ہوا ہے۔ یقینا اللہ ان کو پسند کرتا ہے جو کہ (اس کی طرف) رجوع کرنے والے ہوتے ہیں اور وہ ان کو (بھی) پسند کرتا ہے جو کہ خوب پاک ہونے والے ہوتے ہیں۔

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں سو تم جس وقت (یا جس طرح یا جس طرف سے) چاہو اپنی کھیتی میں آؤ۔ اور اپنی جانوں کے لئے پیش کرو اور اللہ سے بچو اور خوب جان رکھو

کہ تم اس کو ملنے والے ہو۔ اور ایمان لانے والے کو خوشخبری دے دے۔ اور تم اپنی (ایسی) قسموں کے لئے کہ تم نیکی کرو اور تقویٰ کرو اور لوگوں کے درمیان اصلاح کرو اللہ کو روک (یا نشانہ) نہ بنالو۔ اور اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔

اللہ تم کو تمہاری قسموں میں لغو (بے ہودہ) کے ساتھ مواخذہ نہ کرے گا۔ ولیکن تم کو اس کے ساتھ مواخذہ کرے گا کہ جس کو تمہارے دلوں نے کمایا ہے۔ اور اللہ بہت بخشنے والا اور بہت تحمل والا ہے۔ ان لوگوں کے لئے جو کہ اپنی عورتوں سے بچے رہنے کی قسم کھاتے ہیں چار ماہ کی انتظار ہے۔ سو اگر وہ پھر جائیں تو اللہ بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے۔ اور اگر طلاق کا پختہ ارادہ کرلیں تو یقیناً اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

اور طلاق کی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض آنے تک ٹھہرا رکھیں۔ اور ان کے لئے درست نہیں کہ وہ اس کو چھپائیں جس کو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا کیا ہے۔ اگر وہ اللہ اور پیچھے آنے والے دن پر ایمان رکھتی ہیں۔ اور اس (وقت) میں ان کے خاوند ان کے واپس کرنے کے زیادہ حق دار ہیں اگر وہ اصلاح چاہتے ہوں۔ اور عورتوں کے لئے دستور کے ساتھ اس کی مانند (حق) ہے جو کہ ان پر ہے۔ اور مردوں کے لئے ان پر درجہ ہے۔ اور اللہ بہت غالب حکمت والا ہے۔

تفسیر:

جب مشرکات اور مشرکین کے نکاح اور اِنکاح کا بیان ہو چکا تو اب ایک اور مسئلہ (جو کہ نکاح ہی کے متعلق ہے اور جہاد کے ذریعہ سے دوسری اقوام کے ساتھ میل جول ہونے اور ان اقوام کے اسلام میں داخل ہونے سے اس کی ضرورت پیش آئی ہے) بیان فرمایا ہے۔ صحیح مسلم وغیرہ کتب احادیث میں انسؓ سے مروی ہے کہ یہود کی عادت تھی کہ جب ان کے گھر میں عورت کو حیض آتا تو اس کو گھر سے نکال دیتے اور نہ اس کے ساتھ کھاتے اور نہ پیتے اور نہ گھروں میں اسے ملتے تو اس وجہ سے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ حیض کے بارہ میں کیا حکم ہے تو پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

(مسلم کتاب الحیض باب جواز غسل الحائض رأس زوجھا... حدیث نمبر 302)

اس حدیث سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ یہود کے اس تشدد کو دیکھ کر یہ سوال کیا گیا ہے۔ بلکہ ثابت ہوتا ہے کہ بعض اقوام بالکل اجتناب نہ کرتی تھیں۔ تو کچھ تعجب نہیں کہ دونوں کے حال سے واقف ہونے پر یہ پیدا ہوا ہو۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ ایسے مسائل کی ضرورت بھی اسی وقت پیش آتی ہے جب کہ انسان کو باوجود ایسی حالت کے بی بی سے علیحدگی دشوار ہو اور اس میں شک نہیں کہ مدت دراز کے بعد جہاد سے واپس آنے پر ایسے مشکلات پیش آتے ہیں۔ تو اس لئے بھی خداوند تعالیٰ نے اس سوال کو یہاں پر بیان کیا اور فرمایا کہ) تجھ سے حیض یا مقام حیض کی نسبت دریافت کرتے ہیں یا کریں گے۔ تو تم کہو کہ وہ مضر اور قابل نفرت چیز ہے۔ لہٰذا تم حیض میں یا مقام حیض کے بارہ میں عورتوں سے علیحدہ ہو اور ان کے قریب نہ ہو یعنی ان سے مجامعت نہ کرو یہاں تک کہ پاک ہو جائیں۔

(لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ کے بظاہر دو معنے ہو سکتے تھے۔ ایک یہ کہ یہود کی طرح تم ان کو اپنے جسم کے نزدیک بھی نہ آنے دو اور ایک چھت کے نیچے تم اور وہ اکٹھے نہ بیٹھیں۔ اور دوسرے یہ کہ نزدیک بے شک جاؤ پر جماع نہ کرو۔ تو جس طرح ساری آیت پر نظر غور کرنے سے دوسرے معنی معین ہو جاتے ہیں اور پہلے معنوں کا احتمال باقی نہیں رہتا۔ اسی طرح حضرت انسؓ کی مذکورہ بالا حدیث کے اخیر پر آتا ہے کہ پھر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم ان کے ساتھ گھروں میں بے شک جمع ہو اور سب کچھ کرو پر ایک جماع نہ کرو۔ اور اس کے علاوہ اسی کے مطابق قولاً اور فعلاً آنحضرت ﷺ سے بکثرت حدیثیں موجود ہیں۔

قرآن مجید چونکہ علیم و حکیم خدا کی جامع کتاب ہے۔ اس لئے اس میں جب کوئی بات شروع ہوتی ہے تو پھر اس کے متعلق اور امور کو بھی بیان فرما دیتا ہے۔ اسی طرح یہاں پر بھی جب حیض کا حکم بیان فرمایا تو اس کے بعد اسی کی مانند ایک قابل نفرت امر کی نسبت کچھ بیان فرمایا ہے۔ جس کا سوال پہلے سوال کی طرح بیرونی اقوام کے میل جول سے پیدا ہونے کا یقین ہوتا تھا۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح حیض ایک ناپاک اور مکروہ چیز ہے اسی طرح پاخانہ

کا مقام بھی ہے بلکہ اس سے بڑھ کر قابل نفرت چیز ہے۔ اور جس طرح بیرونی اقوام میں حیض کی نسبت افراط اور تفریط واقع تھی اسی طرح اس میں بھی افراط اور تفریط تھی کچھ تو اس کے استعمال تک بڑھے ہوئے تھے اور کچھ ایسے مجتنب تھے کہ پیچھے سے ہو کر معتاد جماع کو بھی اولاد تک بعض نقصوں کا موجب یقین کرتے تھے۔ تو اس وجہ سے حیض کے بعد اس مسئلہ کو بیان فرمایا ہے۔ لیکن جس طرح یہ فعل اور مقام قابل اخفاء تھا اور جس طرح کہ سوال ضمنی تھا اسی طرح اس کو بیان بھی کیا ہے اور فرمایا ہے کہ) سو جب وہ خوب پاک ہو جائیں تو تم ان کے پاس جاؤ اس مقام سے اور اس طریق سے اور اس صورت اور حالت سے کہ اللہ نے تم کو حکم دیا ہوا ہے۔ بے شک اللہ تَوَّابِیْنَ کو پسند کرتا ہے (جو کہ بدی سے نیکی کی طرف اور شیطان کی پیروی اور اتباع نفس و شہوات نفس سے اپنے حقیقی مالک اور معبود کی طرف رخ کرنے والے ہوتے ہیں گو بدی کی لذت اور عادت ان کو بہت کچھ گرفتار بھی کرتی ہے) اور ان کو بھی پسند کرتا ہے جو کہ ہر ایک ناپاک اور مکروہ قابل نفرت کام اور چیز اور بات سے خوب پاک ہونے والے ہوتے ہیں۔

(حضرت عبد اللہ بن عباس اور مجاہد، قتادہ، ربیع سے مِنْ حَیْثُ اَمَرَکُمُ اللّٰہُ کے معنے یہ مروی ہیں کہ ''تم ان کے پاس اس مقام سے جاؤ (یعنی جماع کرو) کہ جس مقام کی نسبت حیض کے باعث اللہ نے تم کو بچنے کا حکم دیا تھا۔'' پس حَیْثُ سے مقام حیض مراد ہوا اور اَمْرٌ سے مراد وہی فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ الخ ہوا جو کہ اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اور زجاج نے کہا ہے کہ ''تم ان کے پاس جاؤ ان جہات اور صورتوں سے کہ جن میں ان کے پاس جانے کی تم کو اجازت دی ہوئی ہے۔ اور ان میں نہ جاؤ کہ جن میں منع کیا ہوا ہے جیسی روزے اور احرام اور اعتکاف کی حالت کہ ان میں جماع منع ہے۔'' اس صورت میں حَیْثُ سے مراد جہات اور صورتیں ہیں اور اَمْرٌ سے اور امر مراد ہیں جن میں ان کے پاس جانے کی اجازت ہے۔

اس میں شک نہیں کہ حَیْثُ کے عموماً معنے تو مکان کے آتے ہیں اور دوسرے معنے بھی آجاتے ہیں جو کہ تشریح میں بیان ہو چکے ہیں۔ اور میں نے بارہا قرآن مجید کا طرز بیان

کیا ہوا ہے کہ ایسے الفاظ میں جب تک کوئی معین کرنے والا یا کسی معنے کو منع کرنے والا قرینہ نہ ہو تو اکثر سب ہی مراد ہوتے ہیں۔ لیکن امر سے اجتناب کا امر لینا بہت بعید ہے بلکہ یقیناً اس سے ان کے پاس جانے کا امر مراد ہے۔

رہا یہ کہ وہ کون سا ہے سو علاوہ اس کے کہ خداوند حکیم نے دوسرے مقامات پر نکاح کا حکم دیا ہے جس کے معنے نکاح اور جماع کے ہیں اور لواطت کو ہرگز جماع اور نکاح نہیں کہا جاتا۔ اور فرماتا ہے وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ[1] (النساء:20) اور لواطت دستور میں نہیں اور وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ[2] (البقرۃ:188) فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ لواطت سے اولاد حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کی نسبت تو صاف فرمادیا ہوا ہے کہ وَالّٰتٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا (النساء:17) (جو تم میں سے اس بے حیائی کا ارتکاب کریں ان کو سزا دو) یہاں پر بھی خداوند کریم نے اس امر کو بڑی تفصیل اور وضاحت کے ساتھ بیان فرمادیا ہے۔ چنانچہ اس کے متصل بعد میں فرمایا ہے کہ) تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتی ہیں (یعنی جس طرح کھیتی سے اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ اس میں بیج ڈال کر ثمرات حاصل کئے جاویں سو اسی طرح عورت سے بھی اصل غرض یہ ہے کہ انسانی تخم اس میں اس لئے ڈالا جائے تاکہ اس سے ثمرۃ الفواد اور انسانی نسل پیدا ہو تو جس طرح تم اپنی کھیتی میں پیداواری کو مد نظر رکھتے ہو اور جس وقت اور جس حالت اور جس مقام میں تم کوئی کام اس کا کرتے ہو۔ یا اس میں آتے ہو تو اس غرض کو تو تم نظر انداز نہیں کرتے بلکہ ہر ایک وقت اور حالت اور مقام میں جو کچھ تم کرتے ہو اسی غرض کے مطابق اور اسی کے پورا کرنے کیلئے کرتے ہو۔ سو اسی طرح) تم اپنی اس کھیتی میں (بھی اسی غرض کو مد نظر رکھ کر اور اسی کے مطابق اسی کے پورا کرنے کے لئے) آؤ جس وقت اور جس حالت اور جس مقام میں چاہو۔

(اور باوجود اس تصریح کے زیادہ توضیح کیلئے فرمایا کہ) اپنی جانوں کے فائدہ کیلئے آگے کرلو (اس میں یہ بتایا ہے کہ انسان خواہشات کے جوش اور لہو ولعب اور غفلت کے موقعہ پر

---

[1]۔ اور ان سے اچھا سلوک کرو۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ اور جو کچھ اللہ نے تمہارے لیے مقدر کیا ہے اس کی جستجو کرو۔ (تفسیر صغیر)

اپنے فائدہ کو فراموش کر بیٹھتا ہے۔ لہٰذا فرمایا کہ تم مجامعت سے پہلے اپنے فائدہ کو مستحضر اور مد نظر کر لیا کرو اور اس کا طریق نبی کریم ﷺ نے یوں بتایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنی بی بی کے پاس جائے تو یہ دعا کر لیا کرے بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَ جَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا۔

(صحیح البخاری کتاب الدعوات باب مایقول اذا اَتی اَھلہ حدیث 6388)

(اللہ کے نام کی برکت کے ساتھ اے اللہ تو شیطان کو ہم سے دور کر دے۔ اور شیطان کو اس بچہ سے بھی دور کر دے جو کہ تو اس کو نصیب کرے گا) اور اس میں یہ بھی بتایا ہے کہ جماع تو اولاد کے لئے ہوا اور اولاد اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ کے مطابق والد کا عکس ہوتی ہے۔ پس جماع کے وقت اگر والد کا نفس اصلاح یافتہ ہے تو اولاد بھی پاکیزہ ہو گی اور اگر وہ شریر النفس ہے تو اولاد میں بھی اس کا ظہور ہو گا۔ لہٰذا فرمایا کہ اولاد کے لئے جماع کرنے سے پہلے اپنے نفسوں کی اصلاح کر لیا کرو۔ اور دعا مذکور بھی اس اصلاح کی جزو یا اس کی کمی کی تلافی کرنے والی ہے۔

شیعوں کی اَنّٰی شِئْتُمْ کی غلط تشریح:

میں نے پہلے مفصل طور پر لکھا تھا کہ بعض لوگ ایسے چالاک ہوتے ہیں کہ جس آیت یا حدیث سے ان پر زد پڑتی ہو وہ قبل اس کے کہ کوئی ان پر اس کے ساتھ زد کرے وہ اس کو مروڑ کر اپنی مؤید اور فریق مقابل کے مخالف بنا دیتے ہیں اور یہ بھی بتایا تھا کہ شیعہ لوگوں کو اس میں بڑا کمال ہے اور ان کے اس کرتب کی چند ایک مثالیں بھی وہاں پر میں نے لکھی ہیں۔ تو یہاں پر بھی یہی چالاکی استعمال کی گئی ہے اور اس کے کرنے والے بھی شیعہ صاحب ہیں۔

سارے شیعہ نہیں بلکہ ان میں ایک گروہ کا یہ خیال کہ عورت سے لواطت کرنی جائز ہے اور شیعہ کے سوا اور بھی بعض لوگ اس عظیم الشان غلطی میں واقع ہوئے ہیں۔ تو انہوں نے یہ چالاکی کی کہ یہ آیت جو کہ صاف صاف اس کی ممانعت کے لئے تھی۔ انہوں نے اسی کو اس کے اثبات کے لئے دلیل پیش کیا اور کہا کہ یہاں پر خداوند کریم نے عورتوں

کو حرث قرار دے کر پھر فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ فرمایا ہے۔ اور اَنّٰى بمعنی اَیْنَ ہے اور معنے یہ ہیں کہ تم اپنی کھیتی کو آؤ جس مقام سے چاہو۔ ان معنوں میں صاف اس کی اجازت پائی جاتی ہے۔ اور پھر منع کرنے والوں پر انہوں نے بڑی لے دے کی ہے کہ جو اس کو جائز نہیں کہتے وہ اَنّٰى کو بمعنی مَتٰی (جس وقت) یا بمعنی کَیْفَ (جس طرح) لیتے ہیں۔

اور اَنّٰى کا ان دو کے معنوں میں آنا ثابت نہیں اور اگر ہو بھی تو پھر بہت قلیل ہے۔ اس کے مقابل لوگ عموماً اس بات کی کوشش کرتے رہے کہ اَنّٰى کو بمعنے مَتٰی اور کَیْفَ ثابت کریں اور ان کے معنوں کی تغلیط پر چنداں زور نہ دیا حالانکہ وہ یقیناً غلط ہیں۔ بات یہ ہے کہ انہوں نے دھوکہ دیا ہے اور وہ یہ ہے اور یہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اَنّٰى تینوں کے معنوں میں ضرور آتا ہے۔ لیکن قرآن مجید میں یہاں پر اَنّٰى سے پہلے مِنْ یا اِلٰی کا لفظ موجود نہیں اور جب مَتٰی یا کَیْفَ کے معنوں میں لیتے ہیں تب بھی یہاں پر مِنْ یا اِلٰی مقدر نہیں کرتے اور یہی معنے کرتے ہیں کہ تم اپنی کھیتی کو آؤ جب یا جس طرح چاہو۔

پس چاہیے تو یہ تھا کہ جب اس کو بمعنے اَیْنَ (جہاں یا جس جگہ) لیتے تو پھر بھی مِنْ (سے) یا اِلٰی (تک) کو مقدر فرض کر کے اَیْنَ کے ساتھ از خود نہ لگاتے اور یوں معنے کرتے کہ تم اپنی کھیتی کو آؤ جہاں کہیں یا جس جگہ چاہو۔ لیکن وہ منہ سے تو کہتے ہیں کہ اَنّٰى بمعنی اَیْنَ ہے اور جب معنے یہ کرتے ہیں تو ساتھ مِنْ لگا کر یہ معنے کرتے ہیں کہ تم اپنی کھیتی کو آؤ جس جگہ سے چاہو۔ اور بالکل ظاہر ہے کہ مِنْ نہ لگانے کی صورت میں اگر بمعنے اَیْنَ لیا بھی جائے تو بھی ان کا مطلب اسی طرح بر آمد نہیں ہوتا جس طرح کہ بمعنے مَتٰی یا بمعنے کَیْفَ لینے کے وقت بر آمد نہیں ہوتا۔ بلکہ مَتٰی کے معنوں میں لینے سے جس طرح وقت کی تعمیم ہوتی ہے کہ دن یا رات یا جس طرح بمعنے کَیْفَ لینے سے حالت کی تعمیم نکلتی ہے کہ جس کیفیت سے چاہو اسی طرح بمعنے اَیْنَ لینے سے مقام کی تعمیم نکلتی ہے کہ چارپائی پر ہو یا زمین پر کمرہ کے اندر یا دالان میں اور اس صورت میں ان کا مطلب ہرگز بر آمد نہیں ہوتا بلکہ گہری نظر سے دیکھا جائے تو لفظ مِنْ لگانے سے بھی ان کا مطلب بر آمد نہیں ہوتا اس لئے کہ معنے یہ ہوتے ہیں کہ تم عورتوں سے کرو تو جماع پر جس طرف سے ہو کر کرو تم کو اختیار ہے۔

ہاں ان کا مطلب تب نکلتا کہ فِیْ لگاتے مگر نہ انہوں نے وہ لگایا ہے اور نہ وہ لگا سکتے ہیں۔ تعجب ہے کہ ان لوگوں کی فطرت کہاں گئی ایک طرف پیارے رسول ہاں سید الرسل کی سب محنتوں اور کامیابیوں بلکہ اعلیٰ مفاخر پر پانی پھیر دیتے ہیں۔ پھر وہ پاک ازواج کہ جن کی بریت کے لئے خداوند تعالیٰ نے اَلطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ[1] الخ (النور:27) کے دو قاعدے بیان فرمائے تھے ان کو غیر طیب قرار دے کر پنج تن پاک کی جڑھ کو (نعوذ باللہ من ذالک) ناپاک قرار دیتے ہیں۔ پھر خلافت رسالت کو مغصوب قرار دے کر خدا پر عجز کا الزام لگاتے ہیں۔ پھر منہ پھاڑ پھاڑ کر کہتے ہیں کہ متعہ اور عورت سے لواطت جائز ہے حالانکہ دونوں ایسے فعل ہیں کہ نیوگ کی طرح ایک شریف سلیم الفطرت ان کو زبان پر بھی نہیں لا سکتا۔

لیکن قرآن مجید وہ پاک کتاب ہے کہ پہلے ہی سے ایسے الزاموں کے رفع دفع کرنے کے لئے اس میں ہی کافی ذرائع موجود ہیں۔ لیکن چونکہ خدائے علیم خوب جانتا تھا کہ بعض لوگ اس گند میں پڑیں گے تاکہ بنی اسرائیل کی مشابہت پوری ہو۔ لہٰذا اس نے اس مفصل بیان کے بعد فرمایا کہ) اللہ سے ڈرو اور بچو اور یقین رکھو کہ تم ضرور اس کو ملنے والے ہو۔ (یعنی ایسے گندے خیالات کو عذاب الٰہی اور قیامت کی شرمندگی کو یاد کر کے روکو۔ اور مومنوں کو خوشخبری سنا دے (یعنی ایسے کاموں سے بچنے والے متقی اور سچے مومن ہوتے ہیں جن کے لئے اجرِ عظیم ہے۔ پس ان کو اس اجرِ عظیم کی بشارت دے دو۔ تاکہ اس اجرِ عظیم کی امید پر وہ اس سے اجتناب کریں۔ ایمان کا استعمال قرآن مجید میں دونوں طرح پر آیا ہے، بعض جگہ تو اعتقاد رکھنے کے لئے آتا ہے اور بعض وقت پیروی اور حکم کے مطابق عمل کرنے کے لئے آتا ہے اور یہاں پر یہی مراد ہے۔ میں نے یہ عجیب بات دیکھی ہے کہ قرآن مجید جہاں کہیں شیعہ کی تردید فرماتا ہے وہاں پر ان کے مومن کہلانے کا بھی اشارہ کر دیتا ہے۔

چنانچہ تقیہ وغیرہ اصول کی تردید کے مقام پر تو میں نے بتایا تھا کہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ

[1]۔ پاک باتیں پاک مردوں کے لیے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ[1] (البقرۃ:9) کہ ساتھ ان کے مومنین کہلانے کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہاں پر بھی اَلْمُؤْمِنِيْنَ لا کر اس کی طرف متوجہ کر دیا ہے۔ چونکہ پہلے عورتوں کی معاشرت کا ذکر تھا اور عام طور پر ان کے راضی کرنے اور بعض وقت ان کے ڈرانے کے لئے اور بعض اوقات رنج اور غصہ سے ان کے متعلق لوگ قسمیں کھایا کرتے ہیں۔ نیز جنگوں میں مدت دراز تک علیحدہ رہتے اور خرچوں کی دقتیں اور معاملات کی پیچیدگیں اور کدورتیں عورتوں کی علیحدگی کی نسبت قسم کھانے پر مجبور کرتی ہیں جس کو ایلاء کہتے ہیں اور اس کا ذکر عنقریب آنے والا ہے تو اس کی تمہید کیلئے بھی ضروری ہوا کہ پہلے حلف کی نسبت ہدایت کی جائے تو اس وجہ سے فرمایا کہ) تم اللہ کو اپنی قسموں یعنی نیکی کرنے اور متقی بننے اور اصلاح بین الناس کرنے کے لئے آڑ اور روک نہ بناؤ۔

(یعنی عام طور پر لوگوں کی عادت ہے کہ خواہ نیک کام اور تقویٰ کی بات اور اصلاح بین الناس کا کوئی امر ہو تو بھی سوچتے نہیں اور جوش میں آکر قسم کھا بیٹھتے ہیں کہ واللہ ہم فلاں امر اور فلاں کام نہ کریں گے اور پھر اس کو ترک کر دیتے اور خیال کرتے ہیں کہ ہم چونکہ خدا کی قسم کے خیال سے اس کام کو نہیں کرتے لہٰذا ہم نیکی اور تقویٰ کر رہے ہیں اور ہم مستحق اجر ہیں۔ تو خداوند کریم نے فرمایا کہ ایسے نیک کاموں سے اللہ کو روک نہ بنایا کرو اور پہلے سے ان پر قسم ہی نہ کھایا کرو۔ اور اگر کھا بیٹھو تو کفارہ دے کر اس کو توڑ دو۔ جیسا کہ قرآن مجید کے دوسرے مقام پر اور حدیثوں میں آچکا ہے۔

مفسرین نے لکھا ہے اور کتب احادیث میں آیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا ایک خالہ زاد مسطح نام تھا جو کہ نادار شخص تھا اور حضرت صدیق اکبرؓ اس کی پرورش فرمایا کرتے تھے تو جب منافقوں نے حضرت عائشہؓ پر اتہام لگایا تو مسطح بھی اس میں کچھ ان کو مدد دیتا رہا تو جب خداوند کریم نے قرآن مجید کی آیتوں میں حضرت عائشہؓ کی بریت بیان فرما دی تو اس وقت حضرت صدیق اکبرؓ نے قسم کھائی کہ اب میں مسطح کی امداد نہ کروں گا تو تب یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

[1] ۔ اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آنے والے دن پر ایمان رکھتے ہیں، حالانکہ وہ ہرگز ایمان نہیں رکھتے۔ (تفسیر صغیر)

اور کلبی وغیرہ نے لکھا ہے کہ عبد اللہ بن رواحہ کے داماد بشیر بن النعمان نے اپنی بی بی کو طلاق کر دیا تھا اور پھر دونوں آپس میں صلح کرنی چاہتے تھے تو عبد اللہ بن رواحہ نے قسم کھائی تھی کہ میں بشیر کے ساتھ نہ کلام کروں گا اور نہ اس کے پاس جاؤں گا اور نہ ان کے درمیان صلح کراؤں گا تو تب یہ آیتیں اس کے حق میں نازل ہوئی تھیں۔ اور جو معنے مذکور ہوئے ہیں وہ ان دونوں روایتوں کے مطابق ہیں۔

اور جنہوں نے عُرْضَةٌ کو بمعنے پیش کردہ چیز اور نشانہ کے لیا ہے انہوں نے بھی اس کے یہی معنے کئے ہیں کہ تم اللہ کو اپنی قسموں یعنی نیکی کرنے اور متقی بننے اور اصلاح بین الناس کرنے کے لئے نشانہ نہ بناؤ۔ یعنی ان چیزوں پر قسمیں نہ کھاؤ اور کھاؤ تو کفارہ دے کر توڑ دو۔ اور یہ معنے اس صورت میں ہیں کہ اَیْمَانٌ سے وہ امور لئے جاویں کہ جن پر قسمیں کھائی جاتی ہیں اور اَنْ تَبَرُّوْا الخ ان کا بیان ہو۔

اور مفسرین نے ایک اور طریق سے بھی اس کے معنے کئے ہیں کہ اَیْمَانٌ بمعنے حلف ہی لئے ہیں اور اَنْ تَبَرُّوْا الخ کے پہلے لام مقدر ماناہے جیسا کتب قواعد میں مانا گیا ہے تب معنے یہ ہونگے کہ تم اللہ کو اپنی قسموں کے ذریعہ سے نیکی اور تقویٰ اور اصلاح بین الناس کرنے کے لئے روک اور نشانہ نہ بناؤ۔ اور مطلب سب کا ایک ہی ہے۔ آگے فرمایا کہ) اللہ خوب سننے والا اور جاننے والا ہے (یعنی باوجود منع کرنے کے اگر تم باز نہ آؤ گے تو یہ نہیں کہ خدا پر کوئی بات پوشیدہ رہ سکتی ہے کہ تم کو مؤاخذہ نہ ہو۔

ہاں بتایا کہ بعض ایسی قسمیں بھی ہیں کہ جن میں کوئی مؤاخذہ نہیں چنانچہ فرمایا کہ) اللہ تم کو لغو اور بے فائدہ قسموں پر مؤاخذہ نہ کرے گا۔ لیکن مؤاخذہ کرے گا اس کے سبب سے جس کو تمہارے دلوں نے کمایا ہے۔ (یہ آیت کریمہ علماء کی نظروں میں بہت معرکۃ الآراء رہی ہے۔ چنانچہ امام شافعیؒ نے یمین لغو اس کو کہا ہے جو عام طور پر بے ارادہ بطور عادت لوگ وَاللّٰہِ بِاللّٰہِ کہہ دیا کرتے ہیں جس میں قسم کا ارادہ نہیں ہوتا۔

لغو قسم کون سی ہے؟:

اور حضرت امام ابو حنیفہؒ نے کہا ہے کہ یمین لغو وہ ہوتی ہے کہ جس میں جھوٹ کا قصد

نہ ہو۔ یعنی یا تو بالکل قصد ہی نہ ہو اور ایسی ہی زبان سے قسم کہہ دی ہو یا قصد ہو پر اس کو سچا سمجھ کر قسم کھائی ہو اور حقیقت میں ایسا نہ ہو۔ اور مسروق نے کہا ہے کہ یمین لغو وہ قسم ہے کہ گناہ کے کرنے پر کھائی جاوے۔ اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ لغو وہ ہے کہ غضب کی حالت میں کھائی جاوے اور دوسری روایت میں ان سے یوں آیا ہے کہ لغو وہ قسم ہے کہ جس کے ساتھ اللہ کے حلال کو حرام کیا جاوے۔ اور امام مالکؒ نے بھی یہی فرمایا ہے البتہ بی بی کے بارہ میں وہ اس کو لغو قرار نہیں دیتے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یمین لغو مجبور کئے ہوئے انسان کی قسم ہے۔

پھر دوسرا اختلاف یہ ہے کہ مواخذہ سے دنیوی مواخذہ یعنی کفارہ مراد ہے یا کہ اخروی یا دونو۔ تیسرا یہ کہ کن قسموں میں مواخذہ نہیں اور کن میں ہے میرے خیال میں ان تینوں کا فیصلہ قرآن مجید کی دو آیتوں پر نظر کرنے سے بخوبی ہو جاتا ہے ایک تو یہ آیت کریمہ لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ [1] (البقرۃ:226) اور دوسری سورۂ مائدہ کی یہ آیت کہ لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ فَکَفَّارَتُہٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَۃِ مَسٰکِیْنَ [2] الخ (المائدۃ:90) پہلی آیت میں لغو کو مَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ کے مقابل رکھا ہے اور دوسری میں مَا عَقَّدْتُّمُ کے مقابل ذکر کیا ہے۔ تو اس مقابلہ سے صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ لغو سے مراد ہے جس میں کسبِ قلب نہ ہو یا جس میں عقدِ یمین نہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ کسبِ قلب قصد اور نیت ہے اور عقدِ یمین آئندہ کے لئے کسی امر پر قصداً قسم کھانی ہے۔

پس اس آیت میں تو یمینِ لغو سے وہ قسم مراد ہے کہ جس میں قصد نہ ہو اور چونکہ اس کی نسبت لَا یُؤَاخِذُ فرمایا ہے۔ لہٰذا ایسی قسم میں دنیوی یا اخروی کوئی مواخذہ نہیں۔ اور اس کے مقابل مَا کَسَبَتْ قُلُوْبُکُمْ سے وہ قسم مراد ہے کہ جس میں قصد ہو خواہ وہ آئندہ کی نسبت ہو یا گزشتہ کی نسبت ہو تو اس کی نسبت چونکہ یُؤَاخِذُ فرمایا ہے۔ لہٰذا اس پر مواخذہ

---

[1] ۔ اللہ تمہاری قسموں میں (سے) لغو (قسموں) پر تم سے مؤاخذہ نہیں کرے گا۔ ہاں جو (گناہ) تمہارے دلوں نے (بالارادہ) کمایا اُس پر تم سے مواخذہ کرے گا۔ (تفسیر صغیر)

[2] ۔ تمہاری قسموں میں سے لغو (قسموں) پر اللہ تمہیں سزا نہیں دے گا بلکہ تمہارے پکی قسمیں کھانے (اور پھر توڑ دینے) پر تمہیں سزا دے گا پس اس (کے توڑنے) کا کفارہ دس مسکینوں کو متوسط (درجہ کا) کھانا کھلانا ہے۔ (تفسیر صغیر)

ہے۔ عام اس سے کہ دنیوی ہو یا اخروی یا دونوں جس کی تفصیل دوسری آیت کے ساتھ ملانے سے خود ظاہر ہو جاتی ہے اور انشاء اللہ بیان کی جائے گی۔

اور دوسری آیت میں لغو سے وہ مراد ہے جس میں آئندہ کیلئے قصداً یمین نہ ہو یعنی اس میں یا تو سرے سے قصد ہی نہ ہو۔ جیسا کہ پہلے لغو کی تفسیر میں گذرا ہے یا قصد ہے پر وہ آئندہ کے لئے نہیں، بلکہ گذشتہ کی نسبت ہے اور یہ قسم پہلی آیت میں تومَا کَسَبَتْ میں داخل تھا اور دوسری آیت میں لغو کے نیچے داخل ہے۔ اور دوسری آیت میں مواخذہ سے چونکہ دنیوی مراد ہے۔ یعنی کفارہ، لہٰذا دوسری آیت میں دونوں قسم کی لغو میں کوئی مواخذہ یعنی کفارہ نہیں۔ ہاں پہلی آیت نے بتا دیا ہے کہ جو گزشتہ کی نسبت قصداً ہو گی اس میں مواخذہ ہے۔

پس دونوں کے ملانے سے ثابت ہوا کہ پہلی قسم کی لغو میں دنیوی اور اخروی کوئی مواخذہ نہیں اور دوسری قسم میں مواخذہ اخروی ہے اور دنیوی نہیں۔ اب رہی مَا کَسَبَتْ اور مَا عَقَّدْتُّمُ سومَا کَسَبَتْ تو وہ ہے جس میں قصد ہو خواہ گذشتہ پر ہو یا آئندہ اور دونوں پر مطلق مواخذہ بتایا ہے۔ لیکن گزشتہ کی نسبت تو فیصلہ ہو ہی چکا ہے کہ اخروی ہے اور دنیوی نہیں۔ اب رہی آئندہ کی نسبت تومَا عَقَّدْتُّمُ سے بھی وہی مراد ہے اور فَکَفَّارَتُہٗ نے بتا دیا ہے کہ مواخذہ دنیوی ہے ہاں اس کے نہ ادا کرنے پر پھر اخروی ہو گا۔ تو اس تفصیل سے سب کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ رہا مذاہب کا اختلاف تو وہ ہم سے نہیں مٹ سکتا ہاں ہم نے وہ بیان کر دیا ہے جو کہ خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم سے الفاظ قرآنیہ سے ہماری سمجھ میں آیا ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

اس کے بعد بتایا کہ اگر باوجود ہمارے بتانے کے پھر تم سے قابل مواخذہ کا ارتکاب ہو جائے تو مایوسی یا سستی مت اختیار کرو۔ بلکہ بہت استغفار کرو اس لئے کہ) اللہ بہت بخشنے والا ہے۔ (پس اگر تم بخشش مانگو گے تو ضرور وہ بخشے گا۔ اور نیز دنیا میں جلدی مواخذہ نہ ہونے سے بالکل بے خوف بھی نہ ہو جانا اس لئے کہ) اللہ بہت حلم والا اور مواخذہ میں دیر کرنے والا اور تحمل سے کام لینے والا ہے۔ (اب قسم کے احکام بتانے کے بعد اس علیحدگی اور

عورتوں سے جدائی کی قسم کا بیان کرتا ہے کہ جس کی ضرورت لمبے سفروں اور غیر حاضریوں سے پیش آتی ہے اور جس کی تمہید کیلئے قسم کا مسئلہ پہلے بیان کیا ہے تاکہ پہلے تو لوگ ایسی قسمیں کھائیں نہیں اور اگر کھا بیٹھیں تو پھر وہ یہ امتیاز کر سکیں کہ اس قسم کو قائم رکھنا چاہیے یا اس کو توڑ کر کفارہ دینا چاہیے۔ نیز چونکہ ساری قسموں سے قسم ایلاء کا حکم بالکل جدا تھا۔ اس لئے بھی اس کو بعد میں جدا کر کے بیان فرمایا تاکہ یہ پہلے سے بمنزلہ مستثنیٰ ہو جائے۔ تو فرمایا کہ) جو لوگ اپنی عورتوں سے علیحدگی کی قسم کھاتے ہیں۔ ان کے لئے چار ماہ تک ٹھہرنا ہے (یعنی چار ماہ سے زیادہ وہ اس کو اپنے نکاح میں رکھ کر اور اس قسم پر رہ کر عورت سے علیحدہ نہیں رہ سکتا ہاں چار ماہ تک رہ سکتا ہے) پھر اگر وہ اس قسم سے پھر جائیں (اور اسکو توڑ دیں جیسا کہ لَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ میں بیان کیا گیا تھا کہ ایسی قسموں کو توڑ دینا چاہیے اور جیسا کہ صحیح احادیث میں اور سورۂ مائدہ کی آیت فَكَفَّارَتُهٗ الخ میں آیا ہے توڑنے کا کفارہ دے دینا چاہیے) تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے۔ اور اگر طلاق دینے کا پختہ ارادہ کر لیں تو بے شک سننے والا ہے (یعنی جس طرح شریر لوگ پوشیدہ طلاق دے دیتے ہیں اور بدنامی یا عورت کے ضرر کے خیال سے اسکو اپنے گھر ہی میں مردود متروک عورتوں کی طرح رکھتے ہیں۔

پس تم ایسا نہ کرو، کیونکہ لوگوں نے اگر نہیں سنا تو سمیع خدا نے تو ضرور سنا ہے۔ اور بے شک وہ اللہ) بہت جاننے والا ہے۔ (یعنی وہ تمہارے دلوں کی عزم وغیرہ کو بھی جانتا ہے۔ نیز ان حالات کو بھی جانتا ہے کہ جن کی بنا پر تم نے اس کو طلاق دی یا اس سے پہلے علیحدگی کی قسم کھائی ہے۔

علماء کا اختلاف:

اس آیتِ کریمہ میں علماء کا بہت سا اختلاف ہے۔ پہلا اختلاف تو یہ ہے کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ شرعی ایلاء تب ہی ہوتی ہے کہ چار ماہ سے زیادہ کی نسبت قسم کھائی اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ چار ماہ یا اس سے زیادہ ہو تو وہ ایلاء شرعی ہے۔ اور اصحاب ظواہر اور نخعی اور حماد، قتادہ، ابن ابی حماد، اسحٰق نے چار ماہ سے کم کو بھی ایلاء شرعی قرار دیا ہے۔

پھر دوسرا اختلاف یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ چار ماہ گذرنے پر وہ خود بائن طلاق کے ساتھ طلاق ہو جاوے گی۔ اور امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ حاکم کی معرفت طلاق دلوانی ضروری ہے۔ لیکن قرآن مجید کے الفاظ سے جو مجھے سمجھ آیا ہے وہ یہی ہے کہ خداوند تعالیٰ نے یہاں پر ایلاء کی کوئی تعریف اور تشریح و تفسیر بیان نہیں کی تا کہ یہ ثابت ہو کہ شرعی ایلاء فلاں ہے اور فلاں لغوی ہے بلکہ لغوی ہی ایلاء کو رکھا ہے۔ ہاں اس کی حد اور نہایت بیان فرمادی تا کہ عورتوں کو حد سے زیادہ ضرر نہ پہنچے تو فرمادیا کہ چار ماہ گذرنے تک تو وہ اپنی ایلاء پر قائم رہ سکتے ہیں۔ پر چار ماہ ہونے پر رجوع یا طلاق ضروری ہے۔

رہا یہ کہ وہ طلاق کیسی ہو سو یہ کوئی نئی طلاق نہیں جیسی اور ضروری طلاقیں ہوا کرتی ہیں اسی طرح یہ بھی ہے خداوند تعالیٰ نے اس میں کوئی نئی بات بیان نہیں کی۔ اب رہا چار ماہ سے کم سو اس کا حکم بھی ظاہر ہے کہ اگر اس کو پورا کرے تو کر سکتا ہے۔ اگر اس کے اندر ہی طلاق دینا چاہے تو دے سکتا ہے اور اگر قسم کو توڑ کر رجوع کرے تو بموجب آیت مائدہ کے کفارہ دینا ہو گا۔ تو جب طلاق کا ذکر ہوا تو اب مناسب ہوا کہ اس کی عدت کا حکم بھی ذکر کیا جائے تو فرمایا کہ) طلاق کی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو تین قروء تک ٹھہرا رکھیں (اور نکاح نہ کریں۔ میں نے پہلے بتایا تھا کہ قُرُوْءٌ، قَرْءٌ کی جمع ہے اور قَرْءٌ کے فلاں معنے ہیں۔

کتب فقہ اور خصوصاً اصول فقہ کی کتابوں میں اس اختلاف کو بڑے بسط کے ساتھ بیان کیا ہے کہ امام شافعیؒ کے نزدیک طہر ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حیض ہے اور پھر فریقین کی طرف سے دلائل اور ردّ و قدح بیان کیا گیا ہے لیکن میں نے پہلے بتایا ہے کہ قُرُوْءٌ حیض یا طہر کو نہیں کہتے بلکہ ایک سے دوسرے کی طرف انتقال کو کہتے ہیں اور یہ بھی میں نے بتایا ہے کہ امام شافعیؒ سے جیسے اور مسائل میں عموماً دو قول ہیں اسی طرح یہاں پر بھی ایک قول اگرچہ طہر کا ہے پر دوسرا قول یہی ہے کہ طہر سے حیض کی طرف انتقال مراد ہے اور امام ابو حنیفہؒ نے حیض لیا ہوا ہے اور گو مشہور تو یہی ہے کہ انہوں نے حیض لیا ہے۔ لیکن چونکہ تیسرے حیض کے خاتمہ پر عدت ختم ہو گی تو اس وقت انتقال حیض سے طہر کی طرف ہو گا۔ پس گویا دونوں نے انتقال ہی لیا ہے۔

پر امام شافعیؒ نے طہر سے حیض کی طرف اور امام صاحب نے حیض سے طہر کی طرف۔ لیکن جو لوگ طلاق مسنون کو جانتے ہیں کہ وہ ایسے جدا جدا تین طہروں میں ایک ایک طلاق دینی ہے کہ جن میں خاوند اس کے پاس نہ گیا ہو اور پھر حضرت عبد اللہ بن عمر والی وہ حدیث بھی وہ جانتے ہیں کہ جس میں نبی کریم نے پہلے حیض والی طلاق سے رجوع کا حکم دے کر پھر ارشاد فرمایا تھا کہ اس طرح طلاق مسنون دیں۔

(صحیح البخاری کتاب التفسیر القرآن حدیث 4908)

اور پھر یہ بھی جانتے ہیں کہ اس عدت سے رحم کے بچہ سے پاک ہونے کا علم مقصود نہیں بلکہ اصل غرض یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہے طلاق نہ ہو اور رجوع ہو جائے اور اسی غرض کی طرف یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اشارہ کرتا ہے اور اسی قرینہ کے باعث قُرُوْٓءٍ کی تفسیر اور تعیین کی تصریح نہیں فرمائی۔ اور یہ طہر کے متعلق ہے تو وہ بے شبہ امام شافعیؒ کے قول کو ترجیح دیں گے۔

رہا حنفیوں کا یہ اعتراض کہ طہر تین نہیں ہوتے اور قرآن مجید نے صاف طور تین فرمایا ہے کیونکہ پہلے طہر کے ایک حصہ میں تو طلاق ہوئی تھی۔ لہٰذا وہ پورا نہ رہا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو امام شافعیؒ نے طہر نہیں لیا بلکہ انتقال لیا ہوا ہے یا طہر منتقل عنہ لیا ہے اور انتقال اور طہر منتقل عنہ یقیناً تین ہو جاتے ہیں۔

نیز عرب لوگ اعداد میں ایسی تکمیل ہرگز ضروری نہیں رکھتے جو تیسرے سال میں ہوتا ہے یقیناً اس کو اِبْنُ ثَلٰثُ سِنِیْنَ کہتے ہیں حالانکہ ابھی تیسرا کامل نہیں ہوا۔ اور چونکہ ایسے امور میں عورت کا قول قابل اعتبار ہوتا ہے اور بعض اوقات وہ خلاف واقعہ بات کہہ دیتی ہیں تو اس سے بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔ لہٰذا اس کے بعد فرمایا کہ) اور ان کے لئے حلال نہیں کہ وہ اس کو پوشیدہ کریں جو کہ اللہ نے ان کے رحم میں پیدا کیا ہے (یعنی بچہ یا حیض) اگر وہ اللہ اور پیچھے آنے والے دن پر ایمان رکھتی ہیں (طلاق مسنون کے لئے ضروری ہے کہ اگر عورت حاملہ ہو تو وضع حمل تک انتظار کیا جائے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ بچہ کی امید سے بعض وقت طلاق کا ارادہ فسخ کیا جاتا ہے تو عورت اگر حاملہ ہو اور وہ اس خیال سے حمل نہ بتائے کہ طلاق میں دیر ہو جاوے گی یا طلاق رک جاوے گی اسی طرح عورت کو حیض آتا

ہو اور وہ کہہ دے کہ میں پاک ہو گئی ہوں اس خیال سے کہ حیض میں تو طلاق دے نہیں سکتا اور طہر میں دے سکتا ہے تو طہر کہوں تا کہ جلد طلاق ہو جائے اور جلدی سے عدت گزر جائے تو اس سے منع کرنے کے لئے یہ فرمایا کہ وہ اس کو مت چھپائیں جو کہ اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا کیا ہے۔ اور اس کی بچہ اور حیض کے ساتھ تفسیر حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے امام جعفر صادق اور حسن اور قتادہ سے مروی ہے۔

اور بعضوں نے اس کی بچہ ہی کے ساتھ تفسیر کی ہے اور عبد اللہ بن عباسؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ اور حمل کے کتمان سے منع کرنے کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ جب لاعلمی میں طلاق ہو جائے اور بعد ازاں اس کو حمل کا علم ہو تو وہ اس خیال سے اس کو چھپائے گی کہ حمل کے علم سے رجوع کے استحقاق اور وضع حمل تک نکاح ثانی کے لئے انتظار کا اندیشہ ہے۔ اس کے بعد ایام عدت کے احکام بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ) ان کے خاوند ان کے واپس کرنے کے ان ایام عدت میں زیادہ حق دار ہیں (جس کو رجوع کہتے ہیں اور اس میں کسی نئے نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ عورت کے ساتھ بی بی خاوند والا کوئی معاملہ کرنا یا زبانی رجوع کا اظہار کر دینا ہی کافی ہوتا ہے اور یہ طلاق رجعی کا حکم ہے پر جو طلاق بائن ہو یا رجعی میں جب عدت کے دن گذر جائیں تو اس میں نئے نکاح کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور جب تین طلاقیں مسنون طریق کے مطابق واقع ہو جاویں تو نہ رجوع ہو سکتا ہے اور نہ نکاح۔

ہاں جب اور خاوند وہ کرے اور پھر اتفاق سے اس سے علیحدہ ہو جائے یا وہ مر جائے تو پھر بعد انقضائے عدت پہلا خاوند نکاح کر سکتا ہے جیسا کہ مفصلاً انشاء اللہ آئے گا۔ بعد ازیں فرمایا کہ پھیرنے کا استحقاق اس وقت ہے کہ) اگر وہ اصلاح چاہیں (کسی قسم کا ضرر دینا وغیرہ مد نظر نہ ہو۔ قرآن مجید کے ظاہر الفاظ سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر ضرر کا ارادہ ہو اور اصلاح مد نظر نہ ہو۔ تو پھر وہ زیادہ حق دار ردّ کرنے کے نہیں۔ رہا حق دار ہونا تو مفسرین نے لکھا ہے کہ بالاتفاق وہ ردّ ہو جائے گی ہاں ایسا ارادہ کرنے والا گنہگار ضرور ہو گا۔

اس کے بعد اصلاح کا طریق بیان فرمایا کہ) عورتوں کے لئے (ان پر) ویسا ہی حق ہے جیسا کہ (ان مردوں کے لئے) ان پر ہے (پس اصلاح یوں ہے کہ خاوند ان کے حقوق ادا

کریں۔ لیکن ظاہر ہے کہ جب عورتوں کے حقوق مردوں کے حقوق جیسے ہوئے پھر تو دونوں میں مساوات ہوگئی اور ظاہر ہے کہ جب عورت مرد کی مساوات کرے تو پھر معاشرت کا قائم رہنا مشکل ہے تو اس کے لئے فرمایا کہ) مردوں کے لئے عورتوں پر درجہ ہے (یعنی حقوق کا ایک جیسا ہونا تو اس کو چاہتا ہے کہ جس طرح مرد عورتوں سے حقوق کی ادائیگی چاہتے ہیں اسی طرح وہ عورتوں کے حقوق بھی ادا کریں لیکن چونکہ خداوند تعالیٰ نے مردوں کو قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ[1] (النساء:35) بنایا ہے۔ لہٰذا وہ ان پر فضیلت رکھتے ہیں اس لئے عورتیں منزلت میں ان سے کم ہیں اور ان کو ان کی زیادہ تعظیم چاہیے۔ نیز اس میں یہ بھی بتایا ہے کہ مرد تو ان پر فوقیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا عورتیں چاہیں یا نہ چاہیں وہ تو ان سے اپنے حقوق پورے کرا لیتے ہیں لیکن چونکہ ان کے حقوق تب ہی ادا ہو سکتے ہیں کہ مرد ادا کرنا چاہیں۔ لہٰذا یہ فرمایا گیا ہے کہ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا اور اسی وجہ سے عورتوں کے حقوق بطریق مذکور یاد دلائے گئے ہیں۔ پر بتایا کہ گو مرد زبردست ہونے کے باعث ہمارے حکم کے برخلاف ان پر زبردستی کر لیں گے پر یاد رکھیں کہ) اللہ سب سے بڑا زبردست ہے (پس وہ زبردست خدا ان کا بدلہ لے گا۔ اور نیز یہ بھی نہیں کہ اس نے یونہی تم کو بے فائدہ حکم دے دیا ہے یا یونہی خلاف ورزی پر دھمکی دے دی ہے نہیں بلکہ) وہ بڑی حکمتوں اور بڑی پختہ باتوں والا ہے۔

[1]۔ عورتوں پر... نگران (قرار دیئے گئے) ہیں۔ (تفسیر صغیر)

آیت 230 تا 232: اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمۡ اَنۡ تَاۡخُذُوۡا مِمَّاۤ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ شَيۡـًٔا اِلَّاۤ اَنۡ يَّخَافَاۤ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا يُقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا فِيۡمَا افۡتَدَتۡ بِهٖ تِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ فَلَا تَعۡتَدُوۡهَا وَمَنۡ يَّتَعَدَّ حُدُوۡدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۔ فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَاۤ اَنۡ يَّتَرَاجَعَاۤ اِنۡ ظَنَّاۤ اَنۡ يُّقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ وَتِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ۔ وَاِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ سَرِّحُوۡهُنَّ بِمَعۡرُوۡفٍ وَّلَا تُمۡسِكُوۡهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعۡتَدُوۡا وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَقَدۡ ظَلَمَ نَفۡسَهٗ وَلَا تَتَّخِذُوۡۤا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَمَاۤ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنَ الۡكِتٰبِ وَالۡحِكۡمَةِ يَعِظُكُمۡ بِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ۔

تشریح الفاظ:

اِمۡسَاكٌ۔ روکنا۔ تَسۡرِيۡحٌ۔ کھول دینا اور چھوڑ دینا۔

خِفۡتُمۡ۔ خَوۡفٌ سے ہے۔

اِفۡتَدَتۡ۔ فِدَاءٌ سے ہے، چھڑانے کے لئے کچھ بدلہ دینا۔

تَعۡتَدُوۡا۔ اِعۡتِدَاءٌ سے ہے اور يَتَعَدَّ۔ تَعَدُّيٌ سے ہے۔ حد سے گذرنا۔

تَنۡكِحُ۔ نِكَاحٌ سے ہے نکاح کرنا اور جماع کرنا۔

یَتَرَاجَعَا۔ تَرَاجُعٌ سے ہے، رجوع کر لینا۔
بَلَغْنَ۔ بُلُوْغٌ سے ہے، پہنچنا۔ اَجَلٌ۔ وقت اور تاریخ مقرر۔
ضِرَارٌ۔ ضرر رسانی۔ هُزُوًا۔ ہلکا و حقیر۔
یَعِظُ۔ وَعْظٌ سے ہے۔ شَیْءٌ۔ چیز اور چاہی ہوئی بات۔

ترجمہ:

وہ طلاق جدا جدا دو دفعہ ہے۔ پھر دستور کے مطابق روکنا ہے یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔ اور تمہارے لئے حلال نہیں کہ تم اس سے کچھ بھی لو جو کہ تم نے ان کو دیا ہے پر یہ کہ وہ دونوں ڈریں کہ اللہ کی حدیں قائم نہ رکھیں گے۔ سو اگر تم کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدیں قائم نہ رکھیں گے تو پھر ان دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں جس کو اس نے بدلہ میں دیا ہے۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ سو ان سے نہ گذرو۔ اور جو اللہ کی حدوں سے گذریں گے سو وہی پکے ظالم ہوں گے۔ تو پھر اگر وہ اس کو طلاق کرے تو اس کے بعد وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں یہاں تک کہ وہ صحبت کر لے اور خاوند سے۔ سو اگر وہ اس کو طلاق کر دے تو پھر اگر وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف پھریں تو ان پر کوئی گناہ نہیں اگر وہ دونوں غالب گمان رکھیں کہ اللہ کی حدوں کو قائم کریں گے۔ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اللہ ان کو ان لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے جو کہ جانتے ہیں۔ اور جب تم عورتوں کو طلاق دو پھر وہ اپنے مقرر شدہ وقت کو پہنچ جائیں تو تم ان کو دستور کے ساتھ روکو یا دستور کے ساتھ چھوڑ دو۔ اور تم ضرر رسانی کے لئے ان کو نہ روکو تا کہ تم تعدی کرو اور جو یہ کرے گا سو یقیناً اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ اور تم اللہ کی آیتوں کی تحقیر نہ کرو۔ اور تم اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو کہ تم پر ہے اور اس کتاب اور حکمت کو کہ جس کے ساتھ تم کو نصیحت کرتے ہوئے اس نے تم پر نازل کیا ہے۔ اور اللہ سے بچو اور یقیناً جان رکھو کہ اللہ ہر ایک چاہے ہوئے امر پر بڑی قدرت والا ہے۔

تفسیر:

جب خداوند کریم نے یہ بیان فرمایا کہ ایام عدت میں بشرط ارادۂ اصلاح ان کے خاوند ان کے واپس لانے کے زیادہ حق دار ہیں تو اب اس بات کے بیان کرنے کی ضرورت ہوئی

کہ یہ طلاق ایک ہی ہوتی ہے یا زیادہ بھی ہوتی ہیں اور وہ کس قدر ہوتی ہیں اور یہ کہ وہ دفعۃً ہوتی ہیں یا متفرق طور پر۔ تو ان سب باتوں کے بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ) وہ طلاق (رجعی کہ جس کی طرف وَبُعُوْلَتُهُنَّ الخ میں اشارہ ہوا ہے) جدا جدا دو طلاقیں ہیں۔ پھر (جس طرح پہلی ایک طلاق کے بعد رجوع کر کے روک لینا یا دوسری طلاق دے دینا تھا اسی طرح دو کے بعد بھی) یا تو (رجوع کے ساتھ) دستور کے مطابق (ان عورتوں کو) روک رکھنا ہے اور یا (تیسری طلاق یا جس تیسرے طہر میں تیسری طلاق دینی تھی اس میں طلاق نہ دینی پر اس میں رجوع نہ کرنے سے عدت گذار دینے کے ساتھ ان کو) چھوڑ دینا اور جدا کر دینا ہے (پس ثابت ہوا کہ طلاقیں تین تک ہیں اور جدا جدا ہیں اور جس طرح ایک کے بعد رجوع اور طلاق یا دونوں سے سکوت اختیار کر کے تین طہر گذار دینے سے رجوع اور طلاق کا اختیار کھو دینا جائز تھا اسی طرح دوسری کے بعد بھی تین ہی باتوں کا اختیار ہے۔

نمبر 1 رجوع کر لینا، نمبر 2 طلاق سوم دے دینا، نمبر 3 یا طلاق سوم اور طہر سوم میں رجوع کرنے سے سکوت کر کے عدت گذر جانے سے رجوع اور طلاق ثالث کا اختیار کھو دینا۔ اور پہلی اور دوسری کے بعد جو رجوع ہے ان میں بھی کوئی فرق نہیں اور دونوں کے بعد عدت گذار دینے میں بھی کوئی فرق نہیں کیونکہ جس طرح پہلی کے بعد عدت گذر جانے سے رجوع نہیں کر سکتا اور نیا نکاح کر سکتا ہے اسی طرح دوسری کے بعد بھی عدت گذر جانے سے رجوع نہیں کر سکتا اور نیا نکاح کر سکتا ہے۔ البتہ پہلی کے بعد دوسری طلاق دینے اور دوسری کے بعد تیسری طلاق دینے میں دو فرق ہیں (1) یہ کہ دوسری کے بعد تیسری طلاق دے سکتا تھا اور تیسری کے بعد چوتھی نہیں دے سکتا اور یہ تین طلاق پر ختم ہو جانے سے ثابت ہوتا ہے اور (2) یہ کہ دوسری کے بعد عدت میں رجوع اور بعد از عدت نکاح ثانی کر سکتا تھا۔ لیکن تیسری کے بعد نہ رجوع کر سکتا ہے اور نہ نکاح ثانی کر سکتا ہے۔ جب تک کہ وہ کسی اور خاوند سے صحبت کرنے کے بعد آزاد نہ ہو لے اور یہ فَاِنْ طَلَّقَهَا الخ میں بیان فرمایا ہے۔

اور بعض نے اس آیت کے یہ معنے بھی کئے ہیں کہ مطلق طلاق جدا جدا اور آگے پیچھے

ہونی چاہیے۔ اور پھر اس کے بعد دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ طلاق کے بعد یا رجوع کے ساتھ دستور کے مطابق روک لینا ہے یا احسان کے ساتھ جدا کر دینا ہے۔ اور بعض نے اس کے یہ معنے کئے ہیں کہ وہ طلاق دو طلاقیں ہیں اور دو کے بعد پھر یا تو دستور کے مطابق روکنا ہے یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔ لیکن جو ہم نے کیے ہیں وہ دونوں کے لئے جامع ہونے کے علاوہ لغت اور نظم قرآنی کے مطابق ہیں اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ کے لغت کے موافق یہی معنے ہیں کہ وہ طلاق دو ہیں پر نہ یک دفعہ بلکہ دو دفعہ جیسا کہ اُعْطِیْتُ الدَّرَاھِمَ مَرَّتَیْنِ وغیرہ مثالوں سے صاف ظاہر ہے کہ نہ یک دفعہ دو درہم دینے پر یہ بولا جاتا ہے اور نہ تین جدا جدا دینے پر بلکہ تب ہی بولا جاتا ہے کہ دو ہوں اور جدا ہوں۔ اس کے بعد یہ بیان فرمایا ہے کہ طلاق بے بدل ہی ہوتی ہے یا کہ یہ بھی جائز ہے کہ عورت کچھ مال دے کر اپنے آپ کو آزاد کرا لے تو فرمایا کہ) کہ تمہارے لئے حلال نہیں کہ تم اس مال سے کچھ واپس لو جو کہ تم نے ان کو (مہر وغیرہ میں) دیا ہو لیکن اس حالت میں دیئے ہوئے مال سے لینا حلال ہو گا) کہ وہ دونوں ڈرتے ہوں (کہ نکاح قائم رکھنے میں) اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے۔ (یعنی ایک تو یہ صورت ہے کہ نقص کوئی نہیں پر محض مال کیلئے یا کسی اور غرض کے لئے خاوند یا عورت یا دونوں ایسا چاہتے ہوں دوسری یہ کہ محض مرد ہی کو یا عورت ہی کو خطرہ ہے کہ حدود اللہ کی پابندی اور حق ادائی نہ ہو گی تیسری یہ کہ دونوں کو یہ خطرہ ہے۔

تو پہلی صورتوں میں تو عورت سے عورت کا مال لینا یا اپنا دیا ہوا سارا مال تو درکنار اس میں سے کوئی چیز بھی لینی جائز نہیں لیکن اخیر صورت میں عورت سے زائد مال لینے کی تو پھر بھی اجازت نہیں البتہ اس کے اندر اندر لے سکتے ہیں جو کہ انہوں نے دیا ہوا ہو۔ یہ حکم تو اِلَّآ اَنْ یَّخَافَآ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ سے نکل آیا ہے۔ لیکن چونکہ طلاق اور مالی معاملات میں عموماً حکام تک نوبت پہنچتی ہے اور پھر ہر ایک کے دوست و دشمن ہوتے ہیں۔ وہ فریقین پر نکتہ چینی کرتے ہیں تو اس لئے خداوند تعالیٰ نے حکام اور نکتہ چینوں کو مخاطب کر کے بعد میں فرمایا کہ) اگر تم کو خوف ہو (یعنی تحقیق سے معلوم ہو) کہ وہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہ کر سکیں گے تو پھر ان دونوں پر اس میں کوئی گناہ اور مواخذہ نہیں جو کہ عورت نے اپنے بدلہ

میں دیا ہے) اور ان پر پابندی کرنے کی تاکید کے لئے فرمایا کہ) یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ سو تم ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور جو شخص ان سے تجاوز کرتے ہیں سو وہ پکے ظالم ہوتے ہیں۔

اور تَسۡرِیۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ کے بعد خلع کے مسئلہ کو اس لئے رکھا ہے کہ جس طرح اس کے بعد رجوع نہیں اور نہ اس کے بعد کوئی طلاق ہے اسی طرح خلع کے بعد بھی نہ رجوع ہے اور نہ کوئی طلاق ہے۔ البتہ تَسۡرِیۡحٌۢ کی دو صورتیں تھیں۔ طلاق ثالث یا رجوع اور طلاق ثالث سے سکوت کر کے عدت گذار دینی۔ اور دوسری صورت کے بعد گو رجوع اور طلاق نہیں پر نکاح ثانی جائز ہے اور پہلی صورت میں نکاح ثانی جائز نہیں اور خلع کے بعد بھی دوسری صورت کے بعد کی طرح نکاح ثانی جائز تھا۔

لہٰذا صورت اول کے ساتھ خلع کا فرق بیان کرنے کے لئے خلع کے بعد تَسۡرِیۡحٌۢ کی پہلی صورت کی نسبت فرمایا کہ) اگر (تسریح یوں کی ہو کہ) وہ اس کو (تیسری) طلاق دے دے تو پھر وہ اس کے لئے (رجوع کے ساتھ تو کیا نکاح ثانی کے ساتھ بھی) حلال نہیں ہو گی۔ یہاں تک کہ وہ عورت صحبت کر لے دوسرے خاوند سے تو اگر وہ دوسرا خاوند اس کو طلاق کر دے (یا اتفاق سے وہ مر جائے) تو پھر ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں کہ آپس میں ایک دوسرے کی طرف رجوع کریں بشرطیکہ ان کو گمان ہو کہ اللہ کی حدیں قائم کریں گے۔

(پس خلع میں اور تسریح کی پہلی صورت میں یہ فرق ہے۔ یہاں پر اس قدر بات یاد رکھنی چاہیے کہ بعض امور ایسے بدیہی البطلان ہوتے ہیں کہ ان کی تحقیق جائز نہیں ہوتی بلکہ قابل ملامت ہوتی ہے۔ چنانچہ سورۂ نور میں جہاں حضرت عائشہؓ پر منافقوں کے افترا کا ذکر فرمایا ہے تو اس مقام پر مومنوں کو ملامت کیا ہے اور فرمایا ہے لَوۡ لَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ ظَنَّ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بِاَنۡفُسِهِمۡ خَيۡرًا وَّقَالُوۡا هٰذَاۤ اِفۡكٌ مُّبِيۡنٌ [1] (النور:13) اور وَلَوۡ لَاۤ اِذۡ سَمِعۡتُمُوۡهُ قُلۡتُمۡ مَّا يَكُوۡنُ لَنَاۤ اَنۡ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا سُبۡحٰنَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ (النور:17) (یعنی کیوں تم تحقیق کے درپے ہوئے اور کیوں تم نے ایسا نہ کیا کہ جونہی سنا تھا صاف کہہ دیتے کہ

[1] ۔ جب تم نے یہ بات سنی تھی تو کیوں نہ مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنی قوم کے متعلق نیک گمان کیا اور یہ کہہ دیا کہ یہ تو ایک بہت بڑا جھوٹ ہے۔ (تفسیر صغیر)

ہمارے لئے جائز نہیں کہ اس میں کلام کریں کیونکہ خدا پاک ہے۔ لہٰذا اس کا رسول بھی پاک ہے اور جب رسول پاک ہے تو اَلطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ اور اَلطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ کے اصول کے مطابق اس کے ازواج بھی پاک ہیں اور اگر وہ ناپاک ہیں تو نعوذ باللہ منہ خدا پر بھی یہ اتہام ہے۔ لہٰذا یقیناً یہ کھلا کھلا اور عظیم الشان بہتان اور افترا ہے۔ تو جب طیب اور خبیث کے قاعدہ سے اس افترا کی تحقیق بھی جائز نہ ہوئی تو جب دین اسلام فطرۃ اللہ اور صراط مستقیم اور اٰمِرٌ بِالْمَعْرُوْفِ اور نَاهِيْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ الْفَحْشَآءِ ہے تو پھر متعہ یا لواطت یا کسی اور غیر معتاد طریق سے استمناء اور شہوت رانی کرنی یا حلالہ نکالنے یا تقیہ کی نسبت تحقیق کرنی کب اور کس طرح جائز ہو سکتی ہے۔ کیا خدائے علیم جب ایک شخص کو صدیق فرمائے اور کوئی کہے کہ اس نے فلاں جھوٹ بولا ہے تو ہم کس طرح اس کے جھوٹ کی تحقیق کی جرأت کر سکتے ہیں۔

یہ چند مسائل محض افتراء ہیں اور شہوت پرست اور حیلہ ساز لوگوں نے اسلام پر سیاہ داغ لگانے کے لئے ایجاد کئے ہوئے ہیں۔ اسلام کی طہارت کو جاننے والا ان کو ماننا تو درکنار کبھی ان کی تحقیق کی طرف توجہ بھی نہیں کر سکتا۔ مروجہ حلالہ یقیناً یقیناً محض ناجائز حیلہ اور سخت فحش اور بے حیائی ہے۔ اس کے بعد خداوند کریم نے ان احکام کی پابندی کی تاکید کیلئے فرمایا کہ) یہ اللہ کی حدیں ہیں وہ ان کو ان لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے جو کہ ان کو جانتے ہیں (کہ خدا کی حدیں کس قدر قابل عظمت اور واجب التعظیم ہیں اور ان کی ناقدری اور ان سے گذر جانا کس قدر خطرناک ہے۔

جب تَسْرِيْحٌ کی ایک صورت کا حکم بیان ہو چکا تو اب تسریح کی دوسری صورت کا حکم بیان کرنا ضروری ہوا تو اس لئے اس کے بعد یہ فرمایا کہ) جب تم عورتوں کو طلاق دو اور پھر اپنی مقرر تاریخ کو پہنچ جاویں (اور عدت گذر جاوے) تو ان کو بھلائی اور دستور کے ساتھ روکو (یعنی اگر اصلاح کا ارادہ ہو تو ان سے نکاح ثانی کر لو) یا بھلائی اور دستور کے ساتھ ان کو چھوڑے رکھو (اور نکاح ثانی کی امید کو بھی قطع کر کے ان کو علیحدہ ہی کر دو) اور ضرر رسانی کیلئے ان کو نہ روکو (یعنی اگر اصلاح کا ارادہ نہ ہو بلکہ ضرر دینے کا خیال یا اندیشہ ہو تو پھر نکاح ثانی

نہ کرو اور نہ تم زبردستی ان کو دوسرے کسی کے ساتھ نکاح کرنے یا چلے جانے سے روکو) تاکہ تم ان پر تعدی کرو۔ اور جس نے ایسا کیا تو بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا (کیونکہ اس نے حدود اللہ کی ہتک کی اور آیات اللہ کی تحقیر کی اور ضعیف اور قابل رحم مخلوق خدا پر ظلم کیا جس کی وجہ سے اس کی جان پر عذاب آئے گا۔ لہٰذا فرمایا کہ) اللہ کی آیتوں کی تحقیر نہ کرو۔ اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو (یعنی اس کی قدر کرو) جو کہ اس نے تم پر اتاری ہے (یعنی پہلے رسوم جاہلیت سے کس قدر نقصان اور ضرر تھے چنانچہ طلاق اور رجوع ہی کی کوئی حد نہیں۔ طلاق کر کے جب چاہتے رجوع کر لیتے پھر طلاق دے دیتے پھر رجوع کر لیتے اور یہ سلسلہ جاری رکھتے اور نہ آباد کرتے اور نہ آزاد اور اس میں تمہاری لڑکیوں اور بہنوں کو اور ان کی وجہ سے تم کو کس قدر دکھ پہنچتا تھا۔ پس جب خدا نے تم کو ان مصائب سے بچایا ہے تو تم اس کی قدر کرو) اور جو کچھ کتاب اور حکمت سے اللہ نے نازل فرمایا ہے اس کے ساتھ اللہ تم کو وعظ اور نصیحت کرتا ہے۔

(اور مفسرین نے یہ معنے بھی کئے ہیں کہ اس نعمت کو بھی یاد کرو جو کہ تم پر اتری ہے اور اس کتاب اور حکمت کو بھی یاد کرو جو کہ اللہ نے تم کو وعظ کرتے ہوئے تم پر نازل کی ہے۔ پر مطلب ایک ہی ہے اور اللہ سے ڈرو اور ڈرتے رہو اور یقیناً جان لو اور جان رکھو کہ وہ اللہ ہر ایک چاہے ہوئے امر پر قادر ہے (یعنی اگر تم اس کی آیتوں کی تعظیم اور اس کی حدوں کی نگاہ داشت اور اس کے احکام کی تعمیل اور اس کی بتائی ہوئی حکمتوں کی پیروی نہ کرو گے تو پھر ان کی خلاف ورزی کے جو بد نتائج ہیں یا ان کے توڑنے کی جو سزائیں ہیں۔ وہ اگر خدا تعالیٰ وارد کرنا چاہے گا تو وہ ضرور ایسا کر لے گا اور تم کسی طرح سے اس سے بچ نہ سکو گے۔

آیت 233 تا 236: وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ۔

تشریح الفاظ:

تَعْضُلُوْا۔ عَضْلٌ سے ہے، جس کے اصلی معنے قید اور تنگ کرنے کے ہیں اور عام طور پر روکنے کے معنوں میں آتا ہے۔

اَزْکٰی۔ زکوٰۃ سے ہے بمعنے پاکیزہ اور بابرکت ہونے کے۔

یَرْضَعْنَ۔ اِرْضَاعٌ سے ہے۔ لڑکپن میں بچہ کو دودھ پلانا۔

حَوْلَیْنِ۔ حَوْلٌ کا تثنیہ ہے سال۔

کِسْوَۃٌ۔ کپڑے اور لباس۔ وُسْعٌ۔ طاقت اور قدرت۔

تُضَارُ۔ مُضَارَّۃٌ سے ہے، آپس میں ایک دوسرے کو ضرر دینا یا کسی کو بہت ضرر دینا۔

فِصَالٌ۔ جدائی اور دودھ چھڑانا۔

تَشَاوُرٌ۔ مشورہ اور یہ لفظ شَوْرٌ سے ہے، جس کے اصلی معنے شہد کے چھتّہ کے توڑنے کے ہیں۔

تَسْتَرْضِعُوْا۔ اِسْتِرْضَاعٌ سے ہے۔ بچہ کو دودھ پلانا چاہنا۔

سَلَّمْتُمْ۔ تَسْلِیْمٌ سے ہے۔ حوالہ اور سپرد کرنا۔

یُتَوَفَّوْنَ۔ تَوَفِّیٌ سے ہے جس کے معنے قبض کے ہیں اور جب کسی جاندار کی توفی ہوتی ہے تو اس کے معنے سب کتابوں اور قرآن مجید اور احادیث بلکہ سب زبان عرب میں بجز قبض روح کے اور نہیں ہوتے اور نہ کسی نے کسی جاندار کیلئے اور معنے لئے ہیں۔ اِلاّ جو لوگ حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کا خیال رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے خیال کے باعث خاص حضرت عیسیٰؑ کیلئے جہاں کہیں قرآن مجید میں توفی آئی ہے اس کے اور اور معنے کئے ہیں۔ پر وہ یقیناً غلط ہیں اور خود ساختہ ہیں۔ کیونکہ نہ وہ زبان کے مطابق ہیں اور نہ خدا اور رسولؐ خدا کے بتائے ہوئے ہیں۔

یَذَرُوْنَ۔ وَذْرٌ سے ہے، چھوڑنا۔ اس کی ماضی بہت کم آئی ہے اور اسم فاعل اور اسم مفعول نہیں آئے اور مضارع اور امر مستعمل ہیں۔

عَرَّضْتُمْ۔ تَعْرِیْضٌ سے ہے۔ جس کے اصل معنے تو پیش اور برطرف کرنے کے

ہیں اور ایسے اشارہ و کنایہ سے بات کرنے کو کہتے ہیں کہ ایک بات صاف ذکر کی جائے پر اصل مقصود کوئی دوسری بات ہو جو کہ ذکر تو نہیں ہوئی پر مذکور بات سے اس کی طرف ذہن چلا جاتا ہے۔

خِطْبَةٌ۔ منگنی اور وہ کلام کہ جس کے ساتھ رشتہ مانگا جاتا ہے اور خُطْبَةٌ۔ وعظ۔

اَكْنَنْتُمْ۔ اِكْنَانٌ سے ہے، پوشیدہ کرنا۔

تُوَاعِدُوْا۔ مُوَاعَدَةٌ سے ہے، ایک دوسرے سے وعدہ کرنا۔

سِرٌّ۔ پوشیدہ۔ لَا تَعْزِمُوْا۔ عزم سے ہے، پختہ قصد اور ارادہ۔

عُقْدَةٌ۔ گرہ اور عقد۔

كِتَابٌ۔ لکھی ہوئی چیز اور مقرر کی ہوئی بات۔

اَجَلٌ۔ تاریخ۔ حَذَرٌ۔ ڈرنا اور بچنا۔

ترجمہ:

اور جب تم عورتوں کو طلاق دو پھر وہ اپنی تاریخ مقرر تک پہنچ جائیں تو ان کو اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جبکہ دستور کے مطابق آپس میں راضی ہو جاویں۔ یہ وہ ہے کہ جس کے ساتھ تم میں سے ان کو وعظ کیا جاتا ہے جو کہ اللہ اور پیچھے آنے والے دن پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ تمہارے لئے بہت بابرکت اور بہت پاک کرنے والا ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اور مائیں اپنی اولاد کو کامل دو سال دودھ پلائیں اس کے لئے جو کہ دودھ پلانے کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ اور جس کے لئے وہ بچہ جنا گیا ہے۔ اس پر دستور کے مطابق ان کا کھانا اور پہنانا ہے۔ کسی جی کو تکلیف نہیں دی جاتی پر اس کی طاقت کے مطابق۔ نہ تو والدہ اپنے بچے کے باعث ضرر دی جائے اور نہ وہ شخص اپنے بچہ کے ذریعہ (ضرر دیا جائے) کہ جس کے لئے بچہ جنا گیا ہے اور (اس کے) وارث پر بھی اس کی مانند ہے۔ سو اگر وہ دونوں اپنی رضامندی اور مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور اگر تم اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں جب وہ حوالہ کر دو جو کہ دستور کے مطابق تم نے دیا تھا۔ اور اللہ سے ڈرو اور یقیناً جان رکھو کہ اللہ ان کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے جو کہ تم کرتے ہو۔

اور تم میں سے جن کی روحیں قبض کی جاتی ہیں اور وہ بیبیاں چھوڑتے ہیں۔ وہ بیبیاں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس (دن) ٹھہرا رکھتی ہیں۔ سو جب وہ اپنی مقرر تاریخ کو پہنچ جائیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو کہ دستور کے مطابق انہوں نے اپنے آپ کے بارہ میں کیا ہے۔ اور اللہ ان کاموں کی پوری خبر رکھنے والا ہے جو کہ تم کرتے ہو۔ اور تم پر عورتوں کی اس منگنی میں کوئی گناہ نہیں کہ جس کی طرف تم نے اشارہ کیا ہے یا اپنے جی میں پوشیدہ رکھا ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ تم ان کو ذکر کرو گے۔ و لیکن تم ان سے پوشیدہ طور پر معاہدہ نہ کرو مگر یہ کہ دستور کے مطابق بات کہو۔ اور عقد نکاح کا پختہ قصد نہ کرو یہاں تک کہ مقرر شدہ (وقت) اپنی تاریخ کو پہنچ جائے۔ اور یقیناً جان رکھو کہ بے شک اللہ ان باتوں کو جانتا ہے جو کہ تمہارے جی میں ہیں سو بچو اس سے اور خوب جان رکھو کہ بے شک اللہ بہت بخشنے والا اور بہت تحمل کرنے والا ہے۔

تفسیر:

جب تسریح کی دونوں قسموں کے حکم بیان ہو چکے تو اب یہ بتایا جاتا ہے کہ کبھی تسریح کے بعد بعض لوگوں کی غیرت ان کو اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ وہ ان کو اور خاوندوں سے روکیں تو کیا ایسا وہ کر سکتے ہیں اور یہ ان کے لئے جائز ہے؟ اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ طلاق کرنے والے خاوند پھر ان کو نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ پر ان کی طلاق سے عورت کے والی چونکہ ناراض ہو چکے ہوتے ہیں اس لئے وہ ان عورتوں کو ان پہلے خاوندوں سے روکتے ہیں تو کیا ان کا روکنا جائز ہے؟

تو فرمایا کہ) جب تم عورتوں کو طلاق دو پھر وہ اپنی (عدت) کی تاریخ کو پہنچ جائیں تو ان کو اپنے خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو جب کہ وہ دستور کے مطابق آپس میں راضی ہو جائیں۔ (مفسرین نے اس آیت کے مختلف طور پر معنے کئے ہیں ایک تو یہی ہیں جو بیان ہو گئے۔ اور ان معنوں میں خاوند ہی مخاطب ہوئے اور وہی طلاق کرنے والے ہوئے اور وہی روکنے والے ہوئے اور انہی کو حکم ہوا کہ مت روکو اور اَزْوَاجُهُنَّ سے وہ مرد مراد ہوئے جن سے طلاق ہونے کے بعد اب نکاح کرنا چاہتی ہیں۔ اور وہ اگرچہ ابھی حقیقۃً خاوند

نہیں ہوئے لیکن چونکہ فریقین نکاح پر راضی ہو گئے ہیں۔ اس لئے ان کو ابھی سے خاوند کہا گیا تا کہ یہ ظاہر کیا جائے کہ اب ان کے خاوند ہونے میں بجز تمہاری روک کے اور کوئی روک نہیں اور یہ کہ اس حالت میں تمہارا روکنا گویا بی بی کو خاوند کی صحبت سے روکنا ہے۔ اور دوسرے معنے یہ کئے ہیں کہ مخاطب عورت کے والی ہیں اور ان کے طلاق کرنے سے ان کا طلاق کرانا مراد ہے اور ازواج سے وہی پہلے خاوند مراد ہیں کہ جنہوں نے ان کو طلاق دی تھی اور عدت میں رجوع نہ کیا تھا اور عدت گذرنے کے بعد اب وہ دونوں دوبارہ نکاح کر لینے پر راضی ہو گئے ہیں اور اس سے روکنے والے والی ہیں تو خداوند کریم نے ان والیوں کو منع کیا ہے کہ تم ان کو اپنے پہلے خاوندوں سے نکاح ثانی کرنے سے نہ روکو۔

آیت کا سبب نزول:

یہ معنے اس سبب نزول کے مطابق ہیں جو کہ بخاری وغیرہ میں معقل بن یسار سے مروی ہے وہ کہتا ہے کہ میری ایک ہمشیرہ تھی اور میں نے اپنے چچے زاد بھائی سے اس کی شادی کر دی تھی۔ تو کچھ مدت کے بعد اس نے اس کو طلاق کر دیا اور عدت میں رجوع نہ کیا اور عدت کے بعد دونوں کی مرضی نکاح ثانی کی ہو گئی تو وہ منگنی کے لئے میرے پاس آیا تو میں نے اس کو کہا کہ میں نے تو تم کو نکاح کر دی تھی تو تم نے خود ہی اس کو طلاق دے دی اور پھر اب مانگتا ہے واللہ کہ اب وہ تیرے پاس ہر گز واپس نہ ہو گی اور اس میں کوئی قصور بھی نہ تھا اور وہ دونوں ایک دوسرے کو چاہتے بھی تھے۔ تو اللہ نے ان دونوں کی حاجت کو دیکھ کر یہ آیت نازل فرمائی۔

(صحیح البخاری کتاب النکاح باب من قال لا نکاح الا بولی حدیث 5130)

لیکن جیسا کہ میں نے بار بار بتایا ہے کہ ایسے مقامات میں دونوں معنے مراد ہوتے ہیں جب تک کہ کسی ایک کو معین کرنے والا قرینہ نہ ہو۔ اور یہاں پر بھی ایسا ہی ہے لہٰذا یہ دونوں یہاں پر مراد ہیں۔ اور یوں کہنا چاہیے کہ مخاطب تو مطلق مومن ہیں اور ان میں سے طلاق کرنے والے پہلے خاوند ہیں اور روکنے والے ان میں سے پہلے خاوند اور والی ہیں اور اَزْوَاجُهُنَّ سے مطلق خاوند مراد ہیں خواہ پہلے کبھی ہوئے ہوں یا آئندہ ہونے والے ہوں۔

کیونکہ فی الحال تو ان کے کوئی خاوند ہیں ہی نہیں۔ اور عام مومنوں کا مخاطب ہونا اس بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس کی ترغیب اور تاکید کے لئے فرمایا کہ) یہ وہ امر ہے کہ اس کے ساتھ وہی نصیحت کیے جاتے ہیں جو کہ تم میں سے اللہ اور آخری دن پر ایمان لاتے ہیں۔ اور یہ (یعنی نصیحت پکڑنا) تمہارے لئے بہت نافع اور بابرکت اور بہت پاک کرنے والا یا بہت پاک ہے۔ (یعنی یہ نصیحت ایسی ہے کہ مومن ہی اس کو قبول کرتے ہیں اور اس کے قبول کرنے سے ان کو بہت فائدہ پہنچے گا اور ان کی پاکیزگی کا موجب ہو گا۔ ہاں اگر ابتداء میں تم کو اس کے بابرکت اور باعث تطہیر ہونے کا علم نہ ہو تو اس سے تعمیل سے نہ رکو۔ کیونکہ اللہ نے تم کو اس کی خبر دی ہے) اور اللہ خوب جانتا ہے (اس کو اور باقی سب مخفی اور آئندہ کے امور کو) اور تم نہیں جانتے۔

رضاعت کا بیان:

چونکہ نکاح اور طلاق کا ذکر ہوا ہے تو اس کی مناسبت سے بعد میں رضاع کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔ نیز چونکہ نکاح اور طلاق میں لوگ عورتوں پر بعض جبر اور زبردستیاں کرتے اور ان کو ضرر دیتے تھے تو جب خداوند کریم نے ان سے منع کیا تو اس کے بعد اس جبر اور زبردستی اور ضرر رسانی سے منع کرنا چاہتا ہے۔ جو کہ دودھ پلانے کے متعلق واقع ہوتی ہیں۔ نیز جس طرح طلاق میں عدت کا ذکر ہوا ہے اور رضاع میں بھی ایک وقت مقرر تھا تو اس وجہ سے بعد میں رضاع کا ذکر کیا ہے۔ یہ تو اس صورت میں ہے کہ دودھ پلانے والی والدات سے خاص طلاق شدہ والدات ہی مراد نہ لی جاویں بلکہ عام والدات مراد لی جاویں۔

پر اگر خاص طلاق شدہ ہی لی جاویں جیسا کہ مجاہد اور ابن جبیر اور زید بن اسلم سے مروی ہے پھر تو اس کے بعد میں ذکر کرنے سے یہ بتایا ہے کہ عورتوں کی تسریح کے بعد جس طرح وہ ان کو روک نہیں سکتے۔ کیا بچوں کو دودھ بھی ان سے نہیں پلوا سکتے۔ تو فرمایا کہ یہ کوئی نیا امر اور نیا حکم تو نہیں بلکہ تم جانتے ہو کہ) مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلایا کرتی ہیں (لیکن پورے دو سال ان کا پلانا) اسی کے لئے ہوتا ہے، جو کہ رضاعہ کو پورا کرنا چاہتا ہے (پر جو پورا نہیں کرانا چاہتے تو ان کے لئے کم بھی پلاتی ہیں۔ (تو کیا اس کے عوض

میں ان مردوں پر بھی کچھ ہوتا ہے کہ جن کے لئے وہ بچہ جنا گیا ہے۔ تو فرمایا کہ) جن کے لئے وہ بچہ جنا گیا ہے۔ ان پر دستور کے مطابق ان کی خوراک اور پوشاک ہے۔

(اگر وہ ان کے نکاح میں ہوں تب تو اس حق سے ان کی خوراک اور پوشاک ان پر ہوتی ہے اور اگر وہ مطلقہ ہوں اور عدت منقضی ہو چکی ہو تو تب اجرتِ رضاعہ کی وجہ سے ان کو خوراک اور پوشاک دی جاتی ہے۔ اور دستور کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس لئے رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور اس کی طرف سے) کسی جی کو کوئی تکلیف نہیں دی جاتی۔ مگر اس کی طاقت اور قدرت کے مطابق (اس لئے خداوند کریم نے بھی اس کو ویسا ہی رکھا ہے۔ جیسا کہ دستور کے مطابق ہے۔ ہاں بعض لوگ اس کے خلاف کر کے عورتوں کو تکلیف دیتے ہیں اور بعض عورتیں اس کے خلاف کر کے ان مردوں کو دکھ دیتی ہیں کہ جن کے لئے وہ بچے جنے گئے ہیں تو اس لئے حکم دیا کہ) کسی ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے ضرر نہ دیا جائے اور اس کو ضرر دیا جائے کہ جس کے لئے بچہ جنا گیا ہے۔ (اور چونکہ بعض وقت مولود لہٗ فوت ہو جاتا ہے تو پھر رضاعۃ کی اجرت کون دے۔ تو اس کے لئے فرمایا کہ بچہ کے) وارث پر بھی اسی کی مانند ہے۔ (علماء میں اختلاف ہے اکثروں نے تو بچہ کا وارث لیا ہے۔ پھر ان میں سے بعض نے بچہ کے وارث سے اس کا ذی رحم محرم لیا ہے اور بعض نے عصبات لیے ہیں یعنی چاچے وغیرہ اور بعض نے وارث سے باپ کا وارث لیا ہے اور وہ خود یہ بچہ بھی ہے جبکہ اس کے لیے مال ہو۔ اور بعض نے وارث بمعنے باقی لے کر یہ معنے کیے ہیں کہ والدین سے جو باقی رہ جائے۔ لیکن جو پہلے معنے ہیں الفاظ قرآنیہ سے بھی وہی نکلتے ہیں۔ اور وہی حضرت عمرؓ، ابن عباسؓ اور قتادہ، مجاہد، عطاء، ابراہیم، شعبی، عبد اللہ بن عتبہ وغیرہ سے مروی ہیں۔ پیچھے یہ تو بیان فرما دیا تھا کہ رضاعہ کو پورا کرنا جو چاہتا ہو تو اس کے لئے پورے دو سال دودھ پلانا چاہیے۔ جس سے یہ بھی سمجھا جاتا تھا کہ جو پورا کرنا نہ چاہے اس کے لئے کم مدت ہو گی۔ لیکن کیا رضاعہ کا پورا کرنا ضروری نہیں؟ اور انسان کو اختیار ہے کہ پورا نہ کرے یا کہ پورا کرنا ضروری ہے۔ تو فرمایا کہ) اگر وہ دونوں اپنی مرضی اور مشورہ سے دودھ چھوڑانا چاہیں (اور پورا نہ کریں) تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔

رہا دو سال سے زیادہ تو چونکہ خداوند تعالیٰ نے رضاع کے تمام اور کامل ہونے کی حد دو سال رکھی ہے۔ اس لئے اس سے زائد ہر گز رضاعہ نہیں ہے۔ اور اس زمانہ میں لوگ عموماً اس کی پروا نہیں کرتے اور بعضوں نے از خود اڑھائی سال رضاعہ کی مدت بنا رکھی ہے۔ یہ سب قرآن مجید کے خلاف ہے۔ رہا یہ کہ اگر رضا اور مشورہ سے دودھ چھوڑانے پر اتفاق نہ ہو۔ تو پھر اگر رضاعۃ کے پورا کرنے پر اتفاق ہو تو وہ بیان ہو ہی چکا ہے کہ دو سال تک پورا کریں۔ لیکن اگر اس پر بھی ویسا ہی اتفاق نہ ہو جیسا کہ دودھ چھوڑانے پر نہ تھا تو اس اختلاف کی صورت میں۔ نیز اس صورت میں کہ دونوں دودھ پلانا چاہتے ہیں۔ پر والدہ سے پلوانا نہیں چاہتے تو کیا اس میں وہ کسی اور عورت کو اجرت دے کر دودھ پلوا سکتے ہیں تو فرمایا کہ) اگر تم چاہو کہ اپنی اولاد کو دودھ پلواؤ (تو جس طرح والدہ سے پلوا سکتے ہو اسی طرح اس میں بھی) تم پر کوئی گناہ نہیں کہ (اوروں سے) دودھ پلواؤ بشرطیکہ تم وہ ان کے سپرد کر دو جو کہ دستور کے مطابق تم نے ان کو دیا ہے۔ اور اللہ سے ڈرو (اس کے احکام کی خلاف ورزی میں) اور یقیناً جان رکھو کہ بے شک اللہ ان کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے جو کہ تم کرتے ہو۔

عدّت کا بیان:

جب طلاق اور رضاعہ کی عدت مذکور ہو چکی تو اب اس اہم اور ضروری امر کی عدت بیان ہوتی ہے جو کہ جہادوں اور لمبے اور خطرناک سفروں میں کثیر الوقوع ہوتا ہے۔ اور وہ موت ہے تو فرمایا کہ) تم میں سے جن کی روحیں قبض کی جاتی ہیں اور وہ بیبیاں چھوڑ دیتے ہیں تو ان کی بیبیاں اپنے آپ کو چار ماہ اور دس (دن) ٹھہرا رکھتی ہیں (یعنی یہ طریق اچھا ہے اور ضرور کرنا چاہیے۔ پر غلطی یہ ہے کہ جب ان کی یہ میعاد گذر جاتی ہے اور پھر دستور کے مطابق وہ جو کچھ اپنے بارہ میں کرتی ہیں تو تم ان کو اس سے اس طرح روکتے ہو کہ گویا انہوں نے کوئی بڑا گناہ کیا ہے اور وہ گناہ تم پر ہے تو ایسا نہ کرنا چاہیے۔ لہٰذا فرمایا) سو جب وہ اپنے مقرر وقت کو پہنچ جاویں تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں جو کہ انہوں نے اپنے بارہ میں دستور کے مطابق کیا ہے (اور چونکہ انہوں نے جو کچھ کیا ہے دستور اور

معروف کے موافق کیا ہے۔ لہٰذا ان پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ اور چونکہ یہ روکنا علاوہ بہت مضر اور ظلم ناحق ہونے کے کہ جس کی عند اللہ سخت سزا ہے نہایت برے تکبر اور بدترین رسوم وغیرہ پر مبنی ہوتا ہے۔ لہٰذا اس سے روکنے کے لئے فرمایا کہ) اللہ ان کاموں سے خبردار ہے جو کہ تم کرتے ہو۔ اور چونکہ اس عدت وفات میں علاوہ اور اغراض کے ایک بڑا مقصد یہ ہے کہ جب کسی کا کوئی مر جاتا ہے تو یہ طبعی بات ہے کہ اس کی موت کے متصل ہی اس کی بی بی اور خاوند کر لیتی ہے یا دوسرے دن ہی خاوند کی کھلی کھلی تلاش یا بناؤ سنگار شروع کرتی ہے تو یہ امر ان لوگوں پر بہت ناگوار گذرتا ہے اور وہ عورت سب کی نظروں میں بہت بے وفا، شہوت پرست بلکہ بہت ہی بری ہو جاتی ہے اور جو شخص اس سے عقد کرتا یا کھلے طور پر اس کے عقد کی کوشش کرتا ہے اکثر اوقات تو اس عورت کو بھی اس کی یہ حرکت بہت ناگوار گذرتی ہے۔ لیکن اس کو اگر نہ بھی ناگوار گذرے پر اس کے پہلے خاوند کے وارثوں کو تو اس کی یہ حرکت سخت ہی ناگوار گذرتی ہے بلکہ اس سے سخت کینہ اور دشمنی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

پس اسی وجہ خداوند کریم نے جس طرح اس کے لئے عدت مقرر فرما کر نکاح سے ضمناً روک دیا ہے اسی طرح اس کے بعد یہ فرما کر کہ) تم پر اس منگنی میں کوئی گناہ نہیں کہ جس کی طرف تم تعریص کرو (یعنی الفاظ میں کوئی اور بات ذکر کرو کہ جس سے منگنی کی طرف ذہن جاسکتا ہو۔ مثلاً یہ کہہ دے کہ میرا گھر آباد نہیں اور میں چاہتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ اس کو کسی نیک اور شریف عورت سے آباد کر دے یا اپنی اور اپنی خانہ داری کی تعریف کر دے) یا تم اپنے دلوں میں (ان کے نکاح کے ارادہ کو) پوشیدہ رکھو۔ (اور اس قدر بھی تمہاری آسانی کے لئے اجازت دی گئی ہے کیونکہ) اللہ جانتا ہے کہ تم ان کا ذکر کرو گے (لیکن اس سے یہ نہ خیال کر لینا کہ کھلے طور پر منگنی کرنی تو اس وجہ سے منع ہے کہ رشتہ دار نہ ناراض ہوں۔ پر عورت سے پوشیدہ عہد وپیمان کر لینے میں تو کوئی خطرہ نہیں۔ تو اس کے ردّ کرنے کے لئے فرمایا کہ) ولیکن ان سے پوشیدہ معاہدہ نہ کرنا مگر یہ کہ تم پہچانی ہوئی کوئی بات (یعنی تعریص کے طور پر) کہو۔

(لیکن چونکہ عدت میں نکاح سخت ممنوع تھا اور نکاح کے پختہ عزم کر لینے کے بعد اس سے اور تصریح اور پوشیدہ عہد و پیمان سے بچنا بہت دشوار تھا تو اس وجہ سے فرمایا کہ ایام عدت میں نکاح کر لینا تو در کنار بلکہ) تم عقد نکاح کا پختہ ارادہ (تک بھی) نہ کرو یہاں تک کہ مقرر میعاد اپنے مقرر وقت کو پہنچ جائے (اور عزم تو دل میں ہوتا ہے جس کو کوئی نہیں جانتا اور اس نہ جاننے کی وجہ سے انسان اس پر جرأت کر بیٹھتا ہے۔ پر) تم یقیناً جان رکھو کہ اللہ ان سب امور کو جانتا ہے جو کہ تمہارے دلوں میں ہوتے ہیں۔ لہٰذا (عزم کی نسبت بھی) اس سے ڈرنا چاہیے (اور اگر تم سے کوئی ایسی غلطی ہو جائے تو اس کا علاج یہ ہے کہ تم اس سے بخشش مانگو) اور خوب جان رکھو کہ وہ بخشنے والا ہے (اور باوجود استغفار نہ کرنے کے اگر تمہاری بعض بدیوں کی نسبت عذاب میں تاخیر ہو تو اس سے یہ خیال نہ کر لینا کہ کوئی عذاب نہیں بلکہ ضرور ہو گا ہاں اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ وہ اَلْغَفُوْرُ ہے اس لئے وہ ابتداءً کچھ درگذر بھی کرتا ہے۔ چنانچہ اس نے بتایا ہوا ہے کہ یَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ (المائدۃ:16) نیز وہ) بہت تحمل کرنے والا ہے (اور حلیم کا قاعدہ ہے کہ جس طرح وہ ایک حد تک درگذر کرتا ہے اسی طرح جب وہ پکڑتا ہے تو پھر بہت سخت پکڑتا ہے۔

آیت 237 تا 243: لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً وَّمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ۔ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ۔ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ۔ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۔ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔

تشریح الفاظ:

مَسٌّ۔ چھونا اور عورتوں کے چھونے سے جماع مراد ہوا کرتا ہے۔

اَوْ۔ اکثر تو بمعنے یا ہوتا ہے اور کبھی بمعنے حَتّٰی اور کبھی بمعنے اِلٰی وَاِلَّا۔ یعنی یہاں تک اور مگر کے آتا ہے۔

فَرَضْتُمْ۔ فَرْضٌ سے ہے مقرر کرنا اور فَرِیْضَةٌ۔ مقرر کی ہوئی چیز۔

یَعْفُوْنَ اور یَعْفُوْ۔ عَفْوٌ سے ہے جس کے معنے معاف کرنے، مٹانے اور بے تکلف اور زائد دینے کے ہیں۔

لَا تَنْسَوْا۔ نِسْیَانٌ سے ہے۔

وُسْطٰی۔ وَسْطٌ سے ہے جو بمعنے درمیان ہے، درمیانی چیز۔

قٰنِتِیْنَ۔ قَانِتٌ کی جمع ہے اور وہ قُنُوْتٌ سے ہے جس کے معنے اطاعت، اتمام اطاعت کھڑے ہو کر ذکر کرنے اور چپ رہنے کے ہیں اور امام بخاری نے یہی اخیری معنے لئے ہیں اور احادیث سے ان کی زیادہ تائید ہوتی ہے۔

رِجَالًا۔ رَاجِلٌ کی جمع ہے، جس کے معنے پاپیادہ کے ہیں۔

رُکْبَان۔ رَاکِبٌ کی جمع ہے بمعنے سوار۔

یَذَرُوْنَ۔ چھوڑتے ہیں۔ اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

وَصِیَّۃً۔ مرنے کے بعد کے لئے وصیت یا تاکیدی حکم۔

مَتَاعٌ۔ کبھی بمعنے اسباب آتا ہے اور کبھی بمعنے متمتع اور نفع مند کرنے اور ہونے کے۔

ترجمہ:

تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو (اس حالت میں) طلاق دو کہ تم نے ان کو چھوا نہیں یہاں تک (یا مگر یہ) کہ تم ان کے لئے کچھ معین مقرر کرو اور ان کو فائدہ پہنچاؤ۔ وسعت والے پر اس کے انداز کے مطابق ہے اور تنگ دست پر اس کے انداز کے موافق ہے۔ دستور کے مطابق فائدہ پہنچانا۔ احسان کرنے والوں پر لازم کیا گیا ہے۔ اور اگر تم ان کو چھونے سے پہلے طلاق دے دو اور تم نے ان کے لئے کچھ معین مقرر کیا ہوا ہے۔ تو اس کا نصف (دینا ہے) جو کہ تم نے مقرر کیا تھا۔ مگر یہ کہ وہ خود معاف کر دیں (یا بے مشقت دے دیں) یا وہ شخص معاف کر دے (یا بے تکلیف اور زائد دے دے) کہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے۔ اور تمہارا معاف کرنا (یا زائد دینا) تقویٰ کے لئے زیادہ قریب ہے۔

اور تم آپس کے احسان کو نہ بھولو (یا نہ چھوڑو) بے شک اللہ ان کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے جو کہ تم کرتے ہو۔ تم اپنی سب نمازوں اور درمیانی نماز پر حفاظت کرتے رہو۔ اور اللہ کے

لئے چپ ہو کر (یا فرمانبردار ہو کر یا اس کو یاد کرتے ہوئے) کھڑے ہوا کرو۔ سو اگر تم ڈرو تو پا پیادہ یا سوار ہو کر۔ سو جب بے خوف ہو جاؤ تو اللہ کو ایسا یاد کرو، جیسا کہ اس نے تم کو وہ کچھ سکھایا ہے جو کہ تم نہ جانتے تھے۔ اور تم میں سے جن کی روحیں قبض کی جاتی ہیں اور وہ بیبیاں چھوڑتے ہیں ان کی بیبیوں کے لئے تاکیدی حکم (کو یاد رکھو۔ یا وہ اپنی بیبیوں کے لئے وصیت کریں اعنی) سال تک نفع مند کرنا سوائے نکالنے کے۔ سو اگر وہ نکلیں تو تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو کہ انہوں نے دستور سے اپنے بارہ میں کیا ہے۔ اور اللہ بڑا غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔ اور طلاق شدہ عورتوں کے لئے دستور کے مطابق نفع رسانی ہے۔ متقیوں پر لازم کیا گیا ہے۔ اللہ اسی طرح تمہارے لئے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو (یا رکو)۔

تفسیر:

جب طلاق شدہ اور بیوہ شدہ عورتوں کی عدت اور ایام عدت میں نکاح اور اس کی عزم اور اس کی تصریح اور وعدہ کے احکام بیان ہو چکے، تو اب اس کا بیان بھی ضروری ہوا کہ پھر وہ ایام عدت میں کہاں رہیں اور کہاں سے کھائیں اور پہنیں اور یہ کہ ان کا مہر اگر باقی ہو تو کیا طلاق کے بعد بھی وہ واجب الاداء رہے گا یا نہ۔ لیکن چونکہ بعض ایسی صورتیں بھی تھیں کہ جن میں گذشتہ بیان کے مطابق بظاہر طلاق ممنوع معلوم ہوتی تھی اور حقیقت میں جائز تھی اور گذشتہ بیان سے سب مطلقات کیلئے عدت ثابت ہوتی تھی اور ان میں باوجود طلاق کے عدت نہ تھی۔ اور آئندہ بیان ہو گا کہ مہر دینا چاہیے اور ان میں مہر نہیں دینا پڑتا تو اس وجہ سے ایسی صورتوں کو پہلے بیان کے بعد متصل اور آئندہ بیان سے پہلے بیان فرمایا تاکہ پہلے سے بمنزلہ مستثنیٰ اور آئندہ کے لئے بمنزلۂ تخصیص ہو جائے پس فرمایا کہ) تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم اس حالت میں عورتوں کو طلاق دے دو کہ ابھی تم نے ان کو چھوا نہیں (یعنی نہ تو ایسی حالت میں طلاق منع ہے اور نہ ایسی طلاق کے بعد نکاح منع ہے۔ جیسی کہ اس کی ممانعت پہلے بیان ہو چکی ہے۔

حق مہر کا بیان:

رہا مہر کا دینا نہ دینا تو اس کی نسبت اس میں اس قدر تو بتا دیا کہ اس کے دینے کا بوجھ تم پر

نہیں۔ پر یہاں تک (یا مگر اس صورت میں) کہ تم ان کے لئے کچھ معین مہر مقرر کر دو (یعنی اس صورت میں خالی مہر کی تکلیف ہو گی۔ جیسا کہ آگے چل کر فرمایا ہے وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ۔ جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اَوْ تَفْرِضُوْا الخ کا اثر خالص مہر کی نسبت ہے اور وہ یہ ہے کہ مقرر کرنے کی صورت میں نصف مہر دینا پڑتا ہے۔ باقی یہ نہیں کہ طلاق منع ہو جائے یا اس کے بعد نکاح منع ہو جائے۔ ہاں بتایا کہ مَس اور مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دینے میں مہر تو نہ ہوا لیکن) تم ان کو نفع ضرور پہنچاؤ۔ اور وسعت والے پر اس کے انداز کے مطابق نفع رسانی ہے اور تنگدست پر اس کی قدر کے مطابق ہے (یعنی کچھ تعیین نہیں حیثیت کے موافق کچھ ان کے ساتھ بھلائی کر دینی چاہیے۔ اور چونکہ ایسے غیر معین امور کو عموماً سرسری حکم خیال کیا جاتا ہے۔ لہٰذا فرمایا کہ) دستور کے مطابق نفع رسانی کو یاد رکھو اور یاد رکھو کہ مخلصوں اور احسان کرنے والوں پر یہ لازم کیا گیا ہے۔

یہ نکتہ عام طور پر یاد رکھنا چاہیے کہ زبان عرب میں اکثر ایسا کیا جاتا ہے کہ جس امر کی طرف زیادہ توجہ دلانی منظور ہوتی ہے تو اس کو بجائے رفع (پیش) دینے کے نصب (زبر) دے کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کرتے ہیں کہ اس کو نصب العین اور مد نظر اور یاد رکھنا چاہیے۔ اور ان آیتوں میں بہت سے احکام پر اسی غرض سے نصب دی ہوئی ہے۔

اور اس کے بعد اَوْ تَفْرِضُوْا الخ والی صورت کا حکم بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ) اگر تم عورتوں کو اس سے پہلے طلاق دے دو کہ تم نے ان کو چھوا ہو اور تم نے ان کے لئے مہر مقرر کیا ہوا ہو تو پھر مہر مقرر کا نصف ہے۔ مگر یہ کہ وہ عورتیں اس قدر دے دیں کہ جس کے دینے میں ان کو مشقت نہ ہو یعنی وہ معاف کر دیں اور سب یا نصف کا کچھ حصہ چھوڑ دیں اور نہ لیں۔ اور یا وہ شخص کچھ بے مشقت دے دے کہ جس کے ہاتھ میں عقدہ نکاح ہے۔ اور الفاظ سے اور احادیث سے یہی ثابت ہے کہ وہ خاوند ہے۔ یعنی یا خاوند زائد دے دے اور اس لفظ کے ساتھ اس کو اس لئے ذکر فرمایا ہے تا کہ اس کو اس زائد دینے کی ترغیب دی جائے اور اس کو بتایا جائے کہ مہر کی کمی بھی تو تمہارے ہی طلاق دینے سے لازم آئی ہے

عورت کا تو اس میں کوئی قصور نہیں۔ پس تم کو چاہیے کہ نصف سے زیادہ یا پورا دے دو اور یہ بھی اسی کی تائید کرتا ہے کہ) تمہارا زیادہ دے دینا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

(اور ابن عباسؓ سے ایک روایت ہے اور حضرت عائشہؓ، طاؤسؒ، مجاہدؒ، عطاءؒ، حسنؒ، علقمہؒ، زہریؒ، امام شافعیؒ نے یہ کہا ہے کہ اَلَّذِیْ بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاح سے عورت کا وہ ولی مراد ہے کہ جس کی اجازت کے سواء نکاح نہیں ہو سکتا اور اس کے عفو سے مراد تو نصف سے چھوڑنا اور معاف کرنا ہے۔ لیکن بعضوں کے نزدیک یہ حق اس کو تب ہے کہ وہ لڑکی چھوٹی ہو اور بعضوں کے نزدیک ہر حالت میں اس کو یہ اختیار حاصل ہے۔ لیکن ٹھیک اول ہی ہے۔ اور ترغیب کے لئے فرمایا کہ) تم آپس میں احسان کو نہ بھولو (اگر پہلے ہو) اور نہ اس کو آئندہ چھوڑو (اس لئے کہ تم خوب جانتے ہو کہ) بے شک اللہ ان کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے۔ جو کہ تم کرتے ہو (اس کے بعد یہ بتانے کے لئے (کہ نہ خدا دنیا کے کاموں سے تم کو منع کرتا ہے اور نہ ہی تم ان سے بچ سکتے ہو۔ بلکہ ایک تو یہ حکم کرتا ہے کہ ان کو شرع اور معروف دستور کے مطابق کرو۔ دوم یہ کہ دنیا کے کاموں میں لگ کر دینی امور کو مت بھول جاؤ بلکہ دنیا کے کاموں میں ہی جب دینی کام کا موقعہ اور وقت آجائے تو ان کو چھوڑ کر دینی کام کر لو اور پھر جب اس سے فارغ ہو جاؤ تو باقی دنیوی کام کو کر لیا کرو) طلاق وغیرہ عورتوں کے حقوق کے بیان کے درمیان نماز کی حفاظت کا حکم فرما دیا کہ) سب نمازوں پر تم حفاظت کرو اور درمیانی نماز پر بھی اور اللہ کے لئے دعا اور یاد الٰہی کرتے ہوئے یا دنیوی باتوں سے خاموش ہو کر یا فرمانبردار بن کر کھڑے ہو جاؤ۔

صلوٰۃ وسطیٰ:

(صلوٰۃ وسطیٰ کے متعلق بڑا وسیع اختلاف ہے کسی نے ظہر کی نماز کو کہا ہے اور کسی نے عصر کو کسی نے صبح کو اور ان پانچ نمازوں کے باہر بھی گئے ہیں۔ پھر کسی کا خیال ہے کہ نماز تہجد ہے کوئی کہتا ہے کہ چاشت کی نماز ہے اور کسی نے نماز جمعہ لی ہے۔ روایات کے لحاظ سے تو اکثروں نے نماز ظہر کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ امام احمد اور ابو داؤد نے زید بن ثابت سے عمدہ صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ صحابہؓ پر سب نمازوں سے ظہر کی نماز زیادہ سخت ہوتی تھی

کیونکہ نبی کریم ﷺ دوپہر کے متصل ہی پڑھا کرتے تھے تو پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 7 صفحہ 237 مسند زید بن ثابتؓ حدیث 21931، عالم الکتب لبنان 1998ء)

(سنن ابو داؤد کتاب الصلاۃ باب فی وقت صلاۃ العصر حدیث 411)

اور آیا ہے کہ حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت ام سلمہؓ نے کاتب کو یوں لکھوایا تھا کہ حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی وَصَلٰوۃُ الْعَصْرِ تو کاتب کہتا ہے کہ میں نے ابی بن کعب کے آگے ذکر کیا تو اس نے کہا کہ یہ بہت ٹھیک ہے کیا ہم ظہر کے وقت اپنے کاموں اور اونٹوں میں سب اوقات سے زیاد مشغول نہ ہوتے تھے۔ لیکن اکثر لوگ صلوٰۃ عصر کی طرف گئے ہیں۔ پر میرے اپنے خیال میں وسطیٰ کے معنے یہاں پر نہ یہ ہیں کہ اور نمازوں کے درمیان والی اور نہ یہ کہ دن یا رات کے درمیان والی تا کہ ہر ایک نماز پر یا ظہر اور صلوٰۃ تہجد پر ہی صادق آتی۔ بلکہ جیسا کہ احادیث مذکورہ سے اور نماز کے ذکر کو طلاق عدت وغیرہما کے درمیان لانے سے صاف صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس کے معنے یہ ہیں کہ جو نماز کہ موانع میں گھر جائے اور روکوں کے درمیان پھنس جائے اس کی بہت ہی حفاظت کرنا۔ اور علاوہ پہلے دو امروں کے اس کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ اس کے بعد فَاءِ لا کر فَاِنْ خِفْتُمْ الخ کے ساتھ صلوٰۃ خوف کا ذکر کیا ہے۔ تو جب وسطیٰ کے یہ معنے ہوئے تو اب اس کو کسی خاص وقت کی نماز کے ساتھ مخصوص کرنا ٹھیک نہیں ہو گا بلکہ جو نماز بھی موانع کے درمیان گھر جائے خواہ وہ کسی وقت کی ہو اس میں داخل ہے اور اسی کی حفاظت کی تاکید کی ضرورت بھی تھی۔

لیکن اس کے بعد وَقُوْمُوْا لِلّٰہِ قٰنِتِیْنَ فرما کر یہ بتایا کہ ایسے موانع سے جس طرح نماز کو ترک نہیں کرنا۔ اسی طرح اس سے دعا اور ذکر الٰہی اور کھڑا ہونا اور آرام اور سکوت کو بھی ترک نہیں کرنا۔ اور اس کے بعد فَاِنْ خِفْتُمْ الخ لا کر بتایا ہے کہ) اگر تم کو (جان و مال) کا خوف ہو (اور وہ موانع خوف کی حد کو پہنچ جائیں) تو پھر پا پیادہ یا سوار ہوتے ہوئے (نماز پڑھ لیا کرو یعنی نماز کو پھر بھی ترک نہ کرو ہاں قیام، آرام، توجہ الی القبلہ اگر مجبورًا چھوڑنے پڑیں تو چھوڑ دو۔

امام شافعی کے نزدیک جب مقام خوف میں چلتے پھرتے ہوئے کے سوا نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو چلتے ہوئے پڑھ لے اور حنفیوں کے نزدیک اس طور پر نماز نہیں ہوتی بلکہ نماز کو موٴخر کر دے اور جب امن ہو تو پڑھ لے لیکن رِجَالًا اَوْ رُکْبَانًا اور اس کے اول قُوْمُوْا کا رکھنا اور بعد میں کَمَا عَلَّمَکُمْ الخ لانا یہ سب اول کے موٴید ہیں۔ لیکن اس سے یہ نہ خیال کر لینا کہ یہ امور ضروری نہیں اور امن کی حالت میں بھی ان کی پروانہ کرو بلکہ) جب تم امن میں ہو جاؤ تو اللہ کو ایسا یاد کرو جیسا کہ اس نے تم کو وہ سکھایا ہے جو کہ تم نہ جانتے تھے۔

(یعنی تمہارا پہلے سے یہ کوئی دستور العمل تو تھا ہی نہیں اور نہ تم اس کو جانتے تھے۔ پس جب خدا نے یہ طریق نماز تم کو سکھایا ہے تو اس کے سکھانے ہی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ طریق لاپروائی کے قابل نہیں کیونکہ خاص خدائے حکیم کا بتایا ہوا ہے۔ اور بعضوں نے اس کے یہ معنے کئے ہیں کہ ایسا یاد کرو جو کہ اس کے بتانے کے احسان کا شکر ہو سکے لیکن اوّل ہی ٹھیک ہے۔ جب نماز کا ضمنی ذکر ہو چکا تو پھر بیوہ عورتوں کے خرچ و خوراک اور رہائش کی نسبت فرمایا کہ) تم سے جو مر جائیں اور بیبیاں چھوڑیں ان کی بیبیوں کے لئے وصیت ہے۔ (یعنی تاکیدی حکم ہے یا جیسا کہ بعض کا خیال ہے کہ خاوندوں پر وصیت کرنی لازم ہے) کہ سال تک ان کی نفع رسانی ہو سوائے نکال دینے کے (اس آیت کریمہ سے صاف صاف ثابت ہوتا ہے کہ بیوہ عورت کو سال تک نان و نفقہ دینے کی اگر ضرورت یا استطاعت نہیں تو اور نفع رسانی ایک سال تک کرنی چاہیے اور اس کو گھر سے بھی نہ نکالنا چاہیے بشرطیکہ وہ عدت کے ختم پر خود نہ نکلے۔ لیکن حنفیوں نے کہا ہے کہ اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا[1] (البقرۃ:235) والی آیت کے ساتھ سال کی میعاد منسوخ ہوئی ہے اور وراثت کی آیت کے ساتھ نان و نفقہ وغیرہ منسوخ ہو گیا۔ اور آیات وراثت ہی سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ میت کا سارا مال اب وارثوں کا ہو گیا ہے اور اس کا مکانوں اور دوسرے مال کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رہا تا کہ مکان اس کو دیا جاتا۔

پس ان کے نزدیک تو متاع اور سال کی مدت اور مکان سے نہ نکالنا سب ہی منسوخ ہیں۔ اور شافعیہ کے نزدیک پہلی دو چیزیں تو منسوخ ہیں۔ البتہ عدت میں مکان سے نہ نکالنا

[1]۔ چار مہینے (اور) دس (دن)۔ (تفسیر صغیر)

منسوخ نہیں۔ لیکن ہم لوگ ایسے نسخوں کے قائل نہیں بلکہ جہاں لوگ نسخ مانتے ہیں ہم اس سے یقین کرتے ہیں کہ کوئی دوسری آیت اس سے ایسی مخالف ہے کہ نسخ کی ضرورت پڑی ہے۔ لہٰذا یہ معنے ہی غلط ہیں۔

وَمَتِّعُوْهُنَّ میں سب مذاہب متاع کے قائل ہیں۔ پر کسی نے اس کے یہ معنے نہیں کئے کہ عورت کو کھانا کھلایا جائے یا مکان میں رکھا جائے بلکہ یہی معنے کرتے ہیں کہ کچھ نیک سلوک کیا جائے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ عدت کے گذرتے ہی ہمیشہ شادی نہیں ہو جایا کرتی۔ اور نہ ہر ایک خاوند کا اس قدر ترکہ ملا کرتا ہے کہ عدت کے بعد نکاح ثانی تک کے کافی گذارہ کے لئے کافی ہو۔

پس یہاں پر نیک سلوک کا حکم ہے اور وہ اب بھی قائم ہے اور حالات کے اختلاف سے وہ مختلف ہوتا ہے۔ لیکن بتایا کہ) اگر وہ خود نکلیں تو پھر تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں جو کہ انہوں نے دستور کے مطابق (عدت گذرنے کے بعد) اپنے آپ کے بارہ میں کیا ہے۔ (پر اگر زور سے ان کو روکو گے تو یاد رکھو کہ) اللہ بہت غالب ہے (اور اس کے احکام بڑی حکمتوں اور مصلحتوں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جن کو تم نہیں جانتے کیونکہ) وہ بڑا حکیم ہے۔ (اور چونکہ پہلے متاع کا ارشاد یا تو بیوہ کے لئے ہوا ہے یا اس کے لئے جس کو چھونے سے پہلے طلاق ہو اور مہر مقرر نہ ہوا ہو۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اوروں کے لئے متاع نہیں تو اس کے رفع کرنے کے لئے فرمایا کہ) سب مطلقات کے لئے دستور کے مطابق نفع رسانی ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ یہ متقیوں پر حق ہے (یعنی نفع رسانی تو سب کی دل جُوئی اور رفع رنجش کے لئے ضروری ہے اور ان دو کی تخصیص نہیں۔ ہاں چونکہ ایک کے لئے خاص متعہ ہی تھا اور دوسری کے لئے سال تک تھا اس لئے ان کے لئے علیحدہ ذکر کیا ہے۔ اور پھر غفلت کے رفع کرنے اور عمل کی ترغیب کے لئے فرمایا جو کہ اصل غرض ہے کہ) اسی طرح اللہ اپنی آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔ اور ان کے خلاف سے رکو۔)

آیت 244 تا 249: اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِیَارِهِمۡ وَهُمۡ اُلُوۡفٌ حَذَرَ الۡمَوۡتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوۡتُوۡا ثُمَّ اَحۡیَاهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَشۡکُرُوۡنَ۔ وَقَاتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ۔ مَنۡ ذَا الَّذِیۡ یُقۡرِضُ اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضۡعَافًا کَثِیۡرَةً وَاللّٰهُ یَقۡبِضُ وَیَبۡصُۜطُ وَاِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ۔ اَلَمۡ تَرَ اِلَی الۡمَلَاِ مِنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مُوۡسٰی اِذۡ قَالُوۡا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابۡعَثۡ لَنَا مَلِکًا نُّقَاتِلۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ قَالَ هَلۡ عَسَیۡتُمۡ اِنۡ کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الۡقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوۡا قَالُوۡا وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَقَدۡ اُخۡرِجۡنَا مِنۡ دِیَارِنَا وَاَبۡنَآئِنَا فَلَمَّا کُتِبَ عَلَیۡهِمُ الۡقِتَالُ تَوَلَّوۡا اِلَّا قَلِیۡلًا مِّنۡهُمۡ وَاللّٰهُ عَلِیۡمٌۢ بِالظّٰلِمِیۡنَ۔ وَقَالَ لَهُمۡ نَبِیُّهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ قَدۡ بَعَثَ لَکُمۡ طَالُوۡتَ مَلِکًا قَالُوۡۤا اَنّٰی یَکُوۡنُ لَهُ الۡمُلۡکُ عَلَیۡنَا وَنَحۡنُ اَحَقُّ بِالۡمُلۡکِ مِنۡهُ وَلَمۡ یُؤۡتَ سَعَةً مِّنَ الۡمَالِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰىهُ عَلَیۡکُمۡ وَزَادَهٗ بَسۡطَةً فِی الۡعِلۡمِ وَالۡجِسۡمِ وَاللّٰهُ یُؤۡتِیۡ مُلۡکَهٗ مَنۡ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ۔ وَقَالَ لَهُمۡ نَبِیُّهُمۡ اِنَّ اٰیَةَ مُلۡکِهٖۤ اَنۡ یَّاۡتِیَکُمُ التَّابُوۡتُ فِیۡهِ سَکِیۡنَةٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَبَقِیَّةٌ مِّمَّا تَرَکَ اٰلُ مُوۡسٰی وَاٰلُ هٰرُوۡنَ تَحۡمِلُهُ الۡمَلٰٓئِکَةُ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ۔

تشریح الفاظ:

دِیَارٌ۔ جمع دَارٍ حویلی، ملک۔

اُلُوْفٌ۔ اَلْفٌ کی جمع، ہزار۔ حَذَرٌ۔ بچاؤ، ڈر۔

ذُوْ۔ والا۔ ذَا۔ یہ، وہ۔

یُقْرِضُ۔ قَرْضٌ سے ہے جس کے اصل معنے کاٹنے کے ہیں چونکہ قرضہ دینے والا بھی اپنے مال کا ایک حصہ کاٹ کر دیتا ہے۔ اس لئے اس کو بھی قرض کہہ دیتے ہیں اور اسی وجہ سے قینچی کو مِقْرَاضٌ کہتے ہیں۔

یُضَاعِفُ۔ مُضَاعَفَۃٌ سے ہے بڑھانا، کئی گنا دینا۔

یَقْبِضُ۔ قَبْضٌ سے ہے، پکڑنا اور بعض نے اس کے معنے تنگ کرنے کے کئے ہیں۔

یَبْسُطُ۔ بَسْطٌ سے ہے، پھیلانا۔

مَلَأٌ۔ سرداروں اور شریفوں کی جماعت کو کہتے ہیں۔

اِبْعَثْ۔ بِعْثَۃٌ سے ہے، اٹھانا، بھیجنا، پھیلانا۔

مَلِکٌ۔ بادشاہ، قابو والا۔

عَسَیْتُمْ۔ عَسٰی کا مخاطب اور جمع ہے۔

تَوَلَّوْا۔ تَوَلّٰی سے ہے، پھرنا۔

طَالُوْتُ۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ عجمی اور عبرانی نام ہے پر صحیح وہی ہے جو دوسروں نے کہا ہے کہ یہ طُوْلٌ سے ہے اور یہ وزن مبالغہ کے لئے ہے جیسا طَاغُوْتُ اور بعض تفسیروں میں آیا ہے کہ یہ اصل میں رَھَبُوْتُ اور رَحَمُوْتُ کی طرح طَوَلُوْتُ تھا اور پھر واو کو الف سے بدل دیا ہے۔ پس اس کے مطابق یہ نام نہیں بلکہ وصف ہے یا وصفی نام ہے یعنی بہت لمبا یا بہت طاقتور۔

اَنّٰی۔ کہاں، کس طرح، کب۔ سَعَۃٌ۔ فراخی۔

اِصْطَفٰی۔ اِصْطِفَآءٌ سے ہے، اختیار کرنا اور چن لینا۔

تَابُوْتٌ۔ اصل میں تَوْبٌ سے ہے جس کے معنے رجوع کے ہیں یعنی بہت رجوع کرنے والا۔ اور یہاں پر عام طور پر اس کے معنے صندوق کے کئے ہیں۔ لیکن وصفی معنے لئے جاویں تب اس کے معنے بہت رجوع کرنے والے دل کے ہیں۔

سَكِيْنَةٌ۔ آرام و تسلی۔ بَقِيَّةٌ۔ باقی ماندہ۔
اٰلٌ۔ اولاد اور خاص متبع۔
تَحْمِلُ۔ حَمْلٌ سے ہے، اٹھانا۔

ترجمہ:

کیا تم نے ان کی طرف نہیں دیکھا (یا خیال کیا) جو کہ اپنی آبادیوں سے موت کے بچاؤ (یا خوف) کیلئے نکلے اور وہ ہزاروں (یا ہلے ملے ہوئے) تھے۔ تو اللہ نے ان کو کہا کہ مر جاؤ پھر (کچھ مدت کے بعد) ان کو اس نے زندہ کیا۔ یقیناً یقیناً اللہ لوگوں پر بڑے ہی احسان والا ہے۔ ولیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ اور اللہ کی راہ میں جنگ کرو۔ اور خوب جان رکھو کہ یقیناً اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

کون ہے وہ جو کہ اچھی طرح سے کاٹ کر اللہ کو دے تو اللہ اس کے لئے اس میں بہت سی زیادتیئیں کر دے۔ اور اللہ خود لیتا (یا تنگ کرتا) اور بڑھاتا ہے۔ اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ کیا تم نے موسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل میں سے رؤسا کی جماعت کو نہیں دیکھا جبکہ انہوں نے اپنے ایک نبی کو کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ قائم کرتا کہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ کریں۔ اس نے کہا اگر تم پر جنگ مقرر کیا جائے تو کیا تم (اس کے) قریب ہو کہ جنگ نہ کرو۔

انہوں نے کہا ہمارے لئے کیا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں حالانکہ ہم یقیناً اپنی بستیوں اور اپنے بچوں سے نکالے گئے ہیں۔ سو جب ان پر لڑنا مقرر کیا گیا تو وہ پھر گئے مگر ان میں سے تھوڑے سے (قائم رہے) اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے اور ان کے نبی نے ان کو کہا کہ یقیناً یقیناً اللہ نے تمہارے لئے بہت لمبے (بہت طاقتور) شخص کو بادشاہ کھڑا کیا ہے۔ وہ بولے کہاں (یا کس طرح یا کب) اس کے لئے ہم پر حکومت ہو گی حالانکہ ہم اس سے حکومت کے زیادہ حقدار ہیں۔ اور نہ اس کو مال سے کوئی فراخی دی گئی ہے۔

اس نے کہا بے شک اللہ نے اس کو تم پر برگزیدہ کر لیا ہے اور اللہ نے علم اور جسم میں اس کی وسعت بڑھائی ہے اور اللہ ہی جس کو چاہتا ہے اپنا ملک (اس کو) دیتا ہے۔ اور اللہ وسعت والا اور خوب جاننے والا ہے۔

اور ان کے نبی نے ان کو کہا کہ اس کی سلطنت کا نشان یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ بہت رجوع کرنے والا دل (یا صندوق) آئے کہ جس میں تمہارے رب کی طرف سے آرام (سکون، تسلی) اور اس میں سے کچھ بقیہ ہو جس کو موسیٰ اور ہارون کے لوگوں نے (پیچھے) چھوڑا ہے۔ فرشتے اس کو اٹھاتے (چلاتے سوار کرتے یا پیچھے سوار کرتے) ہوں۔ بے شک اس میں تمہارے لئے (بڑا) ٹھیک نشان ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔

تفسیر:

پہلے پہلے بتایا تھا کہ فتح مکہ اور کفار کے مقابلہ کا ذکر کرتے ہوئے ان چند ایک ضروری مسائل کا بھی ذکر کر دیا کہ جن کا جنگوں سے کسی طرح کا تعلق تھا یا غیر اقوام کے میل جول یا لمبے سفروں اور لمبی غیر حاضریوں سے ان کے دریافت کی ضرورتیں پیش آتی تھیں۔ تو جب وہ بیان ہو چکے تو پھر کفار کے مقابلہ کا ذکر شروع کیا ہے۔ اور چونکہ جنگوں سے عام طور پر طبائع رکا کرتی ہیں کیونکہ دو ہی چیزیں ایسی ہیں کہ سب سے بڑھ کر انسان ان کے صَرف کرنے سے دریغ کیا کرتے ہیں۔ اور جنگوں میں انہی دو کے صرف کرنے کی زیادہ ضرورت یا خطرہ ہوتا ہے۔ اور وہ جان اور مال ہیں۔ تو خداوند کریم نے پہلے جانی خطرہ کی نسبت فرمایا کہ موت سے ڈرنے اور بچنے کے ساتھ نہ تو انسان اس سے بچ سکتا ہے اور نہ ایسے لوگ کبھی عزت اور آرام کی زندگی حاصل کر سکتے ہیں بلکہ دونوں موتیں ان پر وارد ہو جاتی ہیں۔ پر جو خدا کے حکم سے ایک موت خود منظور کر لیتے ہیں تو پھر خداوند کریم ان کو دو یا ایک زندگی تو ضرور ہی عنایت کرتا ہے اس کے ثبوت کے لئے فرمایا) کیا تم نے ان لوگوں (یعنی بنی اسرائیل) کو نہیں دیکھا جو کہ موت کے خوف اور اس سے بچنے کے لئے اپنے گھروں سے نکلے تھے (حضرت موسیٰؑ کے وقت مصر میں فرعون ان کے بچوں کو قتل کیا کرتا تھا اور اور بھی طرح طرح سے مارے جاتے تھے تو اس موت سے یا اس ذلت کی موت سے جو کہ فرعون کی غلامی میں ان پر وارد تھی اس سے بچنے کے لئے یہ نکلے تھے۔

لیکن بیابان میں جا کر جب انہوں نے کفار کے مقابلہ سے انکار کیا تو خداوند کریم نے ان کو یہ سزا دی کہ نہ ان کو اس موت سے بچا رہنے دیا کہ جس کے خوف سے انہوں نے

کفار کے مقابلہ سے جواب دے دیا تھا اور نہ ان کو فاتح بنا کر ذلت کی موت سے نکلنے دیا بلکہ قضاؤ قدر کے طور پر حکم دے دیا کہ) مر جاؤ (تو جس قدر جنگ کے قابل لوگ تھے وہ سب اس بیابان ہی میں تباہ اور ہلاک ہو گئے اور چالیس سال تک ان کو کوئی عزت اور فتح حاصل ہو کر ذلت دور نہ ہوئی۔ پر چونکہ خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو فتح کا وعدہ دیا ہوا تھا اس لئے چالیس سال کے بعد پس ماندہ ذریت جنگ پر آمادہ ہوئی تو خداوند کریم نے اپنے وعدہ کے مطابق قضاؤ قدر کا یہ حکم دیا کہ اب) زندہ ہو جاؤ (تو وہ فاتح ہو کر ذلت کی موت سے نکلے اور عزت کی زندگی میں داخل ہوئے۔ اور یہ اس لئے ہوا کہ) بے شک اللہ لوگوں پر ٹھیک احسان کرنے والا ہے۔ ولیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔

(اور ناشکری سے جب وہ خدا کی دی ہوئی جان اور مال اور باقی چیزیں اس کی راہ پر صرف کرنے سے دریغ کرتے ہیں تو ناشکری کا وبال جو کہ نعمت کا سلب ہے پیش آجاتا ہے پس تم کو ایسا نہ کرنا چاہیے بلکہ ضرور) اللہ کے راستہ میں مقابلہ کرو اور خوب جان رکھو کہ اللہ (دعاؤں کا) سننے والا (اور دلوں کی باتوں کو) جاننے والا ہے۔

(یہ آیت کریمہ تو صاف تھی پر مفسرین نے اس کی نسبت یوں لکھا ہے کہ شہر واسط کے قریب داوردان نام ایک بستی تھی جس کے رہنے والے بنی اسرائیل طاعون یا جہاد سے ڈر کر باہر چلے گئے تھے اور وہ دس ہزار سے اوپر تھے تو قضاؤ قدر کے حکم سے فرشتوں نے ان کو مُوْتُوْا کہا اور وہ سب دفعۃً مر گئے اور مدت دراز تک مردہ پڑے رہے یہاں تک کہ ان کی ہڈیاں بھی جدا جدا ہو گئیں تب حضرت حزقیل یا شمعون یا شمویل یا یوشع بن نون ان کے پاس سے گذرے اور تعجب کیا تو حکم ہوا کہ ان کو پکار پھر انہوں نے پہلے پکارا تو ہڈیاں جمع ہوئیں۔ پھر پکارا تو گوشت لگا۔ پھر پکارا تو زندہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

لیکن قرآن مجید اور اسلام ایسے فسانوں سے پاک ہے۔ بلکہ میرے نزدیک حق یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ جب بنی اسرائیل کو موعود زمین کی طرف لے گئے ہیں تو پہلے پانچ بادشاہوں کے علاقے انہوں نے فتح کر لئے تھے جو کہ راستہ میں تھے اور پھر یہ ان لوگوں کی بہادری اور طاقت وغیرہ کی خبریں مخبروں سے سن کر بزدل ہو گئے اور جنگ سے جواب

دے دیا اور موت کے ڈر سے پھر پیچھے ہٹ آئے اور بیابان میں آکر اتر پڑے۔ جیسا کہ سب قوموں کے نزدیک ثابت ہے۔

دِيَارِهِمْ سے مراد:

پس عمدہ یہ ہے کہ دِيَارِهِمْ سے وہ موعود ملک لیا جائے اور حَذَرَ الْمَوْتِ سے ان کا جنگ میں مارے جانے کا خطرہ لیا جائے۔ لیکن مصر سے نکلنا بھی درست ہو جاتا ہے۔ اور مال کی نسبت فرمایا کہ بے شک خالی مال کا دینا تو بہت مشکل ہوتا ہے پر جہاں تم کو یہ امید ہوتی ہے کہ قرض کے طور پر لیتا ہے اور اصل مال ضرور پھر آئے گا تو اس موقعہ پر چنداں مضائقہ نہیں کرتے پر جب یہ امید ہو کہ ساتھ سود اور نفع بھی کچھ آئے گا تو پھر شوق اور کوشش سے دیتے ہو۔ تو جب تم اور لوگوں کو اپنا مال کاٹ کر اس صورت میں دیتے ہو تو اب بتاؤ کہ تم میں سے) کون ہے جو کہ اپنا مال اچھی طرح کاٹ کر اللہ کو دے تو اللہ اس کے لئے اس مال کو بہت کچھ بڑھائے (یعنی اللہ کے ساتھ تو ضرور ہی ایسا معاملہ کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ) اللہ دیئے ہوئے مال کو خود قبض کرتا اور لیتا ہے (جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ "جو صدقہ دیا جاتا ہے وہ خدا کے ہاتھ میں پڑتا ہے۔" اور اس کو لے کر پھر) بڑھاتا ہے (جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ خداوند تعالیٰ اس صدقہ کو ایسا بڑھاتا ہے جیسا کہ کسی کا بچھیرا ہوتا ہے اور وہ نہایت شوق سے اسے پالتا ہے۔)

(صحیح مسلم کتاب الزکوۃ باب قبول الصدقۃ من الکسب الطیب وتربیتھا حدیث 1014)

اور پھر تم اسی کی طرف پھیرے جاؤ گے (یعنی اسی قدر نہیں کہ دنیا میں ہی زیادہ دیتا ہے بلکہ جب تم اس کے پاس جاؤ گے تو وہ بڑھا ہوا اور بہت بڑھا ہوا مال تم کو ملے گا۔ اکثر مفسرین نے اس کے معنے یہی کئے ہیں کہ کسی کے لئے وہ تنگ کرتا اور کسی کے لئے وہ فراخ کرتا ہے۔ لیکن علاوہ خلاف ظاہر ہونے کے مقام کے مناسب نہیں۔ پھر یہ بتانے کے لئے کہ بہت سے لوگ ایسا کرتے ہیں کہ جب موقع نہیں ہوتا تو زور دیتے ہیں کہ فلاں کام کرنا چاہیے پر جب موقعہ آتا ہے تو پھر ہمت ہار جاتے ہیں۔ صحابہؓ کو چونکہ کفار کے ہاتھ سے سخت سے سخت تکلیفیں اٹھانی پڑی تھیں اور جنگ اور مقابلہ کی اجازت نہ تھی تو

اس وقت بعض نے تنگ آکر اس کی اجازت کی آرزو بھی کی تھی تو خداوند تعالیٰ ان کے پہلے جوش کو یاد دلا کر سستی سے منع فرماتا ہے کہ) کیا تم نے بنی اسرائیل میں سے اس شریف جماعت کو نہیں دیکھا کہ انہوں نے اپنے نبی کو کہا کہ ہمارے لئے کوئی بادشاہ مقرر کر، تاکہ ہم اللہ کی راہ میں دشمنان دین سے مقابلہ کریں۔ اور اس نبی نے ان کو کہہ دیا کہ کیا ایسا ہونے کا اندیشہ تو نہیں کہ اگر جنگ مقرر ہو جائے تو پھر تم جنگ نہ کرو تو انہوں نے کہا (توبہ ایسا کب ہو سکتا ہے) اور ہمارے لئے کونسا مانع ہے کہ ہم جنگ نہ کریں۔ حالانکہ (اس کے مقتضی اور باعث تو جمع ہیں کیونکہ) ہم اپنے وطنوں اور بال بچوں سے نکالے گئے ہیں (پر باوجود ان سب باتوں کے) جب ان پر مقابلہ مقرر کیا گیا تو اکثر اس سے پھر گئے مگر تھوڑے سے (اس پر قائم رہے۔ (اور لوگوں کو تو کبھی ایسے لوگوں کا علم ہی نہیں ہوتا اور اگر ہوتا ہے تو بھول جاتے ہیں لیکن) اللہ ایسے ظالموں کو خوب جانتا ہے (لہٰذا اس طور پر اس کے عذاب سے نہیں بچ سکتے۔

گو اس قدر بیان سے اصل مقصد تو حاصل ہو چکا لیکن چونکہ ایسے کاموں میں روک عموماً اس سے بھی واقع ہو جایا کرتی ہے کہ اس کام کے امیر یا خلیفۂ وقت کے انتخاب اور تقرر سے بعض متکبر اور شریر لوگ برافروختہ ہو جاتے ہیں اور اس سے رفتہ رفتہ بڑی بڑی دقتیں در پیش آجاتی ہیں۔ لہٰذا خداوند کریم نے بنی اسرائیل کی مذکورہ شریف جماعت کے جنگ سے جی چرانے کی وجہ کی کسی قدر تفصیل فرمادی تاکہ اہل اسلام خلفاء و امراء کی اطاعت سے گریز نہ کریں تو فرمایا کہ) ان کے نبی نے ان کو فرمایا کہ اللہ نے لمبے قد اور بڑی طاقت والے کو (کہ جس کو تم جانتے ہو) تمہارے لئے بادشاہ مقرر کیا ہے تو بولے کہ اس کے لئے کہاں اور کب اور کس طرح حکومت ہو سکتی ہے۔ حالانکہ ہم اس سے حکومت کے زیادہ حقدار ہیں (پھر اگر قومی استحقاق نہ تھا تو مال ہی ہوتا) تو نہ مال سے اس کو کچھ فراخی دی گئی ہے۔ تو نبی نے فرمایا کہ (خلافت کی بنا تو اللہ کے انتخاب پر ہے) اور خدا نے اس کو تم پر چن لیا ہے (اور خلافت کے ضروریات سے علم اور وجاہت ہی بڑے دو امر ہیں) اور اللہ نے علم اور جسم میں اس کو زیادہ وسعت دی ہے (اور پھر کسی

کے ناخوش ہونے سے وہ رکتا نہیں بلکہ) جس کو وہ چاہتا ہے اس کو اپنا ملک عنایت کرتا ہے۔ اور وہ بڑی وسعت، بڑے علم والا ہے۔

اور نبی نے ان کو یہ بھی کہہ دیا کہ اس کی حکومت کا ٹھیک نشان یہ ہے کہ تمہارے پاس ایسا تائب اور رجوع کرنے والا دل آئے کہ جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینت اور آرام و اطمینان ہو اور آل موسیٰؑ اور آل ہارون کے پس ماندہ کمالات و اخلاق سے کچھ بقیہ ہو اور فرشتے اسے اٹھائے پھرتے ہوں (یعنی تائید الٰہی اور فہم سلیم اس کے ساتھ ہوں۔ اور چونکہ خدا کے سب قائم کردہ خلفاء اور مامورین کے یہی نشان ہیں اس لئے فرمایا کہ) اس میں تمہارے لئے ٹھیک ٹھیک نشان ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو۔

طالوت اور تابوت:

(مفسرین نے لکھا ہے کہ طالوت ایک خاص شخص کا نام تھا اور وہ چمڑہ پکایا کرتا اور چونکہ نہ وہ خاندان نبوت سے تھا اور نہ شاہی خاندان سے اس لئے امراء نے اس سے انکار کیا۔ اور تابوت کے معنے صندوق کے کئے ہیں اور بڑا اختلاف لکھا ہے کوئی کہتا ہے کہ وہ آسمان سے آدمؑ پر نازل ہوا تھا اور اس میں سب انبیاءؑ کی تصویریں تھیں اور وہ انبیاءؑ کے پاس چلا آتا تھا تو جب حضرت موسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل خراب ہوگئے تو عمالقہ ان پر غالب آکر اس صندوق کو لے گئے اور پیشاب اور پاخانہ کی جگہ پر پھینک دیا تو جب طالوت کو خداوند تعالیٰ نے بادشاہ بنانا چاہا تو عمالقہ پر مصیبت ڈال دی اور جو اس کے پاس پیشاب پاخانہ پھرتا تو اس کو بواسیر ہو جاتی اور ان کے پانچ شہر بالکل تباہ ہوگئے تب ان کو یہ خیال آیا کہ یہ سب اس صندوق کی بے ادبی سے ہے اس لئے انہوں نے اس کو دو بیلوں پر لاد کر ان کو باہر نکال دیا اور خداوند تعالیٰ نے چار فرشتے ان پر مقرر کر دئے جو کہ ان کو ہانکتے ہوئے طالوت کے پاس لے آئے۔[1]

اور بعض روایتوں میں ہے کہ توریت کا صندوق جو کہ بنی اسرائیل کی خرابیوں سے آسمان پر اٹھایا گیا تھا اور اب پھر نازل ہوا اور فرشتے اس کے ساتھ تھے اور لوگ اس کا تماشا

[1]۔ یہ قصہ سموئیل کی پہلی کتاب میں درج ہے لیکن اس میں طالوت (ساؤل) کے پاس لانے کا ذکر نہیں بلکہ بیت شمس کے پاس ایک پتھر کے پاس کھڑا ہونا لکھا ہے۔ اور پھر بیت شمس والوں کے کہنے سے قریت یعاریم کے لوگ لے گئے تھے۔ منہ۔ (حاشیہ از رسالہ تعلیم الاسلام)

دیکھ رہے تھے۔ اور بعض میں آیا ہے کہ یہ وہ صندوق ہے کہ جس میں حضرت موسیٰؑ کو ان کی والدہ نے رکھ کر دریا میں ڈال دیا تھا اور پھر قوم کی خرابیوں سے آسمان پر اٹھایا گیا تھا اور اب طالوت پر نازل ہوا ہے۔ اسی طرح اور بہت سی روایتیں ہیں۔ اور سَكِيْنَةٌ سے اکثروں نے تو سکون اور اطمینان ہی لیا ہے یعنی اس کا اثر یہ ہو گا اور بعض نے کہا ہے کہ توریت اس میں تھی جس سے سکون حاصل ہوتا تھا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس میں یاقوت یا زبرجد کی ایک تصویر تھی کہ جس کا سر اور دم بلی کی مانند تھے اور پر بھی تھے تو جب مقابلہ ہوتا تو وہ میاؤ کرتی اور صندوق چل پڑتا اور بنی اسرائیل اس کے پیچھے ہو لیتے۔ پھر جہاں وہ کھڑا ہوتا تو وہ بھی وہاں ہی جم جاتے اور پھر نصرت الٰہیہ نازل ہوتی۔ اور بقیہ کی نسبت لکھا ہے کہ توریت کی الواح کے ٹکڑے تھے اور حضرت موسیٰؑ کے کپڑے اور ہارون کا عمامہ اور ایک سنہری طشت تھا کہ جس میں انبیاء کے دل دھوئے جاتے تھے اور ایک کلمۃ الفرج تھا اور وہ یہ ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ وَ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ[1]۔ لیکن ایسے دور از عقل اور خلاف سنۃ اللہ فسانوں سے اسلام پاک ہے۔

حضرت مولانا خلیفۃ المسیحؑ کو رؤیا میں تابوت کے معنے قلب کے بتائے گئے ہیں۔ پر میں نے بتا دیا ہے کہ اگر اس کے معنے قلب کے نہ بھی ہوں تو بلحاظ وصفی اور اصلی معنوں کے بھی قلب پر صادق آتا ہے لیکن اگر صندوق ہی لینا ہو تو پھر نفس صندوق کا آنا کوئی نشان نہیں۔ جیسا کہ مجرد دل کا ہونا کوئی نشان نہیں بلکہ اس کا اس حالت میں آنا کہ اس میں سکون اور طمانینت ہو اور آل موسیٰؑ اور آل ہارون والی برکات ہوں اور فرشتے اس کو اٹھاتے ہوں یعنی تائید الٰہی ہو کیونکہ فرشتے نظر تو نہیں آتے پر تائید الٰہی مشاہدہ ہوتی ہے۔ اور یہ سب باتیں مومنوں کے لئے بھی قرآن مجید میں مذکور ہیں فرمایا هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ[2] الخ (الفتح:5) فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ[3] (الفتح:19) اور اس کے بعد فرمایا

---

[1]۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو بہت بردبار اور عزت والا ہے۔ اور پاک ہے اللہ سات آسمانوں کا رب اور عرش عظیم کا رب اور تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ (از مرتب)

[2]۔ وہ (خدا) ہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں پر سکینت اتاری۔ (تفسیر صغیر)

[3]۔ سو اس کے نتیجہ میں اس نے ان کے دلوں پر سکینت نازل کی۔ (تفسیر صغیر)

وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ[1] (الفتح:21) پھر سَكِيْنَةٌ کے ساتھ فرشتوں کو ملا کر فرمایا ہے اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا[2] (التوبۃ:26) بلکہ اس کلمہ کو بھی سکینہ کے ساتھ ملایا ہے فرمایا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى[3] (الفتح:27) اور پھر ترکہ کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اس کے بعد فرمایا وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا[4] (الفتح:27) اور پھر تابوت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے جُنُوْدًا الخ کے بعد فرمایا ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ[5] (التوبۃ: 27) پس تابوت (خواہ کوئی معنے لو) اور اس کا آنا نشان نہیں بلکہ سکینہ وغیرہ کے لحاظ سے نشان ہے اور بے شک ہر ایک امر ان میں سے عظیم الشان نشان ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور قرآن مجید میں مذکور ہے۔

---

[1] ۔ تاکہ یہ (واقعات) مومنوں کے لیے ایک نشان بن جائیں۔ (تفسیر صغیر)

[2] ۔ اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسول اور مومنوں پر اتاری اور ایسے لشکر اُتارے جن کو تم نہیں دیکھ رہے تھے۔ (تفسیر صغیر)

[3] ۔ اس پر اللہ نے اپنی طرف سے نازل ہونے والی سکینت اپنے رسول کے دل پر اور مومنوں کے دل پر اتار دی اور تقویٰ کے طریق پر اُن کے قدم کو مضبوط کر دیا۔ (تفسیر صغیر)

[4] ۔ اور وہی اس کے زیادہ مستحق تھے اور اس کے اہل تھے۔ (تفسیر صغیر)

[5] ۔ اور اللہ ایسی سزا کے بعد جس پر چاہتا ہے رحم کر دیتا ہے اور اللہ بہت بخشنے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے۔ (تفسیر صغیر)

آیت 250 تا 254: فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهٖ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۔ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ۔

تشریح الفاظ:

فَصَلَ۔ فُصُوْلٌ سے ہے، جدا ہونا اور نکلنا اور فَصْلٌ سے بھی آتا ہے بمعنے جدا کرنے کے۔

جُنُوْدٌ۔ جُنْدٌ کی جمع ہے، لشکر۔

مُبْتَلِیْ۔ اِبْتَلَاءٌ سے ہے، جس کے معنے بار بار بیان ہو چکے ہیں۔

نَہَرٌ۔ اصل میں فراخی اور کشائش اور کشادہ کرنے کو کہتے ہیں اور اسی وجہ سے نہر کو نہر کہتے ہیں کہ پانی اس خندق کو فراخ کرتا رہتا ہے اور بعض نے اس کے معنے شہد کے بھی کئے ہیں جس کی تفصیل تفسیر میں انشاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔

یَطْعَمُ۔ طَعْمٌ سے ہے، جس کے معنے کبھی مطلق چکھنے کے ہوتے ہیں، خواہ کھانے کی چیز ہو یا پینے کی اور کبھی کھانا کھانے کے۔

اِغْتَرَفَ۔ اِغْتِرَافٌ سے ہے، چلو بھرنا یا چمچ کے ساتھ نکالنا۔

جَاوَزَ۔ مُجَاوَزَۃٌ سے ہے، کسی چیز سے آگے گذر جانا اور کنارہ کرنا۔

جَالُوْتُ۔ جَوْلَانٌ سے ہے، گھومنا تو اس کے معنے ہوئے بہت گھومنے والا۔

فِئَۃٌ۔ کے اصل معنے پھرنے اور پھرنے والی جماعت کے ہیں اور اب جماعت کو کہتے ہیں کیونکہ انسان اپنی جماعت کی طرف پھرتا ہے۔

بَرَزُوْا۔ بُرُوْزٌ سے ہے، باہر نکلنا اور سامنے ہونا۔

اَفْرِغْ۔ اِفْرَاغٌ سے ہے، پانی وغیرہ کا اوپر سے ڈالنا۔

ھَزَمُوْا۔ ھَزِیْمَۃٌ سے ہے، بھگانا۔ نَتْلُوْا۔ تِلَاوَۃٌ سے ہے۔

کَلَّمَ۔ تَکْلِیْمٌ سے ہے، بات کرنا یا کاٹنا۔

دَرَجٰتٌ۔ دَرَجَۃٌ کی جمع ہے، سیڑھی کا زینہ اور مرتبہ۔

رُوْحٌ اور قُدُسٌ کے معنے پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

اِقْتَتَلَ۔ اِقْتَتَلُوْا۔ اِقْتِتَالٌ سے ہے، آپس میں لڑنا۔

ترجمہ:

سو جب طالوت لشکر کے ساتھ نکلا کہا یقیناً اللہ تم کو کسی نہر (یا فراخی) کے ساتھ مبتلا

کرنے والا ہے۔ تو جو اس سے پیئے گا وہ مجھ سے نہیں ہے اور جس نے اس کو نہ چکھا وہ مجھ سے ہے مگر جس نے اپنے ہاتھ کے ساتھ کوئی چُلّو لیا۔ تو انہوں نے اس سے پیا مگر ان میں سے تھوڑے سے (لوگوں) نے۔ سو جب وہ اس سے گذر گیا (یا دور ہو گیا) اور وہ بھی جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے (تو) وہ بولے کہ آج ہمارے لئے بہت گھومنے والے (یا جالوت) اور اس کے لشکر کے مقابلہ کی طاقت نہیں۔ وہ بولے جو کہ خیال رکھتے تھے کہ ہم اللہ کو ملنے والے ہیں کہ بہت سے قلیل گروہ اللہ کے حکم سے کثیر گروہ پر غالب آئے ہیں۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور جب بہت گھومنے والے اور اس کے لشکر کے لئے وہ نکلے (تو کہا کہ اے ہمارے رب تو ہم پر صبر بہادے اور ہمارے قدموں کو جمادے اور کافر لوگوں پر ہمیں نصرت دے۔ تو اللہ کے حکم سے انہوں نے ان کو شکست دی اور داؤد نے بہت گھومنے والے کو قتل کیا اور اللہ نے اس کو سلطنت اور حکمت دی اور اس کو اس میں سے سکھایا جس کو وہ (یا اللہ) چاہتا رہا اور اگر اللہ کا لوگوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ہٹانا (دھکیلنا) نہ ہوتا تو زمین بگڑ جاتی۔ لیکن اللہ جہانوں پر فضل والا ہے۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جن کو حق کے ساتھ ہم تجھے سناتے ہیں۔ اور یقیناً یقیناً تو رسولوں سے ہے۔

ان رسولوں کو ہم نے ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ ان میں سے کوئی وہ ہے جس سے اللہ نے (حقیقۃً) کلام کیا ہے اور بعض کو درجوں پر چڑھایا ہے۔ اور عیسیٰ بن مریم کو ہم نے کھلی کھلی (تمثیلیں) دی ہیں اور پاک روح (یا پاکیزگی کی روح) کے ساتھ ہم نے اس کی تائید کی ہے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ آپس میں نہ لڑتے جو کہ ان کے بعد تھے اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلے کھلے (امور اور دلائل) آچکے لیکن انہوں نے آپس میں اختلاف کیا سو کچھ تو ان میں سے وہ ہیں جو کہ ایمان لائے اور کچھ ان سے وہ ہیں جو کہ کافر ہوئے اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں نہ لڑتے ولیکن اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

تفسیر:

اور چونکہ بعض اوقات اس طرح بھی ایسے کاموں میں روک پڑ جاتی ہے کہ گو انہوں نے اس کام کے امیر یا خلیفۂ وقت کو مان لیا ہے اور اس کے انتخاب پر اعتراض نہیں کرتے یا

اس سے باز آگئے ہیں۔ پر جو وہ خدا کی طرف سے ان کے فائدہ کے لئے ہدایات اور نصائح کرتا ہے بعض لوگ ان کی چنداں پرواہ نہیں کرتے اور ان کی خلاف ورزی کو ایک معمولی چیز خیال کر کے خلاف ورزی کر بیٹھتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھر ان کو ایسے اہم امور میں اطاعت اختیار کرنے کی توفیق نہیں ملتی اور بالآخر ناکام رہتے ہیں تو اس کے بتانے کے لئے خداوند کریم نے طالوت ہی کی نسبت ایک اور واقعہ یوں بیان فرمایا کہ) جب طالوت اپنے لشکر کے ہمراہ (دشمنوں کے مقابلہ کے لئے) چلا تو اس نے (خدا کی طرف سے علم پاکر اور سچی فرمانبرداری سکھانے کے لئے) کہا کہ اللہ تم کو کسی نہر کے ساتھ مبتلیٰ کرنے والا ہے (توریت کے پڑھنے سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کو سخت تاکید تھی کہ دشمن کی جو چیز تمہارے قابو میں آئے اس کو حرم کر دو یعنی قتل کر دو اور جلا دو اور ہرگز ہرگز کوئی جانور یا سونا چاندی وغیرہ مت لو لیکن وہ لالچ سے کچھ نہ کچھ رکھ لیتے تھے اور خدا کا غضب ان پر نازل ہو جاتا تھا حتی کہ حضرت موسیٰؑ نے جب ابتداءً کچھ شہر فتح کئے تھے تو اس وقت بھی بعض نے اس کا ارتکاب کیا تھا لیکن آپ کے بعد تو بعض بادشاہ بھی کبھی لالچ سے ایسا کر دیتے اور پھر سخت تباہی پیش آتی۔ باقی سپاہیوں کا تو کچھ ٹھکانا ہی نہ تھا۔

بعض رؤیا خواب بین کو کسی جسمانی نقشہ میں دکھائے جاتے ہیں:

گو پہلی کتابوں کے بیان میں بہت کچھ ادل بدل اور تغیر ہے لیکن تاہم اس موقعہ کی نسبت (کہ جہاں داؤد کے لڑنے کا ذکر ہے) اس حکم کی خلاف ورزی کا بڑا عظیم الشان واقعہ درج ہے۔ اور جو لوگ الہام اور رؤیا کے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ بعض اوقات آئندہ کے واقعات کسی جسمانی نقشہ میں ملہم اور خواب بین کو دکھائے جاتے ہیں، جیسا کہ حضرت یوسفؑ نے سورج اور چاند اور گیارہ ستاروں کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا یا عزیز مصر نے گائیوں اور خوشوں کو دیکھا تھا یا نبی کریم ﷺ نے صحابہؓ کے قتل کو تلوار کے دندوں یا گائیوں کے ذبح کی شکل میں دیکھا تھا۔ پس اسی طرح دشمن کا مال لینا نہر سے پیٹ بھر کر پانی پینے اور منہ لگانے کے رنگ میں اور بعد از فتح ان کی اراضی وغیرہ کے محاصل سے فائدہ اٹھانا یا رفع اضطرار کے طور پر کسی کا استعمال کرنا نہر سے چلو بھر کر پینے کی شکل میں دکھایا

گیا۔ لیکن چونکہ عام قاعدہ یہی ہے کہ الہام، کشف، خواب کی حقیقت خواہ دیکھنے والے کو معلوم بھی ہو تو بھی وہ اصل الفاظ اور اصلی نقشہ میں بیان کئے جاتے ہیں۔ لہٰذا یہاں پر بھی اصلی رنگ میں بیان ہوا ہے۔ تو فرمایا کہ باوجود یہ بتانے کے پھر بھی) انہوں نے اس سے پیا (اور دشمن کے مال کو حرم نہ کیا بلکہ قربانی وغیرہ کے بہانے سے بہت سے اچھے اچھے جانور رکھ لئے جیسا کہ بائبل سے ثابت ہے) مگر تھوڑے سے لوگ (کہ انہوں نے حکم کی پیروی کی) تو جب وہ اور اس کے ساتھ ایمان لانے والے آگے بڑھے تو کہنے لگے آج کے دن جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلہ کی ہمیں طاقت نہیں (اور یہ اس حکم عدولی کا نتیجہ تھا جس کے باعث سے امداد الٰہی شامل حال نہ رہی تھی لیکن) جو لوگ کہ خیال رکھتے تھے کہ ہم اللہ کو ملنے والے ہیں (اور اس ڈر سے انہوں نے حکم عدولی نہ کی تھی) وہ بولے کہ بہت سی قلیل جماعتیں اللہ کے حکم سے کثیر جماعتوں پر غالب آئی ہیں (اور ہم کو کرنا چاہیے کیونکہ) اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

(مفسرین نے لکھا ہے کہ طالوت نے خاص نہر کی نسبت کہہ دیا تھا کہ اس کو منہ لگا کر پانی نہ پینا لیکن جب انہوں نے پی لیا تو اس کا یہ اثر ہوا کہ ایک تو ان کے ہونٹ سیاہ ہو گئے۔ دوم اس قدر پیاس ان پر مسلط ہو گئی کہ وہ کسی طرح سے نہ بجھتی تھی اور بڑے بے ہمت ہو گئے تھے۔

حضرت مولانا خلیفۃ المسیحؑ نے نہر کو بمعنے فراخی لے کر یہ معنے بھی بیان فرمائے ہیں کہ فراخی کے دنوں میں بہت آسائش میں نہ پڑنا۔ اور بعض نے جب دیکھا کہ کتب سابقہ میں نہر کا کوئی ایسا قصہ تو پایا نہیں جاتا اور انہوں نے اپنے خیال میں یہ بھی ضروری خیال کیا کہ تفسیر کتب سابقہ کے بیان کے مطابق ہونی چاہیے۔ اور انہوں نے سموئل کی کتاب میں شہد کا ایک واقعہ بزعم خود اس سے ملتا جلتا دیکھا تو نہر کے معنے شہد کے کر دیئے ہیں۔ اور وہ شہد کا واقعہ کتاب سموئل ب 14 میں یوں آیا ہے۔

"اور اسرائیلی مرد اس دن بڑی تکلیف میں تھے ساؤل نے لوگوں کو قسم دی تھی اور یوں کہا تھا کہ جو کوئی آج شام تک کھانا کھائے اس پر لعنت تا کہ میں اپنے دشمنوں سے بدلہ

لوں (کیونکہ دشمن بھاگ گئے تھے اور وہ ان کا پیچھا کر رہا تھا جیسا کہ اس سے پہلے مذکور ہے) اور سب لوگ ایک بَن میں جا پہنچے اور وہاں زمین پر شہد تھا۔ اور جونہی یہ لوگ اس بن میں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں پر شہد ٹپکتا ہے پر کوئی اپنے منہ تک نہ لے گیا۔ اس لئے کہ لوگ قسم سے ڈرے۔ لیکن یونتن نے جس وقت اس کے باپ نے لوگوں کو قسم دی تھی نہ سنا تھا۔ سو اس نے اپنے عصا کی نوک سے جو اس کے ہاتھ میں تھا شہد کے چھتے کو چھیدا اور ہاتھ میں لے کر منہ میں ڈالا اور اس کی آنکھوں میں روشنی آئی۔ الخ۔"

لیکن اس قصہ میں نہ تو شہد کھانے والے یونتن کے بعد ازاں بزدل ہونے کا ذکر ہے اور نہ اس قصہ میں ساؤل نے خاص شہد سے منع کیا تھا تاکہ نہر کے معنے شہد کے کئے جاویں پر جو میں نے لکھا ہے وہ اسی کتاب سموئل سے صاف ثابت ہوتا ہے سموئل نبی کہ جس نے ساؤل کو بادشاہ مقرر کیا تھا ساؤل ب 15 میں کہتا ہے۔

"سو اب تو جا اور عمالیق کو تومار اور سب جو کچھ کہ ان کا ہے ایک لخت حرم کر اور ان پر رحم مت کر بلکہ مرد اور عورت اور ننّے بچے اور شیر خوار اور بیل، بھیڑ اور اونٹ اور گدھے تک سب کو قتل کر۔"

پھر آگے آتا ہے اور ساؤل نے عمالیقیوں کو حویلہ سے لے کر سور تک جو مصر کے سامنے ہے مارا۔ اور عمالیقیوں کے بادشاہ اجاج کو جیتا پکڑا اور سب لوگوں کو تلوار کی دھار سے حرم کر دیا لیکن ساؤل اور لوگوں نے اجاج کو اور اچھی اچھی بھیڑوں اور بیلوں کو اور پالے ہوئے بچوں کو اور بروں کو اور سب کچھ جو اچھا تھا جیتا رکھا اور نہ چاہا کہ انہیں حرم کر دیں۔ اس کے بعد آیا ہے کہ تب خداوند کا کلام سموئل کو پہنچا اور کہا کہ مجھے افسوس ہے کہ میں نے ساؤل کو بادشاہ ہونے کے لئے قائم کیا کیونکہ وہ میری پیروی سے پھر گیا ہے۔

پھر آگے آتا ہے کہ سموئل نے ساؤل کو کہا کہ تو نے خداوند کے کلام کو رد کیا اور خداوند نے تجھے رد کیا کہ اسرائیل پر بادشاہ نہ رہے۔ اور سموئل رامہ کو گیا اور ساؤل اپنے گھر کو اور جب تک جیتا رہا سموئل اس کو دیکھنے نہ گیا۔ پر خداوند کی روح ساؤل پر سے چلی گئی اور خداوند کی طرف سے ایک بری روح اسے ستانے لگی۔ اور خداوند نے سموئل کو کہا تو کب

تک ساؤل کی بابت غم کھاتا رہے گا۔ جس حال میں کہ میں نے اسے بنی اسرائیل کی سلطنت سے مردود کیا۔ تو اپنے سینگ میں تیل بھر اور جا میں تجھے بیت لحمی یسی کے پاس بھیجتا ہوں (جو کہ حضرت داؤد کے والد تھے) کہ میں نے اس کے بیٹوں میں سے ایک کو اپنے لئے بادشاہ ٹھہرایا ہے۔ اس کے بعد پھر وہی جالوت والے جنگ کا ذکر ہے۔ جس میں اسرائیلی لوگوں کی بے ہمتی اور ان کے بے طاقت اور بزدل ہو جانے کا کھلا کھلا ذکر ہے۔

پس جس چیز سے وہ بزدل ہوئے تھے وہ یقیناً یہی مال غنیمت تھا۔ تو اگر یہ بات درست ہے کہ طالوت (ساؤل) نے بھی خلاف ورزی کی تھی جیسا کہ کتاب سموئل کے بیان سے ظاہر ہے تب یہ مطلب ہو گا کہ جب طالوت وغیرہ نے اس سے تجاوز کیا یعنی حکم عدولی کی تو بولے کہ اب ہم جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتے لیکن جنہوں نے حکم عدولی نہ کی تھی (جن میں سے داؤد بھی تھا) انہوں نے ہمت کی اور ہمت دلائی اور دعائیں کیں اور آخر داؤد نے جالوت کو مار لیا اور خداوند تعالیٰ نے ساؤل کی بجائے داؤد کو سلطنت دی۔

اور اگر یہ درست نہیں کہ ساؤل بھی اس میں شامل تھا اور جس طرح حضرت سلیمانؑ وغیرہ پر حکومت کی وجہ سے اسرائیلی مصنفوں نے الزام لگائے ہیں اسی طرح ساؤل پر بھی یہ الزام لگایا گیا ہے اور حقیقت میں وہ اس سے پاک ہے اور قصور لشکر کے لوگوں سے ہوا تھا۔ تب اس کا مطلب یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ ان کے اس اتہام سے طالوت کو بری کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ اس نے تو نبی کے ارشاد کے مطابق حکم دیا تھا۔ پر لوگوں نے اس حکم کی خلاف ورزی کی اور نصرت کے ہٹنے سے بزدل ہو گئے۔

جالوت ایک وصفی نام:

اور جالوت بھی عام طور پر مفسرین نے ایک شخصی نام قرار دیا ہے۔ لیکن بات یہی ہے کہ طالوت کی طرح یہ بھی وصفی نام ہے کیونکہ جس شخص کو یہاں پر طالوت کے نام سے ذکر کیا گیا ہے بائبل میں اس کو ساؤل کے نام سے یاد کیا ہے اور اسی کے مقابلہ میں جالوت کا آنا اور پھر داؤدؑ کے ہاتھ سے اس کا قتل ہونا اور پھر اس کے بعد داؤدؑ کا بادشاہ ہونا لکھا ہے اور کتاب سموئل نبی ب 10 آیت 24 میں اس ساؤل بادشاہ کی نسبت لکھا ہے کہ ”اور وہ جبکہ

جماعت کے درمیان کھڑا ہوا تو شانوں سے لے کر اوپر تک سب لوگوں سے زیادہ لمبا تھا" جس سے طالوت کہنے کی وجہ صاف صاف ثابت ہوتی ہے اور قرآن مجید نے تو اس کو زَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ [1] (البقرۃ:248) کے ساتھ ظاہر کر ہی دیا تھا۔ اور جالوت کی نسبت گو اسی کتاب سموئل ب 17 میں یوں لکھا ہے کہ "اس وقت فلسطیوں کے لشکر سے ایک مرد سورما نکلا جس کا نام جاتی جولیت تھا۔"

اور پھر لکھا ہے کہ "دیکھو وہ پہلوان فلسطی جات کا رہنے والا جس کا نام جولیت تھا فلسطی صفوں میں سے نکلا اور اس نے انہی باتوں کے موافق پھر باتیں کیں اور داؤد نے سنیں۔" جس سے جالوت نام کا بخوبی پتہ لگتا ہے۔

لیکن اس کتاب کے اس باب میں اس کے میدان میں للکارنے اور چکر لگانے کی نسبت یوں آیا ہے کہ:۔ "سو وہ کھڑا ہوا اور اسرائیل کے لشکروں پر للکارا... اور سارے اسرائیل نے اس فلسطی کی بات سنی تو ان کی دلاوری نکل گئی اور وہ نپٹ ڈر گئے۔ اور سارے مرد اسرائیل اس شخص کو دیکھ کر اس کے سامنے سے بھاگے اور بہت ڈرے۔ سو وہ فلسطی ہر روز صبح شام نزدیک آتا تھا اور چالیس دن تک اپنے تئیں دکھلایا۔"

جس سے اس کے میدان میں چکر لگانے اور للکارنے کا اندازہ ہوتا ہے۔ اور سوائے اشہر ناموں کے عموماً قرآن مجید میں وصفی اسماء مذکور ہوتے ہیں۔ بلکہ عموماً الہام کا طریق ہی یہی ہے الیاسؑ اور مسیح موعودؑ کی شناخت میں بھی اسی نکتہ کا نہ جاننا بڑی روک ہوا ہے اور اسی کے نہ جاننے سے عیسائی وغیرہ بعض مقامات پر اعتراض کر کے اپنی جہالت کا ثبوت دیتے ہیں۔ چنانچہ اس موقعہ پر بھی اعتراض کیا ہے کہ طالوت، داؤد، جالوت کا ایک زمانہ میں ہونا ثابت نہیں۔ اس کے بعد امداد الٰہی کے نزول کا گر بتانے کے لئے فرمایا) کہ وہ لوگ جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلہ پر نکلے تو انہوں نے (یہ دعا مانگی اور) کہا اے ہمارے رب تو ہم پر صبر بہادے اور ہمارے قدموں کو (مقابلہ میں) جمادے اور کافر لوگوں پر ہمیں نصرت دے (تو باوجودیکہ اکثر لوگ تو نافرمانی کے باعث ہمت ہار چکے تھے اور نصرت الٰہیہ کے بھی وہ حقدار نہ تھے۔ پر

[1]۔ اسے علمی اور جسمانی لحاظ سے (تم سے زیادہ) فراخی عطا کی ہے۔ (تفسیر صغیر)

ان تھوڑے سے فرمانبردار بندوں کی ہمت واستقلال اور دعا کا یہ نتیجہ ہوا کہ) اللہ کے اذن سے انہوں نے ان کو شکست دی اور داؤدؑ نے (جس کو سب جانتے ہیں) جالوت کو قتل کیا اور (بعد ازاں) اللہ نے اس کو سلطنت اور حکمت دی اور اس کو وہ سکھایا جو کچھ وہ چاہتا رہا۔

(مفسرین نے لکھا ہے کہ کوئی شخص جالوت کے مقابلہ پر نہ آسکتا تھا اور کئی دن وہ میدان میں گھومتا اور للکارتا رہا اور بنی اسرائیل کے بادشاہ نے اس شخص کو اپنی لڑکی دینی کی جو کہ جالوت کو قتل کرے۔ پر کوئی آمادہ نہ ہوا تب داؤدؑ جو کہ اس وقت چھوٹی عمر کے تھے اس کے مقابلہ کے لئے تیار ہوئے۔ اور پہلی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت داؤدؑ لشکر میں داخل نہ تھے بلکہ ان کے بھائی شامل تھے اور آپ بکریوں کے ساتھ رہتے تھے اور اس وقت اپنے بھائیوں کی خبر کے لئے والد کے حکم سے آئے تھے اور بنی اسرائیل کی کمزوری اور ذلت سے غیرت میں آکر آمادہ جنگ ہوئے اور بادشاہ نے گو ان کو اپنے اسلحہ پہنائے لیکن آپ نے ان کو منظور نہ کیا اور اپنی معمولی فلاخن (گھوپی) اور یا کچھ پتھر ہاتھ میں لے کر میدان میں نکلے اور مقابلہ کے وقت آپ نے دیکھا کہ بجز آنکھوں کے اور کوئی اس کے بدن کا حصہ زرہ سے فارغ نہیں لہٰذا آپ نے اس کی آنکھ پر ایک ہی پتھر ایسا رسید کیا جو کہ اس کے دماغ میں جا بیٹھا اور اسی سے اس کا کام تمام ہو گیا تب بادشاہ اسرائیل نے شرط کو پورا کیا اور پھر اس بادشاہ کے بعد آپ ہی کو بنی اسرائیل کا بادشاہ بنا دیا اور اس میں یہ بتایا ہے کہ تم میں سے بھی جو داؤد کی طرح اللہ کے لئے جان باز بنیں گے تو اللہ ان کا اجر بھی ضائع نہ کرے گا۔

اس کے بعد خداوند کریم نے جہاد کی غرض اور فتح کا گر بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ) اگر اللہ بعض لوگوں کے ذریعہ سے بعض لوگوں کو نہ ہٹاتا تو زمین بگڑ جاتی۔ لیکن اللہ لوگوں پر احسان کرنے والا ہے (اس لئے وہ ضرور ان کو ہٹا کر زمین کو فساد سے بچالیتا ہے۔ پس گو ظاہر بین لوگ اس کو بھی قتل اور لوٹ کہیں پر حقیقت میں رفع فساد ہوتا ہے۔ اور فراست والے اسی سے فتح کی بو بھی سونگھ لیتے ہیں کہ جب ایک قوم دنیا میں فساد کر رہی ہو اور ان کا فساد حد کو پہنچ گیا ہو تو ان کے مقابلہ پر جو لوگ بغرض اصلاح اٹھیں گے وہ ضرور فتح پائیں گے۔

پس اہل اسلام کو بتایا کہ فساد تو اقوام میں موجود ہی ہے۔ پس تم مصلح بنو پھر ضرور خدائے حکیم و قدیر اپنی سنت کے مطابق تمہارے ذریعہ سے ان مفسدوں کو ہانک دے گا۔ اور چونکہ قاعدہ کی بات ہے کہ یقین اور اعتقاد ہی کے ماتحت انسان کے ارادے اور افعال ہوتے ہیں لہٰذا ان مذکورہ بالا باتوں پر یقین دلانے کے لئے فرمایا کہ ان باتوں کو معمولی خیال نہ کرو بلکہ) یہ (قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے اور ہستی باری کے) نشان (اور کلام الٰہی کے ٹکڑے) ہیں جو کہ حق کے ساتھ (نہ ہنسی وغیرہ کے طور پر) ہم تجھے سناتے ہیں۔ (یعنی یہ جو بنی اسرائیل کا حال تمہیں سنایا ہے تمہاری امت میں بھی ضرور ایسا ہو گا کہ کچھ خلفاء کے خلاف پر اٹھیں گے اور بعض احکام کی خلاف ورزیاں کریں گے۔ لیکن چونکہ اتباع کی یہ حالت ان کے مزکی اور ہادی کی کمزوری کی طرف توجہ دلاتی تھی۔ لہٰذا فرمایا کہ) بے شک تم رسولوں میں سے ہو (یعنی آخر تم خدا کے رسولوں میں سے ایک رسول ہو۔ تو اب باقی رسولوں کی امتوں پر نظر کرنے سے یہ بات حل ہو سکتی ہے) اور ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر (انہی نقصوں کے رفع ہونے کے لئے) فضیلت بھی دی تھی۔

(چنانچہ موسوی ہی سلسلہ کو دیکھو کہ) بعض کے ساتھ تو ہم نے کلام کیا ہے (جیسے خود حضرت موسیٰؑ) اور بعض کے درجے بلند کئے (اور لوگوں کی نظروں میں ان کو بہت عظیم الشان بنایا جیسے داؤدؑ و سلیمانؑ اور (پھر ان کے آخری خلیفہ) عیسیٰ بن مریم کو ہم نے بینات اور کھلی کھلی باتیں اور مثالیں دیں اور پاک روح کے ساتھ اس کی تائید کی (لیکن باوجود اس کے ان کی امتوں میں یہ اختلاف اور یہ نقائص پیدا ہوتے رہے۔ چنانچہ وہی ان میں اور نبی بھیجنے کے موجب ہوتے رہے ہیں (اور جو نبی کہ پہلوں کا جانشین ہو کر آیا ہے ضرور ایک گروہ نے اس کی مخالفت کی ہے۔ اور آخری کو تو جس قدر ہم نے اس کے مناسب حال بینات اور روح القدس کے ساتھ تائید دی اسی قدر موسوی امت نے اس کی سخت مخالفت کی اور جنہوں نے اسے مانا انہوں نے تو اس کی اور اس کے بزرگوں کی ساری شریعت کو لعنت کہہ کر سر سے پھینک دیا۔

لیکن اس سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ نعوذ باللہ من ذالک خدا نے اس اختلاف کو

روکنا چاہا پر نہ رکا اس لئے کہ) اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد جو لوگ ہوتے رہے ہیں وہ بینات کے آنے کے بعد آپس میں نہ لڑتے (اور کوئی اختلاف ان میں نہ ہوتا) لیکن (چونکہ اللہ جبراً کسی کو ہدایت پر نہیں لاتا بلکہ باختیار خود ہدایت پر آنا پسند کرتا ہے اور) انہوں نے (اپنے اختیار سے) اختلاف ہی کیا۔ سو کچھ تو ان میں سے ایمان لائے اور کچھ ان میں سے کافر بنے (بلکہ حق تو یہ ہے کہ چونکہ مشیت الٰہی تو انسان سے مخفی امر ہے اور اس کا پتہ واقعات ہی سے لگتا ہے لہٰذا یوں کہنا چاہیے کہ) اگر اللہ چاہتا تو وہ نہ لڑتے (لیکن جب وہ لڑتے ہیں تو معلوم ہوا کہ خداوند تعالیٰ نے یہ نہیں چاہا۔ رہا یہ کہ لوگ اس کو پسند کرتے ہیں کہ اختلاف نہ ہوتا لہٰذا یہی کرنا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ) اللہ وہی کرتا ہے جس کا کہ وہ خود ارادہ کرتا ہے۔

مفسرین نے اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ الخ کے یہ معنے کئے ہیں کہ پہلے تو اسی قدر فرمایا ہے کہ تو رسولوں سے ہے اور اس کے بعد اس سے ترقی کر کے فرمایا ہے کہ بلکہ ان رسولوں کو تو ہم نے ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ ان میں سے بعض کے ساتھ کلام کیا ہے (یعنی حضرت موسیٰؑ کو تو دوسروں پر یہ جزوی فضیلت دی ہے) پر بعض کو (یعنی تم کو بے حد) درجات سے بلند کیا ہے (یہ بات تو بالکل سچ اور حق ہے اور ہم یقیناً جانتے ہیں کہ جس قدر فضائل سب انبیاءؑ میں جدا جدا پائے گئے ہیں وہ سب کے سب بلکہ اور بہت سے فضائل کے ساتھ آنحضرت ﷺ میں موجود ہیں۔ بلکہ سب انسانی کمالات کا جامع ایک محمدؐ رسول اللہ ہی ہیں۔ لیکن الفاظ قرآنیہ اور ما قبل و مابعد پر نظر کرنے سے اس آیت کا یہ منشاء معلوم نہیں ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے بعض مفسرین نے اس سے حضرت ادریسؑ مراد لئے ہیں اور بعض نے سب اولوالعزم رسول لئے ہیں۔ لیکن پہلے مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ اور بعد میں عیسیٰ بن مریم کا ذکر کرنا اور پھر اس کے متصل وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ کا لانا اس کی تائید کرتا ہے جو کہ پہلے بیان ہوا ہے۔

آیت 255 تا 258: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔

تشریح الفاظ:

خُلَّةٌ۔ دوستی اور محبت۔

هُوَ۔ کی نسبت میں نے پہلے بھی لکھا ہے کہ یہ ضمیر ہے۔ جس کے معنے وہ کے ہیں لیکن کتب سابقہ میں اسم اعظم خداوند تعالیٰ کا یَہُوَ بتایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یَ تو حرف ندا تھا اور ھُوَ اسم الٰہی تھا۔ اس بنا پر اس ھُوَ کو اسم ذات بھی کہا گیا ہے جیسا کہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ (الاخلاص:2) میں اور یہاں پر دونوں معنے ہو سکتے ہیں۔

حَیٌّ۔ حیات سے ہے اور اَلْحَیُّ کے معنے کامل زندہ۔

قَیُّوْمٌ۔ قِیَامٌ سے اور اَلْقَیُّوْمُ کے معنے ہیں پورے طور پر قائم رہنے والا یا قائم رکھنے والا۔

سِنَةٌ۔ اونگھ اور غنودگی۔

کُرْسِیٌّ۔ لغت میں چوکی اور بیٹھنے کی کرسی کو کہتے ہیں۔ باقی تفسیر میں بیان ہوگا کہ اس سے مراد کیا ہے۔

یَؤُدُ۔ أَوَدٌ سے ہے جس کے معنی ٹھہڑہ پن اور بوجھ سے جھکنے کے ہیں اور حاصل معنے بوجھل کرنے کے ہیں۔

اِکْرَاہٌ۔ جبر کرنا۔ رُشْدٌ۔ نجات اور کامیابی کی راہ چلنا۔

غَیٌّ۔ ہلاکت کی راہ اختیار کرنا لیکن جس طرح ہدایت اور ضلالت اور علم و جہالت اعتقاد کے لحاظ سے ہوتے ہیں اسی طرح رُشْدٌ اور غَیٌّ علمی لحاظ سے ہوتے ہیں۔

طَاغُوْتُ۔ طُغْیَانٌ سے ہے۔ کسی نے اس کو مصدر کہا ہے اور کسی نے اور کچھ کہا ہے۔ پر بات یہی ٹھیک ہے کہ طالوت کی طرح اس کے معنے بھی بہت سرکشی کرنے والے کے ہیں۔ اور مراد انشاء اللہ تفسیر میں بیان ہوگی۔

اِسْتَمْسَكَ۔ اِسْتِمْسَاكٌ سے ہے بہت مضبوط پکڑنا۔

عُرْوَةٌ۔ دستہ اور رسہ۔ وُثْقٰی۔ وَثُوْقٌ سے ہے بہت مضبوط اور اعتبار والی۔

اِنْفِصَامٌ۔ انقطاع۔

وَلِیٌّ۔ وِلَایَةٌ سے ہے، دوست اور متولی اور خبر گیر اور ذمہ وار بننا۔

اَوْلِیَاءُ۔ وَلِیٌّ کی جمع ہے۔

ترجمہ:

اے وے لوگو! جو کہ تم ایمان لائے ہو اس دن کے آنے سے پہلے اس میں سے کچھ صرف کرلو جو کہ ہم نے تم کو دیا ہے کہ جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی اور نہ کسی قسم کی دوستی اور نہ سفارش۔ اور کافر ہی لوگ ظلم کرنے والے ہیں۔

اللہ ہی ہے کہ اس کے سوا کوئی تصرف کرنے والا (یا معبود) نہیں جو کامل زندہ پورے طور پر قائم رہنے والا (اور قائم رکھنے والا) ہے۔ جس کو نہ اونگھ پکڑتی ہے اور نہ نیند۔ اسی کے لئے وہ سب کچھ ہے جو کہ سب آسمانوں میں اور جو کچھ کہ زمین میں ہے۔ وہ کون ہے جو

کہ اس کے پاس اس کی اجازت کے سوا سفارش کرتا ہے (یا کرے گا) وہ سب کچھ وہ جانتا ہے جو کہ ان کے آگے (حاضر) ہے اور جو کہ ان کے پیچھے (غائب) ہے۔ اور اس کے علم سے وہ کسی چیز پر بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر اسی قدر پر کہ اس نے چاہا ہے۔ اس کی کرسی (حکومت) آسمانوں اور زمین کو سمائے ہوئے ہے۔ اور ان دونوں کی حفاظت اس کو ٹھہڑا (گراں بار) نہیں کرتی۔ اور وہ بڑا بلند بہت بڑا ہے۔

دین میں کوئی جبر (زبردستی، مجبور کرنا) نہیں۔ کامیابی کی راہ ہلاکت کی راہ سے صاف کھل چکی ہے۔ سو جو اس بڑے سرکش کی نافرمانی کرے گا اور اللہ کی باتیں مانے گا تو وہ مضبوط رسہ کو مضبوطی سے پکڑ چکا۔ جس کے لئے کٹنا نہیں۔ اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

اللہ ان کا ساتھی ہے جو کہ ایمان لاتے ہیں وہ ان کو ظلمتوں سے نور کی طرف نکالتا ہے اور جو کافر ہوتے ہیں ان کے ساتھ بڑے سرکش ہوتے ہیں جو کہ ان کو نور سے ظلمتوں کی طرف نکالتے ہیں۔ یہ لوگ آگ والے ہیں۔ یہ اس میں رہ پڑنے والے ہیں۔

تفسیر:

جب جہاد کی موانع بیان کر دیئے تو اب جہاد کی ضروریات میں سے وہ ضروری امر بیان کیا جاتا ہے کہ جس پر دنیوی کامیابی کی طرح اخروی کامیابی بھی موقوف ہے۔ اور وہ انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ اور چونکہ نفس اور شیطان انسان کو انفاق فی سبیل اللہ سے بہت ہی روکا کرتے ہیں اس لئے خدائے حکیم نے اس کے حکم کو مختلف طریق کی ترغیبوں اور ترتیبوں اور حکمتوں اور دلیلوں کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ پہلے ہی اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا کے ساتھ ان کو مخاطب کر کے ان کی وہ بیع یاد دلائی ہے جو کہ اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَاَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ[1] الخ (التوبۃ 111) اور پھر مِمَّا رَزَقۡنٰکُمۡ فرما کر بتایا کہ جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے وہ اللہ ہی کا دیا ہوا ہے تو اگر اس میں سے کچھ تھوڑا سا دے دیا تو کون سا بڑا اور مشکل کام کیا۔

اور پھر اَنۡفِقُوۡا اور مِمَّا رَزَقۡنٰکُمۡ کو ملا کر یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ کوئی دے دینا نہیں۔ بلکہ

[1]۔ اللہ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو (اس وعدہ کے ساتھ) خرید لیا ہے کہ ان کو جنّت ملے گی۔ (تفسیر صغیر)

اپنے فائدہ اور زیادہ فائدہ کے لئے ابتداءً کچھ صرف کرنا ہے اور جس خدا نے ابتداءً یہ کچھ دیا ہے وہ اس کے عوض میں کیوں زیادہ نہ دے گا۔ اور اس کے بعد مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ الخ فرما کر بتایا ہے کہ ایک دن آنے والا ہے کہ اس میں وہ سب کاروبار اور تعلقات کام نہ آویں گے اور بیکار ہو جاویں گے جو کہ دنیا میں بڑے کار آمد اور مفید یقین کئے جاتے ہیں اور بجائے ان کے یہی انفاق اس دن کام آئے گا۔ (اور اس کے بعد بتایا کہ) سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے وہی لوگ ہوں گے جو کہ ہمارے اس کہے ہوئے کو نہ مانیں گے۔ (اس کے بعد فرمایا کہ) اللہ (جس کے لئے اور جس کے حکم سے تم صرف کرو گے) وہ ہے کہ جس کے سوا دوسرا کوئی متصرف نہیں ہے (تاکہ تمہارے صرف کئے ہوئے کے اجر ملنے میں کچھ اندیشہ ہو سکے) وہ ہمیشہ اور کامل طور پر زندہ رہنے والا ہے اور خود ہمیشہ قائم اور اوروں کو قائم رکھنے والا ہے۔

(پس اس طور پر بھی تمہارا صرف کیا ہوا ضائع نہیں ہو سکتا) اس کو نہ اونگھ پکڑتی ہے اور نہ نیند (کہ اس طریق سے وہ ضائع ہو) اور پھر نہ اس کی استطاعت کم ہے کہ بدلہ نہ دے سکے کیونکہ) اسی کے لئے وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔

(مفسرین نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ میں طریق مبالغہ تو اس کو چاہتا تھا کہ نَوْمٌ کو پہلے اور سِنَۃٌ کو پیچھے لایا جاتا۔ اس کا عام جواب تو یہی دیا گیا ہے کہ اس کے پیدا ہونے کی چونکہ یہی ترتیب تھی اس لئے وہی اختیار کی گئی ہے کیونکہ احاطہ کے مقام میں ایسا ہی کرنا ضروری ہوتا ہے۔ لیکن محققین کا یہ جواب ہے کہ یہاں پر ترقی ہی کی گئی ہے جس کو سائل چاہتا ہے اور وہ اس طرح ہے کہ اَخْذٌ سے محض پکڑنا مراد نہیں بلکہ غلبہ اور قابو پانا اس سے مقصود ہے اور ظاہر ہے کہ اونگھ کی نسبت نَوْمٌ کا غلبہ شدید ہوتا ہے۔

اس کے بعد یہ بتایا ہے کہ جب وہ ان سب صفات کاملہ میں اور سارے جہانوں کی حکومت میں یگانہ ہے تو اگر وہ پکڑے تو پھر) کون ہے کہ اس کے اذن کے سوا اس کے پاس سفارش کر سکے (یعنی وجاہت اور دباؤ اور لحاظ اور دوستانہ وغیرہ کی کوئی سفارش وہاں نہیں ہو سکے گی کہ جن پر گمراہ لوگوں کو گھمنڈ ہے۔ ہاں اعزاز کے طور پر باذن سفارش ہو گی۔ اور اس میں

سب دارومدار اللہ کی مرضی پر ہے۔ پس جس شخص کو وہ عزت دینا چاہے گا اس کو اذن شفاعت دے گا اور جس کے لئے مہربانی چاہے گا اس کے لئے سفارش کرنے کی کسی کو اجازت دے گا۔ لیکن یہ رضاء اندھا دھند نہ ہو گی بلکہ ان کے اعمال صالحہ پر ہو گی اور ان کو اللہ ہی جانتا ہے) وہ جانتا ہے اس کو بھی جو کہ ان کے آگے ہے اور اس کو بھی جو کہ ان کے پیچھے (یعنی ان کے سب اعمال اور سب خیر و شر کو وہ جانتا ہے) اور لوگ اللہ کے علم سے کسی چیز پر احاطہ نہیں کر سکتے (تا کہ ان کو معلوم ہو جاتا کہ اللہ فلاں کو فلاں کے لئے شفاعت کی اجازت دے گا) ہاں اسی قدر پر (وہ احاطہ کر سکتے ہیں) کہ جس قدر اس نے چاہا ہے (کہ اپنی کتاب میں بتا دیا ہے کہ مِنۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى[1] (النجم 27) اور یہ کہ وَلَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ[2] (الزخرف:87) اور ایک کے جان لینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اوروں کا پتہ بھی لگ جاوے۔ اس سے يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ کے معنے بھی کھل جاتے ہیں کہ اس کے یہ معنے نہیں کہ بالکل شفاعت نہیں بلکہ اس کے یہ معنے ہیں کہ شفاعت بدون اذن نہیں جیسا کہ دونوں کے ملانے سے صاف صاف ظاہر ہے۔

پھر اس شفاعت کے ضمنی ذکر کے بعد بتایا کہ تمہارے صرف کئے ہوئے کی حفاظت بھی اس پر کوئی مشکل نہیں کہ وہ ضائع ہو جائے دیکھو کہ) اس کی حکومت آسمانوں اور زمین پر وسیع ہے (اور حکومت کا بڑا اہم کام اور ضروری غرض حفاظت ہوتی ہے تو) ان دونوں کی حفاظت اس کو گراں بار نہیں بناتی (حالانکہ اس کے مقابلہ میں تمہارا صرف کیا ہوا بہت تھوڑا سا ہے۔ ہاں مخلوق سے اس قسم کی حفاظت بے شک محال ہے لیکن) وہ بہت بلند اور بہت بڑا ہے (اس کو مخلوق پر قیاس نہ کرنا چاہیے۔

کرسی کے معانی:

کرسی کی نسبت مختلف اقوال ہیں۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ عرش عظیم کے

---

[1]۔ سوائے اس کے کہ اللہ ایسا کرنے کی اُس شخص کے متعلق اجازت دے، جس کو وہ اپنی مرضی کے مطابق پاتا ہو اور پسند کرتا ہو۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ اور جن کو یہ لوگ خدا کے سوا پکارتے ہیں وہ شفاعت کے مالک نہیں مگر وہی شفاعت کا حق رکھتا ہے جو سچ کی گواہی دے اور وہ (کفار اس حقیقت کو) خوب سمجھ سکتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

آگے ایک جسم ہے جو کہ ساتوں آسمانوں پر محیط ہے۔ اور آیا ہے کہ اگر زمین اور ساتوں آسمان ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر پھیلائے جائیں تو کرسی کے مقابلہ میں ایسے ہوں گے جیسی ایک انگوٹھی بڑے بیابان کے مقابلہ میں۔ اور ابن عباسؓ کی ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ خداوند تعالیٰ کے قدموں کی جگہ کرسی کہلاتی ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اللہ کی قدرت کا نام ہے اور بعض نے اس کی تدبیر کا نام بتایا ہے اور کسی نے کہا ہے کہ ایک فرشتہ کا نام ہے اور بعض نے اس سے علم لیا ہے۔ پر حق یہی ہے کہ عرش اور کرسی سے حکومت کا اظہار مقصود ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو صاف الفاظ میں لکھ دیا ہے۔ اس کے بعد بتایا ہے کہ جو دین حق بتایا گیا ہے اس کی پیروی نہایت مفید اور بہت ضروری ہے۔ پر تب ہی کہ انسان اپنے اختیار اور ارادہ سے حق سمجھ کر کرے نہ یہ کہ جو لوگ قابو رکھتے ہوں اور وہ اس کے مفید ہونے کا بھی یقین رکھتے ہوں تو وہ دوا کی طرح جبراً لوگوں کو استعمال کراتے پھریں۔ لہٰذا فرمایا کہ) دین میں کوئی جبر نہیں نجات کی راہ ہلاکت کی راہ سے صاف کھل چکی ہے۔ (پس جو نجات کی راہ اختیار کرے گا فائدہ اٹھائے گا اور جو اس کو ترک کرے گا دکھ پائے گا۔

پس جس طرح انسان کو جبر نہیں کرنا چاہیے اسی طرح خداوند تعالیٰ بھی جبراً کسی کو راہ راست پر نہیں لاتا) پس جو اس سرکش کی نہ مانے گا (یعنی شیطان اور نفس امارہ بالسوء کے کہنے کی پیروی نہ کرے گا اور اللہ کا کہا مانے گا سو اس نے مضبوط اور قابل اعتماد دستے اور رسے کو مضبوط پکڑ لیا جس کے لئے ٹوٹنا نہیں (اور خالی زبانی دعویٰ کام نہیں آتا کیونکہ) اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

(پس دل اور قول اور عمل تینوں برابر متفق ہونے چاہئیں۔ اس کے بعد دونوں گروہوں کے اپنے اپنے حال پر جمے رہنے اور باوجود حق کے کھل جانے کے پھر بھی باطل پرستوں کے اس کی طرف رخ نہ کرنے کی وجہ بتائی کہ) جو لوگ اللہ کی باتوں کو مان لیتے ہیں اللہ ان کا نگران اور دوست بن جاتا ہے اور ان کو اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا رہتا ہے۔ (اس لئے وہ حق کے کسی پہلو سے پہلو تہی نہیں کرتے اور بڑی

بڑی جانفشانیاں ان سے معرض ظہور میں آتی ہیں) اور جو ان کو نہیں مانتے تو سرکش شیطان اور سرکش نفس امارہ ان کے نگران اور دوست ہو جاتے ہیں اور ان کو نور سے ظلمت کی طرف لے جاتے رہتے ہیں۔ اور یہ لوگ آگ کا حصہ ہو جاتے ہیں اور اس میں رہ پڑنے والے ہو جاتے ہیں۔

طاغوت سے مراد:

(طاغوت سے بعض نے شیطان لیا ہے۔ اور بعض نے بت۔ اور بعض نے ہر ایک وہ چیز جس کی اللہ کے سوا پرستش کی گئی ہو۔ اور کسی نے ساحر لیا ہے۔ لیکن حق یہی ہے کہ شیطان اور نفس امارہ ہی بڑے سرکش ہیں۔

آیت 259 تا 261: اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡ حَآجَّ اِبۡرٰهٖمَ فِیۡ رَبِّهٖۤ اَنۡ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الۡمُلۡكَ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّیَ الَّذِیۡ یُحۡیٖ وَیُمِیۡتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحۡیٖ وَاُمِیۡتُ ؕ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاۡتِیۡ بِالشَّمۡسِ مِنَ الۡمَشۡرِقِ فَاۡتِ بِهَا مِنَ الۡمَغۡرِبِ فَبُهِتَ الَّذِیۡ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ۔ اَوۡ كَالَّذِیۡ مَرَّ عَلٰی قَرۡیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوۡشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰی یُحۡیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمۡ لَبِثۡتَ ؕ قَالَ لَبِثۡتُ یَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ یَوۡمٍ ؕ قَالَ بَلۡ لَّبِثۡتَ مِائَةَ عَامٍ فَانۡظُرۡ اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمۡ یَتَسَنَّهۡ ۚ وَانۡظُرۡ اِلٰی حِمَارِكَ وَلِنَجۡعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ ۚ وَانۡظُرۡ اِلَی الۡعِظَامِ كَیۡفَ نُنۡشِزُهَا ثُمَّ نَكۡسُوۡهَا لَحۡمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ قَالَ اَعۡلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ۔ وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیۡ كَیۡفَ تُحۡیِ الۡمَوۡتٰی ؕ قَالَ اَوَ لَمۡ تُؤۡمِنۡ ؕ قَالَ بَلٰی وَلٰكِنۡ لِّیَطۡمَئِنَّ قَلۡبِیۡ ؕ قَالَ فَخُذۡ اَرۡبَعَةً مِّنَ الطَّیۡرِ فَصُرۡهُنَّ اِلَیۡكَ ثُمَّ اجۡعَلۡ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنۡهُنَّ جُزۡءًا ثُمَّ ادۡعُهُنَّ یَاۡتِیۡنَكَ سَعۡیًا ؕ وَاعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیۡزٌ حَكِیۡمٌ ۔

تشریح الفاظ:

حَاجَّ۔ مُحَاجَّةٌ سے ہے، حجت بازی کرنی اور ایک دوسرے کے مقابلہ میں حجت اور دلیل پیش کرنی۔

یُحۡیٖ۔ اُحۡیٖ۔ یُمِیۡتُ۔ اُمِیۡتُ۔ اِحۡیَاءٌ اور اِمَاتَةٌ سے ہیں، زندہ کرنا اور مارنا۔

بُهِتَ۔ مبہوت اور حیران کیا گیا۔

قَرْیَۃٌ۔ بستی۔ خَاوِیَۃٌ۔ خَیٌّ۔ خَوَی۔ خَوَاءٌ سے ہے، گرنا اور خالی ہونا۔

عُرُوْشٌ عَرْشٌ کی جمع ہے۔ بالے جو کہ چھت پر ڈالے جاتے ہیں اور چھت پر بھی بولتے ہیں۔

اَنّٰی۔ کب۔ لَبِثْتَ۔ لَبْثٌ سے ہے، ٹھہرنا۔

عَامٌ۔ سال۔ شَرَابٌ۔ پینے کی ہر ایک چیز۔

لَمْ یَتَسَنَّہْ۔ کی نسبت مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ سَنَۃٌ سے بنا ہوا ہے جس کے معنے سال کے ہیں۔ پس یَتَسَنَّہْ کے معنی ہوں گے، سال گذرا اس پر اور لَمْ کے آنے سے معنی ہوئے اس پر سال نہیں گذرا۔ اور مجازاً اس سے یہ بھی لیا ہے کہ متغیر نہیں ہوا۔ اور بعض کا خیال ہے کہ یہ اصل میں لَمْ یَتَسَنَّنْ تھا اور اس سے بدل کر یہ بن گیا ہے اور حَمَأٌ مَسْنُوْن کی طرح یہاں پر بھی اس کے معنے سڑنے اور متغیر ہونے کے ہیں۔

اَلْعِظَامُ۔ عَظْمٌ کی جمع ہے، ہڈی۔ کَیْفَ۔ کس طرح۔

نُنْشِزُ۔ اِنْشَازٌ سے ہے بلند کرنا اور پھیلانا اور ابھارنا۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ لَا رِضَاعَ اِلَّا مَا اَنْشَزَ الْعَظْمَ۔

(تفسیر معالم التنزیل (بغوی) جلد اول صفحہ 411 سورۃ النساء زیر آیت حرمت علیکم امھاتکم... ادارۃ تالیفات اشرفیہ پاکستان)

اور بعض نے اس کے معنے ہڈیوں کو اپنے جوڑوں پر لگانے کے کئے ہیں پر یہ ٹھیک نہیں۔

نَکْسُوْ۔ کِسْوَۃٌ سے ہے پہنانا۔

بَلٰی۔ یہ جواب کا لفظ ہے جو کہ منفی سوال کے بعد آکر اثبات کے ساتھ جواب دیتا ہے۔ جس کے معنے ہاں ہوتے ہیں۔

یَطْمَئِنَّ۔ اطمینان سے ہے۔

صُرْ۔ صَارَ۔ یَصُوْرُ سے ہے۔ امام ابو علی اور فراء نے اس کے دو معنے کئے ہیں مائل کرنا۔ ہلانا اور کاٹنا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس کے معنے تو مائل ہی کرنے کے ہیں۔ البتہ۔ صِرْ جو کہ صَارَ۔ یَصِیْرُ سے آتا ہے اس کے معنے کاٹنے کے آتے ہیں لیکن اس کے بعد اِلَیْکَ (اپنی طرف) کا آنا مائل کرنے کو معین کرتا ہے۔

جُزْءٌ۔ ٹکڑا، حصہ، بعض۔ سَعْیٌ۔ کوشش کرنا، دوڑنا۔

ترجمہ:

کیا تم نے اس کی طرف نہیں دیکھا جس نے ابراہیم کے ساتھ اس کے رب کے بارہ میں حجت بازی کی تھی۔ اس لیے کہ اللہ نے اس کو سلطنت دی۔ جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو کہ زندہ کرتا اور مارتا ہے تو وہ بولا کہ میں زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا سو بے شک اللہ سورج کو مشرق سے مغرب کی طرف لے جاتا ہے تو تم اس کو مغرب سے لے آؤ۔ تو جو کافر بنا تھا وہ مبہوت کیا گیا۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو راہ پر نہیں لاتا۔

یا اس کی مانند جو کہ کسی بستی پر گذرا اور وہ اپنے چھتوں پر گری پڑی تھی اس نے کہا اللہ اس کو اس کے مرنے کے بعد کب زندہ کرے گا۔ سو اللہ نے اس کو سو سال مارا اور پھر اس کو اٹھایا۔ فرمایا تم کس قدر ٹھہرے ہو۔ اس نے کہا میں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرا ہوں۔ فرمایا بلکہ تم تو سو سال ٹھہرے ہو۔ تو تم اپنے کھانے اور پینے کو دیکھو کہ اس پر کوئی سال نہیں گذرا اور اپنے گدھے کو دیکھو (یہ اس لیے ہم نے کیا ہے تا کہ ہم تم کو نور کی طرف لے جائیں) اور تا کہ ہم تم کو لوگوں کے لیے نشان (پیشوا) بنائیں۔ اور سب ہڈیوں کی طرف نظر کرو کہ کس طرح ہم ان کو پھیلاتے ہیں اور پھر ہم ان پر گوشت پہناتے ہیں۔ سو جب اس کے لیے خوب وضاحت ہوگئی تو بولا میں یقیناً جانتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر ایک چاہے ہوئے امر پر بڑی قدرت رکھنے والا ہے۔

اور جب کہ ابراہیم نے کہا کہ اے میرے رب تو مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کس طریق سے زندہ کرے گا (یا کرتا ہے) اللہ نے فرمایا کیا تو (اس کو نہیں مانتا) اور ایمان نہیں لایا۔ بولا ہاں (میں مانتا ہوں) و لیکن (میں اس کی کیفیت اس لئے دریافت کرتا ہوں) تا کہ میرا دل اطمینان پکڑے۔ فرمایا سو تو پرندوں میں سے چار لے لے پھر ان کو اپنی طرف مائل کر لے (ہلا لے) اور پھر ہر ایک کسی پہاڑ پر ان میں سے بعض کو رکھ دے اور پھر تم ان کو بلاؤ تو وہ پھرتی کے ساتھ تمہارے پاس آجاویں گے۔ اور یقیناً جان رکھ کہ بے شک اللہ بڑی طاقت اور بڑی حکمت والا ہے۔

تفسیر:

خداوند تعالیٰ نے جب یہ بیان فرمایا کہ اللہ مومنوں کا ولی ہوتا ہے اور ان کو ظلمتوں سے نور کی طرف نکالتا ہے اور شیطان کفار کا ولی ہے اور وہ ان کو نور سے ظلمتوں کی طرف لے جاتا ہے اور یہ ایک پوشیدہ امر تھا جو کہ تمثیل اور توضیح کے سوا عام فہم نہ ہو سکتا تھا۔ لہٰذا خداوند کریم نے اس کی تین مثالیں بیان فرمائیں۔

اور پہلی میں مومن اور کافر کو مقابلہ میں رکھ کر دونوں کا نور اور ظلمت کی طرف جانا دکھانے کے لیے فرمایا کہ) کیا تم نے اس (کافر) کی طرف نہیں دیکھا جس نے ابراہیم کے ساتھ اس کے رب کے بارہ میں اس لیے حجت بازی کی تھی کہ اس نے اس کو سلطنت اور حکومت دی تھی (اور تم نے اس کے حال اور قال پر غور و فکر نہیں کیا جس سے اس کا نور سے ظلمت کی طرف جانا کھلا کھلا پایا جاتا ہے اور بالمقابل اس کے ابراہیمؑ کے کلام سے اس کا نور کی طرف جانا کھلا کھلا نظر آتا ہے۔ کیونکہ اول تو اس کافر کی حالت کو دیکھو کہ اللہ نے تو اس کو حکومت اور سلطنت دی جس کا اس کو شکر گذار بننا چاہیے۔ پر وہ کافر بن کر اللہ کے بارہ میں حجت بازی کرتا ہے۔ یہ تو اس کی حالت تھی۔ اب مقابلہ میں دیکھو کہ) جب ابراہیمؑ نے یہ کہا کہ میرا رب وہ ہے جو کہ زندہ کرتا اور مارتا ہے تو وہ (اس حق اور کھلی اور سیدھی بات کو رد کرنے اور الجھن میں ڈالنے کے لیے) بولا کہ میں زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔

(مفسرین نے لکھا ہے کہ اس نے احیاء کو بمعنے زندہ رکھنے کے لے کر یہ کہہ دیا تھا کہ میں بھی زندہ رکھتا اور مارتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ اس نے دو شخص بلائے اور ایک کو قتل کر دیا اور ایک کو رہا کر دیا اور کہا دیکھو یہ تو میں بھی کرتا ہوں۔ وَالْعِلْمُ عِنْدَاللّٰہِ[1] لیکن ظاہر لفظوں سے نہ یہ پایا جاتا ہے کہ اس نے احیاء کے یہ معنے لیے تھے اور نہ یہ کہ میں بھی کر سکتا ہوں یا کرتا ہوں بلکہ لفظوں سے اس قدر نکلتا ہے کہ میں یا میں ہی زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔

اصل بات یوں معلوم ہوتی ہے کہ ہندوؤں میں جو اتاروں کا عقیدہ ہے چونکہ اس میں ایک طرف تو خدا کا انسان میں حلول مانا گیا ہے اور دوسری طرف اوتار کے لیے حکومت اور

[1]۔ اور علم اللہ کے پاس ہے۔ (از مرتب)

اقتدار کا ہونا بڑا نشان مقرر کیا گیا ہے۔ اس لیے بہت سے بادشاہوں نے خدائی دعویٰ کی جرأت کی اور یہی وجہ ہے کہ فرعون نے اپنی الوہیت اور خدائی کی یہی دلیل پیش کی کہ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ[1] (الزخرف:52) اور اسی حلول کے اعتقاد کو لے کر اس کافر بادشاہ نے بھی حضرت ابراہیم کے مقابلہ میں کہہ دیا کہ ہاں یہ کام خدا کا ہے۔ پر تم کو معلوم نہیں یہ کام تو میں ہی کیا کرتا ہوں اور خدا کوئی مجھ سے باہر نہیں بلکہ میں ہی خدا ہوں۔

پس اسی طریق سے وہ خود بھی ظلمت میں پڑا تھا اور لوگوں کو بھی اس نے ظلمت میں ڈالا تھا لیکن اللہ نے اپنے بندے ابراہیمؑ کو ظلمت سے نور کی طرف نکالا تو) ابراہیمؑ نے کہا (کہ یہ مقتدرانہ کام تو پہلے بھی ہوتے تھے اور اب بھی ہوتے ہیں اور تم مانتے ہو اور ہم بھی مانتے ہیں کہ یہ خدا کرتا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ وہ تم ہو یا تم میں ہے تو یہ تب ہو کہ ممتاز طور پر تم بھی کوئی ایسا فعل کر دکھاؤ مثلاً اللہ ہمیشہ سورج کو مشرق سے لاتا رہا ہے، سو تم اس کو مغرب سے لے آؤ۔ سو (ایسا ابراہیمؑ کا یہ کہنا تھا کہ) کافر مبہوت اور حیران رہ گیا۔

(مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے پہلی دلیل کو چھوڑ کر دوسری اختیار کی اور کہ دوسری دلیل پر بھی مخالف کہہ سکتا تھا کہ مشرق سے تو میں لایا کرتا ہوں تم اپنے رب کو کہو کہ وہ اس کو اب مغرب سے لے آئے۔ لیکن یہ سب احیاء کے معنے الٹنے پر مبنی ہیں۔ پر جس طرح اللہ کے فضل سے ہم نے اس کا مطلب لکھا ہے نا تو احیاء کے الٹنے کے پڑتے ہیں اور نہ یہ باتیں لازم آتی ہیں اور بالکل مطلب صاف ہو جاتا ہے۔ جب مقابلہ کے وقت نور اور ظلمت کی طرف جانا پہلی مثال میں بیان ہو چکا تو اب دوسری تمثیل میں خداوند کریم اپنے بندوں کی تربیت کے وقت جو ان کو ظلمات سے نور کی طرف نکالا کرتا ہے۔ اس کی مثال پیش کرنے کے لئے فرماتا ہے کہ) یا اس کی مانند کہ کسی بستی پر گزرا اور وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی تھی۔

(مفسرین میں سے کچھ تو اس طرف گئے ہیں کہ وہ گزرنے والا شخص مومن تھا اور کچھ کہتے ہیں کہ وہ کافر تھا ایک اس وجہ سے کہ وہ موت کے بعد زندہ کرنے سے منکر ہے اور دوم

[1]۔ کیا مصر کی حکومت میرے قبضہ میں نہیں؟ اور یہ دریا (دیکھو) میرے تصرّف کے ماتحت چل رہے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

اس وجہ سے کہ نمرود کے جھگڑے کے بعد اس کا لانا بھی اس کے کفر کو چاہتا ہے۔ پھر جو مومن کہتے ہیں ان سے بعض تو حضرت عزیرؑ نبی بتاتے ہیں اور بعض حضرت یرمیاؑ اور بعض حضرت شعیاؑ اور بعض خضرؑ اور بعض حضرت لوطؑ کا کوئی غلام بتاتے ہیں۔

قَرْیَۃٌ سے مراد:

یہی حال قریہ کا ہے کوئی کہتا ہے یہ وہ بستی ہے کہ جس سے کئی ہزار بنی اسرائیل موت سے بچنے کے لئے نکلے تھے اور خداوند کریم نے مارنے کے بعد ان کو اٹھایا تھا۔ جس کا اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ[1] الخ (البقرۃ: 244) میں ذکر ہوا ہے۔ اور کلبی نے کہا ہے کہ دیر سابر آباد نام بستی تھی اور سدی نے کہا ہے کہ دیر سلما باذ تھی اور کسی نے کہا ہے کہ دیر ہر قل تھی اور بعض کا خیال ہے کہ یہ وہ بستی ہے کہ جس کو مُؤْتَفِكَةٌ کہا گیا ہے اور بعضوں نے کہا ہے کہ بیت المقدس سے دو فرسخ کے فاصلہ پر قریۃ العنب نام ایک گاؤں تھا اور عکرمہ اور ربیع اور وہب بلکہ اکثروں نے کہا ہے کہ یہ بیت المقدس ہی تھا، جب کہ بخت نصر بابلی کے حملہ سے تباہ ہو گیا تھا۔

اس کے بعد مفسرین نے جو کچھ اس واقعہ کی نسبت لکھا ہے وہ مختصر طور پر یہ ہے کہ جب وہ اس گری ہوئی بستی پر گزرا تو اس نے تعجب کے طور پر کہا کہ اللہ کب اس کو زندہ کرے گا۔ تو اللہ نے اس کو مار دیا اور اس کی لاش کو درندوں پرندوں اور لوگوں کی نظروں سے محفوظ کر دیا۔ یہاں تک کہ جب اس کے مرنے کے بعد ستر سال گزر گئے تو خداوند کریم نے فارس کے ایک بادشاہ کوسک نام کی طرف فرشتہ بھیجا اور اس کو یہ کہا کہ اللہ تجھے حکم دیتا ہے کہ تو اپنے لوگ لے جا کر اس شہر اور اس کے ارد گرد کی زمین کو خوب آباد کر۔ تب وہ تین ہزار داروغہ ساتھ لے کر چلا اور ہر ایک داروغہ کے ماتحت ہزار آدمی تھا اور وہاں جا کر اس ملک کو خوب آباد کیا۔ اس طرف وہ ظالم بادشاہ بھی ہلاک ہو گیا۔ کہ جس نے اس شہر کو غیر آباد کیا تھا کہ جس کی وجہ سے بنی اسرائیل جلاوطن ہو گئے تھے تو اس ظالم کے مرنے کے

[1]۔ کیا تجھے اُن لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو موت سے بچنے کے لیے جبکہ وہ ہزاروں (کی تعداد میں) تھے اپنے گھروں سے نکلے تھے۔ (تفسیر صغیر)

باعث بنی اسرائیل پھر اس ملک اور شہر میں آکر آباد ہو گئے اور جب پہلے ستر سال پر تیس سال اور گزر گئے اور پوری صدی ہو گئی اور اس عرصہ میں بنی اسرائیل بھی بہت سے بڑھ گئے اور بہت اچھی حالت ہو گئی تو پھر خداوند حکیم نے اس شخص کو زندہ کر دیا۔ اور زندہ کر کے سوال کیا کہ تم کتنی مدت پڑے رہے ہو، یعنی مرے رہے ہو تو تخمینے کے طور پر یا مدت کی کمی بیان کرنے کے لئے یا اس وجہ سے کہ وہ چاشت کے وقت مرا تھا اور مغرب کے وقت زندہ ہوا تھا تو اس نے اسی دن کی مغرب یا دوسرے دن کی مغرب خیال کر کے کہا کہ میں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرا ہوں۔ تو خداوند علیم نے فرمایا نہیں بلکہ تم ایک سو سال ٹھہرے رہے ہو (تو چونکہ انسان کا سو سال تک اس طور پر بدون تغیر جسم کے ٹھہرا رہنا بظاہر بعید از فہم تھا اس لئے اس سے بھی بڑھ کر تعجب انگیز امر اس کو بتایا) کہ تم اپنے کھانے [1] (جو کہ انگور اور انجیر تھا) اور پینے (جو کہ نبیذ یا دودھ تھا) سو دیکھو کہ وہ بالکل نہیں بگڑا اور نہ وہ باسی اور متغیر ہوا ہے (تو اس سے چونکہ مدت میں شک پڑتا تھا اس لئے اس کو کہا) کہ تم اپنے گدھے کی طرف دیکھو کہ وہ کس طرح مر کر بوسیدہ ہڈیاں ہو گیا ہے۔ تب خداوند کریم نے اس کو فرمایا کہ یہ سب کچھ ہم نے اس لئے کیا ہے تا کہ ایک تو تجھے اپنی قدرت دکھائیں۔

دوم اس لئے کہ تجھے لوگوں کے لئے ایک عجیب نشان اپنی قدرت کا بنائیں۔ پھر فرمایا کہ اب تو اپنے گدھے کی ہڈیوں کو دیکھ (اور بعض کا خیال ہے کہ بنی اسرائیل کی اور اس شہر کے مردہ لوگوں کی ہڈیوں کو دیکھ) کہ کس طرح ہم ان کو اپنے اپنے محل پر لگاتے ہیں اور پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ پس خداوند کریم نے فوراً ایسا ہی کر دیا۔ تو جب یہ سب کچھ اس پر کھل چکا تو وہ بولا کہ میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر ایک چاہے ہوئے کام پر قادر ہے۔

اور عزیر کے قائلوں نے اس کے بعد یہ بھی لکھا ہے کہ پھر وہ اٹھا اپنے گدھے پر سوار ہو کر اپنے محلہ میں آیا تو اس کو وہ مکان اور لوگ سب ناآشنا معلوم ہونے لگے پھر وہ حیران ہو کر اپنے مکان پر گیا تو دیکھا ایک اندھی اپاہج بڑھیا اس مکان میں بیٹھی ہوئی ہے جو کہ ایک سو بیس سال کی عمر کی ہے اور یہ عزیر کی لونڈی تھی جو کہ اس کی موجودگی میں بیس سالہ تھی تو عزیر نے

[1] ۔(تفسیر القرآن جلد 5 نمبر 1 بابت ماہ جنوری، فروری، مارچ 1910ء صفحہ 1 تا 100 مطبوعہ قادیان)

اس سے دریافت کیا کہ کیا یہ عزیر کا مکان ہے؟ تو اس نے کہا ہاں اور رونے لگی اور کہا کہ سو سال ہو گیا ہے کہ کوئی اس کا نام بھی نہیں لیتا اور لوگ اسے بالکل بھول گئے ہیں۔

تب عزیر نے کہا کہ میں عزیر ہوں۔ بڑھیا نے کہا سبحان اللہ عزیرؑ کو کھوئے ہوئے تو سو سال گذر گیا ہے اور اب تک اس کا کوئی پتا نہیں لگا۔ تب عزیر نے کہا کہ میں عزیر ہوں اور خداوند تعالیٰ نے مجھے سو سال مار رکھا تھا اور اب زندہ کیا ہے۔ تب اس نے کہا کہ وہ تو مستجاب الدعوات تھا اور اس کی دعاؤں سے بیمار اچھے ہوا کرتے تھے۔ پس تم میرے لئے دعا کرو تا کہ میں تم کو دیکھوں۔ تو اس نے دعا کی اور وہ دیکھنے اور چلنے پھرنے لگی اور اس کو یقین ہو گیا کہ بے شک عزیر ہے۔ تب وہ شہر میں پھر کے لوگوں کو بتانے لگی کہ عزیر آ گیا ہے۔

اور عزیر کا ایک بیٹا بھی اس وقت موجود تھا۔ جس کی عمر اس وقت ایک سو اٹھارہ سال کی تھی۔ تو اس نے کہا کہ میرے باپ کے شانوں میں ایک سیاہ نشان تھا۔ جب دیکھا تو وہ موجود تھا۔

اور بنی اسرائیل نے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ بنی اسرائیل میں سے سوائے عزیر کے اور کسی کو توریت یاد نہیں ہوئی اور بخت نصر نے توریت جلا دی تھی تو تم اگر عزیر ہو تو ہمیں توریت لکھا دو تب اس نے توریت لکھائی۔

اور بعض روایتوں میں ہے کہ عزیر کے باپ نے بخت نصر کے زمانہ میں کسی جگہ میں توریت دفن کر دی تھی اور جگہ سوائے عزیر کے اور کسی کو معلوم نہ تھی۔ تب عزیر ان سب کو ساتھ لے کر وہاں پر گیا اور توریت نکال دی۔

اور بعض میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب عزیر توریت لکھا چکے تو ایک شخص آیا اور اس نے بتایا کہ مجھے اس قدر معلوم ہے کہ میرے دادا نے اپنے انگور کے باغ میں توریت دفن کی تھی لیکن مجھے وہ باغ معلوم نہیں۔ اگر تم وہ باغ مجھے بتا دو تو میں وہ تم کو نکال دوں۔ تو لوگوں نے اس کو وہ باغ بتایا اور اس نے وہ نکالی۔ تب عزیر کی لکھائی توریت کا اس کے ساتھ مقابلہ کیا گیا اور حرف بحرف مطابق پائی گئی۔

یہ وہ قصہ ہے جو کہ ہمارے مفسرین نے ان آیتوں کی تفسیر میں لکھا ہے۔ لیکن تعجب کی بات ہے کہ ہمارے مفسرین جب ایسے قصے لکھتے ہیں نہ تو ان میں اس بات کا خیال کرتے

ہیں کہ یہ صریح عقل کے خلاف ہے اور نہ یہ کہ یہ محکمات کے خلاف ہے اور نہ اس قصہ کا کوئی ماخذ بتاتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے یوں خبر دی ہے یا کم از کم یہ کہ توریت و انجیل وغیرھما کتب سابقہ میں یوں لکھا ہے۔ اور پھر اس سے بڑھ کر کبھی تو اسرائیلی روایتوں پر ایسے جمتے ہیں کہ ان کی بناپر عقل اور محکمات کے خلاف ایک قصہ تسلیم کر لیتے ہیں اور کبھی جس طرح عقل اور محکمات کی پروانہیں کرتے۔ اسی طرح کتب سابقہ کے بیان کی بھی پروا نہیں کرتے اور جس قدر بھی وہ اپنے بیان کا ماخذ بیان کرتے ہیں وہ بجز اس کے اور کچھ نہیں ہوتا کہ چند ایک پہلے علماء ہیں کہ ان میں سے کسی کا نام لے کر کہہ دیتے ہیں کہ اس نے یوں کہا ہے یا اس نے فلاں عالم سے یوں نقل کیا ہے اور بس۔ اور ظاہر ہے کہ ان کے مسلمہ اصول کے مطابق بھی یہ ماخذ کچھ کام نہیں دے سکتا۔ علاوہ بریں انہوں نے تو ایسے خلاف از عقل و نقل قصے لکھ دیئے۔

اور اب مخالف ان قصوں کو قرآن مجید کے قصص خیال کر کے اعتراض کرتا ہے۔ طرفہ بریں یہ ہے کہ عام لوگ ان تفسیروں کے بیان کو لوح محفوظ کا نوشتہ یقین کرتے ہیں۔ پس نہ تو ان قصص کا انکار کر سکتے ہیں اور نہ مخالفین کو کوئی جواب دے سکتے ہیں۔

ابن عباسؓ کی طرف منسوب اقوال:

مفسرین نے تو بس اس کو کافی ثبوت خیال کر لیا ہے کہ محال سے محال اور بعید از عقل اور مخالف محکمات اور مناقض تاریخ یا کتب سابقہ قصص میں اس قدر لکھ دیں کہ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ؓ حالانکہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ تفسیر میں جس قدر مختلف اقوال منقول ہوتے ہیں قریباً سب یا اکثر کے موافق عن ابن عباسؓ ہی مروی ہوتا ہے خواہ وہ اقوال آپس میں بالکل متناقض ہوں۔ جو کہ عن ابن عباسؓ کے اعتبار پر پانی پھیرتا ہے یا کم از کم یہ ثابت کرتا ہے کہ ہر ایک عن ابن عباسؓ قابل اعتبار نہیں۔ پھر اسی وجہ سے پہلے علماء نے یہ تفصیل بھی کر دی تھی کہ تفسیر میں ابن عباسؓ سے کن کن شاگردوں کا عن ابن عباسؓ قابل اعتبار ہے اور کن کا نہیں۔

لیکن مفسرین اور تفسیروں کے پڑھنے والوں اور ان کے اقوال کو لوح محفوظ کا نوشتہ یقین کرنے والوں نے اس بات کا قطعاً لحاظ نہیں کیا۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ اسرائیلی

روایات ہر گز اس قابل نہیں کہ بے تحقیق ان سب کا اعتبار کیا جائے۔ یہ وہ قوم ہے کہ معمولی روایات اور معمولی امور تو در کنار اپنے مسلمہ ان انبیاءؑ کی نسبت کہ جن سے ان کو کسی قدر رنج تھا اپنی مسلمہ الہامی کتابوں میں ایسے ایسے جھوٹے قصص اور افترا لکھے ہیں کہ جن کے تسلیم کرنے سے ان کی نبوت کیا ان کا مومن ہونا بھی تسلیم نہیں ہو سکتا۔ اور یہ محض اس لئے کیا ہے تا کہ آئندہ نسلوں میں ان قصص کے باعث ان کی نبوت سے لوگ منکر ہو جاویں۔

حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ کی حکومت کی وجہ سے چونکہ بعض کو رنج تھا تو ان کی نسبت کتب بائبل میں ایسے ایسے افترا لکھے ہوئے اب بھی موجود ہیں کہ جن کو مان کر ان کی نبوت کو ہر گز نہیں مانا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی نسبت یہ قوم سخت بد ظن ہے اسی طرح چند اور انبیاءؑ ہیں کہ جن سے ان کو کچھ رنج تھا تو ان کی نبوت پر پانی پھیرنے کی غرض سے کتب بائبل میں لکھ دیا کہ وہ قتل ہو گئے۔ اس امید پر تا کہ آئندہ نسلیں جب ایک طرف جھوٹے نبی کے قتل ہونے کی آیتوں کو پڑھیں گی اور دوسری طرف باوجود ان کے دعویٰ نبوت کے ان کو مقتول پائیں گی تو ضرور ان کی نبوت سے انکار کرنے پر مجبور ہو جاویں گی۔ پس جس طرح ان کی روایتوں کی تسلیم سے ان کی آئندہ نسلوں میں یہ گند اور زہر پھیلا ہے اسی طرح ان دشمنانِ اسلام کو مفسر قرآن قرار دینے سے اسلام کو بھی سخت صدمہ پہنچا ہے۔

میرا ارادہ ہے کہ تفسیروں کی ایسی روایتوں پر اور عن ابن عباسؓ وغیرہ کے متعلق اور اسرائیلی روایتوں کے وثوق وعدم وثوق کی نسبت مفصل لکھوں۔ لیکن چونکہ اب مجھے معین اوراق میں قرآن مجید کے ایک مقرر اور معین حصہ کی تفسیر لکھنے کا تاکیدی حکم ہے اس مجبوری سے اس کی تفصیل کے لئے کوئی موقعہ دیکھ رہا ہوں۔

ہاں یہاں پر میں اس قدر مجملاً کہہ دیتا ہوں کہ نہ ہر ایک عن ابن عباسؓ لازم القبول ہے اور نہ ہر ایک قابل رد ہے۔ اور نہ کتب سابقہ سے مرعوب ہو کر ہر ایک مقام پر ان کے بیان کے مطابق ہی تفسیر کرنی ضروری ہے اور نہ وہ ایسی مردود ہیں کہ ان کے ہر ایک بیان کے ضرور خلاف ہی کرنا چاہئے۔

میرے خیال میں اس واقعہ کے حل میں چند امور کا ضرور لحاظ رکھنا چاہئے۔ اول یہ کہ خداوند تعالیٰ نے نہ اس شخص کا نام لیا ہے اور نہ اس بستی کا۔ پس اول تو ہمارے لئے کوئی ضروری نہیں کہ ہم ان کے نام کے پیچھے پڑیں۔ اور اگر پڑنا ہی ہو تو پھر ضروری ہے کہ تاریخی ثبوت اس کا دیں۔ دوم یہ کہ اہل زبان کا اس پر اتفاق ہے کہ جب ظاہری اور حقیقی معنے محال ہو جائیں تو پھر اس کے وہ معنے چھوڑ کر کوئی مجازی معنے لینے چاہئیں۔ اور احمدیہ تصنیفات روز روشن کی طرح اس بات کو ثابت کر چکی ہیں کہ مردے پھر دنیا میں ہر گز واپس نہیں آتے اور قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی[1] الخ (الزمر:43) صاف صاف قبض روح کی دو قسمیں بتاتی ہے اور نیند والے قبض کے بعد واپس آنا اور موت والے کے بعد واپس نہ آنا ثابت کرتی ہے۔ لہٰذا موت والی توفّی کے بعد روح کا واپس آنا اور مردہ کا پھر واپس دنیا میں آجانا بالکل محال ہے۔

پس اس سے اس قدر تو ثابت ہوا کہ وہ شخص حقیقۃً مر کر پھر اس دنیا میں واپس آگیا تھا۔ سوم یہ کہ یہاں پر جس طرح ایک طرف اس کی اماتت صد سالہ اور پھر اٹھانے کا ذکر کیا ہے اسی طرح دوسری طرف صاف لفظوں میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ اس کا کھانا پینا نہ بگڑا تھا اور نہ باسی ہوا تھا اور نہ اس کا گدھا مرا تھا۔ تو اگر عجوبہ بیانی کا شوق نہ ہو تو اس سے صاف سمجھ میں آسکتا ہے کہ پھر وہ اماتت صد سالہ کون سی تھی کہ جس میں اس شخص پر تو سال تک رہی پر اس کے گرد کی سریع التغیر چیزوں میں کوئی تغیر نہ آیا۔ کیونکہ حقیقی موت کا تو پہلے لینا ہی محال ہے اور پھر وہ صد سال ہونے کی صورت میں عدم تغیر کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح موت کے مجازی معنے نیند کے بھی ہوا کرتے ہیں۔ تو صد سالہ نیند بھی عدم تغیر کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ ہاں اگر کشف اور رؤیا میں صد سالہ موت لی جائے تو اماتت رہے گا بھی اپنے حقیقی معنوں میں اور عدم تغیر کے ساتھ جمع بھی ہو سکتا

[1] ۔ اللہ ہر شخص کی رُوح اس کی موت کے وقت قبض کرتا ہے اور جس کی موت نہیں آئی (اس کی رُوح) اس کی نیند کے وقت (قبض کرتا ہے) پھر وہ جس کی موت کا حکم جاری کر چکا ہوتا ہے اُس کی رُوح کو روکے رکھتا ہے اور دُوسری کو... واپس کر دیتا ہے۔ (تفسیر صغیر)

ہے۔ اور نہ خلاف محکمات کوئی بات لازم آتی ہے اور نہ خلاف عقل کچھ تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ اور علاوہ بریں انبیاءؑ اور صلحاء کی شان کے مناسب بھی ہو گا جیسا کہ میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں۔ اور قرآن مجید اور احادیث میں بہت سے کشوف اور رؤیائے صادقہ کو بدون کشف اور رؤیا کی تصریح کے ایسا بیان کیا گیا ہے کہ بظاہر وہ ایک واقعہ نظر آتا ہے اور حقیقت میں وہ کشف یا رؤیا ہوتا ہے۔

چنانچہ معراج اور بہت سی پیشین گوئیاں اسی طرح بیان ہوئی ہیں۔ پس ان امور کو مد نظر رکھ کر مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی خدا کا برگزیدہ بندہ (کہ جس کو خداوند تعالیٰ ظلمت سے نور کی طرف نکالنا چاہتا ہے) وہ کسی گری ہوئی اور تباہ شدہ بستی پر گذرتا ہے تو (اس کی آبادی کے لئے دعا کا جوش آیا پر قرائن موجودہ پر نظر کر کے اس کے دوبارہ ہونے کو بہت مشکل جان کر۔ یا جو اس کے دوبارہ آباد ہونے کے لئے پیشین گوئی میں میعاد بتائی گئی تھی چونکہ اس میں سے بہت تھوڑا وقت باقی رہا تھا کہ جس میں اس کا آباد ہو جانا انسانی طاقت سے باہر تھا تو اس سے حیران ہو کر) اس نے کہا اللہ اس کو کب آباد کرے گا (تو خداوند تعالیٰ نے اس کو ظلمت سے نور کی طرف نکالنے کے لئے یوں کیا کہ خواب میں) اس کو سو سال تک مار رکھا اور پھر اٹھا دیا اور اس سے دریافت کیا تو کتنی مدت ٹھہرا رہا ہے۔

(اس نے یہ خیال کر کے کہ میرے سونے کی مدت دریافت کی گئی ہے اور ساتھ ہی یہ خیال ہوا کہ یہ سوال کیوں ہوا ہے شاید اس وجہ سے ہوا ہو کہ میں ایک دن برابر سویا رہا ہوں یا دن تو نہیں ہوا تھوڑا سا وقت سویا ہوں پر کسی اور وجہ سے دریافت کیا گیا ہے لہٰذا) اس نے کہا کہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ (پر خداوند تعالیٰ کا دریافت کرنا چونکہ موت کی مدت کی نسبت تھا لہٰذا فرمایا کہ) بلکہ تم سو سال ٹھہرے ہو (لیکن چونکہ بظاہر اس کی بات کی تردید معلوم ہوتی تھی۔ اور جو اس نے دو احتمال بیان کئے تھے کہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ اور پہلا احتمال درست نہ تھا پس اس کے دوسرے احتمال کے صحیح بیان کرنے کے لئے فرمایا کہ تم اپنے کھانے اور پینے کو دیکھو کہ اس پر نہ سال گذرے ہیں کہ بہت مدت گذری ہو اور نہ وہ باسی ہوا ہے کہ ایک دن گذرا ہو اور تم اس کی تائید میں اپنے گدھے کو بھی دیکھ لو (کہ اس سے بھی یہ

دونوں باتیں ثابت ہوتی ہیں۔ تو اس میں اس کو یہ بتایا کہ جو خدا بڑے زمانے کو چھوٹے زمانہ میں سما کر دکھا سکتا ہے وہ بڑے زمانہ کے کام کو چھوٹے زمانہ میں کیوں نہیں دکھا سکتا۔

بعد ازیں بتایا کہ ہم نے یہ کشف تم کو اس لئے بتایا ہے تا کہ تم کو ظلمت سے نور کی طرف نکالیں) اور تا کہ تم کو لوگوں کے لئے نشان (یعنی نبی) بنائیں (قرآن مجید کا یہ عام محاورہ ہے کہ وہ انبیاءؑ اور عظیم الشان انسانوں کو آیَۃٌ فرماتا ہے۔ پھر اس کشف سے واضح ترین ایک اور کشف اس کو بتایا اور فرمایا کہ) ان ہڈیوں کو دیکھ کہ کس طرح ہم ان کو بڑھاتے اور اپنے اپنے محل پر لگاتے ہیں اور پھر کس طرح ان کو گوشت پہناتے ہیں (تو خداوند کریم کے ارشاد کے مطابق ویسا ہی ہو گیا۔

اور مفسرین نے اس کے یہ معنے بھی لکھے ہیں کہ عام طور پر انسان اور جاندار چیزوں کی ماں کے رحم میں بھی اسی طرح ہڈیوں سے معاملہ کیا جاتا ہے تو خداوند کریم نے اس کو پیدائش کی طرف توجہ دلائی) تو جب اس پر یہ کھل گیا تو بولا میں یقیناً جانتا ہوں کہ اللہ ہر ایک چاہے ہوئے امر پر قادر ہے (میں نے یہ تو بتا دیا ہے کہ اس شخص اور قریہ کا جاننا کوئی ضروری نہیں پر لوگوں کے طبائع اس کے خلاف ہیں۔

لہٰذا میں اس قدر بتا دیتا ہوں کہ بائبل کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بابل کے بادشاہ نے یروشلم کو بالکل تباہ کر دیا تھا اور اکثر اسرائیلیوں کو قید کر کے لے گیا تھا جن میں حضرت دانیالؑ اور حضرت حزقیلؑ بھی تھے اور چند ایک اس ملک میں بھی رہ گئے تھے جن میں حضرت یرمیاہؑ بھی تھے پھر یہ باقی بھی حضرت یرمیاہؑ کے ارشاد کے خلاف مصر کو چل دیئے تھے تو اس وقت ان قیدی اور غیر قیدی نبیوں نے یروشلم کی آبادی اور اسرائیل کی رہائی اور واپسی کے لئے بڑی دعائیں اور نوحے کئے ہیں۔ اور خداوند تعالیٰ نے ان کو بشارت بھی دی تھی کہ یروشلم پھر آباد ہو گا اور اسرائیل رہا ہو گا اور سب اطراف سے واپس اپنے ملک میں آئے گا اور بابل تباہ کیا جائے گا بلکہ ان کو یہ بھی بتایا گیا تھا کہ جب اسرائیل کی اسیری پر ستر سال گذر جاویں گے تو تب ایسا ہو گا جس کا پتہ بھی لگ جاتا ہے۔

اَنّٰی یُحۡیٖ کہنے کی غرض:

اور اَنّٰی یُحۡیٖ الخ کہنے کی غرض بھی معلوم ہو جاتی ہے اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ شخص انہی انبیاءؑ میں سے کوئی ہو گا۔ رہا یہ کہ ان میں سے خاص کون شخص ہے، تو گویر میاہ نبیؑ قیدیوں میں نہ تھے اور ان کا گذر یروشلم پر ہو سکتا تھا اور ہوا بھی ہے۔ لیکن ان کی نسبت کوئی ایسا واقعہ مذکور نہیں۔ اور حزقی ایل نبیؑ گو قید میں تھے۔ پر ان کی کتاب سے بعض امور کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ حزقی ایل باب 4 یوں شروع ہوتا ہے۔

''ہماری اسیری کے پچیسویں برس اور اس برس کے شروع میں اور اس مہینے کی دسویں تاریخ میں جو شہر کی بربادی کا چودھواں سال تھا اسی دن خداوند کا ہاتھ مجھ پر تھا اور وہ مجھے وہاں لے گیا۔ وہ مجھے خدا کی رؤیتوں میں اسرائیل کے ملک کے بیچ لے گیا اور اس نے مجھے ایک نہایت اونچے پہاڑ پر بٹھلایا اور اسی پر اس کے دکھن کی طرف ایک شہر کا سا نقشہ تھا۔ اور وہ مجھے وہاں لے گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص تھا جس کی رنگت پیتل کی رنگت سی تھی اور اس کے ہاتھ میں سن کی ایک ڈوری اور پیمائش کا ایک سرکنڈا تھا۔ اور وہ پھاٹک پر کھڑا تھا۔'' (حزقیل باب 40 آیت: 1-3)

اس کے بعد 150 آیت تک اس گھر اور شہر کا نقشہ بیان کیا گیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ یہ تم کو اس لئے بتایا گیا ہے تاکہ تم اسرائیل کو بتاؤ کہ وہ ایسا کریں۔ پھر حزقی ایل ب 37 یوں شروع ہوتا ہے۔

''خداوند کا ہاتھ مجھ پر تھا اور اس نے مجھے خداوند کی روح میں اٹھا لیا اور اس وادی میں جو ہڈیوں سے بھرپور تھی مجھے اتار دیا۔ اور مجھے ان کے آس پاس چوگرد پھرایا۔ اور دیکھ وہ وادی کے میدان میں بہت تھیں اور دیکھ وہ نہایت سوکھی تھیں۔ اور اس نے مجھے کہا کہ اے آدم زاد کیا یہ ہڈیاں جی سکتی ہیں؟ میں نے جواب میں کہا کہ اے خداوند یہواہ تو ہی جانتا ہے۔ پھر اس نے مجھے کہا کہ تو ان ہڈیوں کے اوپر نبوت کر اور ان سے کہہ کہ اے سوکھی ہڈیو تم خداوند کا کلام سنو۔ خداوند یہواہ ان ہڈیوں کو یوں فرماتا ہے کہ میں تمہارے اندر میں روح داخل کروں گا اور تم جیئو گے اور تم پر نسیں بٹھلاؤں گا اور گوشت چڑھاؤں گا الخ۔'' (حزقیل باب 37 آیت: 1-6)

اور اخیر پر لکھا ہے۔ ”سو میں نے حکم کے بموجب نبوت کی اور ان میں روح آئی اور وہ جی اٹھے اور اپنے پاؤں پر کھڑے ہوئے ایک نہایت بڑا لشکر۔ تب اس نے مجھے کہا کہ اے آدم زاد یہ ہڈیاں سارے اہل اسرائیل ہیں۔ دیکھ یہ کہتے ہیں کہ ہماری ہڈیاں سوکھ گئیں اور ہماری امید جاتی رہی۔ ہم تو بالکل فنا ہو گئے۔ اس لئے تو نبوت کر اور اسے کہہ کہ خداوند یہواہ یوں کہتا ہے کہ دیکھ اے میرے لوگ میں تمہاری قبروں کو کھولوں گا اور تمہیں تمہاری قبروں سے باہر نکالوں گا اور اسرائیل کی سرزمین میں لاؤں گا۔“ (حزقیل باب 37 آیت:10-12)

ان عبارتوں سے جس طرح اس شخص کا پتہ لگتا ہے اسی طرح اس واقعہ کا کشفی ہونے اور قریہ پر گذرنے اور ہڈیوں کے زندہ ہونے کا مطلب بھی کھل جاتا ہے۔ وَالْعِلْمُ عِنْدَاللّٰہِ۔[1]

حضرت ابراہیمؑ کا کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی کہنے سے مراد:

اس کے بعد نور کی طرف نکالنے کی ایک اور تمثیل بیان فرمائی کہ) جب ابراہیمؑ نے کہا کہ اے میرے رب تو کس طرح اور کس کیفیت سے مردوں کو زندہ کرے گا (انسان کا قاعدہ ہے کہ وہ ایک امر کو ہوتا ہوا دیکھتا ہے پر اس کے طریقہ اور حقیقت اور کیفیت کو نہیں جانتا تو ضرور اس کی طبیعت اس کی اصلیت اور کیفیت کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ کبھی آپ اس کے طریقے خیال کرتا ہے پر چونکہ وہ اس کے اپنے خیال کے ایجاد کردہ ہوتے ہیں اس لئے ان سے اطمینان نہیں ہوتا۔ اور بالآخر وہ اس کے ماہر اور حقیقت شناس کی طرف رجوع کرتا ہے اور کبھی ابتداءً ہی اس سے اس کی کیفیت دریافت کرتا ہے تو جب وہ اس کی کیفیت بیان کر دیتا ہے تو پھر وہ خلجان اور اضطراب رفع ہو جاتا ہے جو کہ باوجود اس امر کے یقین کے اس کے دل میں موجود تھا۔ سو اسی طرح حضرت ابراہیمؑ جو کہ امام الخفاء ابو الانبیاء تھے اس پر پورا پورا یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرنے والا ہے لیکن باوجود اس کے جب اس کو اس کی کیفیت معلوم نہ تھی اور جن مخالفوں اور منکرین بعثت سے ان کو پالا پڑنا تھا ان کا پرزور مقابلہ اور تسلی بخش جواب کیفیت کے جاننے سے متصور تھا۔ لہٰذا انہوں نے مردوں کے زندہ کرنے کی کیفیت کی نسبت سوال کیا اور کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی

[1]۔ اور علم اللہ کے پاس ہے۔ (از مرتب)

کہا جو کہ صاف صاف کیفیت کے سوال کو ظاہر کرتا ہے۔ لیکن چونکہ باوجود اس عبارت کے سوال عن الکیفیت کے لئے موضوع ہونے کے ایک اور بات کی بھی محتمل تھی جس سے حضرت ابراہیمؑ جیسے برگزیدہ انسان کے جامہ کا پاک ہونا نہایت ضروری تھا تو خدائے علیم و حکیم نے حضرت ابراہیمؑ پر ہی ایک سوال کر کے ان کے منہ سے اس کی نفی کرادی۔

اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ کَیْفَ گو سوال عن الکیفیت کے لئے موضوع ہے لیکن کبھی اظہار عجز کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے مثلاً جب یقین ہوتا ہے کہ مخاطب فلاں کام کے کرنے سے بالکل عاجز ہے اور وہ اس کے کرنے کا مدعی ہو تو اس وقت اس کو کہا جاتا ہے کہ اَرِنِیْ کَیْفَ تَفْعَلُ هٰذَا[1] اور ظاہر ہے کہ اگر یہاں پر کَیْفَ کے یہ معنے لئے جاویں تو خداوند تعالیٰ کے احیاء اموات کرنے سے انکار لازم آتا ہے جو کہ ایمان کے منافی اور متضاد ہے۔ تو خداوند کریم نے یہی معنے لے کر حضرت ابراہیمؑ سے یہ دریافت کیا کہ) کیا تو ایمان نہیں لایا (جو کہ اللہ کے لئے احیاء اموات سے عجز بیان کرنے سے معلوم ہوتا ہے جس پر لفظ کَیْفَ دال ہے۔ تو حضرت ابراہیمؑ نے پہلے تو یہ کہہ کر کہ) ہاں میں ایمان لایا ہوں (یہ بتایا کہ کَیْفَ کے وہ معنے میں نے نہیں لئے جو کہ ایمان کے منافی ہیں۔ اور اس کے بعد یہ کہہ کر کہ) ولیکن اس لئے (میں نے یہ دریافت کیا ہے) تاکہ میرا دل اطمینان پکڑ لے (ظاہر کیا ہے کہ میرا مقصد کَیْفَ سے کیفیت احیاء کا دریافت کرنا ہے کہ جس کے نہ معلوم ہونے کی صورت میں باوجود احیاء پر ایمان کامل ہونے کے دل میں اضطراب رہتا ہے۔ اور خداوند کریم علیم بذات الصدور ہے وہ ابراہیمؑ کے منشاء کو ابراہیمؑ کے بتانے سے پہلے بھی یقیناً بالتفصیل جانتا تھا۔ لیکن اس لئے خداوند تعالیٰ نے ابراہیمؑ سے دریافت کیا تاکہ لوگوں کو ابراہیمؑ کے قول سے جو ابراہیمؑ کی نسبت اعتراض پیدا ہو سکتا تھا اس کا جواب خود ابراہیمؑ ہی کی زبان سے ہو جائے۔ تو جب حضرت ابراہیمؑ ہی کے قول سے مذکورہ بالا وہم کا ازالہ ہو گیا۔

تو خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ تو پرندوں میں سے چار پکڑ لے پھر ان کو اپنی طرف مائل کر لے پھر اس کے بعد تم ہر ایک پہاڑ پر (جس پر کہ تم چاہو) ان میں سے کوئی حصہ رکھ دو

[1]۔ مجھے دکھا کہ تو یہ کس طرح کر سکتا ہے۔ (از مرتب)

اور پھر تم ان کو بلاؤ تو وہ دوڑتے ہوئے تمہارے پاس آجاویں گے (اس میں حضرت ابراہیمؑ کو احیاء اموات کی کیفیت اس طرح سمجھائی ہے کہ عام خیال یہی ہے کہ اجسام اربع عناصر سے مرکب ہیں گو حقیقت میں وہ اربع عناصر آگے اور اجزاء بھی رکھتے ہیں اور احیاء اموات میں لوگوں کی نظروں میں جو امر مشکل نظر آتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب یہ اجزاء متفرق اور جدا جدا ہو جاویں گی تو پھر کس طرح یہ سب کے سب پہلے کی طرح یکجا جمع ہو جاویں گے تو خداوند کریم نے ان چار عناصر کے دوبارہ جمع ہونے کی کیفیت کو اس طرح سمجھایا کہ بجائے ان کے چار پرندے لے لو جو کہ وحشی اور انسان سے بھاگنے والے ہیں اور پھر مجازی تربیت کے ساتھ ان کو ہلالو اور ہل جانے کے بعد، ان کی کوئی جزو ایک یا دو کو کسی پہاڑ پر رکھ دو اور پھر اس کو بلاؤ تو جلدی سے تمہارے پاس آجاوے گا۔ تو جب مجازی تربیت سے وہ وحشی پرندے اپنے مستقر اور وطن مالوف پہاڑ سے آزادی کو چھوڑ کر تمہاری قید میں آجاتے ہیں، تو حقیقی خالق اور رب عناصر جب ان عناصر کو بعد از تفرقہ بلائے گا، تو کیا وہ اس کے بلانے پر نہ آئیں گے؟ آئیں گے اور ضرور آویں گے۔

فَصُرْهُنَّ سے مراد:

مفسرین نے عام طور پر فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ کے معنے قیمہ اور چورہ کرنے کے کئے ہیں۔ اور ان کو یہ خیال گذرا بھی ہے کہ صُرْهُنَّ کے اگر یہ معنے کئے جاویں تو پھر ان معنوں کے ساتھ اِلَيْكَ کا جوڑ کسی طرح سے نہیں ہو سکتا کیونکہ اس صورت میں معنے یہ ہو جاتے ہیں کہ تو قیمہ کرلے ان کو اپنی طرف یا اپنے تک لیکن باوجود اس کے انہوں نے ان معنوں کو نہ چھوڑا اور کہہ دیا کہ اِلَيْكَ صُرْهُنَّ کے ساتھ متعلق نہیں بلکہ یہاں پر صُرْهُنَّ کے بعد وَاضْمُمْ مقدر ہے اور اِلَيْكَ اس کے ساتھ متعلق ہے اور معنے یہ ہیں کہ تم ان کو قیمہ کر کے اپنی طرف بلا لو۔ پر حق یہ ہے کہ ان معنوں کو بھی مفسرین ہی سمجھ سکتے ہیں۔

اور ان معنوں کے مطابق انہوں نے مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ان کو قیمہ کر کے وہاں کے سب پہاڑوں میں سے ہر ایک پر اس قیمہ کا کچھ حصہ رکھ دو اور پھر ان پرندوں کو بلاؤ تو ہر ایک پرندے کے اجزاء جمع ہو کر وہ پرواز کرتا ہوا تمہارے پاس آجاوے گا بلکہ اس پر ایک

حاشیہ یہ بھی چڑھایا کہ ان کے سر اپنے پاس رکھ لینا تو پہلے اجزاء مرکب ہو کر بدون سر کے وہ اڑ کر تمہارے پاس آویں گے اور پھر ہر ایک کا سر بھی اس کے ساتھ لگ جاوے گا۔

اور یہ تفسیر لکھ کر پھر بعض کو کچھ گھبراہٹ پیش آئی ہے کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے تو پھر بعض نے یوں تسلی کی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو یہ صرف تجویز بتائی تھی اور نفس اس تجویز ہی سے ان کو اطمینان حاصل ہو گیا تھا اور وہ اس کو عمل میں نہیں لائے تھے کہ کچھ مشکل پیش آتی اور بعض نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے ایسا کیا بھی تھا پر خداوند تعالیٰ ہر ایک بات پر قادر ہے۔ لیکن حق بات یہ ہے کہ یہ سب تکلف در تکلف ہے اور اس کی بناء عجوبہ پسندی پر ہے اور صحیح بات یہی ہے کہ صُرۡهُنَّ اِلَيۡكَ کے معنے یہی ہیں کہ ان کو اپنی طرف مائل کر اور ہلا لے جیسا کہ تشریح میں گذر چکا ہے اور مفسرین نے خود بھی لکھا کہ اس کے معنے اَمِلۡهُنَّ اِلَيۡكَ بھی ہیں بلکہ یہ بھی لکھا ہے فَصُرۡهُنَّ اور کہ فَصِرۡهُنَّ دونوں طور پر قرأت آئی ہے اور گو فراء نے لکھا ہے کہ کسرہ کے ساتھ بمعنے قطع ہے اور ضمہ کے ساتھ قطع اور مائل کرنے کے معنوں میں مشترک ہے لیکن بعض نے کہا ہے کہ ضمہ کے ساتھ بمعنے مائل کرنے اور ہلانے کے ہی ہے اور بس۔ لیکن اگر مشترک بھی ہو تو اِلَيۡكَ نے اس کو یہاں پر مائل کرنے کے معنوں کے لئے معین کر دیا ہے۔

تو جب خداوند کریم نے احیاء اموات کی کیفیت بتا کر ظلمت سے نور کی طرف نکال دیا تو چونکہ خداوند تعالیٰ کے بہت سے افعال ہیں کہ جن کی کیفیت انسان کو معلوم نہیں اور ہر ایک میں ایسے اضطراب اور سوال کا اندیشہ تھا اس لئے خداوند کریم نے اس کے بعد ایسے نامعلوم الکیفیت امور میں اضطراب سے بچنے اور فی الجملہ اطمینان حاصل کرنے اور کیفیت کے سوال کی ضرورت کو رفع کرنے کے لئے فرمایا کہ) یقیناً جان رکھ کہ بے شک وہ پاک اور جامع الکمالات اللہ بہت غالب اور حکمت والا ہے (سو جس طرح ایک بڑے قوی اور طاقت ور کی نسبت یا بڑے بھاری حکیم کی نسبت تم ان امور کو اطمینان کے ساتھ تسلیم کر لیتے ہو کہ جن کو تم خود نہیں کر سکتے اور ان کی کیفیت تم کو معلوم ہوتی ہے اسی طرح تم اس عزیز و حکیم خدا کے افعال کو بھی اس کے عزیز و حکیم ہونے کے لحاظ سے اطمینان کے ساتھ تسلیم کر لیا کرو۔

آیت 262 تا 267: مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ۔ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔ اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ۔

تشریح الفاظ:

حَبَّۃٌ۔ دانہ۔ اَنْبَتَتْ۔ اِنْبَاتٌ سے ہے اگانا۔

سَنَابِلَ۔ سُنْبُلَۃٌ کی جمع ہے خوشہ۔

یُضَاعِفُ۔ مُضَاعَفَۃٌ سے ہے جس کے اصل معنے تو دوچند کرنے کے ہیں لیکن اکثر بمعنے مطلق ایزاد کرنے کے آتا ہے۔

یُتْبِعُوْنَ۔ اِتِّبَاعٌ سے ہے ایک چیز کو دوسری کے پیچھے لانا۔

مَنٌّ۔ احسان۔ اَذًی کے اصل معنے تو دکھ دینے والی چیز کے ہیں اور عام طور پر بدگوئی اور رنج دِہ بات پر بولتے ہیں۔

رِئَاءٌ۔ دکھانا اور دکھاوا۔

صَفْوَانٌ۔ سخت اور مصفّٰی پتھر کو کہتے ہیں۔

وَابِلٌ۔ موٹی بارش۔ صَلْدٌ۔ صاف پتھر کہ جس پر گرد و غبار نہ ہو۔

اِبْتِغَاءٌ۔ چاہنا۔ تَثْبِیْتًا۔ ثابت اور محکم کرنا۔

رَبْوَۃٌ۔ اونچی شاداب زمین جس میں قدرتی تری ہوتی ہے۔

اُکُلٌ۔ پیداوار اور پھل۔ طَلٌّ۔ شبنم۔

نَخِیْلٌ۔ کھجوریں نَخْلٌ کی جمع۔

اَعْنَابٌ۔ عِنَبٌ کی جمع ہے انگور۔

ذُرِّیَّۃٌ۔ اولاد اور اولاد کی اولاد اور بعض نے لڑکی کی اولاد کے ساتھ اس کو مخصوص کہا ہے لیکن یہ درست نہیں ہے۔

اِعْصَارٌ۔ باد گرد۔

ترجمہ:

ان لوگوں کی حالت جو کہ اپنے مالوں کو اللہ کے راستہ میں صرف کرتے ہیں اُس دانہ کی حالت کی طرح ہے جس نے سات بالیں اُگائیں کہ ہر ایک بال میں سو دانہ ہے۔ اور اللہ

جس کے لیے چاہتا ہے بڑھاتا ہے۔ اور اللہ وسعت والا خوب جاننے والا ہے۔ جو لوگ کہ اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں پھر وہ اس کے پیچھے نہ احسان رکھنا لاتے ہیں اور نہ ضرر رسانی (یا بدگوئی) جو کہ انہوں نے صرف کیا ہے (تو) ان کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے۔ اور نہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ کُڑھیں گے۔ معروف بات کہنی اور مغفرت اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے پیچھے ضرر رسانی ہو۔ اور اللہ بے نیاز تحمل والا ہے۔ ہاں اے وے لوگو جو کہ ایمان لائے ہیں تم اپنے صدقوں کو احسان رکھنے اور ضرر رسانی کے ساتھ باطل نہ کرو جیسا وہ شخص جو اپنے مال کو لوگوں کے دکھانے کے لیے صرف کرے اور اللہ اور پیچھے آنے والے دن پر ایمان نہ لائے۔ سو اس کی حالت اس صاف سنگ لاخ کی حالت کی مانند ہے کہ جس پر مٹی ہو پھر اس کو زور کا مینہ پہنچے تو وہ اس کو صاف کر چھوڑے۔ اس میں سے کسی چیز پر وہ قدرت نہیں رکھتے جو کہ انہوں نے کمایا ہے اور اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ اور ان لوگوں کی حالت جو کہ اپنے مالوں کو اللہ کی رضائیں چاہنے کے لیے اور اپنی جانوں سے استحکام (یقین کرنے) کے لیے صرف کرتے ہیں اس باغ کی حالت کی مانند ہے جو کہ بلند شاداب جگہ پر ہو جس کو زور کی بارش پہنچے تو وہ اپنا پھل دوچند لائے۔ تو اگر اس کو زور کی بارش نہ پہنچے تو پھر شبنم ہی۔ اور اللہ اس کو خوب دیکھنے والا ہے جو کہ تم کرتے ہو۔ کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اس کے لیے کھجوروں اور انگوروں سے باغ ہو جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں اس کے لیے اس میں سب قسم کے پھلوں سے ہو اور اس کو بڑھاپا پہنچا ہو اور اس کے لیے ضعیف اولاد ہو۔ تو پھر اس کو باد گرد لگے جس میں آگ ہو پھر وہ جل جائے۔ اسی طرح اللہ تمہاری آیتیں بیان کرتا ہے تاہو کہ تم فکر کرو۔

تشریح:

میں پہلے بتا چکا ہوں کہ اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡ حَآجَّ اِبۡرٰهٖمَ فِیۡ رَبِّهٖۤ[1] الخ (البقرۃ:259) اور

[1]۔ کیا تجھے اس شخص کی خبر پہنچی... ابراہیم سے اس کے رب کے متعلق بحث کرنے لگ گیا تھا۔ (تفسیر صغیر)

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ[1] الخ (البقرۃ:260) اور وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی[2] الخ (البقرۃ:261) یہ تینوں یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ[3] (البقرۃ:258) اور یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ[4] (البقرۃ:258) کی تمثیلیں ہیں اور اصل بیان جہاد اور انفاق فی سبیل اللہ میں چلا ہوا ہے۔

چنانچہ اس سے پہلے فرمایا تھا کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ[5] (البقرۃ:255) تو جب یہ تمثیلات ختم ہو گئیں تو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب کے لئے پھر فرمایا کہ) جو لوگ کہ اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں ان کی (ان کے اس انفاق کی) حالت اس دانہ کی مانند ہے جو کہ سات بالیاں نکالے اور ہر ایک بالی میں سو دانہ ہو اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے (اجر کو) زیادہ کرتا ہے (اس تمثیل کا یہ منشاء نہیں کہ سات سو ہی مثل دیتا ہے اور نہ اس سے کم کرتا ہے اور نہ زیادہ اور نہ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ کا یہ مطلب ہے کہ وہ اندھا دھند اور بے وجہ کسی کو زائد اور کسی کو کم دینا چاہتا ہے بلکہ تمثیل کا مطلب تو یہ ہے کہ جس طرح ایک دانہ سے بہت دانے ملتے ہیں اسی طرح انفاق فی سبیل اللہ سے بھی بہت زائد ملتا ہے۔ اور یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ کا یہ مطلب ہے کہ چونکہ خداوند تعالیٰ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ[6] (البقرۃ:260) اور یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ[7] (آل عمران:41) اور فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ[8] (ہود:108) ہے اس لئے اگر کوئی ایسا انفاق کرے گا کہ خداوند تعالیٰ اس کو بہت زائد بدلہ دینا چاہے تو وہ اور دینے والوں کی طرح

---

[1]۔ اور (کیا تو نے) اس شخص کی مثل (کوئی آدمی دیکھا ہے) جو ایک ایسے شہر کے پاس سے گذرا۔ (تفسیر صغیر)

[2]۔ اور (اس واقعہ کو بھی یاد کرو) جب ابراہیم نے کہا تھا کہ اے میرے ربّ! مجھے بتا کہ تُو مردے کس طرح زندہ کرتا ہے۔ (تفسیر صغیر)

[3]۔ وہ اُنھیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ (تفسیر صغیر)

[4]۔ وہ انھیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں۔ (تفسیر صغیر)

[5]۔ اے ایمان دارو! جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے اس دن کے آنے سے پہلے کہ جس میں نہ کسی قسم کی (خرید و) فروخت، نہ دوستی اور نہ شفاعت (کارگر) ہوگی (خدا کی راہ میں جو کچھ ہو سکے) خرچ کر لو۔ (تفسیر صغیر)

[6]۔ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ (تفسیر صغیر)

[7]۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (تفسیر صغیر)

[8]۔ جو چاہتا ہے اسے کر کے رہتا ہے۔ (تفسیر صغیر)

اس عاجز نہ ہو گا۔ بلکہ ضرور دے سکے گا اور دے گا۔ ورنہ تو پھر وہ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ نہ رہے گا۔

اسی واسطے اس کے بعد فرمایا ہے کہ) وہ وسعت والا، بہت جاننے والا ہے (تاکہ واسع سے یہ بتائے کہ چونکہ جو لوگ زائد دینے سے عاجز ہوتے ہیں وہ محض اسی وجہ سے ہوتے ہیں کہ وسعت نہیں رکھتے اور وہ چونکہ وسعت والا ہے اس لئے وہ عاجز نہ ہو گا۔ اور علیم کے ساتھ بتائے کہ وہ جس کو زائد دینا چاہے گا تو وہ بے وجہ نہ ہو گا بلکہ اس وجہ سے ہو گا کہ وہ اس کے اخلاص وغیرہ کو جان لے گا کہ جس کے باعث سے وہ زیادت کا مستحق ٹھہرا ہے۔

اور نیز اس میں یہ بھی بتایا ہے کہ جس طرح اور دینے والے بوجہ اپنے ناقص علم کے بارہا مستحق کی حق تلفی کر دیتے ہیں تو خداوند تعالیٰ کی نسبت یہ احتمال بھی نہیں ہے کیوں کہ وہ علیم ہے اور اس پر استحقاق کی کوئی مخفی سے مخفی وجہ بھی پوشیدہ نہیں ہو سکتی۔ غرض کہ یہاں پر انفاق کا ثمرہ بتا کر اس کی ترغیب دی ہے لیکن چونکہ باوجود اس کے اس قدر عظیم الشان اور کثیر المقدار ثمرات والا ہونے کے بعض ایسے امور اس کے ساتھ عموماً پائے جاتے ہیں جو کہ اس کے ثمرات کو بالکل تباہ کر کے بجائے نافع ہونے کے اس کو نہایت مضر چیز بنا دیتے ہیں لہٰذا اس کے بعد فرمایا کہ) جو لوگ کہ اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں پھر اپنے انفاق کے پیچھے احسان جتانے اور ایذا کو نہیں لاتے انہی کے لئے اپنے رب کے پاس ان کا اجر ہے اور (انہی کے لئے یہ بات بھی ملے گی کہ) نہ ان پر کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ کڑھیں گے۔

انفاق فی سبیل اللہ کرنے والوں کی خصوصیات:

(پہلے تو لفظ ثُمَّ لا کر یہ بتایا ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کرنے والے کی شان سے بالکل بعید ہے کہ پھر وہ احسان رکھے یا ایذا دے۔ اور اس کے بعد بتایا ہے کہ جو اجر اور ثمرہ کہ انفاق فی سبیل اللہ کی نسبت عند اللہ مقرر ہے۔ وہ خاص انہی کے لئے ہے کہ جن کا انفاق فی سبیل اللہ احسان نمائی اور ایذا رسانی سے پاک ہو۔ اور جن کا انفاق پاک نہ ہو گا ان کو یہ اجر نہ ملے گا۔

مفسرین کے زمانہ میں چونکہ انفاق فی سبیل اللہ ایک یہی صورت دیکھی جاتی تھی کہ

سائلین یا مساکین کو کچھ دے دیا جائے۔ لہٰذا انہوں نے مَنٌّ وَّ اَذًی کے یہ معنے کئے ہیں کہ سائل پر احسان جتائے یا اس پر فخر کرے اور لوگوں کے سامنے اس کو ذلیل کرے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہاں پر جہاد کی وجہ سے انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر آیا ہے اور آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اہم ترین انفاق فی سبیل اللہ جہاد ہی کے لئے ہوا کرتا تھا۔

مفسرین کے نزدیک شانِ نزول:

اور مفسرین نے بھی جو اس کا شان نزول بیان کیا ہے وہ بھی یہی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب جنگ تبوک میں ہزار اونٹ باقی سب اسباب اور خرچ کے ساتھ اپنے پاس سے دیا تو نبی کریم ﷺ یہ دعا کرنے لگے یَارَبِّ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ رَضِیْتُ عَنْهُ فَارْضِ عَنْهُ۔[1] یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور ان کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

(تفسیر الثعلبی جلد دوم صفحہ 259 سورۃ البقرۃ دار احیاء التراث العربی بیروت 2002ء)

اور بعض روایتوں میں آیا کہ حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میرے پاس آٹھ ہزار درم تھا جس میں سے چار ہزار تو میں نے اپنے لئے رکھا ہے اور چار ہزار اپنے رب کے لئے دیتا ہوں تو آپ نے وہ لے کر اس کے حق میں فرمایا کہ بَارَكَ اللهُ فِيمَا اَمْسَكْتَ وَفِيمَا أَعْطَيْتَ۔[2]

(تفسیر الثعلبی جلد دوم صفحہ 259 سورۃ البقرۃ دار احیاء التراث العربی بیروت 2002ء)

تو پھر یہ آیت نازل ہوئی جن سے سائل کو دینا ثابت نہیں ہوتا بلکہ جہاد میں دینا اور امام وقت کی خدمت میں پیش کرنا۔ تاکہ وہ مصارف میں اس کو صرف کرے۔

پس اس کے مطابق مناسب بلکہ ضروری تھا کہ اس کے ایسے معنے کئے جاتے جو کہ جہاد میں دینے اور امام وقت کی معرفت دینے پر صادق اور چسپاں ہو جائیں خواہ سائل وغیرہ صدقات کی دوسری صورتوں پر چسپاں ہوں یا نہ ہوں۔ لیکن ظاہر ہے کہ مفسرین کے بیان کردہ معنے جہاد اور امام والی صورت پر صادق نہیں آتے بلکہ وہ سائل والی صورت سے

[1] ۔ اے عثمان بن عفان کے رب! میں اس سے راضی ہو گیا تو بھی اس سے راضی ہو جا۔ (از مرتب)
[2] ۔ اللہ برکت ڈالے اس میں جو تو نے روکے رکھا اور اس میں جو تو نے دیا۔ (از مرتب)

مخصوص ہیں اس لئے اس کے اور معنے لینے چاہئیں جو کہ جہاد وغیرہ سب مواضع پر صادق آ سکیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ بہت سے لوگ اللہ کے لئے دے کر ایک رنگ سے اللہ تعالیٰ پر یا اس کے رسول اور امام وقت یا عامل یا سائل پر احسان رکھتے ہیں۔ یہ کیا بلکہ ہر ایک نیکی میں ایسا کرتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ الحجرات میں فرمایا ہے کہ یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (الحجرات:18) (تم پر اپنے اسلام لانے اور فرمانبرداری کرنے کا احسان رکھتے ہیں۔ تم کہہ دو کہ تم اپنے اسلام اور فرمانبرداری کا مجھ پر احسان نہ رکھو بلکہ اللہ کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی ہدایت فرمائی (لیکن اس الٰہی احسان کو تم تب سمجھ سکتے ہو کہ) اگر تم راست باز ہو) اور بعض لوگ رسول اور امام یا کسی منتظم کمیٹی یا امیر کو دے کر پھر اس پر خیانت یا خلاف انصاف تقسیم کرنے یا غیر محل پر صرف کرنے کا الزام لگاتے ہیں۔

چنانچہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ بعض کم بخت بدظنوں نے آنحضرت ﷺ کی تقسیم اموال پر کہہ دیا تھا کہ واللہ یہ تقسیم انصاف اور عدل کے موافق ہر گز نہیں ہے۔

(صحیح البخاری کتاب فرض الخمس باب ماکان النبی ﷺ یعطی المولفۃ القلوب... حدیث 3150)

اور ایسا ہی مفسرین نے اس آیت کریمہ کے متعلق کہ (مَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّغُلَّ[1] الخ) (سورۃ آل عمران:162) لکھا ہے کہ جنگ احد میں جن تیر اندازوں نے گھاٹی کو چھوڑا تھا انہوں نے آپس میں کہا تھا کہ "ممکن ہے کہ آنحضرت ﷺ یہ کہہ دیں کہ مَنْ قَتَلَ قَتِیْلًا فَلَهٗ سَلَبُهٗ۔[2] یا جس طرح بدر میں غنیمت کماحقہ تقسیم نہیں ہوئی تھی اسی طرح اب بھی نہ کریں"

یا کسی سائل کو دے کر پھر اس پر طرح طرح کے الزام لگاتے ہیں تو خداوند تعالیٰ نے یہاں پر بتا دیا کہ جن کو ان کے انفاق فی سبیل اللہ کے ثمرات ملا کرتے ہیں وہ ایسا نہیں کیا کرتے۔ گو اس سے اس قدر تو ثابت ہو گیا لیکن یہ خیال آ سکتا ہے کہ بہر حال مَنٌّ وَّ اَذًی والے نے دیا تو ہے اور ظاہر ہے کہ دینا نہ دینے سے بہر حال اچھا ہے تو اس خیال کے رفع

[1] ۔ کسی نبی کے شایانِ شان نہیں کہ وہ خیانت کرے۔ (تفسیر صغیر)
[2] ۔ مقتول کا مال قتل کرنے والے کا ہو گا۔ (از مرتب)

کرنے کے لئے فرمایا کہ) دستور سے بات کہہ دینی (یعنی سائل کو ان شریفانہ الفاظ کے ساتھ جواب دے دینا جو کہ عرف میں مروج ہوں) اور معاف کر دینا (یعنی قول معروف کے ساتھ اس کو واپس کرنا اور اپنے لئے مغفرت چاہنا۔ کیونکہ بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سائل کی حاجت روائی سے انسان عاجز ہو تو استغفار پڑھے کیونکہ یہ نیک موقعہ کسی قصور کے باعث ہاتھ سے ضائع ہوا ہے۔ یا یہ کہ قول معروف کے ساتھ خداوند تعالیٰ کی طرف سے جو مغفرت حاصل ہوتی ہے کیونکہ باوجود اس کے الحاح اور اصرار کے اس کو نہ جھڑکنا اور قول معروف کے ساتھ اس کو واپس کرنا مغفرت الٰہیہ کا موجب ہے یا جیسا کہ قاعدہ ہے (کہ جب سائل کو قول معروف کے ساتھ واپس کیا جاتا ہے تو وہ اس کو ویسا ہی دعا دیتا ہے جیسا کہ دینے کے وقت دیا کرتا ہے) اس کا یہ مطلب لیا جائے کہ اس کا قول معروف کے ساتھ اس کو واپس کرنا اور اس کا اس کے لئے مغفرت مانگنا یا یہ کہ ایذا رسانی جو صدقہ کے بعد ہوتی ہے اس کا باعث بھی تو ضرور کوئی امر ہوتا ہے جو کہ سائل سے سرزد ہوتا ہے۔

پر ایذا والا عفو نہیں کرتا اور ایذا دے دیتا ہے۔ اسی طرح نہ دینے کے وقت بھی عموماً وہ اس قدر اصرار کرتا اور پیچھے پڑتا ہے کہ ضرور سختی تک نوبت پہنچتی ہے۔ پس قول معروف کے ساتھ اس کو واپس کرنا اور بھلی بات سے جواب دے دینا اور سائل کی جس بات سے ایذاء کا خیال پیدا ہوتا تھا اس کو معاف کر دینا یہ بہتر ہے اس صدقہ سے کہ جس کے بعد اس رنج دہ بات کو معاف نہ کیا جائے بلکہ اس کی وجہ سے اس کو ایذا دی جائے۔ اور میرے خیال میں یہ اخیری دونوں معنے بہت عمدہ ہیں اور یہ دونوں وَ مَغْفِرَۃٌ سے نکلتے ہیں کیونکہ نہ مغفرت کرنے والا بیان کیا گیا ہے اور نہ وہ شخص کہ جس کے لئے کی جائے۔ اور ایسے مقامات میں تعمیم ہی مقصود ہوا کرتی ہے جیسا کہ میں نے بارہا ذکر کیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ) اللہ غنی ہے (یعنی اللہ اگر تمہارے صدقات کا محتاج ہوتا پھر تو وہ صدقہ دینے ہی سے خوش ہوتا خواہ کسی طور پر ہو لیکن جب وہ غنی ہے تو پھر وہ ایسے صدقہ کی کب پرواہ کرتا ہے جو کہ اس کے منشاء اور حکم کے خلاف ہو۔ نیز پہلے دو چیزیں بیان ہوئی تھیں ایک مَنٌّ اور دوسری اَذًی اور قَوْلٌ مَعْرُوْفٌ الخ میں اَذًی کی نسبت حکم بیان ہو چکا لیکن

مَنٌّ کی نسبت وَاللّٰہُ غَنِیٌّ کے ساتھ بیان فرمایا کہ خدا کے ماموروں پر احسان رکھنا تو خدا پر رکھنا ہے اور خداوند تعالیٰ غنی ہے وہ کسی کے صدقہ کا محتاج نہیں کہ اس پر احسان ہو سکے بلکہ اس کا احسان ہے کہ اس نے تم کو توفیق دی اور پھر اپنے دیئے ہوئے سے کچھ واپس لینا اس نے منظور کیا اور اس پر تم کو اجر دیا۔

پھر حلیم فرما کر بتایا کہ مَنٌّ وَّ اَذًی کی صورت میں جلد سزا نہ ہونے سے یہ خیال نہ کرنا کہ یہ معمولی بات ہے اس پر کچھ مواخذہ نہیں بلکہ مواخذہ تو ضرور ہے لیکن اللہ تعالیٰ چونکہ حلیم ہے اس لئے مواخذہ میں جلدی نہیں کرتا بلکہ یَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ[1] (المائدۃ:16) والا برتاؤ کرتا ہے۔

پھر یہ بتانے کے لئے کہ مَنٌّ وَّ اَذًی سے اگر کسی زائد مواخذہ کا اندیشہ نہ بھی ہوتا تو بھی جس طرح مومن کی شان سے بعید ہے کہ ریاکاری کر کے اپنے اعمال خیر کو برباد کر دے اسی طرح مومن کی شان سے یہ بھی بعید ہے کہ وہ مَنٌّ وَّ اَذًی جیسی چیز کی وجہ سے اپنے صدقہ کو برباد کر دے۔ فرمایا کہ) اے ایمان والو تم مَنٌّ وَّ اَذًی کے ساتھ اپنے صدقوں کو برباد نہ کرو جیسا کہ وہ شخص برباد کرتا ہے کہ اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے صرف کرتا ہے اور اللہ اور پیچھے آنے والے دن پر وہ ایمان نہیں لاتا (یعنی جس طرح ریاکاری سے یقیناً عمل برباد ہو جاتا ہے اسی طرح مَنٌّ وَّ اَذًی سے بھی صدقہ ضائع ہو جاتا ہے۔ اور نیز جس طرح کہ ریاکاری اور پھر اس کے ساتھ عمل کا برباد کرنا مومن کی شان سے بعید ہے۔ اسی طرح مَنٌّ وَّ اَذًی اور ان کے ساتھ صدقہ کا برباد کرنا بھی مومن کی شان سے بعید ہے۔

اور ریاکاری کے بعد وَلَا یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ لانے سے دو مطلب نکلتے ہیں (1) یہ کہ جس طرح مومن ریاکاری نہیں کرتا بلکہ وہ شخص کرتا ہے جو کہ اللہ اور آخرت پر ایمان نہ رکھتا ہو کیونکہ ریاکاری کا شرک ہونا مومن کو اس کے نزدیک نہیں آنے دیتا اسی طرح مَنٌّ وَّ اَذًی بھی چونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے برگزیدہ بندوں کی بے قدری اور ان کی بدظنی پر مشتمل ہے لہٰذا مومن کو ان کے نزدیک بھی نہ آنا چاہئے۔

پس اس صورت میں کَالَّذِیْ یُنْفِقُ الخ سے مشرک اور کافر مراد ہو گا۔ (2) یہ کہ

[1] ۔ اور بہت سے قصوروں کو بھی معاف کرتا ہے۔ (تفسیر صغیر)

ریاکاری سے صدقہ دینے والا گو بظاہر مومن ہو اور ایمان کا مدعی ہو پر ریاکاری ثابت کرتی ہے کہ حقیقت میں اس کا خدا پر اور قیامت پر ایمان نہیں۔ اسی طرح مَنٌّ وَّ اَذًی کرنے والا بھی خداوند تعالیٰ کی شان اور عظمت اور قیامت پر پورا پورا ایمان نہیں رکھتا۔ اس کے بعد اس کی مثال یہ بیان فرمائی کہ) جس طرح ایک صاف اور سخت چٹان ہو جس پر کچھ مٹی پڑی ہوئی ہو (پہاڑوں میں دیکھا گیا ہے کہ ایسی چٹانوں پر مٹی گر کر جمع ہو جاتی ہے اور پھر ان پر کچھ گھاس وغیرہ بھی اگ کھڑا ہوتا ہے۔ یعنی اس میں اگنے کی کچھ امید ہوتی ہے) پھر زور کی بارش ہو کر بالکل اس کو صاف کر دے (تو جب زور کی بارش سے اس کی مٹی دھل کر بہہ جاتی ہے تو پھر اس پر کسی چیز کے اگنے کی امید بھی نہیں رہتی یعنی جس طرح وہ ناقابل ہو گیا اسی طرح سے اس شخص میں امید تھی کہ وہ رضائے الٰہی اور اجر حاصل کرے گا اور اس کے اعمال قیامت کو ایک عمدہ باغ کے رنگ میں ہو جاویں گے۔ اور صدقہ ان اعمال کے لئے گو آبپاشی کا کام دیا کرتا ہے پر ریا کی وجہ سے وہ صدقہ خود ہی برباد نہیں ہوا بلکہ اس نے شرک ہونے کے باعث اس کے اعمال خیر کو تباہ کر کے اس کو ایک صاف پتھر کی طرح بنا دیا ہے کہ اب اس میں وہ امید باقی نہیں رہی۔

پس اس صورت میں وہ شخص صفوان ہے اور اس کے اعمال خیر کی قابلیت عَلَيْهِ تُرَابٌ ہے۔ اور ریاکاری کا صدقہ دینا اَصَابَهُ وَابِلٌ ہے۔ اور یوں بھی ہو سکتا ہے کہ وہ صدقہ صفوان ہو جس میں اجر اور خیر و برکت کی امید تھی اور اس کی صلاحیت عَلَيْهِ تُرَابٌ ہے اور ریاکاری وَابِلٌ ہے کہ جس نے اس کو بالکل ناقابل اجر و خیر و برکت بنا دیا ہے نتیجہ کے طور پر بتایا کہ) یہ سب اپنی کمائی میں سے کسی چیز پر قابو نہ پائیں گے (کیونکہ جو کمایا تھا یعنی صدقہ میں دیا تھا وہ انہوں نے خود ضائع کر دیا ہے۔ پھر یہ بتانے کے لئے کہ یہ کام کفار کی شان سے ہیں۔ اور ان پر اصرار کرنے سے انسان کفر تک پہنچتا ہے فرمایا کہ) اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا (کسی عمل کی جب صورت بدل جاتی ہے تو اس کے بارہ میں جو آیت آئی ہوئی ہوتی ہے لوگ اس کے معنوں میں بھی تبدیلی کر دیا کرتے ہیں۔

نبی کریمؐ کے زمانہ میں نبی کریمؐ خود صدقات لے کر بیت المال میں داخل کرتے تھے

اور آپ کو حکم تھا کہ خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ[1] الخ (التوبۃ:103) پھر آپ کے بعد آپ کے جانشین خلفاء لیتے رہے ہیں۔ پس اس صورت میں مَنٌّ وَ اَذًی سے وہی مراد ہے جو کہ میں نے پہلے بیان کر دیا ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ وہ ریاکاری کی طرح صدقات کو باطل کرنے والا ہے اور اس کے ساتھ لازم بھی یہی آتا ہے کہ اللہ پر اور آخری دن پر ایمان پوری طرح نہ ہو۔

حدیثوں میں اس کی ایک تمثیل بھی آئی ہے۔ ایک دفعہ نبی کریمؐ کچھ مال تقسیم فرما رہے تھے تو ایک شخص نے کہا کہ یہ تقسیم انصاف پر مبنی نہیں تو حضورؐ نے اس کی یہ بات سن کر اس کو تو جواب دیا پر اس کے حق میں بتایا کہ اس کے اتباع میں ایک قوم نکلے گی کہ بظاہر وہ ایسے ہوں گے کہ مسلمان لوگ ان کی ظاہری شرعی پابندی کو دیکھ کر رشک کریں گے لیکن حقیقت میں ایمان ان کے حلق سے نیچے نہ اترا ہو گا اور ایمان سے بالکل معرا ہوں گے۔

(صحیح البخاری کتاب المغازی باب بعث علي بن ابی طالب... إلی الیمن قبل حجۃ الوداع حدیث 4351)

چنانچہ اسی کی اتباع میں پھر وہ جماعت پیدا ہوئی کہ جنہوں نے خلفاء اسلام کی اطاعت سے بغاوت کی اور ان کا بہت سا بڑا حصہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اگر غور کیا جائے تو اس کی کھلی کھلی مثالیں ہمارے زمانہ میں بھی موجود ہیں۔ گو فیج اعوج کے زمانہ میں جس طرح اور بدعات دنیا میں پھیل گئی تھیں اسی طرح صدقات کا یہ طریق بھی جاری نہ رہا تھا بلکہ سب لوگ جہاں چاہتے فرداً فرداً سائلوں وغیرہم کو اپنے صدقات دیتے تھے۔ پر جب خداوند کریم نے راہ نبوت کو جاری کرنے کیلئے اپنے مہدی اور مسیح موعودؑ کو مبعوث فرمایا تو جس طرح اور بدعات کا ازالہ ہوا تو اسی طرح فیج اعوج والا صدقات کا طریق بھی رفع ہو کر از سر نو پھر وہی اسلامی طریق صدقات میں جاری کیا گیا تو چند ناپاک روحوں نے اس پہلے معترض کی نیابت ادا کی تو یہاں پر بھی ویسی ہی بدظنی اور ویسے ہی اعتراض کئے۔ پر سب جانتے ہیں کہ آخر ان معترضین کا کیا انجام ہوا۔

[1]۔(اے رسول)! ان کے مالوں میں سے صدقہ لے تاکہ تو انہیں پاک کرے۔ (تفسیر صغیر)

مالی قربانی کر کے بد ظنی سے بھی بچیں:

اسی کی بناء پر میں ان احمدی اصحاب کی خدمت میں بڑی منّت سے عرض کرتا ہوں کہ جن کو خداوند کریم نے صدقات میں اس سنت قدیمہ کے قائم کرنے کی توفیق دی ہے ان کو چاہئے کہ وہ اس مہلک بد ظنی اور تباہ کن اعتراض سے بھی بہت بچیں۔ نہ یہ خیال کریں کہ ہم نے خدا کا دیا ہوا مال اس کی راہ میں صرف کر کے خدا پر کوئی بڑا احسان رکھ دیا ہے اور نہ خدا کے ان برگزیدہ بندوں پر کوئی بد ظنی کریں جن کے ہاتھ میں تمہارے صدقات جمع ہوتے آخر تمہارے امام ہمامؑ ہی نے تو یہ دعا بھی کی ہے کہ خداوند تعالیٰ ہمیشہ تم لوگوں کو امین لوگ دیتا رہے کیونکہ جس طرح ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ[1] (حم السجدۃ:24) سے ثابت ہے کہ خداوند تعالیٰ پر بد ظنی بڑی مہلک چیز ہے۔

اسی طرح قرآن مجید اور احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ اس کے برگزیدہ بندوں پر بد ظنی کرنی بھی نہایت مہلک اور نامراد بنانے والی چیز ہے۔ ہاں جب سے کہ صدقات کا یہ طریق بدل گیا اور لوگ جدا جدا سائلوں کو خود دینے لگے تب سے مَنٌّ وَّ اَذًی کی تفسیر بھی بدل کر یہ ہو گئی کہ سائل پر احسان نہ رکھا جائے اور نہ سائل کو کوئی دکھ دیا جائے۔ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ کے بعد جو وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ لایا گیا ہے۔

مفسرین نے اس کے دو معنے لکھے ہیں (1) یہ کہ ریاکاری چونکہ ایمان کے بالکل منافی ہے اس لئے فرمایا کہ گو وہ بظاہر مومن تھا پر ریاکاری کے ساتھ صدقہ کر کے اپنا ایمان بھی ضائع کر دیا اور ثابت کر دیا کہ اس کو اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں ورنہ تو اللہ پر کسی انسان کو اور اخروی جزاء پر کسی کی تعریف وغیرہ کو کبھی نہ ترجیح دیتا۔ (2) یہ کہ چونکہ مومن کی شان سے بعید تھا کہ وہ ریاکاری کرے اس لئے فرمایا کہ جس طرح اللہ اور قیامت پر ایمان نہ لانے والا ریاکاری کر کے اپنے صدقوں کو ضائع کرتا ہے۔ اسی طرح تم مَنٌّ اور اَذًی کے ساتھ اپنے صدقوں کو ضائع نہ کرو یعنی اگرچہ ریاکاتم سے سرزد ہونا تو بعید ہے بلکہ وہ کافر کے

[1]۔ یہی وہ بد ظنّی تھی جو تم نے اپنے رب کے متعلق کی جس نے تم کو ہلاک کر دیا اور تم ہر طرح نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہو گئے۔ (تفسیر صغیر)

ساتھ مختص ہے لیکن جس طرح ریا صدقات کو باطل کرتی ہے۔ اسی طرح مَنٌّ اور اَذًی بھی صدقوں کو ضائع کر دیتے ہیں اور چونکہ ریا ایسی بدیہی البطلان چیز تھی کہ جس کی نسبت مومن یہ خیال کر سکتا ہے کہ یہ کس طرح کسی سے سرزد ہو سکتی ہے تو اس لئے اس کے بعد فرمایا کہ) اللہ کافروں کو سیدھی راہ پر نہیں لاتا۔

(بے شک جو شخص کہ ان کی دنیوی ہشیاری کو اور پھر ان کے توہمات کو اور عقائد شرکیہ اور گندے اعمال کو غور سے دیکھے وہ ضرور اس پر یقین لائے گا کہ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکَافِرِیْنَ اس کے بعد ان صدقات کی مثال بیان فرمائی جو کہ ایسے مضر امور سے پاک ہوتے ہیں تو فرمایا کہ) جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ کی رضامندی چاہنے کے لئے اور اپنے نفسوں سے مضبوطی ظاہر کرنے کے لئے صرف کرتے ہیں ان کی مثال اس باغ کی ہے جو کہ عمدہ زمین میں ہو کہ اس پر زور کی بارش ہو تو چند (یا بہت زائد) پھل وغیرہ محاصل لائے۔ اور اگر زور کی بارش نہ ہو تو معمولی بارش ہی (اس کے لئے کافی ہو گو زبان سے ناواقف شخص یہ خیال کرے گا کہ ان لوگوں کو باغ کے مشابہ کہا گیا۔ اور ان کا اخلاص اور موقعہ اور محل کی مناسبت بارش کی طرح ہے اور اس انفاق کا دنیوی اور اخروی اجر باغ کے ثمرات اور محاصل کی مانند ہے۔

سو جس طرح وہ باغ بہر حال پھل لاتا ہے اسی طرح ان کا انفاق بھی بہر حال موجب اجر دارین ہوتا ہے۔ ہاں جس طرح بارش کی زیادتی سے محاصل بہت زائد ہو جاتا ہے اسی طرح اخلاص اور موقعہ و محل کی مناسبت سے بھی اجر بہت زائد ہو جاتا ہے۔ لیکن بتایا کہ) اللہ ان کاموں کو خوب دیکھنے والا ہے جو تم کرتے ہو۔

(پس نہ تو کوئی غیر مستحق اجر لے سکے گا اور نہ کوئی مستحق محروم رہے گا اور نہ کوئی دھوکہ دے سکے گا اور نہ دھوکہ کی گنجائش ہو گی اور صدقات کے ابطال کے خسارہ کا نقشہ بتانے کے لئے فرمایا کہ) کیا تم میں سے کوئی اس کو پسند کرتا ہے کہ اس کے لئے کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو (یعنی یہ دونوں قسم کے درخت اس میں اس کثرت سے ہوں کہ وہ انہی کا باغ کہلاتا ہو گو اس میں ہر قسم کے پھل موجود ہوں جیسا کہ آگے فرمایا کہ) اس کے نیچے

نہریں بہتی ہوں اور اس کے لئے اس میں ہر ایک قسم کے پھل ہوں۔ اور اس کو بڑھاپا پہنچ چکا ہو۔ اور اس کے لئے ضعیف اور کمزور اولاد ہو۔ تو پھر اس پر ایسی باد گرد یا آندھی یا باد سموم آئے کہ جس میں آگ ہو۔ تو وہ جل جائے اور جس طرح اس شخص کی ساری امیدیں خاک میں مل جاتی ہیں اور آئندہ کچھ نہیں کر سکتا اور اولاد کے کمزور ہونے کے علاوہ امداد کی نا امیدی اور ضرورت اور دکھ اور بھی زیادہ ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح ایسے صدقات والوں کا حال ہے کہ جب اجر لینے کا وقت آئے گا تو اس وقت ان کو معلوم ہو گا کہ جن صدقات کے اجر کی ہم امید رکھتے تھے وہ تو برباد ہو گئے ہیں اور پھر اس وقت سخت ضرورت ہو گی اور سوائے سابقہ اعمال کے اجر کے اور کوئی چیز سہارا دینے والی نہ ہو گی۔ اخیر پر فرمایا کہ) اسی طرح اللہ اپنی آیتیں تمہارے لئے کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ تم سوچو (یعنی تمثیلوں وغیرہ کے ساتھ اس قدر زیادہ توضیح اس لئے کی جاتی ہے کہ تم خوب سمجھ جاؤ۔

آیت 268 تا 274: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ۔ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ۔ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ۔ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ۔

تشریح الفاظ:

طَيِّبَاتٌ۔ طَيِّبَةٌ کی جمع ہے۔ طیّب کے تین معنے ہیں لذیذ، پاکیزہ اور ستھری۔ سب سے افضل چیز۔

اور اہل لغت نے لکھا ہے کہ اَطْیَبُ الطَّیِّبَاتِ الْغَنَائِمُ۔ (سب سے زیادہ طیب اموال غنیمت ہیں۔)

تَیَمَّمُوْا۔ تَیَمُّمٌ سے ہے۔ قصد کرنا اور خاص کسی چیز کا ارادہ کرنا۔

تُغْمِضُوْا۔ اِغْمَاضٌ سے ہے جس کے معنے آنکھ بند کرنے کے ہیں۔ اور امام راغب نے کہا ہے کہ اس سے یہاں پر تغافل اور تساہل مراد ہے۔ اور خرید و فروخت میں اغماض کرنے سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ ردی چیز کے عوض میں قیمت مقررہ سے کمی کی جائے۔

غَنِیٌّ۔ غِنَاءٌ سے ہے۔ بے نیاز و بے احتیاج ہونا۔

حَمِیْدٌ۔ حَمْدٌ سے ہے بمعنیٰ محمود۔

یَعِدُ۔ وَعْدٌ سے ہے، جس کے معنے وعدہ کرنے کے ہیں۔ پر کبھی مطلق امید دلانے یا ڈرانے کے معنے دیتا ہے۔ خصوصاً جب کہ وعدہ کیا ہوا امر وعدہ کرنے والے کے اختیار سے باہر ہو تو پھر اگر وہ امر خیر ہو تب تو امید دلانے کے معنوں میں ہوتا ہے اور اگر از قسم شر ہو تو ڈرانے کے لئے ہوتا ہے۔

فَحْشَاءٌ اور فَاحِشَۃٌ کی تفسیر میں بہت سے اقوال ہیں کوئی کہتا ہے، زنا کو کہتے ہیں، کوئی کہتا ہے کہ بد گوئی کو کہتے ہیں وغیرہ ذالک۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ اس کے دو معنے ہیں ایک قبیح امر۔ دوم زیادہ اور غالب۔ اور سب قبیح امروں میں سے خصوصاً زنا اور بخل اور بد گوئی پر اس کا بہت اطلاق ہوتا ہے۔

حِکْمَۃٌ۔ محکم بات۔

نَذَرْتُمْ۔ نَذْرٌ سے ہے۔ کسی امر کو از خود اپنی جان پر لازم ٹھہرانا۔

اَنْصَارٌ۔ نَاصِرٌ یا نَصِیْرٌ کی جمع ہے۔

تُبْدُوْا۔ اِبْدَاءٌ سے ہے۔ ظاہر اور سامنے کرنا۔

فَنِعِمَّا۔ تین لفظوں سے مرکب ہے (1) فَاء (2) نِعْمَ جس کے معنے، کیا خوب کے ہیں (3) مَا جو کہ یہاں پر بمعنے شَیْءٌ ہوا کرتی ہے۔

تُخْفُوْا۔ اِخْفَاءٌ سے ہے۔ تُؤْتُوْ۔ اِیْتَاءٌ سے ہے۔ دینا۔

یُکَفِّرُ۔ تَکْفِیْرٌ سے ہے، بمعنی پوشیدہ کرنے اور مٹانے کے۔

اِبْتِغَاءٌ۔ چاہنا۔ طلب کرنا۔ یُوَفَّ۔ تَوْفِیَۃٌ سے ہے، پورا دینا۔

اُحْصِرُوْا۔ اِحْصَارٌ سے ہے۔ بند کرنا۔

ضَرْبٌ کے لفظ کے بہت سے معنے آتے ہیں۔ اور جب اس کے بعد فِیْ آئے تو یہ چلنے اور سفر کرنے کے معنوں میں آتا ہے۔

یَحْسِبُ۔ حُسْبَانٌ سے ہے۔ خیال اور گمان کرنا۔

اَغْنِیَاءُ۔ غَنِیٌّ کی جمع ہے۔

تَعَفُّفٌ۔ عِفَافٌ سے ہے، جس کے معنی سوال سے بچنے کے ہیں۔

سِیْمَا۔ علامت۔

اِلْحَافٌ۔ کہتے ہیں کسی کے پیچھے پڑ جانے اور اصرار کرنے کو۔

ترجمہ:

اے وے لوگو جو ایمان لائے ہو تم اس سے ستھری چیزیں صرف کرو جو کہ تم نے کمایا ہے اور اس سے جو کہ ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے۔ اور ردی چیز کا قصد نہ کرو۔ اس سے تم صَرف تو کرتے ہو حالانکہ اس کو لینے والے نہیں ہوتے مگر یہ کہ تم اس میں چشم پوشی کرو۔ اور جان رکھو کہ اللہ بے نیاز اور تعریف کیا ہوا ہے۔

شیطان تم کو محتاجی سے ڈراتا اور بری بات (یا بخل) کا حکم دیتا ہے۔ اور اللہ تم کو اپنی طرف سے بخشش اور فضل کی امید دلاتا ہے اور اللہ وسعت والا بہت علم والا ہے۔ جس کو چاہتا ہے اس کو پختہ باتیں دیتا ہے۔ اور جس کو پختہ باتیں دی جائیں سو اس کو بہت خیر دی گئی (یا بہت سامال دیا گیا) اور عقلمند ہی لوگ نصیحت پکڑتے ہیں۔ اور جو تم کسی قسم کا صرف کرو یا جو تم کسی قسم کی نذر مانو! تو بے شک اللہ اس کو جانتا ہے۔ اور ظالموں کے لئے کوئی مددگاروں سے نہیں۔ اگر تم صدقوں کو ظاہر کرو تو یہ کیا ہی عمدہ بات ہے۔ اور اگر ان کو پوشیدہ رکھو اور محتاجوں کو دو تو یہ تمہارے لئے بہت اچھا ہے۔ اور ڈھانپ (یا دور کر) دے گا تم سے تمہاری بدیوں کو۔ اور اللہ ان کاموں سے خبردار ہے جو کہ تم کرتے ہو۔ تم پر ان کا راہ پر لانا نہیں

ہے۔ ولیکن اللہ جس کو چاہتا ہے راہ پر لاتا ہے۔ اور جو کچھ تم بھلائی (یا مال) سے صرف کرو گے وہ تمہیں پورا دیا جاوے گا۔ اور تمہیں نقصان نہ دیا جاوے گا (یہ) ان محتاجوں کے لئے ہے جو کہ اللہ کی راہ میں بند کئے گئے ہیں۔ سوال سے بچنے کے باعث جاہل ان کو غنی خیال کرتا ہے تم ان کو ان کی علامت سے شناخت کرتے ہو (یا کروگے) وہ لوگوں سے پیچھے پڑ کے نہیں مانگتے۔ اور جو کچھ تم بھلائی (یا مال) سے صرف کرتے ہو اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے۔

تفسیر:

خداوند تعالیٰ کی یہی سنت پائی گئی ہے کہ جب وہ شارع نبی مبعوث فرماتا ہے تو اس سے اس کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ پہلا جو کچھ رسم ورواج ہے وہ بالکل اٹھا دیا جاوے بلکہ اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو اچھی باتیں ان میں نہیں وہ ان کو بتائی جائیں اور جو بری باتیں ان میں موجود ہیں وہ رفع کی جاویں اور جو بھلی بات کے ساتھ بری ملائی ہوئی ہے اس کو صاف کیا جائے مثلاً حج وہ پہلے بھی کرتے تھے لیکن کچھ کچھ غلطیاں بھی اس میں رائج تھیں تو قرآن مجید نے حج کو باقی رکھا لیکن وہ غلطیاں رفع کر دیں۔ اسی طرح صدقات پہلے بھی لوگ دیا کرتے تھے لیکن ان میں جیسی یہ غلطی تھی کہ بے محل دیا کرتے تھے یا ریا اور مَنّ و اذیٰ کرتے تھے ایسی ہی کچھ اور غلطیاں بھی موجود تھیں تو قرآن مجید نے جب صدقات کا مصرف بتایا اور یہ بھی کھول کر بتایا کہ ریا اور مَنّ و اذیٰ سے صدقہ باطل ہو جاتا ہے تو اب ان کو ان کی دوسری غلطیوں پر متنبہ کرنے کے لئے فرماتا ہے کہ) اے ایمان والو تم ان چیزوں میں سے ستھری چیزیں صرف کرو جو کہ تم نے خود کمائی ہوں یا ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہوں (یعنی نہ تو وہ چیز دو جو کہ نہ تم نے کمائی ہے اور نہ اللہ نے تم کو دی ہے۔ اور نہ وہ جو کہ تمہاری کمائی ہوئی یا اللہ کی دی ہوئی تو ہے۔ پر وہ ردی چیز ہے۔ اور چونکہ حرام مال کا اللہ کی راہ میں صرف کرنا تو مومن کی شان سے بعید تھا لہٰذا اس کی تو ضمنی ممانعت پر کفایت کر دی پر ردی چیز کا دینا چونکہ کثیر الوقوع تھا لہٰذا دوبارہ فرمایا کہ) تم اس ردی چیز (کے صرف کرنے) کا قصد نہ کرو کہ (دینے کے وقت) تو تم اس سے صرف کر لیتے ہو پر (اگر لینا پڑے) تو تم اس کے لینے والے نہیں بنتے۔ ہاں (اس وقت لے لیتے ہو) کہ تم اس

میں چشم پوشی اور درگذر کر جاؤ۔(یعنی جس چیز کو تم خود نہیں لیتے اس کو اللہ کے لئے کس طرح دیتے ہو۔ اور پھر اس سے بھی ترقی کر کے فرمایا کہ ہاں چونکہ تم محتاج ہو اس لئے بعض اوقات ضرورت کے باعث چشم پوشی کر کے لے بھی لیتے ہو لیکن) تم خوب جان رکھو کہ اللہ بے نیاز (اور سب صفات کاملہ کے ساتھ) تعریف کیا ہوا ہے۔

(نیز اس میں دوسری یہ ترقی کی ہے کہ پہلے بیان سے تو اسی قدر ظاہر ہوا ہے کہ جس طرح تم ردی چیز کو نہیں لیتے اسی طرح اللہ بھی اس کو نہیں لیتا لیکن اس کے ساتھ بتایا کہ علاوہ نہ لینے کے یہ بھی خطرہ ہے کہ کوئی عتاب ہو کیونکہ وہ بے نیاز اور تعریف کیا ہوا ہے اور ایسی ردی چیز اس کی شان کے خلاف ہے۔ اس کے ایک اور معنے بھی ہو سکتے ہیں اور وہ بھی لطیف ہیں اور وہ یہ ہیں کہ غنی سے تو بتایا کہ وہ تمہارے صدقات کا محتاج نہیں۔ اور حمید کے ساتھ بتایا کہ بلکہ تم اس کے محتاج ہو کہ وہ تم کو دیتا ہے اور تم اس کی تعریف کرتے ہو۔ نیز حمید کے ساتھ یہ بھی بتایا کہ جب وہ غنی ہے تو پھر صدقات کیوں لیتا ہے تو بتایا کہ چونکہ وہ حمید ہے۔

لہٰذا ضروری ہے کہ جو کچھ بندے اس کے انعام کے شکریہ میں دیں وہ قبول کرے۔ اور انہی معنوں کے خیال سے بعض مفسرین نے حمید کو بمعنے محمود نہیں لیا بلکہ بمعنے حامد لیا ہے۔ یعنی قبول کرنے والا جیسا کہ شَاکِرٌ بمعنے قبول کرنے والے کے ہے۔ اس کے بعد انفاق پر آمادہ کرنے اور عدم انفاق سے بچانے کے لئے فرمایا کہ تم لوگ انفاق فی سبیل اللہ سے اس وجہ سے رکھتے ہو اور نیز اسی وجہ سے ردی چیز بھی دیا کرتے ہو کہ) شیطان تم کو محتاجی سے ڈراتا ہے۔ اور تم کو بری بات (بخل اور خداوند تعالیٰ کی ناشکری اور اس کی شان ارفع کے خلاف) کرنے کا حکم دیتا ہے (تو تم اس اپنے دشمن کی پیروی کر کے انفاق سے رک جاتے ہو یا عمدہ چیز دینے سے دریغ کرتے ہو۔ اور اس میں ذرہ بھی شک نہیں کہ ان دونوں امروں کے باعث عموماً یہی ہوتے ہیں جو کہ خداوند کریم نے یہاں پر بتائے ہیں۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ ان دونوں باعثوں کو شیطان ہی سے مناسبت ہے) اور اللہ (انفاق پر اور عمدہ چیز دینے پر) اپنی طرف سے مغفرت اور فضل کی امید دلاتا ہے (اور اس میں بھی

شک نہیں کہ خداوند تعالیٰ جیسی امید دیتا ہے ایسا ہی فضل کرنے پر قادر بھی ہے کیونکہ) وہ بڑی وسعت والا ہے (اور پھر ضائع ہونے کا بھی خطرہ نہیں کیونکہ) وہ بڑے علم والا ہے۔

جس کو حکمت دی گئی اس کو خیر کثیر دی گئی:

(اور چونکہ مذکورہ بالا بیان کی نسبت یہ خیال گذر سکتا تھا کہ بے شک یہ ٹھیک بات ہے کہ شیطان کے کہے کا خلاف کرنا چاہئے لیکن انسان کے دل میں گذرتا ہے کہ اس کی نسبت کس طرح اس کو یقین حاصل ہو سکتا ہے کہ یہ شیطان کا کام ہے تو اس کے رفع کرنے کے لئے فرمایا کہ) اللہ جس کو چاہتا ہے حکمت دیتا ہے۔ اور جس کو حکمت دی گئی سو اس کو خیر کثیر دی گئی (یعنی جو خطرات خیر وشر انسان کے دل میں گذرتے ہیں وہ یا تو فرشتوں کی تحریک سے ہوتے ہیں اور یا نفس امارہ اور شیطان کی تحریک سے۔ اور ہر ایک خیال کی نسبت انسان کو یہ تردد ہو سکتا ہے کہ یہ فرشتہ کی تحریک ہے یا شیطان کی لیکن جس شخص کو خداوند تعالیٰ نے حکمت عنایت کی ہوئی ہوتی ہے وہ خوب جانتا ہے کہ ان دونوں گروہوں کی تحریک خاص خاص امور میں ہوتی ہے جو کہ ان کے ساتھ خاص مناسبت رکھتے ہیں۔ چنانچہ وہ خوب جانتے ہیں کہ اللہ کے راستہ میں صرف کرنے پر فقر کا خوف دلانا اور قبیح کاموں کا حکم دینا یہ اسی کا کام ہو سکتا جو کہ خداوند تعالیٰ کا صاف صاف نافرمان ہو۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ تو اپنے راستہ میں صرف کرنے پر مغفرت اور فضل کا وعدہ دیتا ہے اور وہ بھلائی اور نعمت کی ترقی کے موجب ہیں۔ پس جو لوگ اس حکمت کو جانتے ہیں وہ رحمانی اور شیطانی خطرات و خیالات میں کھلا کھلا امتیاز پاتے ہیں۔

حکمت کے متعلق مفسرین کی آراء:

تفسیروں میں حکمت کی تفسیر میں بہت سے اقوال مندرج ہیں حضرت ابن عباسؓ کا مشہور قول یہ ہے کہ اس سے مراد ناسخ و منسوخ اور محکم و متشابہ اور مقدم و مؤخر اور حلال و حرام وغیرہا کا جاننا ہے۔

اور ابن منذر نے ان کا ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ حکمت سے نبوت مراد ہے لیکن مفسرین نے نبوت کے معنے علم القرآن کے کئے ہیں۔ اور مجاہد سے مروی ہے کہ قرآن مجید

کی تفسیر اور اس پر عمل کرنے میں ٹھیک ہونا ہے۔ اور انہی سے دوسری روایت یہ ہے کہ وہ علم مراد ہے جس کا نفع بہت ہو۔ اور عطاء کا قول ہے کہ وہ معرفت الٰہیہ ہے اور ابو عثمانؒ کا قول ہے کہ وہ نور ہے جس کے ساتھ الہام اور وسوسہ میں فرق ہو سکتا ہے۔

الغرض اسی طرح کے 29 قول مذکور ہیں پر حق یہی ہے کہ حکمت ان پختہ باتوں کو کہتے ہیں کہ جن پر ظاہری امور کی حقیقت میں بنا ہوتی ہے۔ اور ہر ایک مقام کے لحاظ سے وہ جدا جدا چیز اور بات ہوتی ہے۔ اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ اللہ ہی کسی کو حکمت کے مطابق عمل و درآمد رکھنے کی توفیق دے تو دے ورنہ انسان سے کچھ بھی نہیں ہو سکتا فرمایا کہ اس حکمت کو خود معلوم کرنا تو درکنار، اب تو ہم نے بتا بھی دی ہے لیکن پھر بھی عمل کے لئے اس کو) وہی مد نظر اور یاد کریں گے جو کہ مغز اور صاف اور ستھری عقل والے ہیں (اور وہ وہی ہیں کہ جن کے ساتھ تائید الٰہی شامل حال ہے۔ اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ انفاق فی سبیل اللہ جیسا کہ مغفرت اور فضل کا موجب ہے، اسی طرح بعض غلطیوں سے وہ عذاب الٰہی کا بھی ایسا ہی موجب ہو جاتا ہے۔ جیسی کہ نذر ماننی عمدہ چیز ہے۔ پر پورا نہ کرنے کی صورت میں وہ عذاب الٰہی کی موجب ٹھہرتی ہے۔ فرمایا کہ) جو کچھ تم صرف کرتے ہو اور جو کسی قسم کی تم نذر مانتے اور اس کا دینا اپنے پر از خود لازم کرتے ہو تو خداوند تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے (لہٰذا جو کچھ ثواب یا عذاب ان پر عائد ہونے والا ہے وہ لاعلمی کے باعث ضائع نہ ہو گا۔ اور نہ کوئی مددگاروں کے ذریعہ سے اس عذاب سے بچ سکے گا اس لئے) کہ ظالموں کے لئے (جو کہ ریاکاری وغیرہ کر کے خداوند تعالیٰ کا حق غیر کو دیتے ہیں یا شیطان کی بات مان کر خدا کی بات کو ترک کر کے اس کی شان کے خلاف کرتے ہیں) کوئی مددگار نہ ہو گا۔

صدقات کا چھپا کر اور ظاہر اً دینے میں حکمت:

اور انسان کا چونکہ قاعدہ ہے کہ جب کسی امر سے اس کو منع کیا جائے تو اس کے ہم رنگ امور کو بھی منع سمجھنے لگتا ہے۔ اسی طرح جب ریا سے منع کیا گیا تو احتمال تھا کہ بعض طبائع لوگوں کے سامنے صدقہ دینے کو بھی ممنوع سمجھنے لگیں لہٰذا فرمایا کہ) اگر تم صدقات کو ظاہر کرو تو یہ کیا ہی خوب ہے (کیونکہ صدقہ بھی ہو گیا اور دوسروں کے لئے ایک قسم کی

تحریک بھی ہو گئی بلکہ سائلوں کے لئے بھی یہ ظاہر کر دیا گیا کہ فلاں شخص للہ دیا کرتا ہے جس سے بار بار اس کو صدقہ دینے کا موقعہ پیش آتا رہے گا۔

خلاصہ یہ ہوا کہ لوگوں کے سامنے صدقہ دینا کوئی منع نہیں بلکہ عمدہ ہے بلکہ ممنوع ریا ہے جس کا اثر نیت اور ارادہ پر ہوتا ہے) اور اگر ان کو پوشیدہ کرو (پر ایسا نہ ہو کہ پوشیدہ کرتے کرتے بالکل رک ہی جاؤ یا اخفاء چاہتے چاہتے صحیح مصرف کو بھی نہ دریافت کرو بلکہ) محتاجوں کو دے دو تو یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے (کیونکہ جیسا اس میں اخلاص زیادہ تصور کیا جاتا ہے ایسا ہی یہ ریا سے بھی دور ہے اور حدیثوں میں ان کا اجر بھی خصوصیت کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ اور علاوہ بریں اس سے سائل بھی پیچھے نہیں پڑتے تاکہ ان سے تنگ نہ آکر ترش روئی وغیرہ کرنے کا اندیشہ ہو۔ اور اسی ثواب کی خصوصیت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اس کے بعد فرمایا کہ) تمہاری بدیوں کو یہ پوشیدہ صدقہ یا اللہ کریم اس کی وجہ سے دور کر دے گا (حالانکہ دونوں طرح کا صدقہ بدیوں کے مٹانے اور اللہ کے غضب کے بجھانے کا سبب ہے۔

صدقات کی تفسیروں میں تقسیم:

گو تفسیروں میں یہ تقسیم آئی ہے کہ ظاہر کرنا فرض صدقات میں ہے یعنی زکوٰۃ وغیرہ میں۔ اخفاء نفلی صدقات میں ہے۔ لیکن نہ یہ تفصیل درست ہے اور نہ قرآن مجید کے الفاظ سے ایسا ظاہر ہوتا ہے بلکہ حق یہی ہے کہ خواہ فرض صدقات ہوں یا نفلی ہوں سب کا ظاہر اور پوشیدہ دینا درست ہے اور ظاہر کرنا اگر ناجائز ہوتا ہے تو ریا وغیرہ ممنوع امور کے ملنے سے ہوتا ہے۔ اور کوئی صدقہ اگر فضیلت رکھتا ہے تو اخلاص سے رکھتا ہے جیسا کہ اس کے بعد فرمایا ہے کہ) اللہ ان کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہے کہ جن کو تم کرتے ہو۔

(حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور سعید بن جبیر سے مروی ہے کہ "انصار کے بعض رشتہ دار مومن نہ تھے اور وہ ان کو صدقہ نہ دیا کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ اسلام لائیں" یعنی اس لئے ان کو نہ دیتے تھے تاکہ وہ تنگ ہو کر اسلام قبول کر لیں۔ اور کہ "نبی کریمؐ بھی اسلام کے سوا دوسروں کو صدقہ دینے سے منع فرمایا کرتے تھے۔"

(تفسیر الدر المنثور جلد 2 صفحہ 87 سورۃ البقرۃ دار احیاء التراث العربی بیروت 2001ء)

تو اس سے منع کرنے کے لئے یہ آگے کی آیت نازل ہوئی کہ) تم پر ان کی ہدایت نہیں (یعنی تم پر لازم نہیں کہ تم ضرور ان کفار کو مسلمان بناؤ تا کہ تم مسلمان بنانے کے لئے ان سے صدقات بھی روک دو) ولیکن اللہ ہی جس کو چاہتا ہے اس کو ہدایت دیتا ہے (تو اس صورت میں هُدٰهُمْ کی ضمیر سے کفار بلکہ وہ خاص کفار مراد ہوں گے کہ جن کے مسلمان بنانے کی غرض سے ان کو صدقات نہ دیے جاتے تھے۔ اور یہ معنے گو صدقات کے بیان کے ساتھ خاص مناسبت بھی رکھتے ہیں لیکن نہ نفس الفاظ سے یہ مطلب نکلتا ہے اور نہ هُدٰهُمْ کی ضمیر کی ان کفار کے ساتھ تخصیص ثابت ہوتی ہے۔

لیکن ایسے مقامات کی نسبت جو طریق میں نے بارہا لکھا ہے وہ بہت ہی ٹھیک ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو معنے سبب نزول کے مطابق ہوں وہ بھی فی حد ذاتہٖ درست ہیں اور جو اس کے ماقبل اور مابعد کے ساتھ ملانے سے پیدا ہوں وہ بھی صحیح ہیں۔ تو جب ہم ماقبل پر نظر کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ خداوند کریم نے صدقات اور انفاق کی نسبت بہت تاکید فرمائی ہے اور ان کی نسبت اور بھی بہت سی ہدایتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ اور قرآن مجید کے دوسرے مقامات سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ قوم کو گمراہی سے نکالنے اور راہ راست پر لانے کا اس قدر ولولہ اور شوق و اشتیاق اور جوش رکھتے تھے کہ جس سے خطرہ ہوتا تھا کہ اس سے آپ کو کوئی صدمہ نہ پہنچ جائے اور ان مقامات پر بھی آپ کو کہا گیا ہے کہ آپ اس قدر کیوں خیال رکھتے اور بے حد کوشش کرتے ہیں۔ آپ کوئی ان کے داروغہ یا وکیل اور ذمہ وار تو نہیں ہیں آپ کا کام تو تبلیغ ہے۔ رہا راہ راست پر لے آنا تو یہ اللہ کا کام ہے۔ تو اسی طرح یہاں پر بھی اس آیت کو لا کر یہ بتایا ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ اور صدقات کے بارہ میں اور ان کے عمدہ طور پر ادا کرنے اور ریا اور مَنّ و اذیٰ وغیرھا مضر امور سے بچانے میں آپ اس قدر زیادہ کیوں خیال رکھتے اور کیوں بے حد کوشش کرتے ہیں۔ آپ پر تو یہ لازم نہیں کہ ان پر ان کو چلا بھی دیں۔ اور اس راہ راست پر ان کو لے آویں۔ بلکہ یہ کام تو اللہ کا ہے سو وہ جس کو چاہتا ہے اس راہ راست پر چلاتا ہے اور جس کو چاہے گا اس کو چلائے گا۔ اور یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ انفاق کے حکم کی پیروی سے اعراض

کرنا مومن بلکہ عقلمند کی شان سے بہت ہی بعید ہے فرمایا کہ) جو کچھ تم مال صرف کرتے ہو اس کا فائدہ تمہارے ہی لئے ہے۔

انفاق ایک مفید چیز ہے:

(پس اگر مومن ہیں تو وہ ایمانی طور پر یقین رکھتے ہیں کہ انفاق کا عظیم الشان فائدہ ہے اور وہ خاص اپنے ہی لئے ہے۔ اور اگر عقل مند ہیں تو وہ عقلاً بھی جانتے ہیں کہ غرباء و مساکین قوم کی امداد کرنی اور دشمنوں کے مقابلہ میں مال کا صرف کرنا بہت مفید چیز ہے اور اس کا فائدہ اپنے ہی لئے ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ باوجود بار بار فہمائش کرنے اور ترغیب دینے کے اس طرف رخ نہیں کرتے) اور تم خاص اللہ ہی کی توجہ چاہنے کے لئے صرف کرتے ہو (جس سے علاوہ دنیوی فوائد کے اخروی فوائد کا بھی یقین حاصل ہے اور نیز اس سے اس کی تائید شامل حال ہونے کی بھی قوی امید ہے۔ اور پھر یہ بھی وعدہ دیا گیا ہے کہ اگر) زیادت سے قطع نظر بھی کی جاوے تاہم) جو کچھ تم مال سے صرف کروگے وہ پورا پورا تم کو واپس دیا جاوے گا۔ اور تمہارا کچھ بھی نقصان نہ کیا جاوے گا۔ (تو اس صورت میں جبکہ اصل بھی پورا پورا ملے گا اور نفع بھی خاص انہی کو ملے گا تو پھر ان کا اس سے منہ پھیرنا بہت قابل افسوس امر ہے۔

(میں نے بارہا لکھا ہے کہ قرآن مجید جب کسی امر کے متعلق ثبوت دیتا اس کی ترغیب دیتا ہے یا اس سے ڈراتا ہے تو ایک طریق پر بس نہیں کرتا بلکہ مختلف طریق بیان کر دیتا ہے تاکہ مختلف المذاق افراد انسانی میں سے کوئی محروم نہ رہے۔ اسی طرح یہاں پر بھی جب انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی تو مختلف طریقوں سے اس کی طرف بلایا ہے کبھی صدقات کئی گنا زائد ملنے کی امید دلائی ہے اور کبھی فرمایا کہ مقابلہ کے وقت جو قوم انفاق سے دریغ کرتی ہے وہ اپنے ہاتھ سے اپنے آپ کو ہلاک کرتی ہے۔ اور کبھی اس پر مغفرت اور فضل کا وعدہ دیا ہے اور اس سے رکنے کو فحشاء اور شیطانی اغواء بتایا ہے۔ اور کبھی اس کو حکمت اور خیر کثیر کا موجب قرار دیا ہے۔ وعلی ہذا القیاس۔ تو اب ایک اور طریق سے اس کی ترغیب دیتا ہے کہ صدقات کے مصارف میں سے ہر ایک قسم پر نظر کرنے سے انسانی ہمدردی جوش میں آکر اس کو اس کی ہر قسم کی امداد اور خصوصاً اس پر انفاق کرنے کے

لئے آمادہ کرتی ہے لیکن ان میں سے خصوصیت کے ساتھ ایک ایسی قسم کو بیان کرتا ہے کہ جس کی حالت انفاق کیا بلکہ ہر ایک طرح کی امداد کو مومن کے لئے لازم ٹھہراتی ہے اس کو بیان کرتا ہے۔

اور جیسا کہ زبان عرب کا طریق ہے کہ ایسے رحم کے جوش دلانے کے موقعوں پر اس قابل رحم شخص کو تو بیان کر دیتے ہیں پر یہ نہیں بیان کرتے کہ تم اس کے ساتھ فلاں سلوک کرو بلکہ یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ اس کی حالت خود تم کو وہ بتاتی ہے جو کہ تم کو اس کے ساتھ کرنا چاہئے) سلوک وغیرہ کے امر کو ذکر نہیں کرتے اسی طرح خداوند کریم نے اس سلوک، اَعنی انفاق کے ارشاد کو چھوڑ کر فرمایا کہ) ان محتاجوں کے لئے جو اللہ کی راہ میں ایسے بند کئے گئے ہیں کہ (کمائی کے لئے) سفر نہیں کر سکتے (دشمن دین سے لڑ رہے یا حدود پر نگہبانی کر رہے ہیں یا تحصیل علم دین نے ان کو مشغول کیا ہوا ہے یا صادق کی صحبت نے ان کو روکا ہوا ہے۔ اور پھر باوجود اشد ضرورتوں اور حاجتوں کے وہ نہ کسی سے سوال کرتے ہیں اور نہ اپنے احتیاج کو ظاہر کرتے ہیں تو) اس ہر قسم کے سوال سے بچنے کے باعث جاہل نادان ان کو غنی خیال کرتا ہے پر تم ان کو ان کی علامت سے خوب پہچانتے ہو (کہ یہ سخت محتاج اور لازم الامداد ہیں کہ باوجود اشد ضرورت کے پھر بھی دوسروں کی طرح) پیچھے پڑ کر لوگوں سے نہیں مانگتے۔

(اور ظاہر ہے کہ ایک خداترس مومن کو ان کی یہ حالت ہر ایک قسم کی امداد پر ہر ایک طرح آمادہ کرنے اور جوش دلانے والی ہے اور امداد و انفاق کے ارشاد کا صراحۃً یہاں پر ذکر نہ کرنا ان کی نسبت جوش ہمدردی کو دوچند ظاہر کرتا ہے۔ اور چونکہ انفاق کے اجر کی زیادت کے موجب دو ہی امر ہیں۔ ایک دلی اخلاص اور جوش ہمدردی دوم محل کی مناسبت اور ضرورت۔ اور اس صورت میں دونوں باتیں جمع ہو سکتی ہیں۔ لہٰذا فرمایا کہ) جو کچھ تم مال سے صرف کرو گے تو بے شک اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے۔ (اَعنی جس طرح یہ موقع نہایت مناسب بلکہ نہایت ضروری ہے اسی طرح جب تم جوش ہمدردی اور اخلاص محض سے صرف کرو گے تو بہت بڑھ چڑھ کر اجر پاؤ گے۔)

آیت 275 تا 282: اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَہُمۡ بِالَّیۡلِ وَالنَّہَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً فَلَہُمۡ اَجۡرُہُمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ۔ اَلَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوۡمُوۡنَ اِلَّا کَمَا یَقُوۡمُ الَّذِیۡ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّمَا الۡبَیۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰہُ الۡبَیۡعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنۡ جَآءَہٗ مَوۡعِظَۃٌ مِّنۡ رَّبِّہٖ فَانۡتَہٰی فَلَہٗ مَا سَلَفَ وَاَمۡرُہٗۤ اِلَی اللّٰہِ وَمَنۡ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ۔ یَمۡحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا وَیُرۡبِی الصَّدَقٰتِ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیۡمٍ۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ لَہُمۡ اَجۡرُہُمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ۔ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَذَرُوۡا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ۔ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا فَاۡذَنُوۡا بِحَرۡبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ وَاِنۡ تُبۡتُمۡ فَلَکُمۡ رُءُوۡسُ اَمۡوَالِکُمۡ لَا تَظۡلِمُوۡنَ وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ۔ وَاِنۡ کَانَ ذُوۡ عُسۡرَۃٍ فَنَظِرَۃٌ اِلٰی مَیۡسَرَۃٍ وَاَنۡ تَصَدَّقُوۡا خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ۔ وَاتَّقُوۡا یَوۡمًا تُرۡجَعُوۡنَ فِیۡہِ اِلَی اللّٰہِ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفۡسٍ مَّا کَسَبَتۡ وَہُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ۔

تشریح الفاظ:

ھَمٌّ اور حُزۡنٌ کے معنے میں نے پہلے مفصل بیان کر دئے ہوئے ہیں۔

رِبٰو۔ اصل میں بڑھنے کو کہتے ہیں۔ اور لسان شرع میں اور عام عرف میں اب سود کو کہتے ہیں جس کو سب چھوٹے بڑے بخوبی جانتے ہیں۔

یَتَخَبَّطُ۔ خَبْطٌ سے ہے۔ جس کے معنے ہیں زمین پر پاؤں مارنے اور راستہ سے بے راستہ چلنے اور ناپسندیدہ چال اختیار کرنے کے۔ اور بعض نے بعض مقامات پر اس کے معنے گرانے کے بھی کئے ہیں۔

مَسٌّ کے اصل معنے تو چھونے کے ہیں لیکن بمعنے جنون بھی آتا ہے۔ تاج العروس میں لکھا ہے اَلْمَسُّ: اَلْجُنُوْنُ، کَالْاَلَسِ وَاللَّمَمِ، قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ: کَالَّذِیْ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیْطَانُ مِنَ الْمَسِّ۔ اور جنوں کے معنوں کی مثال میں اس آیت کریمہ کا لانا صاف بتاتا ہے کہ تاج العروس والے کے نزدیک مس کے معنے یہاں پر جنون کے ہیں نہ چھونے کے۔

اِنْتَھٰی۔ اِنْتِھَاءٌ سے ہے۔ باز آنا اور رک جانا۔

سَلَفَ۔ سَلْفٌ سے ہے۔ جس کے معنے پہلے ہونے اور گزرنے کے ہیں۔

عَادَ۔ عَوْدٌ سے ہے۔ لوٹنا۔ یَمْحَقُ۔ مَحْقٌ سے ہے۔ مٹانا۔

یُرْبِیْ۔ اِرْبَاءٌ سے ہے۔ بڑھانا۔

کُفَّارٌ۔ کَافِرٌ کا مبالغہ ہے۔ اَثِیْمٌ۔ اِثْمٌ سے ہے۔ بہت گنہگار۔

ذَرُوْا۔ امر ہے۔ وَذَرَ۔ یَذِرُ جو بمعنے چھوڑنے کے آتا ہے۔

اِٰذَنُوْا۔ اِذْنٌ سے ہے۔ جس کے معنے مشہور ہیں لیکن کبھی بمعنے اعلان جنگ سننے اور اس پر یقین لانے کے بھی آتا ہے۔ اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے اس کے معنے اَیْقِنُوْا (یقین کرو) کئے ہیں۔ اور حسن کی قرأت میں بجائے اِٰذَنُوْا کے اَیْقِنُوْا ہی آیا ہے۔

حَرْبٌ۔ جنگ۔

رُؤُسٌ۔ رَأْسٌ کی جمع ہے۔ جس کے معنے سر کے ہیں اور رأس المال اصل مال کو کہتے ہیں۔

ذُوْ کے معنے والے کے ہوتے ہیں۔ عُسْرَۃٌ۔ تنگی اور تنگدستی۔

نَظِرَۃٌ۔ مہلت دینا۔

مَیْسَرَۃٌ۔ فراخی اور فراخ دستی اور آسائش۔

تُوَفّٰی۔ تَوْفِیَۃٌ سے ہے۔ پورا پورا دیا جانا۔

اور ظُلْمٌ اصل میں کسی کے حق میں کمی کرنے کو کہتے ہیں۔

ترجمہ:

جو لوگ کہ رات اور دن میں پوشیدہ اور ظاہر طور پر اپنے مال صرف کرتے ہیں سو انہی کے لئے ان کے اجر ہیں اپنے رب کے پاس اور نہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ کڑھتے ہیں (اور نہ وہ کڑھیں گے) جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ نہیں اٹھتے (یا نہ اٹھیں گے) مگر اس کی مانند جس کو شیطان بے راہ چلاتا (یا گرا دیتا ہے) اعنی جنون (یا جنون سے) یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ بیع (بھی) سود ہی کی مانند ہے اور اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔ سو جس کے پاس اس کے رب کی طرف سے وعظ آ گیا اور پھر وہ باز آ گیا تو اس کے لئے ہے جو پہلے گذر چکا۔ اور جو لوٹے سو وہ آگ والے ہیں وہ اس میں رہ پڑنے والے ہیں۔

اللہ سود کو مٹائے گا اور صدقات کو بڑھائے گا۔ اور اللہ ہر ایک سخت منکر (یا سخت ناشکرے) بدکار کو پسند نہیں فرماتا۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے سنوار والے کام کئے اور انہوں نے نماز کو قائم کیا اور زکوٰۃ کو ادا کیا ان کے لئے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے۔ اور نہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ کڑھتے ہیں (اور نہ کڑھیں گے۔)

اے ایمان لانے والو تم اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود سے باقی رہا ہے۔ اس کو چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔ سو اگر تم نہ کرو تو پھر اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کا اعلان سن رکھو۔ (یا یقین کر لو) اور اگر رجوع کر لو تو تمہارے لئے تمہارے اصل مال ہیں۔ نہ تم نقصان دو اور نہ تم کو نقصان دیا جائے۔ اور اگر تنگدستی والا ہو تو فراخ دستی تک مہلت چاہے۔ اور تمہارا صدقہ کر دینا تمہارے لئے بہت بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔ اور اس دن سے بچو کہ جس میں تم اللہ کی طرف پھیرے جاؤ گے پھر ہر ایک جان نے جو کچھ کمایا تھا وہ اس کو پورا دیا جاوے گا اور ان کا کچھ نقصان نہ کیا جائے گا۔

تفسیر:

(میں نے پہلے بتایا ہے کہ ایک زمانہ حق کے اثبات اور اس کے دلائل کے اظہار کا ہوتا ہے اور وہ زمانہ دنیوی جزا اور سزا کا بھی بڑا مظہر ہوتا ہے اور وہ زمانہ انبیاءؑ اور مامورینؑ کا ہے۔

یوں تو نیکی کا پھل ہمیشہ نیک ہی ہوتا ہے اور بدی کا انجام بد ہی ہوتا ہے لیکن وہ زمانہ خصوصیت سے اس کے کھلے کھلے نظائر بہم پہنچا دیتا ہے۔ اور پھر خصوصیت سے حضرت سید الرسل ؐ کا زمانہ اس امر میں سب انبیاءؑ کے زمانوں سے ممتاز ہے۔

اسی وجہ سے قرآن مجید کا یہ عام طرز ہے کہ جب کسی نیکی کی ترغیب کے لئے یا کسی بدی کی ترہیب کے لئے سب طرق استعمال کر چکتا ہے تو اخیر میں بتا دیتا ہے کہ آخری نشان یہ ہے کہ اس کے کرنے والے کو یا اس کے نہ کرنے والے کو اسی جہان میں عنقریب فلاں اجر یا عذاب دیا جاوے گا تا کہ اس پیش از وقت بتانے سے جب وہ اجر اور عذاب ان پر نازل ہوں تو صاف صاف یہ ثابت ہو جائے کہ یہ حکم خداوند علیم و حکیم کی طرف سے تھا۔

انفاق اور بخل:

اسی طرح خداوند کریم نے یہاں پر پہلے انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب اور بخل و امساک کی ترہیب کے لئے بہت کچھ بیان فرمایا۔ اور اخیر پر اب آخری فیصلہ کرنے کے لئے انفاق کی اعلیٰ قسم اور بخل کی بدترین شاخ لے کر ان دونوں کی نسبت دنیوی جدا جدا دو حکم بیان فرمائے ہیں تا کہ ان کے اخروی حکموں کا بین ثبوت ہو جائے۔ تو فرمایا کہ) جو لوگ کہ شب و روز پوشیدہ اور ظاہر طور پر اپنے مالوں کو صرف کر رہے ہیں (اور وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پاک جماعت ؓ ہے۔ اور اَللَّیۡلُ اور سِرًّا کو اول لا کر بتایا ہے کہ ان کا طبعی امر تو اخفاء ہی ہے ہاں کسی ضرورت کے وقت اظہار بھی کر لیتے ہیں اور وہ اظہار بھی ان کے انفاق میں کسی قسم کے خطرہ کا موجب نہیں ہوتا۔ تو بتایا کہ ان اعلیٰ درجہ کے مُنۡفِقِیۡنَ کے لئے اسی دنیا میں یہ امتیازی نشان ہے کہ) انہی کے لئے (نہ ان کے فریق مقابل کے لئے) ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے (جس کا بیان مفصل طور پر پہلے گذر چکا ہے اعنی سات سو مثل سے بھی زیادہ۔

چنانچہ تھوڑی مدت میں خداوند کریم نے ایسا ہی کر دکھایا جنہوں نے اللہ کی راہ میں پیسے دئے تھے وہ دراہم و دنانیر کے خزانوں کے مالک بن گئے جن مہاجروں نے چند چند مرلوں کے مکان چھوڑے تھے وہ ملکوں کے بادشاہ اور گورنر ہو گئے۔ لیکن چونکہ عام دستور یہی ہے کہ جس قدر دنیوی مال اور جنجال زیادہ ہوتا جاتا ہے اسی قدر خوف و حزن زائد ہوتے

جاتے ہیں کسی کو اعداء کی کثرت اور ان کا درپے اضرار ہونا خوف میں ڈال رہا ہے اور ان کے تباہ اور ذلیل کرنے کی کڑھن دامنگیر رہتی ہے۔ اور کسی کو اور نہیں تو مال کے ضائع ہونے کا خوف اور دوسروں سے مقابلہ میں بڑھنے کی کڑھن ہی بے چین کر رہی ہے تو پھر ایسی زیادت سے فائدہ ہی کیا ہوا تو اس کی تردید کے لئے پہلے امتیازی نشان کے ساتھ دوسرا امتیازی نشان یہ بتایا کہ) نہ ان پر کسی قسم کا خوف ہو گا اور نہ کڑھتے رہیں گے۔

(میں نے پہلے بھی بتایا ہے کہ خوف نہ ہونے کے یہ معنے نہیں کہ ان پر خوف آتا ہی نہیں بلکہ اس کے وہی معنے ہیں جو کہ آیت استخلاف میں بیان ہوئے ہیں کہ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا[1] (النور:56) یعنی خوف دلانے والے امور ان پر آئیں گے پر ایک طرف تو وہ آئیں گے اور دوسری طرف سے فرشتے تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا[2] الخ (حم السجدۃ:31) کے مطابق ان کو نجات اور کامیابی کا وہ سچا یقین بشارت کے رنگ میں دے دیتے ہیں کہ بجائے خوف و حزن کے ہشاش وبشاش ہو جاتے ہیں۔

اور پھر اخیر میں وہ خوف امن بلکہ فلاح اور فتح و نصرت سے مبدل ہو جاتا ہے۔ اور یہ امر بھی اس پاک جماعت میں نمایاں طور پر پایا جاتا ہے۔ ان کی ابتدائی حالت کیسی پر خوف تھی گو وہ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا[3] (التوبۃ:40) کی نداء سے بے خوف و بے حزن تھے اور پھر ان کی آخری حالت کیسی پر امن اور فلاح و نجاح پر مشتمل تھی۔ تنہا ابو بکرؓ ہی کی حالت کو کوئی انصاف سے دیکھے مسند خلافت پر بیٹھتے ہی کیا شدید خوف پیش آتا ہے۔ جنگی لشکر تو شام کو روانہ ہوتا ہے اور مسیلمہ کذاب کی جمعیت آگ کی طرح پھیلی جاتی ہے اور ارتداد اور منع زکوٰۃ کی وباء تو مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے سوا سارے عرب پر حاوی ہو چکی ہے اور منافقین موقعہ کی مناسبت کو پاکر اپنی ساری زہر اگل رہے ہیں۔ اور لوگ کیا حضرت عمرؓ جیسے مدبر بھی اس رائے پر زور دے رہے ہیں کہ جیش اسامہ کو شام کی طرف سے روک کر پہلے عرب کا انتظام کیا جائے۔

---

[1]۔ اور اُن کے خوف کی حالت کے بعد وہ ان کے لیے امن کی حالت تبدیل کر دے گا۔ (تفسیر صغیر)
[2]۔ اُن پر فرشتے اُتریں گے یہ کہتے ہوئے کہ ڈرو نہیں اور کسی پچھلی غلطی کا غم نہ کرو۔ (تفسیر صغیر)
[3]۔ کسی گزشتہ بھُول چوک پر غم نہ کرو۔ اللہ یقیناً ہمارے ساتھ ہے۔ (تفسیر صغیر)

لیکن اس طرف ابو بکرؓ کے دل کو الٰہی وعدوں نے وہ اطمینان بخشا ہے کہ وہ ذرا بھر بھی ان خوفوں سے متاثر نہیں ہوتا اور نہ اس لشکر کو واپس کرتا ہے اور نہ مختلف دشمنوں میں سے بلحاظ موقعہ کسی سے پہلو نرم کرتا ہے بلکہ لشکر کو روانہ کر کے یک دفعہ سب کا مقابلہ شروع کرتا ہے پھر خداوند حکیم کے وعدوں کے مطابق بہت جلد اس پر وہ وقت آتا ہے کہ لوگوں کی نظروں میں بھی اس کے سب خوف ایسے ہی امن سے بلکہ فتح و ظفر سے مبدل ہو گئے جیسے کہ آپ کے قلب کے مشاہدہ میں پہلے ہی سے مبدل تھے۔

ایسی آیتوں سے صحابہ کرامؓ کے لئے عموماً اور خلفائے راشدین کے لئے خصوصاً کیسی رفعت شان اور عظمت ثابت ہوتی ہے لیکن ایسی آیتوں کے تدبر سے جیسی خوشی ہوتی ہے ایسا ہی رنج بھی ہوتا ہے جبکہ شیعہ حضرات کی در افشانی یاد آتی ہے۔ انہوں نے یہی غضب نہیں کیا کہ ان اشخاص کو برا کہا ہے کہ جن کی صداقت اور ولایت کو قرآنی آیتوں اور بین نشانوں نے صفحۂ دنیا پر لکھ دیا ہے بلکہ انہوں نے بڑا غضب یہ ڈھایا ہے کہ جن کی محبت کے وہ دعوے دار ہیں ان کی صداقت اور ولایت پر بھی پانی پھیر دیا ہے۔ مثلاً انسان ایک طرف تو حضرت مولیٰ مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی وہ حالت ذہن میں رکھے جو کہ آنحضرتؐ کے بعد شیعہ لوگوں کے بیان کے مطابق ان کی تھی۔ اور پھر لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اور وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا[1] (النور:56) وغیرہ آیتوں کو سوچے تو کبھی وہ آپ کو ان کے بیان کے مطابق ان آیتوں اور ان نشانوں کا مصداق نہ پائے گا۔

حالانکہ راست بازوں کے لئے یہ لازمی نشان اور علامات ہیں پر جن کو وہ ان حضرات کے دشمن قرار دیتے ہیں جب ان کے بیان کے مطابق دیکھا جائے تو ضرور ان کے مصداق ہونے میں کوئی شک باقی نہیں رہتا۔ اس کے بعد خداوند کریم نے بخل کے اعلیٰ فرد کا بالمقابل بیان کیا ہے کہ) جو لوگ سود کھاتے ہیں۔ (اعنی ایسے بخیل ہیں کہ دینا تو کیا سود جیسے گندے طریق کے ساتھ لوگوں کے مال لیتے ہیں۔ اور ان کے بخل کی یہ حد ہوتی ہے کہ اصل مال سے نہیں کھا سکتے بلکہ کوشش کرتے ہیں کہ ہم جو کچھ کھائیں سود ہی سے کھائیں۔ اسی کی طرف

[1]۔ اور ان کے خوف کی حالت کے بعد وہ ان کے لئے امن کی حالت تبدیل کر دے گا۔ (تفسیر صغیر)

اشارہ کرنے کے لئے یَاْکُلُوْنَ فرمایا ہے اور یَاْخُذُوْنَ نہیں فرمایا۔) وہ نہ کھڑے ہوں گے پر اس کی مانند کہ جس کو شیطان بے راہ چلا دیتا ہے یا گرا دیتا ہے اعنی جنون۔

(گو مفسرین نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن اس کی یہ حالت ہو گی کہ پاگل کی طرح کھڑا نہ ہو سکے گا۔ اور شیطان کے مس کا انہوں نے یہی مطلب بیان کیا ہے کہ جیسا جنوں کا آسیب کسی کو ہو جاتا ہے اسی طرح سے اس کی حالت بھی ہو جاوے گی۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ مس شیطان تو ایک محاورہ ہے جو کہ انسانی جنون کی ایک قسم پر بولا جاتا ہے۔ اور کتاب اللہ چونکہ لوگوں کے سمجھانے کے لئے نازل ہوتی ہے لہٰذا ان کے محاورات کے مطابق نازل ہوتی ہے۔ ہاں چونکہ بعض محاورات انسانیہ کی بناء کسی غلط خیال پر ہوا کرتی ہے لہٰذا ایسے مقام پر کامل کتاب کا یہ کام ہے کہ غلطی سے بچانے کے لئے اصل حقیقت کا بھی اظہار کر دے۔ چنانچہ مِنَ الْمَسِّ فرما کر اس کا بیان کر دیا کہ حقیقت میں وہ جنون کی ایک قسم ہے۔ اور گو قیامت کو بھی ایسی حالت ہو لیکن قیامت کے ساتھ مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس طرح اس خاص قسم کے جنون والے آدمی کی یہ حالت ہوتی ہے (کہ علاوہ اس بات کے کہ اس کے فعل پر کوئی ثمرہ مرتب نہیں ہوتا اور نہ وہ باوجود اس کے اس سے باز آتا ہے) کہ وہ اول کھڑا نہیں ہو سکتا اور اگر ہوتا ہے تو قائم نہیں رہ سکتا بلکہ گر جاتا ہے اور اگر کچھ تھوڑی دیر کھڑا رہ بھی جائے تو سیدھا چل نہیں سکتا۔

سود خواروں کی حالت:

اسی طرح سود خواروں کی بھی یہی حالت ہے (کہ اس کے علاوہ کہ خواہ یَعْفُوْ عَنْ کَثِیْرٍ کے مطابق کچھ مدت تک کچھ نہ ہو پر آخر ناکامی اور تباہی کا سامنا ہوتا ہے اور پھر کوئی راہ نہیں ملتی) وہ دشمن کے مقابلہ میں اول تو کھڑے ہو سکتے ہی نہیں اور اگر ہوں تو اپنے روپے کے اندیشہ سے کھڑے نہیں رہ سکتے اور رہیں بھی تو مال کے اندیشہ سے مقابلہ میں نا مناسب چال اختیار کرتے ہیں۔ قومی طور پر اگر اس کی کوئی مثال اس وقت دیکھنی ہو تو وہ یہود لوگ ہیں۔ نیکی اور بدی اپنے آثار و نتائج میں دواؤں اور زہروں کی مانند ہیں۔ تو حاذق طبیب جب کسی ایک دوا یا زہر کا اثر بیان کرے تو ناواقف انسان کو مناسب نہیں کہ اس پر یہ

اعتراض کرے کہ فلاں شخص پر یہ اثر نہیں ہوا کیوں کہ وہ نہیں جانتا کہ دوسری اشیاء کے ملنے سے بہت کچھ فرق بھی ہو جاتا ہے۔ پس ہو سکتا ہے کہ فلاں نے اس کے ساتھ مضر چیز یا تریاق استعمال کیا ہو۔ اس میں شک نہیں کہ سود خوار اپنی اسامیوں کی طرف سے سخت خطرہ میں ہوتا ہے۔ گو بیرونی اسباب اس کو بچانے والے بھی بعض اوقات مہیا ہو جاتے ہیں۔ پر یہود کی طرح کبھی نہیں بھی ہوتے۔ اور اسی طرح سود خوار خواہ کسی کی تباہی چاہتا ہو۔ پر جب وہ اس کی اسامی ہو تو پھر وہ اس کے مقابلہ کے لئے کبھی نہیں اٹھ سکتا بلکہ اگر کوئی دوسرا اٹھتا ہے تو باوجود سخت دشمنی کے بھی وہ اس کا بچاؤ چاہتا ہے تاکہ روپیہ ضائع نہ ہو۔ ہندوستان کی بعض بادشاہتیں اسی طریق سے تباہ ہوئی ہیں کہ رعایا کا روپیہ غنیم سے سود لاتا تھا تو جب غنیم نے چڑھائی کی تو رعایا نے غنیم کا ساتھ دیا۔ گو اس کی تباہی کے لئے اور بہت سے ظلم بھی اس میں تھے اور غنیم میں بہت سی خوبیاں تھیں لیکن رعایا کے مدد نہ دینے کی بڑی وجہ یہی تھی۔ اس کے بعد یہ بتانے کے لئے کہ وہ ایسے سخت اور بدترین گند میں کیوں پڑے اور ایسے عذاب کے مستحق کیوں ہوئے۔

نیز اس بدترین بدی کی بنا جس بدترین امر پر تھی، اس پر متنبہ کرنے کے لئے فرمایا کہ) یہ (بدی اور استحقاق عذاب) اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ بیع بھی تو سود ہی کی مانند ہے۔

(مفسرین نے لکھا ہے کہ کہنا تو یہ چاہئے تھا کہ سود بھی تو بیع ہی کی طرح ہے۔ پر مبالغہ کے لئے انہوں نے سود کو اصل قرار دے کر یوں کہہ دیا کہ بیع بھی تو سود ہی کی طرح ہے۔ اور یا ان کا واقعی خیال ہی یہ تھا کیونکہ یہ کام نفع کی غرض سے کئے جاتے ہیں اور اس میں سود اصل اور بیع فرع خیال کی جا سکتی ہے۔ لیکن اس کی ضرورت تب ہوتی ہے کہ ان کا مقصد سود کی حلت ہوتا۔ تو اس صورت میں مسلم حلال پر قیاس کر کے سود کو بھی حلال قرار دیتے۔ لیکن اگر ان کا منشا سود کی حرمت پر نقض کرنا ہو جیسا کہ ان کے لئے یہ موقعہ چاہتا ہے کہ پہلے دونوں استعمال ہوتے تھے اور اب سود حرام قرار دیا گیا ہے اور بیع نہیں کی گئی۔ اور نقض یوں ہی ہو سکتا ہے کہ بیع بھی تو سود کی طرح ہی ہے تو پھر ہم یہ کس طرح قبول کریں کہ اللہ نے ایسی غلطی کی ہے کہ بیع کو تو حلال کر دیا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے۔ تو اس

صورت میں یہی عبارت موزون اور مناسب ہے۔ اور یہ جو معنے میں نے لکھے ہیں ان میں وَاَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ الخ بھی انہی کے قول کی جزو ہو جاتا ہے۔

لیکن مفسرین نے اسی کو پسند کیا ہے کہ یہ علیحدہ ہے۔ اور خواہ یہ علیحدہ ہو یا اس کی جزو ہو بہر حال ان کے اس گندے قول کی تردید اسی کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ ہر ایک حلت و حرمت کے قائل مذہب کے نزدیک حلال و حرام وہی ہوتا ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ حلال اور حرام قرار دے اور بس۔

پس اول تو قیاس کو ان میں دخل ہی نہیں ہو سکتا اور پھر جب خداوند تعالیٰ کی تصریح کے مقابل ہو تو کسی طرح سے وہ قابل اعتبار نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ان کے قیاس کے ماتحت چلنا اللہ تعالیٰ پر لازم ہے تاکہ اس کے خلاف ہونا اس کے منجانب اللہ سے نہ ہونے کی دلیل ٹھیرے۔ تو جب رباء کی ممانعت ہوئی اور لوگ پہلے کرتے تھے تو کیا جو اس حکم کی تعمیل کرنا چاہیں گے ان پر لازم ہے کہ اپنے ان اموال کو واپس دیں یا کسی کو دے دیں یا پھینک دیں جو کہ بذریعہ سود جمع کئے ہوئے ہیں۔ اور کہ اس کا آئندہ کے لئے باز آجانا اس کے پہلے فعل کا کفارہ ہو گا یا نہ اگر ہو گا تو کچھ اجر زائد بھی ملے گا یا نہ تو فرمایا کہ) جس کے پاس اس کے رب کی طرف سے وعظ آیا اور وہ اس کی وجہ سے باز آگیا تو جو کچھ پہلے ہو چکا ہے وہ اسی کے لئے ہے اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے (جو کہ نیت اور اخلاص کو دیکھنے والا اور موازنہ پر جزاؤ سزا دینے والا ہے اور جو (اس کے بعد بھی اس کی طرف) لوٹیں گے تو وہ آگ والے ہوں گے جس میں وہ رہ پڑنے والے ہیں۔

(اور چونکہ سود خوار مال بڑھنے کے خیال سے سود لیتا ہے اور بخیل صدقات سے اس لئے بچتا ہے کہ مال گھٹتا ہے تو ان دونوں باعثوں کی نسبت فرمایا کہ) اللہ سود کو مٹاتا ہے۔ اور صدقات کو بڑھاتا ہے (یعنی یہ ایک ابتلاء کا رنگ ہے کہ بظاہر ویسا معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ تو انجام کار معاملہ بالعکس ہے دنیا میں بھی اور قیامت میں بھی۔ اور پھر بتایا کہ علاوہ بریں یہ ہے کہ سود خوار اگر سود کی حرمت کا اعتقاد ہی نہیں رکھتا تب تو کافر اور ناشکرہ بدکار ہے اور اگر معتقد ہے تو پھر بھی اس کے ناشکرہ اور بدکار ہونے میں تو شک نہیں) اور اللہ کسی ہی منکر

ناشکرے بدکار کو پسند نہیں فرماتا (اور جو صدقات دیتے ہیں وہ ایمان لاتے سنوار والے کام کرتے اور نمازوں کو قائم کرتے اور علاوہ اور اعمال صالحات کے زکوٰۃ دیتے ہیں) اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور سنوار والے کام کرتے اور نماز کو قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں بالخصوص ان کے لئے ان کے رب کے پاس عظیم الشان اجر ہے (اور خدا کے وہ پیارے ہو جاتے ہیں اور خدا ان کا ایسا متولی ہو جاتا ہے کہ) نہ ان پر کوئی خوف رہتا ہے اور نہ وہ کڑھتے ہیں۔

(اور چونکہ فَلَهٗ مَا سَلَفَ میں یہ بھی گنجائش ہو سکتی تھی کہ وعظ آنے کے وقت کچھ سود کا روپیہ قرض دار پر آتا ہے پر قرض خواہ نے ابھی لیا نہیں تو وہ اس کو مَا سَلَفَ میں داخل سمجھ کر لینے کی اجازت خیال کر لے لہٰذا خداوند کریم نے بعد میں اس کی تردید کر دی اور ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کر دیا کہ رباء سے بچنا کوئی ان مذکورہ بالا نقصانوں ہی کے باعث سے لازم نہیں بلکہ اس وجہ سے بھی ضروری ہے کہ جب رب العالمین نے اس کے ترک کرنے کا حکم دیا ہے اور سخت تاکید فرمائی ہے تو پھر ایمان سے بعید ہے کہ کوئی مومن اس کی تعمیل نہ کرے۔

اور اگر ایمان کے وہ معنے لئے جاویں جو کہ مَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ[1] (البقرۃ:257) میں ہیں اعنی احکام کی پیروی کرنا پھر تو ایمان کی نفی ہی ہو جاتی ہے اگر ایسے احکام کی پیروی نہ کی جاوے۔ تو فرمایا کہ) اے ایمان والو تم تقویٰ اللہ اختیار کرو اور سود سے جو کچھ باقی رہا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔ سو اگر تم یہ نہ کرو تو پھر اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کا یقین کر لو۔ اور اگر تم باز آ جاؤ تو تمہارے لئے اصل اموال ہیں نہ تم نقصان کرو اور نہ تمہارا نقصان کیا جائے۔ اور اگر وہ (قرضہ دار) تنگ دستی والا ہو تو آسائش تک مہلت دینا (مومن کا کام ہے) اور تمہارا صدقہ کر دینا (اعنی تنگ دست کو بالکل یا کچھ معاف کر دینا) تمہارے لئے بہت اچھا ہے اگر تم جانتے ہو (اور اخیر پر اس امر کا ارشاد فرمایا کہ جس کا لحاظ سب منہیات سے بچانے اور روکنے اور سب خوبیوں پر آمادہ کرنے کے لئے کافی ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ) اس دن سے ڈرو جس میں کہ تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے (اور گو خداوند عالمین

[1] ۔ پس (سمجھ لو کہ) جو شخص (اپنی مرضی سے) نیکی سے روکنے والے (کی بات ماننے) سے انکار کرے اور اللہ پر ایمان رکھے۔ (تفسیر صغیر)

کے حضور جانا ہی کس قدر عظیم الشان امر ہے کہ ایک مومن کو نافرمانی کا داغ پیشانی پر لئے ہوئے اس کے حضور میں حاضر ہونے سے کس قدر اضطراب لاحق ہو سکتا ہے۔ لیکن بتایا کہ اس کے بعد جزاء و سزاء کے لئے تمہارا بڑی احتیاط کے ساتھ حساب لیا جاوے گا اور) پھر ہر ایک جی کو وہ پورا دیا جائے گا جو کہ اس نے کمایا ہے۔

(مفسرین عموماً ایسے مقامات میں ثواب اور عقاب یا جزا کا لفظ مقدر بیان کیا کرتے ہیں۔ اَعنی جو اعمال انہوں نے کمائے ہیں ان کی جزاء و سزاء ہر ایک جی کو پوری پوری دی جاوے گی۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ اس تقدیر کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ یہ تقدیر غلط ہے اور اصل بات یہ ہے کہ اس سے خداوند کریم نے اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جس کی دوسرے مقام میں صاف تصریح کی ہے کہ جنت و دوزخ کوئی اور چیز نہیں بلکہ یہی اعمال وہاں پر جسمانی شکل قبول کر کے انسان کو واپس ملیں گے۔

اسی وجہ سے فرمایا ہے کہ ان کی کمائی ان کو واپس ملے گی نہ یہ کہ اس کے عوض میں کچھ اور ملے گا سود کا مسئلہ اور انفاق فی سبیل اللہ اور صدقات کا حکم اس زمانہ میں بہت ہلکی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ لیکن ہماری جماعت کہ جس کو خداوند کریم نے قرآن مجید کا علم عطا فرمایا ہے اور جس کو احیائے دین کے لئے چنا ہے اس کو چاہئے کہ ان مسئلوں کی طرف بہت توجہ رکھے اور وہ یاد رکھے کہ اہل اسلام کا بہت سا حصہ تو اس زمانہ میں سود کو مطلق طور پر جائز کر رہا ہے اور کچھ غیر اسلامی بلاد میں اس کے جواز کے قائل ہیں اور کچھ باوجود حرام تسلیم کرنے کے اس کو لیتے اور دیتے ہیں اور کچھ ایسے نادان بھی ہیں اور وہ بہت زائد ہیں کہ لیتے تو نہیں پر دینے میں کوئی دریغ نہیں کرتے لہٰذا وہ الٰہی جنگ کے اعلان میں شامل ہو چکے ہیں پر تم کسی بِئْسَ الْقَرِيْنُ کے دھوکے سے الٰہی جنگ کے مقابل میں مت آؤ اور اس کے جواز اور اس کے لینے اور دینے سے بچتے رہو۔)

آیت 283،284: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّ امْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّ لَا شَهِيْدٌ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ۔

تشریح الفاظ:

تَدَایَنْتُمْ۔ تَدَایُنٌ سے ہے جو کہ دَیْنٌ سے بنایا ہوا ہے ایک دوسرے سے دَین اور قرض کا معاملہ کرنا۔

لِیُمْلِلِ۔ اِمْلَالٌ سے ہے۔ بول کر کاتب سے لکھوانا۔

یَبْخَسْ۔ بَخْسٌ سے ہے۔ کمی اور نقصان کرنا۔

سَفِیْہٌ کی تشریح گذر چکی ہے۔

اِسْتَشْھِدُوْا۔ اِسْتِشْھَادٌ سے ہے۔ شاہد بنانے کے لئے طلب کرنا۔

لَاتَسْئَمُوْا۔ سَئْمٌ سے ہے۔ جس کے معنے ملول ہونے اور تھکنے اور رکنے کے آتے ہیں۔

اَقْسَطُ۔ قِسْطٌ سے ہے، بمعنے عدل و اعتدال۔ اور امام سیبویہ نے کہا ہے کہ یہ اِقْسَاطٌ سے بنایا ہوا ہے۔

اسی طرح اَقْوَمُ کو بھی امام مذکور نے اِقَامَۃٌ سے بتایا ہے۔ پر اوروں نے قِیَامٌ سے تسلیم کیا ہے۔ پس امام کے نزدیک اس کے معنے ہوں گے بہت قائم کرنے اور رکھنے والا اور دوسری صورت میں اس کے معنے ہوں گے بہت ثابت اور مضبوط۔

اَدْنٰی۔ دُنُوٌّ سے ہے، قرب۔

تَرْتَابُوْا۔ اِرْتِیَابٌ سے ہے اور وہ رَیْبٌ سے ہے۔ شک۔

تُدِیْرُوْنَ۔ اِدَارَۃٌ سے ہے اور وہ دَوْرٌ سے ہے اور اِدَارَۃٌ کے معنے چکر دینے اور پھیرنے کے ہیں۔ اَشْھِدُوْا۔ اِشْھَادٌ سے ہے، گواہ بنانا۔

فُسُوْقٌ۔ فسق۔

رِھَانٌ۔ رِھْنٌ کی جمع ہے۔ جس کے اصلی معنے تو گروی کرنے کے ہیں پر کبھی بمعنے گروی رکھی ہوئی چیز کے بھی آتا ہے۔

اَمِنَ۔ اَمْنٌ سے ہے۔ امین جاننا، بے خوف ہونا۔

اُؤْتُمِنَ۔ اِئْتِمَانٌ سے ہے، امانت رکھنا۔

اٰثِمٌ۔ اِثْمٌ سے ہے، جس کے معنے گناہ کے ہیں۔

ترجمہ:

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم آپس میں قرض کا لین دین مقرر وقت تک کرو تو اس کو لکھ لو۔ اور کوئی لکھنے والا تمہارے درمیان انصاف کے ساتھ لکھے۔ اور کوئی کاتب لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اللہ نے اس کو سکھایا ہے سو وہ لکھے۔ اور بول کر وہ لکھائے کہ جس پر حق ہے اور اپنے رب اللہ سے ڈرے اور اس سے کچھ بھی کم نہ کرے۔ سو جس پر حق ہے اگر وہ نادان ہو یا ضعیف ہو یا بول کر لکھوا نہ سکتا ہو تو اس کا والی انصاف کے ساتھ بول کر لکھوائے۔ اور تم دو گواہ اپنے مردوں میں سے شہادت کے لئے طلب کرو۔ سو اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں ان گواہوں سے کہ جن کو تم پسند کرتے ہو۔ تاکہ ان دو میں سے ایک کے بھولنے کے وقت دوسری یاد دلاوے اور جب گواہ بلائے جائیں تو وہ اس سے انکار نہ کریں اور تم اس کی مقرر تاریخ تک اس کے لکھ رکھنے سے نہ رکو۔ یہ امر اللہ کے نزدیک بہت انصاف والا اور شہادت کو بہت قائم رکھنے والا اور اس کے بہت قریب ہے کہ تم شک میں نہ پڑو۔ مگر یہ کہ سامنے کا سودا ہو جس کو تم اپنے درمیان پھیرتے ہو تو پھر تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اس کو نہ لکھو۔ اور جب تم کوئی سودا کرو تو گواہ بنالو۔ اور نہ لکھنے والے کو تکلیف دی جائے اور نہ شاہد کو (یا نہ کاتب ضرر دے اور نہ گواہ۔) اور اگر تم کرو گے تو بے شک یہ تمہارے ساتھ (یا تم میں) بڑی نافرمانی ہو گی۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو (تاکہ تم کامیاب ہو) اور اللہ تم کو علم سکھلائے (یا یہ بشارت پاتے ہوئے کہ اللہ تم کو علم سکھلائے گا) اور اگر تم سفر پر ہو اور تم لکھنے والا نہ پاؤ تو پھر قبض کیا ہوا گروی چاہئے۔ سو اگر تم ایک دوسرے سے بے خوف ہو تو جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے (یا جس کو امین خیال کیا گیا ہے) وہ اپنی امانت کو ادا کر دے۔ اور اپنے رب اللہ سے بچے۔ اور شہادت کو نہ چھپاؤ۔ اور جو اس کو چھپائے گا سو اس کا دل بدکار ہے۔ اور اللہ ان کاموں کو خوب جاننے والا ہے کہ جن کو تم کر رہے ہو (یا کرو گے۔

تفسیر:

چونکہ پہلے بیان ہوا تھا کہ جو قرض دار تنگدست ہو تو اس کو مہلت اور تاخیر دینی

چاہئے تو اس لئے مناسب ہوا کہ مؤجل دَین کے متعلق کچھ ہدایات یہاں پر بیان کی جاویں۔ نیز عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ سب سے آخری آیۃ جو قرآن مجید سے نازل ہوئی تھی وہ وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ[1] (البقرۃ:282) ہے۔

یہاں تک کہ گو بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس کے نزول کے بعد 81 دن تک حضور علیہ السلام دنیا میں تشریف فرما رہے ہیں۔ پر بعض نے 9 دن اور بعض نے سات دن اور بعض نے تین گھڑیاں بھی کہی ہیں۔ اور پھر اور روایتوں میں آیا ہے کہ "جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جبرائیل نے آکر مجھے کہا ہے کہ اس کو آیتِ رباء اور آیتِ تداین کے درمیان رکھ دو۔"

(تفسیر الجامع لاحکام القرآن (قرطبی) جلد اول صفحہ 610 سورۃ البقرۃ، دار ابن حزم 2004ء)

ان حدیثوں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح اس آیت کریمہ کو حضرت نبی کریمؐ کی وفات کے ساتھ خاص تعلق ہے اسی طرح آیت ربٰوا اور آیتِ تداین کے ساتھ بھی اس کا تعلق ہے۔ نبی کریمؐ کی وفات کے ساتھ تو اس کا تعلق بالکل ظاہر ہے اور آیتِ ربٰوا کے ساتھ بیان ہو ہی چکا ہے۔ رہا آیت تداین کے ساتھ تو وہ یہ ہے کہ علاوہ اس لفظی مناسبت کے تداین دَیْنٌ کا معاملہ کرنا ہے اور جس دن کا پہلی آیت میں ذکر ہے اس کا نام یَوْمُ الدِّیْنِ (یوم الجزاء) ہے اور جس کے مقابلہ میں وہ دِین اعنی جزاء ملے گی اس کا نام بھی دِین ہے۔ بڑی مناسبت یہ ہے کہ جو کچھ تداین میں ضروری ہے یا جو تداین کی حقیقت اور صورت و کیفیت ہے وہی بعینھا دِیْنَیْنِ میں بھی ہے مثلاً تداین میں جو دَین دے گا وہی آئندہ وصول کرنے والا بھی ہو گا اور جو نہ دے گا وہ کچھ نہیں لے سکتا۔ یہی حال دِین کا ہے کہ جو دِین اداء کرے گا وہی یوم الدین میں دِین (نیک جزاء) لینے والا بھی بنے گا۔ پر جو ادا نہ کرے گا اس کو اس دن بجائے نیک جزا کے دکھ ہی اٹھانا پڑے گا۔ اسی طرح جیسا چھوٹے

[1]۔اور اس دن سے ڈرو جس میں تمہیں اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا۔ پھر ہر ایک شخص کو جو کچھ اس نے کمایا ہو گا پورا (پورا) دے دیا جائے گا اور ان پر (کوئی) ظلم نہیں کیا جائے گا۔ (تفسیر صغیر)

بڑے دین کا لحاظ رکھنا ضروری ہے ایسا ہی دین کا بھی۔ پس گویا اس بات کے سمجھانے کے لئے (کہ جو امور تم کو دَین کے متعلق بتائے جاتے ہیں ان کو اپنے دِین اور یوم الدین کے متعلق بھی ان کے مناسب حال یاد اور ملحوظ رکھو) یوم الدین اور دَین کے ذکر کے بعد تداین کی نسبت فرمایا کہ) اے ایمان والو جب تم آپس میں کسی قسم کے دَین کا معاملہ کرو مقرر تاریخ تک تو اس کو لکھ لیا کرو (گو تَدَایَنْتُمْ کے معنے دین کا معاملہ کرنے کے تھے جن میں دین آجاتا ہے اور بظاہر اس کے بعد دین کے ذکر کرنے کی ضرورت نظر نہیں آتی لیکن اول تو تَدَایَنْتُمْ کے جیسے یہ معنے ہیں ایسے ہی اس کے یہ معنے بھی آتے ہیں کہ آپس میں جزاء وسزا دو پر لفظ دین کا بعد میں ذکر کرنا پہلے معنوں کو معین کر دیتا ہے۔

دَین کی اقسام:

دوم دَین معجل اور مؤجل دونوں طرح کا ہوتا ہے اور یہاں پر مؤجل ہی مراد تھا تو پہلے دین کو لا کر اس کی تنویع اور تقسیم کی اور پھر اجل کے ساتھ اس کو مقید کیا ہے۔

سوم اس بات کے ظاہر کرنے کے لئے کہ ہر ایک مؤجل دَین میں لکھنا ضروری ہے خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ نزدیک اجل والا ہو یا دور والا تاکہ کسی کو یہ عذر کرنے کی گنجائش نہ رہے کہ یہ تھوڑی سی چیز ہے یا تاریخ قریب ہے یا مدیُون معتبر اور راستباز اور معاملات کا اچھا ہے بلکہ بتادیا کہ جب وہ اِلیٰ اَجَلٍ ہو پھر جیسا ہو ضرور لکھ ہی لو اور یہ اشارہ دَین کے ذکر ہی سے ہو سکتا تھا۔ اور چونکہ بظاہر یہی معلوم ہوتا تھا کہ جو شخص آپس میں دَین کا معاملہ کریں وہ خود آپ ہی لکھ لیا کریں کیونکہ جو اِذَا تَدَایَنْتُمْ میں مخاطب ہیں انہی کو فَاکْتُبُوْہُ میں لکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور حقیقت میں یہ مقصود نہ تھا۔ لہٰذا آگے فرمایا کہ) کوئی کاتب جو تمہارے درمیان ہو وہ انصاف کے ساتھ لکھے۔ (اور اس کے بعد جو بیان ہوا ہے وہ اس بات کو اور بھی پختہ کرتا ہے کہ کاتب ایک ثالث شخص ہو۔ اور جب کاتب ثالث شخص ہوا تو ممکن ہے کہ وہ عدالت کی پیشی کے خطرہ وغیرہ کے سبب سے نہ لکھے تو فرمایا کہ) کاتب کو لکھنے سے انکار نہ کرنا چاہیے۔ جیسا کہ اللہ نے اس کو سکھایا ہے۔ سو وہ ضرور لکھے۔ (اعنی خداوند تعالیٰ کا اس پر یہ ایک فضل ہے کہ وہ کتابت جانتا ہے اور ہر ایک فضل و انعام کا ایک خاص شکر اور خاص

زکوٰۃ ہوتی ہے اور وہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اس سے کچھ کرے اور خلق اللہ کو فائدہ پہنچائے۔ لہٰذا اس شکریہ میں اس کو ضرور لکھنا چاہیے۔

کَمَا میں کاف تشبیہ کے لئے:

اور مفسرین ایسے کاف کو بمعنے لام لیا کرتے ہیں اور اس صورت میں معنے یہ ہوں گے کہ وہ لکھے اس لئے کہ اللہ نے اس کو سکھایا ہے۔ پر اصل بات یہ ہے کہ کاف تشبیہ ہی کے لئے ہے پر تشبیہ بعض اوقات علیت اور استدلال کو ادا کرتی ہے اور ایسا اور زبانوں میں بھی آتا ہے اور جب ثالث آدمی کاتب ہوا تو اب اس کو کون سکھائے تو فرمایا کہ) وہ شخص بول کر لکھائے کہ جس پر حق ہے۔ (اب گو بقدر امکان انصاف کے ساتھ لکھے جانے کے لئے جو امور ضروری یا مناسب تھے وہ تو بیان ہو گئے لیکن تاہم یہ ممکن تھا کہ جس پر حق ہے وہ لکھاتے ہوئے دوسرے شخص کی حق تلفی اور اپنی کوئی رعایت کر جائے اور وہ دوسرا شخص لاعلم ہونے کے باعث نقصان اٹھائے تو اس لئے اس کے بعد فرمایا کہ) وہ لکھوانے والا (لکھوانے کے وقت) اللہ سے جو اس کا ربّ ہے ڈرتا رہے (اور تقویٰ کو مد نظر رکھے۔ پس انصاف کی اسی میں امید ہو سکتی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ظاہراً ان امور کی رعایت رکھی جائے جو کہ انصاف کے لئے ضروری یا مناسب ہیں۔ اور باوجود اس کے پھر تقویٰ بھی مد نظر اور نصب العین ہو۔ اور خداوند تعالیٰ کی عظمت اور اس کے گذشتہ احسان اور آئندہ کی جزاء و سزاء ملحوظ ہو۔ اگر ان امور کو مد نظر نہ رکھا جائے تو نقصان کا سخت خطرہ ہے اور اگر تقویٰ اور الٰہی عظمت اور احسان اور جزاء و سزاء ملحوظ نہ ہوں تو شرارت کا اندیشہ ہے۔ اور تقویٰ جب اختیار کرے گا تو وہ خود اس کو بتائے گا کہ) اس سے کچھ چیز بھی کم نہ کرے۔ (لیکن جب وہ نہ لکھا سکتا ہو تو کیا وہ دوسرا لکھوا سکتا ہے تو بتایا کہ) اگر وہ شخص کہ جس پر حق ہے (اس کی جگہ گو ضمیر کافی ہو سکتی تھی لیکن یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ چونکہ حق اس پر ہے۔ لہٰذا لکھوانا اسی کا حق ہے اور اس کے نہ لکھوا سکنے کے وقت اس کے حریف کی طرف اس کا انتقال نہیں ہو سکتا جیسا کہ اور حقوق کا حال ہے بلکہ اس کا انتقال اسی کی طرف ہو گا کہ جس کی طرف اور حقوق کا انتقال ہو سکتا ہے) نادان ہو۔

سَفِیۡہٌ سے مراد:

(ابن زید نے سَفِیۡہٌ سے احمق لیا ہے اور مجاہد نے لکھوانے کے طریق سے جاہل لیا ہے۔ اور امام شافعی نے مسرف لیا۔ پر حق یہ ہے کہ سب اقسام سَفِیۡہٌ میں داخل ہیں) یا ضعیف ہو (بچہ ہو یا بہت بوڑھا ہو) یا وہ خود لکھوانے کی طاقت نہ رکھتا ہو (جیسا گونگا ہو یا زبان نہ جانتا ہو۔ اور ایسی صورت میں چونکہ ترجمان کی معرفت کام چل سکتا تھا تو اس لئے یُمِلَّ میں باوجود ضمیر ہونے کے پھر بھی اس کے بعد ھُوَ لا کر یُمِلَّ کی پوشیدہ ضمیر کی تاکید کر دی تاکہ اس سے ترجمان والے احتمال کی نفی ہو کر یہ ثابت ہو جائے کہ جب وہ سَفِیۡہٌ یا ضعیف یا بذاتِ خود لکھوانے پر قادر نہ ہو) تو اس کا ولی (متولی) لکھوائے (یہ تو اس وقت ہے کہ جب ولی سے شرعی ولی اور متولی لیا جائے لیکن بعض نے ولی سے عام مراد لی ہے۔ خواہ وہ وکیل ہو یا مترجم ہو۔ لیکن ظاہر لفظوں سے وہ پہلے ہی معنے معلوم ہوتے ہیں۔ اور چونکہ تحریر بدون شہادت کے کچھ چنداں معتبر نہیں رہتی لہٰذا فرمایا کہ) دو گواہ اپنے مردوں میں سے طلب کرو۔ (اور ان گواہوں کے ساتھ جو اپنے لوگوں سے ہونے کی قید لگائی ہے اس سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ جیسے تم مسلمان ہو وہ بھی مسلمان ہوں اور جس طرح تم لچے اور شریر نہیں ہو وہ بھی ایسے نہ ہوں۔

لیکن مفسرین اور آئمہ مذاہب نے عموماً یہی لیا ہے کہ اہل اسلام سے ہوں اور بس۔ اور ملل باطلہ کے سب فرقے اَلۡکُفۡرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ[1] کے مطابق ایک ہی ہیں اور ایک دوسرے پر ان کی شہادت معتبر ہے۔ اور بعض نے لکھا ہے کہ مِنۡ رِّجَالِکُمۡ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ معتبر لوگوں سے ہوں اور اسی کی تصریح مِمَّنۡ تَرۡضَوۡنَ مِنَ الشُّھَدَاءِ میں ہے) اور اگر وہ دو گواہ مرد نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں ہوں ان گواہوں سے کہ جن کو تم پسند کرتے ہو۔ (چونکہ علماء نے عموماً یہ جائز رکھا ہے کہ دو گواہ مردوں سے مہیا ہوتے ہوئے بھی جائز ہے کہ ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنایا جاوے اس لئے مفسرین نے فَاِنۡ لَّمۡ یَکُوۡنَا رَجُلَیۡنِ الخ کے یہ معنے کئے ہیں کہ اگر تم دو مردوں کو شہادت

[1]۔ سب کافر ایک قوم ہیں۔ (از مرتب)

کے لئے طلب نہ کرو۔ لیکن جس طرح اصل عبارت سے ان کے مسلک کے خلاف ثابت ہوتا ہے اسی طرح اس کے یہ معنے بھی کسی تقدیر و تاویل سے نہیں ہو سکتے بلکہ بہر حال یہی ثابت ہوتا ہے کہ شاہد مرد ہی طلب کرنے چاہئیں۔ پر جب دو مرد نہ ہوں تو اس وقت ایک مرد اور دو عورتیں طلب کر لی جاویں۔ اور مِنَ الْمَرْضِيِّيْنَ کی بجائے مِمَّنْ تَرْضَوْنَ اسی لئے فرمایا ہے کہ حقیقت میں عمدہ ہونے کا علم انسان کو نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے بعد دو عورتیں شرط کرنے کی حکمت بتائی کہ یہ اس ارادہ سے کیا ہے کہ جس وقت دونوں میں سے ایک بھول جائے تو ان میں سے ایک دوسری کو یاد دلائے۔

(مفسرین کو چونکہ یہاں پر ایک لفظی دقّت پیش آئی تھی۔ اور وہ یہ تھی کہ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا میں بھولنے والی کا ذکر ہو گیا تھا۔ لہٰذا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى کہنا چاہیے تھا۔ اور گو ضمیر کے مقام پر اسم ظاہر کا آجانا بھی جائز اور بکثرت موجود ہے لیکن اس کے لئے کوئی خاص وجہ ہوتی ہے اور یہاں پر بظاہر کوئی وجہ ان کو معلوم نہ ہوئی۔ لہٰذا انہوں نے اس کے اور اور معنے بھی کئے ہیں۔

چنانچہ حسین بن علی مغربی نے کہا ہے کہ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا ایک عورت مراد نہیں بلکہ دو شہادتوں میں سے ایک شہادت مراد ہے۔ اور تَضِلَّ کے معنے ضائع ہونے کے ہیں۔ اور فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى میں اِحْدٰىهُمَا سے مراد ایک عورت ہے اور چونکہ دونوں اِحْدٰىهُمَا سے جدا جدا مراد تھی اس لئے دو دفعہ ذکر کیا گیا ہے اور ضمیر نہیں لائی گئی۔ اور اس کی تائید میں کہا گیا ہے کہ شہادت بھولنے والے کو ضال نہیں کہا جاتا بلکہ جب شہادت ضائع ہو جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ ضَلَّتِ الشَّهَادَةُ۔

اور ابن عینیہ نے کہا ہے کہ تُذَكِّرَ کے معنے یاد دلانے کے نہیں تا کہ تُذَكِّرَ هَا کہہ کر خاص بھولنے والے کو یاد دلانا ذکر کیا جاتا، بلکہ تُذَكِّرَ کے معنے ہیں مرد بنانے کے اور مرد بنانا اور بنایا جانا کسی ایک سے خاص نہیں بلکہ ہر ایک خواہ وہ بھولنے والی ہو یا دوسری وہ دوسری سے مل کر مذکر کے حکم میں ہو جاتی ہے۔ اور جنہوں نے اس کے اور معنے نہیں بنائے انہوں نے بتایا ہے کہ جس طرح یہاں پر ضمیر کی جگہ اِحْدٰىهُمَا کو دوبارہ ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح اِحْدٰىهُمَا مفعول اور الْاُخْرٰى فاعل ہے اور مفعول کو مقدم کیا گیا ہے۔

اور ان دونوں کی وجہ بھولنے والی کی تذکیر کا زیادہ اہتمام اور ضلال یا تذکیر کا کسی ایک سے معین طور پر مخصوص نہ ہونا بلکہ مبہم طور پر ہر ایک میں ضلال و تذکیر کے احتمال کا بتانا ہے کیونکہ مفعول کے مؤخر کرنے میں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس کی تذکیر کوئی مہتم بالشان اور ضروری امر ہے اور ضمیر لانے کے وقت تعیین ہو جاتی تھی۔

اور حق یہی ہے کہ وہ دو معنے جو اوپر ذکر ہوئے ہیں۔ حقیقت میں ٹھیک نہیں۔ اور جس طرح پہلا اِحْدٰىهُمَا اس لئے لایا گیا ہے کہ غیر معین اور مبہم طور پر دونوں میں سے ہر ایک کے ضلال کا احتمال ظاہر کرے۔ اسی طرح تذکیر میں بھی تعیین کی نفی اور ابہام کا اظہار مقصود تھا۔ اور چونکہ ضمیر اس غرض کو ادا نہ کر سکتی تھی۔ اس لئے اِحْدٰىهُمَا کو ذکر کیا تاکہ یہ غرض ظاہر ہو۔ اور اسی مقصد کی تاکید کے لئے فَتُذَكِّرَ کے فاعل اور مفعول کو ایسے طور پر ذکر کیا ہے کہ بعض وجوہات سے اول فاعل اور دوم مفعول بنتا ہے اور بعض سے اس کے برعکس معلوم ہوتا ہے۔ تاکہ ہر ایک میں ضلال اور تذکیر کا احتمال ظاہر ہو جائے۔

مفسرین نے ضلال کے معنے بھولنے اور تذکیر کی یاد دہانی کرنے کے لیے ہیں۔ اور مطلب یہ بتایا ہے کہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلائے۔ اور ظاہر الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ یاد دہانی ادائے شہادت کے وقت ہو گی۔ لیکن ٹھیک یہ معلوم ہوتا ہے کہ یاد دہانی سے یہ مراد ہو کہ انسان جس امر کو دیکھتا یا سنتا ہے وہ ٹھیک طور پر اسی وقت یاد رہ سکتا ہے کہ بار بار اس کی طرف ذہن متوجہ ہوتا رہے۔

عورت کے مقابل مرد کی گواہی:

اور مرد چونکہ باہر ہوتے ہیں۔ اس لیے بارہا وہ فریقین کو دیکھتے یا ملتے یا دوسرے گواہ یا کاتب کو دیکھتے ہیں۔ یا اس موقعہ پر سے گذرتے ہیں اور گاہے دوسرے لوگوں میں اس کا تذکرہ سنتے ہیں اور گاہے اور لوگ ان سے اس کو دریافت کرتے ہیں تو ان ذرائع سے بارہا ان کے ذہن اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ بخلاف عورتوں کے کہ ان کو یہ ذرائع میسر نہیں آتے تو اس لئے دوسری عورت کا ساتھ ہونا ضروری رکھا گیا تاکہ جب وہ آپس میں ملیں یا دوسری کا نام سنیں تو شہادت کی طرف ان کا ذہن متوجہ ہو کر تذکیر کرا دے۔ اور اس میں

بھی شک نہیں کہ ضَلَالٌ بمعنے گمراہی اور تَذْکِیْرٌ بمعنے وعظ و نصیحت بکثرت آتے ہیں۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ بہت کم لوگ ہیں جو کہ محض خوف خدا سے بدی کو ترک کرتے ہیں اور اکثر وہی ہوتے ہیں جو کہ حیاء و شرم اور بدنامی کے خوف وغیرہ کے باعث اجتناب اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ۔[1]

(سنن النسائی کتاب الایمان و شرائعہ باب ذکر شعب الایمان حدیث 5006)

(اور بعض روایتوں میں) نِصْفُ الْاِیْمَانُ[2] (اور بعض میں) ھُوَ الْاِیْمَانُ[3] آیا ہے۔

(فیض الباری جلد اول صفحہ 249 کتاب العلم، دار الکتب العلمیہ بیروت)

(مختصر تاریخ دمشق جلد 5 صفحہ 92، دار الفکر دمشق)

اور اس میں بھی شک نہیں کہ مرد کو جھوٹ بولنے سے بہت سے لوگ اور امور مانع ہو سکتے ہیں۔ پر عورت کے لئے وہ مانع نہیں ہو سکتے۔ ہاں جب کوئی دوسری عورت ساتھ ہو گی تو پھر وہ اس کے لئے ایک روک ہو جاوے گی۔ اور چونکہ آیت میں ان معنوں میں سے کسی ایک کی تعیین نہیں کی گئی اور ہر ایک درست ہے۔ لہٰذا یہ سب درست ہیں اور جو جو وجوہات ان سے دو عورتوں کے ہونے کی معلوم ہوتی ہیں وہ سب بحیثیت مجموعی ایک عورت کے ساتھ دوسری کے ہونے کو ضروری قرار دیتی ہیں۔ اور گواہوں کے انکار کے حرج کو دفع کرنے کیلئے فرمایا کہ) گواہ انکار نہ کریں۔ جبکہ وہ شہادت کے لئے بلائے جائیں۔

کتابت کے شہادت کا بیان:

(اور کتابت کے بعد شہادت کے بیان کرنے اور اس کے اخیر پر یہ حکم دینے میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ثالث شخص کے کاتب ہونے میں جو انکار کا اندیشہ ہے وہی اندیشہ شہادت میں ہمیشہ موجود ہے تو جس طرح اس اندیشہ سے شہادت موقوف نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے۔ اسی طرح کتابت میں بھی ثالث کی شرط موقوف نہیں ہو سکتی۔ اور چونکہ خداوند علیم و حکیم جانتا تھا کہ کتابت کے ضروری حکم کو حق کے معمولی اور حقیر ہونے کے

[1]۔ حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔ (از مرتب)

[2]۔ (حیاء) آدھا ایمان ہے۔ (از مرتب)

[3]۔ (حیاء) ہی ایمان ہے۔ (از مرتب)

عذر نامعقول سے پہلے پہلے لوگ ٹلاویں گے اور پھر تھاون کے طور پر بڑے بڑے حقوق میں بھی اس کی پروانہ کریں گے جس سے علاوہ اس بدی اور نافرمانی کے جھوٹے مقدمات اور نزاعوں اور جھوٹی شہادتوں اور جھوٹی شہادتوں پر آمادہ کرنے تک نوبت پہنچے گی۔ لہٰذا فرمایا کہ) تم اس کو اس کے مقرر وقت تک لکھ رکھنے سے نہ تھکو اور نہ رکو خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔ (گو حق کا بڑا ہونا کتابت سے رکنے کا باعث نہیں ہے لیکن چونکہ مقصد یہ ہے کہ جس طرح بڑا ہونے کے وقت تم نہیں رکتے اسی طرح چھوٹا ہوتے ہوئے بھی نہ رکو اور یہ کہ لکھنے میں چھوٹائی بڑائی کا کچھ خیال نہ رکھو۔ لہٰذا صَغِیْرًا کے ساتھ کَبِیْرًا کو بھی ذکر کیا گیا ہے۔

اور چونکہ مفسرین نے اَنْ تَکْتُبُوْہُ کے معنے لکھنے کے کئے ہیں نہ لکھ رکھنے کے۔ لہٰذا انہوں نے اِلٰی اَجَلِہٖ کو اَنْ تَکْتُبُوْہُ کے ساتھ نہیں لگایا بلکہ یہ معنے کئے ہیں کہ تم اس کے لکھنے سے نہ تھکو اس حالت میں کہ وہ ثابت ہے تمہارے ذمہ پر۔ اپنی مقرر تاریخ تک لیکن پہلے ہی معنے عمدہ ہیں اور انہی سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جس طرح لکھنا ضروری ہے اسی طرح لکھے ہوئے کو تاوقت ادائیگی حفاظت سے رکھنا بھی ضروری ہے۔ گو مخلص مومن کے لئے تو تعمیل کے لئے اسی قدر کافی ہوتا ہے کہ یہ میرے رب کا حکم ہے لیکن عام طبائع کے لئے نفع و نقصان کا جاننا بھی ضروری ہوتا ہے تاکہ تعمیل کے لئے تحریک ہو لہٰذا ان سب احکام کتابت و شہادت کا فائدہ بتانے کے لئے فرمایا کہ) یہ بہت انصاف والا ہے اللہ کے نزدیک اور بہت قائم رکھنے والا ہے شہادت کو اور اس کے بہت قریب ہے کہ تم شک اور تردد میں نہ پڑو (اور چونکہ سب معاملات لین دین میں کتابت کے ضروری ہونے سے بڑی دقّت لاحق ہوتی تھی لہٰذا فرمایا کہ) ہاں یہ کہ وہ دستی تجارت ہو کہ جس کو تم اپنے درمیان پھیرتے ہو تو پھر تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اس کو نہ لکھو۔ اور گواہ رکھ لیا کرو جب تم آپس میں خرید و فروخت کیا کرو۔ (پہلے تو بتایا تھا کہ جو تم آپس میں دین کا معاملہ کسی مقرر تاریخ تک کرو تو اس کو لکھ لو اور اس پر گواہ بھی بنالو۔ اور اب بتایا ہے کہ دستی تجارت میں اگر کسی ایک فریق کا حق تھوڑے وقت کے لئے دوسرے کے پاس رہتا ہے مثلاً جس پر حق ہوتا ہے وہ کہہ دیتا ہے کہ میں گھر جا کر روپیہ بھیج دیتا ہوں یا ایک گھنٹہ تک یا صبح تک آپ کا روپیہ

آجاوے گا تو فرمایا کہ گو اس میں بھی تَدَایَنْتُمْ اِلٰی اَجَلٍ ہوتا ہے پر اس میں لکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ شہادت ہی کافی ہوتی ہے۔

اور چونکہ مفسرین نے تجارت حاضرہ کے یہ معنے سمجھے ہیں کہ دونوں طرف سے مال حاضر ہو اور تجارت کے وقت ہی ہر ایک فریق اپنے اپنے حق پر قابض ہو جائے جس میں کہ سرے سے تدائن ہی نہیں چہ جائے کہ اِلٰی اَجَلٍ ہو اور پہلا حکم تَدَایَنْتُمْ اِلٰی اَجَلٍ میں تھا لہٰذا ان پر یہ استثناء بہت مشکل ہوئی ہے۔

استثناء منقطع بمعنے لٰکِنَّ:

پس اکثروں نے تو یہی کہا کہ یہ استثناء منقطع ہے جو بمعنے لٰکِنَّ ہوتی ہے اور ما قبل سے اس کا تعلق نہیں ہوتا جیسا کوئی کہہ دے کہ لوگ آئے ہیں لیکن گدھا یا گھوڑا نہیں آیا۔ اور بعض نے متصل بنائی ہے پر یہ توجیہ کی ہے کہ پہلے دو حکم بنائے ہیں ایک کتابت کا وہ تو تَدَایَنْتُمْ اِلٰی اَجَلٍ کا تھا۔

دوم شہادت کا اور مطلق تجارت کا حکم یہی شہادت تھا اور کہا ہے کہ یہ استثناء اس دوسرے حکم سے ہے پر تعجب یہ ہے کہ یہ حکم پہلے ہرگز مذکور نہیں ہے نہ صراحۃً اور نہ اشارۃً لیکن اگر وہ تجارت حاضرہ کے معنے سمجھتے یا اگر وہ ان کے خیال میں نہ آتے تھے تو تَدَایَنْتُمْ اِلٰی اَجَلٍ کے بعد بصورت استثناء تجارت حاضرہ کے ذکر کرنے کو اس کا قرینہ ہی سمجھ جاتے کہ اس تجارت میں کسی قسم کا تَدَایَنْتُمْ اِلٰی اَجَلٍ ضرور ہونا چاہیے تو پھر وہ اس دقّت میں نہ پڑتے اور جو یہ فرمایا ہے کہ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ تو مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے وہ پہلی بیع مراد ہے اور یا اس سے مطلق بیع مراد ہے لیکن گو تَدَایَنْتُمْ اِلٰی اَجَلٍ کے بعد بصورت استثناء ذکر ہونے سے تداین کی شرط ضروری بھی ہو جائے لیکن تجارت حَاضِرَةٌ ہونیکی شرط ہرگز ثابت نہیں بلکہ اگر وہی مراد ہوتی تو پھر اِذَا تَبَايَعْتُمْ کا یہاں پر ذکر کرنا ہی ٹھیک نہ ہوتا۔ پس ٹھیک یہی ہے کہ گو وہ بیع بھی اس میں شامل ہے لیکن یہ اس سے عام ہے اب جب کاتب کو کتابت کا حکم ہوا ہے اور انکار سے منع کیا گیا ہے اور یہی حال شاہد کا بھی ہے تو یہ بعض اوقات میں ان کے سخت ضرر کا موجب ہوگا۔

چنانچہ تفسیر ابن جریر میں ربیع سے روایت کیا ہے کہ ”جب آیۃ وَلَا یَأْبَ کَاتِبٌ الخ نازل ہوئی تو کوئی کسی کاتب کے پاس آتا اور وہ کہتا کہ مجھے فرصت نہیں تم دوسرے سے لکھوالو تو وہ پیچھے پڑ جاتا تھا اور کہتا تھا کیا تم کو لکھنے کا حکم نہیں دیا گیا اور اس سے کاتب کو ضرر پہنچتا تھا۔ حالانکہ اس کو اور کاتب مل سکتا تھا تو پھر خداوند کریم نے وَلَا یُضَآرَّ کَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ کا ارشاد نازل فرمایا۔“ نیز کاتب اور گواہ نے انکار تو نہ کیا پر تحریف اور کمی و بیشی یا ڈھیل ڈالنے وغیرہ سے حق والے کو تکلیف پہنچ سکتی تھی لہٰذا اس کے بعد خداوند کریم نے وَلَا یُضَآرَّ کَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ فرمایا جس میں وَلَا یُضَآرَّ یہ بھی احتمال رکھتا ہے کہ یہ فعل مجہول ہو چنانچہ ابن عباس کی ایک قرأت میں وَلَا یُضَآرَرَ بھی آیا ہے جس سے اس کی تائید ہوتی ہے تو اس صورت میں معنے یہ ہونگے کہ) کاتب اور گواہ کو ضرر نہ دیا جائے (اعنی حق والا ان کو بیجا تکلیف نہ دے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ فعل معروف ہو چنانچہ حضرت عمرؓ سے وَلَا یُضَآرِرَ بھی آیا ہے جس سے اس کی تائید ہوتی ہے اور اس صورت میں معنے یہ ہونگے کہ) کاتب اور گواہ ضرر نہ دیں۔ (اعنی حق والے اور جس پر حق ہے ان کو کسی قسم کی تکلیف اور نقصان نہ پہنچائیں۔ اور میں بارہا بتا چکا ہوں کہ جہاں پر ایسے احتمال ہوتے ہیں اگر کوئی ایسا قرینہ نہ ہو جو کہ ایک احتمال کو معین کر دے تو پھر وہاں پر سب ہی احتمال درست ہوتے ہیں۔ اور ان سے جو جو باتیں ثابت ہوں وہ سب حق ہوتی ہیں اور پھر اس ارشاد کی تعمیل کی ضرورت کے اظہار کے لئے فرمایا کہ) اگر تم کروگے تو یقیناً یہ تم میں (یا تمہارے ساتھ) ایک نافرمانی اور حکم عدولی ہوگی۔ (چونکہ بعض بدیاں ایسی ہوتی ہیں کہ گو ظاہر میں وہ معمولی ہوں پر وہ انسان سے لازم ہو جاتی ہیں اور دوسری کئی بدیوں کی موجب ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ فرمایا ہے کہ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ (التوبۃ:77) (اللہ نے ان کے دلوں میں قیامت تک نفاق ڈال دیا اس سبب سے کہ انہوں نے خداوند تعالیٰ سے وعدہ خلافی کی) اسی وجہ سے خداوند کریم نے یہاں پر ایک تو بجائے فسق کے فسوق کا لفظ ذکر فرمایا جو کہ مفرد اور جمع دونوں ہو سکتا ہے۔ اور دوم اس کے بعد بِكُمْ فرمایا تا کہ اول سے کثرت کا اشارہ ہو اور دوم سے لزوم ثابت ہو اس کے بعد تین طریقوں سے مذکورہ

ارشادوں کی تعمیل کے لئے توجہ دلائی ہے پہلے تو فرمایا کہ) اللہ سے ڈرو (اور تقویٰ اختیار کرو۔ جس میں یہ بتایا کہ اگر تم اس کی خلاف ورزی کروگے تو سزا پاؤ گے اور اگر تعمیل کرو گے تو متقی قرار پاکر ان ان انعاموں کے مستحق ٹھہروگے کہ جن کا متقیوں کو وعدہ دیا گیا ہوا ہے۔ حالانکہ بیع و شرا اور تداین تمہارے ان دنیوی کاموں سے ہیں کہ جن کا نفع و نقصان تمہاری معاش سے متعلق ہے اور پھر فرمایا کہ) اللہ تم کو سکھاتا ہے اور سکھائے گا (اول سے تو یہ بتایا کہ تم اپنے معاملات میں اُمر اور حاکم کی حیثیت کا ضرور خیال رکھا کرتے ہو سو اگر وہ عظیم الشان ہوتا ہے تو تم ضرور ہی اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہو۔ اور یہاں پر تو وہ احکم الحاکمین ارشاد کرنے والا ہے جو کہ سب نقائص سے منزہ اور سب صفات کمال کاملہ سے متصف ہے پس اس کے ارشادوں کی تو ضرور ہی تعمیل ہونی چاہیے۔

اور دوم سے یہ بتایا ہے کہ جب تم اس کے ارشادوں کی تعمیل کروگے تو اس سے اسی قدر نہ ہوگا کہ تم کو ان معاملات میں کوئی فائدہ پہنچ جائے اور بس۔ بلکہ تم اس سے متقی بن جاؤ گے اور جب متقی قرار پاؤ گے تو علاوہ اور فوائد و انعامات کے بڑا جامع فائدہ یہ ملے گا کہ پھر اللہ خود تمہارا معلم اور راہ نما بن جائے گا۔

اخیر پر تیسری بات یہ فرمائی کہ) اللہ ہر ایک چیز کو خوب جاننے والا ہے (اس میں یہ بتایا ہے کہ تمہاری فطرت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ جب تم کسی کو کسی امر کا علیم یقین کرتے ہو تو اس امر کے متعلق اس کے احکام کی ضرور ہی تعمیل کرتے ہو اور اللہ تو ہر ایک چیز کو پورا پورا جاننے والا ہے لہٰذا اس کی بات تو ضرور ہی تسلیم کرنی چاہیے۔

بعض مفسرین نے جب دیکھا کہ پہلا جملہ انشائیہ اور دوسرا خبریہ ہے اور نحویوں میں مشہور ہے کہ جب ایک انشائیہ اور دوسرا خبریہ ہو تو عطف جائز نہیں ہوتا لہٰذا انہوں نے تو کہہ دیا کہ یہاں پر دوسرا پہلے پر عطف نہیں بلکہ پہلے سے حال ہے اور معنے یہ ہیں کہ تقوی اللہ اختیار کرو اس حالت میں کہ مقدر اور مقرر کیا گیا ہوا ہے کہ اللہ خود تم کو سکھائے گا۔ لیکن محققین کے نزدیک چونکہ بعض شروط کے ساتھ یہ جائز ہوتا ہے اور یہاں پر بھی وہ شروط موجود تھیں لہٰذا بعض نے عطف ہی کو پسند کیا ہے اور جیسا کہ میں نے حاصل معنے

میں اشارہ کیا ہے چونکہ اللہ کے معنوں کو تینوں جملوں میں دخل تھا۔ اور ضمیر اس دخل کی طرف مشیر نہ ہو سکتی تھی لہٰذا تینوں میں لفظ جلالہ (اللہ تعالیٰ) کو مکرر ذکر کیا ہے اور اخیر دو میں ضمیر نہیں لائی۔ اور چونکہ بعض صورتوں میں کاتب نہیں مل سکتا جیسا کہ سفر میں تو پھر اعتبار حاصل کرنے کے لئے کیا کرنا چاہیے لہٰذا اس کے بعد فرمایا کہ) اگر تم سفر پر ہو اور کاتب نہ پاؤ تو (کتابت کی بجائے) قبض کیا ہوا گروی ہے (احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں اپنی زرہ گروی رکھی تھی۔

(صحیح البخاری کتاب الجہاد والسیر باب ما قیل فی درع النبی ﷺ۔۔۔ الخ حدیث 2916)

حالانکہ نہ سفر تھا اور نہ وہاں پر کاتب نہ مل سکتا تھا۔ جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جواز رہن کے لئے سفر کا ہونا یا کاتب کا نہ پایا جانا شرط نہیں۔ اور مفسرین نے بھی یہی لکھا ہے سو اس سے معلوم ہوا کہ سفر اور عدم وجدان کاتب محض ضرورت رہن کے موقعہ کے اظہار کے لئے ہے اور ایسے موقعوں پر عدم وجدان کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ وہ نہ ملے یا وہ مل جائے لیکن اس سے غرض اور اصل مقصد حاصل نہ ہو سکتا ہو جیسا کہ تیمم کے بارہ میں فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً (النساء:44) آیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ پانی نہ ہو یا ہو پر اس کو استعمال کر کے طہارت حاصل نہ کر سکتا ہو۔ یہ دونوں باتیں خوب یاد رکھنی چاہیے۔ چونکہ بعض صورتوں میں ایک شخص دوسرے پر اعتماد کر کے وثوق کا قوی ترین طریق کام میں نہیں لاتا مثلاً جن صورتوں میں فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا کا ارشاد ہے ان میں اعتماد کر کے نہ لکھائے یا رہن نہ لے اور کتابت پر اعتماد کر لے۔ تو فریق ثانی اس سے فائدہ اٹھا کر کے اس کو تکلیف دیتا ہے۔ لہٰذا فرمایا کہ) اگر تم میں سے کوئی کسی پر بھروسا کرے (اور اپنے دین کو بطور امانت اس کو دے دے۔) تو جس کو وہ امانت دی گئی ہے وہ اپنی امانت کو ادا کرے۔ (اعنی جس طرح امانت میں خیانت نفاق کی ایک بڑی شاخ ہے اور بہت بڑی اور بری بدی ہے اسی طرح اس صورت میں اس کے اعتماد کے خلاف کرنا بہت برا ہے) اور اپنے رب سے ڈرتا رہے۔ (عام طور پر عذاب کی نسبت رب اور رحمٰن کی طرف اس لئے کی جاتی ہے تاکہ بتایا جائے کہ عام ضروریات کے ملنے سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہ مجھ پر ناراض نہیں۔

کیونکہ رب اور رحمٰن کا کام ہے کہ باوجود ناراض ہونے کے ضروریات عامہ دیتا رہتا ہے۔ نیز تاکہ یہ بتائے کہ یہ بدی بہت ہی بری ہے کہ اس سے رب اور رحمٰن بھی سزا دینے لگا ہے اور علاوہ بریں یہ بھی ثابت ہو جائے کہ جب وہ رب اور رحمٰن ہے تو وہ سزا دے بھی سکتا ہے اور اس کی سزا سخت دکھ بھی دے سکتی ہے۔ اور چونکہ یہ بھی احتمال تھا کہ کوئی حقدار گواہ رکھے اور پھر وہ گواہ شہادت نہ دیں اس لئے فرمایا کہ) شہادت کو نہ چھپاؤ اور اگر کوئی چھپائے گا تو اس کا دل بدکار ہو گا۔

(قلب کی طرف نسبت کر کے کتمان شہادت کی بدی کی عظمت کو ظاہر کیا ہے۔ اور قلبی بدی پر انسان اس لئے جرأت کر سکتا ہے کہ لوگوں پر وہ پوشیدہ ہوتی ہے تو خداوند تعالیٰ نے بتایا کہ لوگوں پر پوشیدہ ہونے سے کیا فائدہ ہے سزا تو اللہ نے دینی ہے) اور اللہ ان کاموں کو خوب جاننے والا ہے جو کہ تم کرتے ہو یا کرو گے۔

آیت 285 تا 287: لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔

تشریح الفاظ:

تُبْدُوْا۔ اِبْدَاءٌ سے ہے، ظاہر کرنا۔

يُحَاسِبْ۔ مُحَاسَبَةٌ سے ہے، حساب لینا۔

اَحَدٌ کے متعلق لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ (البقرۃ:137) کی ذیل میں مفصل بحث کی گئی ہے۔ اور وہاں پر یہ بتایا گیا ہے کہ یہ وہ اَحَدٌ نہیں جو کہ اعداد میں سے ہے اور ایک کے لئے آتا ہے اور کہ یہ اَحَدٌ بمعنے جماعت ہے اور ہمیشہ لفظ کل یا نفی کے ساتھ ہی استعمال ہوتا ہے۔

غُفْرَانٌ۔ بخشش کرنا۔

يُكَلِّفُ۔ تَكْلِيْفٌ ہے، اس کا لازم کرنا کہ جس میں کلفت اور مشقت ہو۔

وُسْعٌ۔ اس کو کہتے ہیں جو کہ انسانی طاقت میں ہو۔

كَسَبَتْ۔ كَسْبٌ سے ہے اور اِكْتَسَبَتْ۔ اِكْتِسَابٌ سے ہے اور دونوں کے معنے

کمانے کے ہیں البتہ دو فرق ہیں اول مطلق کمانا ہے اور دوم طبعی تقاضا اور خواہش سے کمانا ہے اور دوم یہ کہ دوم زیادہ عمل اور مشقت پر دال ہے۔

نَسِيْنَا۔ نِسْيَانٌ سے۔ اور اَخْطَاْنَا۔ خَطَأٌ سے ہے۔

لَا تَحْمِلْ۔ حَمْلٌ سے لادنا اور دوسرے پر بوجھ ڈالنا۔ اور کبھی خود اٹھانے کے معنوں میں آتا ہے۔

اور لَا تُحَمِّلْ۔ تَحْمِيْلٌ سے ہے اور اس کے بھی یہی معنے ہیں البتہ اول کا ایک مفعول آتا ہے اور دوسرے مفعول پر عَلٰی آتا ہے اور دوسرے کے دو مفعول آتے ہیں اور اپنے اٹھانے کے لئے نہیں آتا۔

اِصْرٌ کہتے ہیں گراں بوجھ کو۔ اوران امور کو جو ثواب اور بھلائی سے روکیں اور روک کو۔

اُعْفُ۔ عَفْوٌ سے جس کے اصل معنے آثار مٹنے اور مٹانے کے ہیں۔

اور اِغْفِرْ۔ غَفْرٌ اور غُفْرَانٌ سے ہے، جس کے اصل معنے پوشیدہ کرنے اور ڈھانپنے کے ہیں۔ اور شرع میں اس کے معنے ہیں پہلی کمزوریوں کے بد نتائج سے بچانا اور آئندہ کمزوریوں سے نگاہ رکھنا۔

مَوْلٰى۔ اصل میں مصدر ہے اور بمعنے اسم فاعل استعمال ہوتا ہے اور گو اس کے بہت سے معانی ہیں جن میں سے ایک آزاد شدہ غلام بھی ہے لیکن یہاں پر بمعنے مالک، آقا، متولی اور مہربان کے ہے۔

ترجمہ:

اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے اور اگر تم ظاہر کرو اس کو جو تمہارے جیوں میں ہے یا اس کو پوشید کرو اللہ اس کے ساتھ تمہارا حساب لے گا پھر جس کو چاہے گا بخشے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا۔ اور اللہ ہر ایک چاہی ہوئی بات پر قادر ہے یہ رسول اس پر ایمان لایا ہے جو اس کے ربّ سے اس پر اتارا گیا ہے اور مومن (بھی) ہر ایک (ان میں سے) اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا ہے۔ ہم اس کے رسولوں کی جماعت میں کوئی فرق نہیں کرتے۔

اور انہوں نے کہا ہے کہ ہم نے سنا اور فرمانبرداری کی۔ اے ہمارے رب تیری بخشش (ہم چاہتے ہیں) اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ اللہ کسی جان پر کچھ لازم نہیں کرتا مگر جو اس کی وسعت کے موافق ہو۔ اسی کے لئے ہے جو کہ اس نے کمایا ہے اور اسی پر ہے جو کہ اس نے اپنی خواہش سے کمایا ہے۔ اے ہمارے رب ہم کو نہ پکڑ اگر ہم بھول جائیں یا خطا کریں۔ اے ہمارے رب اور ہمارے پر روک (یا بھلائی سے روکنے والے امور) نہ ڈال جیسی کہ تونے ان لوگوں پر ڈالی تھی جو کہ ہم سے پہلے تھے۔ اے ہمارے رب اور ہم پر وہ امر (بھی) نہ ڈال کہ جس کی ہمیں طاقت نہیں ہے۔ اور ہم سے گناہوں کے آثار کو مٹادے اور ہمیں بد نتائج اور بدیوں سے بچالے۔ اور ہم پر رحم کر۔ تو ہمارا آقا (اور متولی) ہے سو ہم کو کافروں پر نصرت دے۔

تفسیر:

چونکہ پیچھے اموال کے متعلق چند احکام مذکور ہوئے تھے اور اموال کی نسبت احکام کو عمل میں لانا اکثر طبائع پر بہت گراں ہوتا ہے اور ان کے ٹلانے کے لئے شیطان ان کو یہ حجت سکھلاتا ہے کہ جب یہ تمہارے اپنے اموال ہیں اور تمہاری ہی ملکیت ہیں تو پھر جو تم چاہو ان میں تصرف کرو کسی دوسرے کو دخل ہی کیا ہے کہ تمہاری ملکیت میں دخل دے۔

چنانچہ حضرت شعیبؑ نے جب اہل مدین کو اموال کی نسبت ارشاد الٰہی سے نصیحت کی تو انہوں نے جو جواب حضرت شعیبؑ کو دیا تھا قرآن مجید میں اس کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا (ھود:88) (انہوں نے کہا او شعیب کیا تیری نماز تجھے حکم دیتی ہے کہ ہم اس کو چھوڑ دیں جس کی ہمارے بزرگ پوجا کیا کرتے تھے۔ یا اپنے مالوں میں جو ہم چاہیں وہ کریں) اور نیز ان احکام کی خلاف ورزی پر عذاب و سزا سے ڈرایا تھا۔ اور ایسے لوگ سزاء الٰہی سے بچنے کے لئے اپنے ٹھاکروں اور بزرگوں کی نسبت عجیب و غریب امیدیں رکھ کر بالکل بے خوف و خطر ہو بیٹھے ہیں۔

لہٰذا ان احکام اور ان کی خلاف ورزی کی سزاء کے بعد فرمایا کہ) اللہ ہی کے لئے وہ سب کچھ ہے جو کہ آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔ (سو جب تم اور تمہارے اموال اللہ ہی

کے لئے ہوئے تو پھر اس کے احکام ان اموال میں تم پر کیوں واجب التعمیل نہ ہوں اور تم کو کس طرح یہ اختیار حاصل ہو سکتا ہے کہ تم اور پھر خصوصاً ان مالوں میں جو چاہو تصرف کرو۔ کیا غلام آقا کے مال میں از خود کوئی تصرف کرنے کا مجاز ہو سکتا ہے اور اسی طرح جب سب کچھ اسی کا ہو اخواہ وہ زمینی آدم زاد ہوں یا آسمانی دیوتے وغیرہ ہوں تو وہ پروانگی کے سوا کس طرح کسی کو اس کے عذاب اور سزاء سے بچا سکتے ہیں اور پھر اس کی سزا بھی کیسی سخت ہو سکتی ہے۔ اور اس پر سزا دینی کیسی آسان ہو سکتی ہے۔ اور چونکہ انسان پوشیدہ بد اعمالیوں پر بہت جری اور دلیر ہوتا ہے تو فرمایا کہ ظاہری اعمال تو درکنار) جو امور (بدی مثل نفاق، کفر، عداوت صلحاء وغیرھا) کہ تمہارے جیوں میں ہیں خواہ ان کو ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو اللہ ان کی نسبت تم سے حساب لے گا۔ پھر جس کو چاہے گا بخشے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا (رہا یہ کہ کس کو عذاب دینا چاہے گا تو قرآن مجید میں اس کا بھی فیصلہ کر دیا ہوا ہے اور بتا دیا ہوا ہے کہ یہ چاہنا اندھا دھن نہ ہو گا بلکہ اس کے لئے بھی ایک میزان ہے کہ جو اس میزان کے مطابق عذاب کے قابل ہوں گے ان کی نسبت عذاب چاہے گا اور جو اس کی رو سے مغفرت کے قابل ہوں گے تو وہ ان کی مغفرت چاہے گا۔ اور وہ ایسا کر بھی سکتا ہے کیونکہ اللہ ہر ایک چاہے ہوئے امر پر قدرت رکھنے والا ہے (اور جو معنے ہم نے اس آیت کریمہ کے اس کے الفاظ کے مطابق سوائے کسی تبدیل اور تاویل کے لیے ہیں ان کی رو سے نہ یہ کسی اور آیت کے مخالف بنتی ہے اور نہ کوئی حدیث اس کے خلاف ٹھہرتی ہے اور نہ یہ عام اہل اسلام کے کسی اعتقاد کے بر خلاف ہوتی ہے۔

نسخ و منسوخ کہنے کا آغاز:

لیکن اکثر مفسرین نے اس کے یہ معنے بیان کئے ہیں کہ یہ آیت بدی کے ان خیالات کے متعلق سزا کی خبر دیتی ہے جو کہ انسانی خیال میں کبھی آتے ہیں اور اس کے ثبوت میں ایک روایت نقل کی ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ اس سے پہلے جو احکام نازل ہوتے رہے ہیں وہ تو ہماری

وسعت اور طاقت میں ہوتے تھے لہٰذا ہم ان کو بجا بھی لاتے رہے ہیں پر اب جو کہ یہ آیت آپ پر نازل ہوئی ہے اس میں اس امر پر مواخذہ بتایا گیا ہے جو کہ ہماری طاقت سے باہر ہے۔ تو حضورؐ نے فرمایا کہ تم بنی اسرائیل کی طرح سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا [1] (البقرۃ:94) نہ کہو بلکہ تم اس کو مان لو اور خداوند تعالیٰ سے بخشش مانگو چنانچہ انہوں نے اس کی تعمیل کی تو پھر اس کے منسوخ کرنے کے لئے اس کے بعد کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔

(صحیح مسلم کتاب الایمان باب وان تبدوا مافی انفسکم... الخ حدیث 329)

لیکن نہ قرآن مجید میں کوئی منسوخ شدہ آیت موجود ہے اور نہ نسخ کے قائلوں کے نزدیک اخبار میں نسخ ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ آیت مذکورہ اخبار کی قسم سے ہے۔ رہی روایت مذکورہ تو بشرط ثبوت اس کا وہی جواب ہے جو کہ میں نے پہلے مفصل طور پر لکھا ہے کہ صحابہؓ اور تابعین میں عموماً نسخ کے یہ معنے تھے کہ پہلے آیت کے معنے کچھ اور خیال میں آئے اور پھر کسی اور آیت سے سمجھ میں آگیا کہ وہ معنے تو درست نہیں بلکہ اس کے اور معنے ہیں جو کہ پہلے معنوں کی طرح اس دوسری آیت کے مخالف نہیں تو وہ ان پہلے معنوں کے ازالہ کو نسخ کہہ دیا کرتے تھے۔ اور نسخ کہنے والوں نے خیالات پر مواخذہ ہونے کو منسوخ قرار دے کر خیالات کی نسبت جو فیصلہ کیا ہے وہ ان عربی شعروں میں بیان ہے۔

مَرَاتِبُ الْقَصْدِ خَمْسٌ هَاجِسٌ ذُكِرُوْا
فَخَاطِرٌ فَحَدِيْثُ النَّفْسِ فَاسْتَمِعَا
يَلِيْهِ هَمٌّ فَعَزْمٌ كُلُّهَا رُفِعَتْ
سِوَى الْاَخِيْرِ فَفِيْهِ الْاَخْذُ قَدْ وَقَعَا [2]

قرآن کے نزول پر دو گروہوں کا بننا:

جب خداوند کریم نے ذٰلِكَ الْكِتٰبُ (سورۂ بقرہ) میں ایمان باللہ، ایمان بالملائکہ، ایمان

[1] ۔(بہت اچھا) ہم نے سن لیا اور (ہم یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ) ہم نے (اس حکم کے) نہ ماننے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ (تفسیر صغیر)

[2] ۔ ارادے کے پانچ درجے ہیں۔ ھاجس (بہت ہی معمولی وہمہ) جس کا انہوں نے ذکر کیا ہے۔ پھر خاطر (ضعیف خیال) ہے پھر حدیث النفس ہے پس اے میرے مخاطب غور سے سن۔ پھر اس کے بعد ھم (کمزور ارادہ) ہے اور اس کے بعد عزم (پختہ ارادہ) ہے۔ باقی سب سے سزا ہٹالی گئی ہے سوائے آخری کے کیونکہ اس پر سزا ملتی ہے۔ (از مرتب)

بالآخرت ،ایمان بجمیع کتب اللہ اور ایمان بجمیع الرسل اور دعا،صلوٰۃ، صوم ،زکوٰۃ، حج، نکاح، طلاق، عدت وغیرہا بہت سے احکام بیان فرمائے۔ اور ان کے فوائد اور دلائل بھی ساتھ ساتھ بیان فرمائے۔ لیکن میں نے بارہا بتایا ہے کہ ایسے اہم امور میں خداوند کریم سب ثبوتوں کے بعد ان کی فعلی شہادت بھی ضرور بیان فرمایا کرتا ہے جس میں مقابلۃً اس امر کے فائدہ یا نقصان کا یقینی ثبوت ہو جاتا ہے لہٰذا یہاں پر بھی اس یقینی اور فعلی ثبوت کے لئے فرمایا کہ) یہ رسولؐ اس سب پر ایمان لایا ہے جو کہ اس کے رب کی طرف سے اس پر اتارا گیا ہے۔ اور مومن (لوگ بھی اس پر ایمان لائے ہیں۔ اعنی اس کتاب کے نازل ہونے سے دو گروہ ہو گئے ہیں۔

(1) پہلا گروہ تو یہ رسولؐ اور اس کے اتباع مومن ہیں جو کہ اس کتاب پر ایمان لائے ہیں اور وہ یقین رکھتے ہیں کہ جو رب ہمارے جسم کی تربیت کرتا ہے اسی نے ہماری جسمانی اور روحانی تربیت کی تکمیل کے لئے یہ کتاب نازل کی ہے۔

اور (2) دوسرا وہ مشرک اور یہود و نصاریٰ وغیرہ ہیں جو کہ اس کتاب پر ایمان نہیں لاتے۔ اور چونکہ بعض دوسرے گروہ کے لوگ بھی یہ دعویٰ رکھتے تھے کہ جیسے مومن اللہ پر اور فرشتوں پر اور اپنے رسول پر اور اپنی کتاب پر ایمان لائے ہیں اسی طرح ہم بھی اللہ اور فرشتوں پر اور اپنے رسول اور اپنی کتاب من جانب اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔ تو خداوند کریم نے اظہار فرق کے لئے فرمایا کہ) یہ سب کے سب اللہ پر ایمان لائے ہیں (جو کہ سب نقائص سے پاک اور سب صفات کمال کا کامل طور پر جامع ہے اور دوسرے گروہ کے لوگ گو کسی صانع یا معبود کے قائل بھی ہوں پر نہ تو وہ اس کو جملہ نقائص سے مبرا یقین کرتے ہیں اور نہ سب صفات کمال سے اس کو متصف مانتے ہیں لہٰذا وہ اللہ پر ایمان نہیں لاتے۔ نیز جب سب رسول اسی کے حکم سے آئے اور سب کتابیں اسی نے نازل کیں اور وہ بعض سے منکر بلکہ سخت مخالف ہیں تو اس وجہ سے بھی وہ اللہ پر ایمان لانے والے نہیں کیونکہ جب کوئی کسی بادشاہ کے کسی حاکم یا قانون اور پروانہ کا انکار اور مقابلہ کرتا ہے تو ضرور ہی وہ انسان باغی سمجھا جاتا ہے) اور اس کے سارے فرشتوں اور ساری کتابوں اور سارے رسولوں پر (بھی ایمان لاتے ہیں اور دوسرے گروہ کے بعض لوگ تو کل سے منکر ہیں اور بعض گو بعض کے قائل بھی ہیں پر بعض کے منکر اور معاند بھی یقیناً ہیں۔

رسولوں کی تفریق سے مراد:

اور چونکہ کتابوں کی تفریق کی بناء رسولوں کی تفریق پر ہے لہٰذا فرمایا کہ) ہم اس کے رسولوں کے درمیان تفریق نہیں کرتے (کہ بعض کو مانیں اور بعض کا انکار کریں۔ کیونکہ وہ سب اس کے رسول ہونے کے باعث واجب الاتباع ہونے میں سب برابر ہیں گو اپنے اپنے ذاتی کمالات کے باعث ان میں بڑی بڑی تفاوت بھی ہو۔ اور جو لوگ قواعد زبان سے ناواقف ہیں انہوں نے اپنی جہالت کا ثبوت دینے کے لئے اس آیت کے یہ معنے کئے ہیں کہ انبیاءؑ سب کے سب برابر ہیں اور کسی کو دوسرے پر کوئی فضیلت نہ دینی چاہیے۔ اور چونکہ یہاں پر یہ بتانا مقصود تھا کہ ان کے رسول اللہ ہونے میں فرق نہیں کرتے لہٰذا یہاں پر بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ کی بجائے بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ فرمایا ہے اور وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ [1] (البقرۃ:137) میں چونکہ اصل غرض مَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ میں فرق نہ کرنا تھا جس کے لئے دور سے کلام چلا ہوا ہے۔ اور نبیوں میں فرق نہ کرنے کا ذکر اس وجہ سے ہوا ہے کہ اس کے ساتھ وہ لازم ہے جو کہ اصل مقصد ہے اور مزید براں اس سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ وَمَآ اُوْتِيَ میں فرق کرنے کی جڑھ نبیوں میں فرق کرنا ہے لہٰذا اس میں بَيْنَ اَحَدٍ مِّنَ النَّبِيّٖنَ نہیں فرمایا اور یہاں پر وَيَقُوْلُوْنَ لَا نُفَرِّقُ الخ ہونا چاہیے تھا جیسا کہ مفسرین نے لکھا ہے۔

لیکن چونکہ اٰمَنَ کے بعد لَا نُفَرِّقُ کہنا يَقُوْلُوْنَ کے مضمون کو صاف ظاہر کرتا تھا اور يَقُوْلُوْنَ کے ذکر نہ کرنے سے اس بات کی طرف بھی اشارہ ہوتا تھا کہ جس طرح ہم ان رسولوں میں فرق نہیں کرتے۔ اسی طرح وہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ ہم بھی ان میں فرق نہیں کرتے لہٰذا وَيَقُوْلُوْنَ کو ذکر نہیں کیا۔ اور چونکہ ایمان کے ساتھ اقرار اور عملی ثبوت بھی ضروری ہوتا ہے اس لئے اس کے بعد فرمایا کہ) وہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم نے (سب ارشادوں کو) قبول کیا اور اطاعت کی۔

---

[1] ۔ اور (اسی طرح) جو کچھ (باقی) انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا تھا... ہم ان میں سے ایک (نبی اور دوسرے نبی) کے درمیان (کوئی) بھی فرق نہیں کرتے۔ (تفسیر صغیر)

(پر باوجود اس کے وہ یقین رکھتے ہیں کہ بشری کمزوری کے باعث حق اطاعت ہم سے ادا نہیں ہو سکے گا لہٰذا وہ کہتے ہیں کہ ہم) تیری مغفرت چاہتے ہیں) تا کہ پہلی کمزوریوں کے بد نتائج سے بچیں اور آئندہ کمزوریوں سے بچنے کی توفیق پائیں اور اس سب کی جڑھ یہ ہے کہ وہ یقین رکھتے ہیں کہ آخر اسی مالک کی طرف پھرنا ہے لہٰذا وہ کہتے ہیں کہ) تیری ہی طرف پھرنا ہے (اور چونکہ طلب مغفرت سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ ارشادات الٰہیہ کچھ بہت ہی مشکل ہیں جن کا پورا کرنا ان کی طاقت سے باہر ہے تب ہی تو وہ ان کو پورا نہ کر سکے اور آئندہ کے لئے الٰہی توفیق کی ضرورت پیش آئی۔ تو اس کے رفع کرنے کے لئے وہ اس کا بھی اظہار کرتے ہیں کہ) اللہ کسی جی کو کسی ایسے امر کا ذمہ وار نہیں بناتا جو اس کی طاقت سے باہر ہو (اور مفسرین نے اس کا جو مطلب بیان کیا ہے وہ میں نے پہلے بیان کر دیا ہے اور چونکہ ایسے اظہار بطور احسان جتانے کے ہوا کرتے ہیں لہٰذا وہ یہ بھی ظاہر کرتے ہیں کہ ہم اس لئے یہ اظہار نہیں کرتے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ) اسی جی کے لئے وہ (مفید) ہے جو کہ وہ کماتا ہے اور اسی پر (اس کا ضرر) ہے جو کہ نفس کی خواہش سے وہ کماتا ہے۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ سے مراد:

مفسرین نے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ سے اِکْتَسَبَتْ تک کی نسبت لکھا ہے کہ احتمال ہے کہ یہ ان کے اظہار اور مقولے ہوں یا کہ جملہ معترضہ کے طور پر خداوند تعالیٰ کی طرف سے یہ ہوں۔ لیکن میرے نزدیک اول ہی ٹھیک ہے لیکن بعض نے ثانی پر اس قدر زور دیا ہے کہ اس کے بعد جو رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا الخ آیا ہے اس کو بھی کہا ہے کہ یہ خداوند تعالیٰ کی طرف سے تعلیم دعا کے لئے ہے حالانکہ اس کے الفاظ صاف بتاتے ہیں کہ یہ ان کا مقولہ اور دعا ہے اور چونکہ اس آیت کریمہ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ بھول اور خطاء پر مواخذہ ہوتا ہے یا ہوتا تھا لہٰذا وہ اس سے بچاؤ چاہتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ وہ دونوں انسانی اختیار سے باہر ہیں اور لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا اس پر مواخذہ کو منع کرتا تھا۔

خطاء اور نسیان کے معنی:

لہٰذا بعض علماء نے نِسْیَانٌ کو بمعنے ترک اور اِخْطَاءٌ کو بمعنے عصیان اور گناہ کرنے کے

لے کر یہ معنے کئے ہیں کہ اے ہمارے رب اگر ہم ضروری کاموں کو ترک کر دیں یا گناہ کر بیٹھیں تو ہمیں نہ پکڑنا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ نِسْیَانٌ سے تقصیر اور کوتاہی اور اِخْطَاءٌ سے غفلت مراد ہے کیونکہ ان دونوں سے پہلے ضرور کوتاہی اور غفلت ہوا کرتی ہے۔

پس معنے یہ ہوئے کہ اگر ہم سے ایسی تقصیر بھی ہو جائے جس کا نتیجہ نسیان تک پہنچا ہوا ہو یا ایسی غفلت بھی سرزد ہو جس کا نتیجہ خطاء ہو تو بھی ہم کو نہ پکڑنا۔ پر بعض نے ظاہر پر رکھ کر کہہ دیا ہے کہ خطا اور نسیان وغیرہ بھی زہر کی طرح ہیں تو جس طرح زہر ہر حالت میں نقصان دیتی ہے اسی طرح بدی بھی ہر حالت میں ضرر دیتی ہے گو وہ نسیان یا خطاء کے طور پر سرزد ہو اور اس کی تائید میں انہوں نے طبرانی کی یہ حدیث پیش کی ہے کہ رُفِعَ عَنْ اُمَّتِی الْخَطَأُ وَالنِّسْیَانُ[1]۔

(عمدۃ القاری جلد 5 صفحہ 141 کتاب مواقیت الصلاۃ باب من نسی صلاۃ... دار التراث العربی بیروت 2003ء)

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی امتوں پر ان سے بھی مواخذہ ہوتا تھا۔ لیکن محققین نے اس کو پسند نہیں کیا بلکہ رد کیا ہے۔ میرے نزدیک نسیان اور خطاء میں دو پہلو ہیں ایک خود نسیان اور خطاء تو اس میں شک نہیں کہ یہ خود تو انسان کے قابو سے باہر ہیں لہٰذا اس لحاظ سے مواخذہ بھی نہ ہونا چاہیے لیکن جب یہ دیکھا جائے کہ الٰہی احکام کے متعلق ثبات، استقامت، عزم، تذکر اور ہوشیاری کا حکم ہے اور ان کے چھوڑنے سے یہ دونوں پیدا ہوتے ہیں۔ تو پھر تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ ان دونوں میں بوجہ عزم اور ہوشیاری کے ترک کرنے کے مواخذہ بھی ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جہاں حضرت آدم کا شجر والا واقعہ بیان کیا ہے وہاں پر فرمایا ہے فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا[2] (طٰہٰ:116) اور یہی وجہ ہے کہ بار بار بھولنے اور خطاء کرنے والے کو سب ہوشیاری کا حکم دیتے ہیں۔

نسیان، خطا، اور گناہ کا مؤاخذہ:

سو آیت کریمہ میں اگر یہ پہلو لیا جائے تو معنے یہ ہوں گے کہ اگر نسیان یا خطاء کی

[1]۔ میری امت کو بھول چوک معاف کر دی گئی۔ (از مرتب)

[2]۔ مگر وہ بھول گیا اور ہم نے خوب جانچ لیا کہ اس کے دل میں ہمارا حکم توڑنے کے متعلق کوئی پختہ ارادہ نہیں تھا۔ (تفسیر صغیر)

صورت میں عزم اور ہوشیاری کے خلاف ہم سے ظاہر ہو تو ہمیں مواخذہ نہ کر۔ اور پہلا پہلو لیا جائے تب ان پر مواخذہ کرنے کی دعا کا ذکر کرنا محض اس بات کے اظہار کے لئے ہے کہ وہ مومن گو اس بات کو جانتے ہیں کہ اللہ وسعت سے باہر کے ساتھ مکلف نہیں کرتا مگر اس کے قادر مطلق کامل التصرف ہونے پر یقین کرنے سے اس کی غناء ذاتی پر نظر کر کے نسیان اور خطاء پر مواخذہ کرنے سے ڈرتے اور اس سے بچنے کے لئے دعا کرتے ہیں۔ اور یہ بعینہٖ ایسا ہے جیسا کہ انبیاءؑ کو نصرت کا وعدہ بھی ہوتا ہے لیکن مقابلہ کے وقت اس کی غناء ذاتی پر نظر کر کے وہ بڑے الحاح اور اضطراب کے ساتھ نصرت کی دعائیں مانگتے ہیں۔ اور اسی کے ظاہر کرنے کے لئے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ الخ کے بعد اس کو لایا گیا ہے۔ اور چونکہ قصوروں پر جیسا کہ مواخذہ ہوتا ہے۔ ایسا ہی ان کا یہ بھی اثر ہے کہ ایک گناہ دوسرے گناہ کا باعث ہوتا ہے اور نیکی سے مانع ہوتا ہے اور جب وہ ذخیرہ جمع ہوتا رہے تو پھر ایک ایسا وقت آجاتا ہے کہ وہ انسان نیکی کی راہ سے بالکل روکا جاتا ہے اور وہ روکیں اٹھنے میں آتی ہی نہیں۔ قرآن مجید میں آیا ہے فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ [1] (التوبۃ:77) اور یہود وغیرہ اقوام کی حالت اس کی گواہ ہے بلکہ ہمارے علماء اور صوفیا ہی کو دیکھو کہ جب انہوں نے اپنے بزرگوں کی راہ کو ترک کیا تو اس کی وجہ سے ان کی وجہ معاش ایسے طور پر رکھی گئی ہے کہ جو خدا کا مامور آئے ضرور ہے کہ دنیا اس کا خلاف کرے اور جب خلاف ہو تو پھر ان کا ماننا محال ہے اسی طرح حق کہیں۔ صحیح مسئلہ بتائیں۔ امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کریں تو لوگ ناراض اور ان کی ناراضگی سے عزت اور معاش تباہ۔ تو جب ان قصوروں کے مواخذہ کی نسبت مغفرت کی دعا مذکور ہو چکی تو اب اس دوسرے اثر سے بچنے کی نسبت ان کی دعا ذکر فرمائی ہے کہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ) اے ہمارے رب (یہ مذکورہ دعائیں بھی) اور ہم پر رکاوٹ نہ رکھ جیسی کہ تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر رکھی ہے۔

اِصْرٌ کے معنے:

(مفسرین نے عام طور پر اِصْرٌ کے معنے گراں بوجھ کے کئے ہیں جو کہ روک دے اور

[1] ۔ پس (نتیجہ یہ ہوا کہ) اس نے ان کے دلوں میں اس دن تک کے لئے جب وہ اس سے ملیں گے نفاق کا سلسلہ چلا دیا کیونکہ انہوں نے جو خدا سے وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی۔ (تفسیر صغیر)

اس سے اعمال شاقہ مراد لئے ہیں اور بعض نے اس کے معنے عہد شکنی کے گناہ کے کئے ہیں۔ اور بعض نے وہ عہد بتائے ہیں جو پورے نہ ہو سکیں۔ پر جو میں نے معنے بتائے ہیں وہ سب کو شامل ہیں اور قصوروں کے دونوں اثروں سے معافی چاہنے کے بعد چونکہ یہ بھی احتمال تھا کہ باوجود اس کے پھر بھی کسی وجہ سے کسی قصور کا کوئی اثر مرتب ہو تو بتایا کہ وہ اس کی نسبت یہ دعا کرتے ہیں کہ) اے ہمارے رب (یہ سب کچھ کر) اور ہم پر (قصوروں کے اثروں سے) وہ کچھ نہ ڈال کہ جس کی ہمیں طاقت نہیں۔ یہ معنے اس وقت ہیں جبکہ طَاقَةٌ کو اپنے اصلی معنوں میں لیا جائے۔

اور اگر اس سے وہ معنے لئے جاویں جو کہ عام استعمال میں لئے جاتے ہیں تو پھر معنے یہ ہوں گے کہ ایک گال پر تھپڑ کھا کر دوسری گال آگے کرنے کی طرح ایسے مشکل اعمال ہم پر نہ ڈال جو کہ اپنے اشکال کے لحاظ سے خارج از طاقت امور کے حکم میں ہوں۔ اور طاقت سے یہ معنے لینے کا قرینہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ الخ صاف موجود ہے۔ اس کے بعد بتایا کہ جس طرح وہ ابتداء میں مغفرت چاہتے ہیں تاکہ کمزوریوں سے بچنے کی توفیق حاصل ہو اسی طرح وہ یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ اگر ہم سے کوئی کمزوری سرزد ہو جائے) تو اس کے اثر کو مٹا دے (اور اگر مٹ نہ سکتا ہو) تو اس کو پوشیدہ کر دے (اور) اس کے بد نتائج سے محفوظ رکھ لے (اور پھر اس کمی کے پورا کرنے کے لئے) ہم پر رحم بھی کر (اور علاوہ بریں وَاعْفُ عَنَّا۔ لَا تُؤَاخِذْنَا کے اور وَاغْفِرْ لَنَا۔ وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا کے اور وَارْحَمْنَا۔ وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ کے مقابل بھی ہیں۔

یہ تو وہ دعائیں اور وہ امور ہیں جو کہ مخالف کی نظر سے پوشیدہ ہیں پر جیسا کہ میں نے پہلے بتایا تھا ان کے ثبوت کے لئے خداوند تعالیٰ ان کی ایک اور دعا ذکر فرماتا ہے جس کی قبولیت کا مشاہدہ مادی نظر بھی کر سکتی ہے اور اس کے نزدیک ہے بھی انہونی بات تاکہ اس کے مشاہدہ سے پہلے سب امور کا ثبوت تسلیم کرنا پڑے۔ اور وہ یہ ہے کہ) تو ہمارا آقا (اور مالک اور ہمارے امور کا متولی) ہے۔ لہٰذا تو ہم کو (ہمارے ذاتی اعداء پر نہیں بلکہ ہمارے دینی دشمنوں) کافر لوگوں پر نصرت دے (تاکہ وہ نصرت ہمارے لئے نہیں بلکہ ہمارے

دین حق کے لئے فرقان اور بین ترین برہان اور اٰیَۃٌ مِّنۡ اٰیٰتِ الرَّحۡمٰنِ[1] ہو۔ اور یہ دعا بوقت ظہور جیسی بذات خود صداقت دین کے لئے فرقان ہے ایسی ہی اس لحاظ سے بھی کہ اس کی قبولیت اس کے ساتھ کی پہلی دعاؤں کی قبولیت کی مثبت ہے اور ان کی قبولیت صداقت دین کیلئے آیات بینات سے ہے اور پھر خداوند تعالیٰ نے اس دعا کو ایسے طور پر پورا کر کے دکھایا ہے جس کی دنیا بھر میں نہ کوئی نظیر ہے اور نہ ہو گی فَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔ ھٰذَا اٰخِرُ تَفۡسِیۡرِ سُوۡرَۃِ الۡبَقَرَۃِ فَلِلّٰہِ الۡحَمۡدُ فِی الۡاُوۡلٰی وَالۡاٰخِرَۃِ۔[2]

[1]۔ رحمان کے نشانوں میں سے ایک نشان۔ (از مرتب)

[2]۔ پس اس پر تمام حمد اللہ کے لئے۔ یہ سورۃ البقرۃ کی تفسیر کا اختتام ہے۔ پس تمام حمد اللہ کے لئے ہے ابتداء میں بھی اور آخر میں بھی۔ (از مرتب)

انڈیکس

تفسیر سروری جلد 3

1۔ آیات.....1

2۔ احادیث.....8

3۔ مضامین.....9

4۔ اسماء.....29

5۔ مقامات.....34

6۔ کتابیات.....35

آیات قرآنیہ

البقرة

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ (3) 187
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ...(7) 30
وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ ...(9) 299-300
يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا (22) 187
وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ (24) 187
مَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ (27) 73
الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ ...(28) 73
ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ (62) 46
اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ (68) 90
اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ (76) 185
اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ (77) 2
وَ مِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ...(79) 173
وَ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ (81) 45
وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ (88) 19
وَ لَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ (90) 1، 107، 122
بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ...(91) 1، 84، 107، 127
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا ...(92) 1، 33، 40، 42
وَ لَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى ...(93) 32
وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ ...(94) 32، 46، 436
قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ ...(95) 43، 62
وَ لَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ ...(96) 43
وَ لَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ ...(97) 43، 62
قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ (98) 59، 67-68، 99
مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ ...(99) 59
وَ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍ (100) 66، 72-73
اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا ...(101) 70
وَ لَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ (102) 70، 102، 111، 271
وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ ...(103) 78، 82، 84، 120، 123،
وَ لَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا ...(104) 82
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا (105) 98، 116، 144
مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (106) 125، 144، 151
مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ ...(107) 134، 156
اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ ...(108) 134، 156
اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا (109) 144، 154
وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ ...(110) 157، 158، 160
لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ ...(112) 45-46، 164، 174
بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ ...(113) 164
وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ ...(114) 171
وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ ...(115) 175
وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ...(116) 175
وَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ...(117) 178
بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ...(118) 178
وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ...(119) 181
اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا ...(120) 183
وَ لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ ...(121) 184
اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ ...(122) 184
يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا ...(123) 187
وَ اتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ ...(124) 187

وَاِذِ ابْتَلٰٓی اِبْرٰهٖمَ (125) 188، 189
وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ ...(126) 189، 251
وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ ...(127) 189
وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ ...(128) 189
رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ ...(129) 189
رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا ...(130) 189
وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ ...(131) 195
اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ...(132) 195
وَوَصّٰی بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِیْهِ ...(133) 195
اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ ...(134) 195
تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا ...(135) 195
وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ...(136) 198
قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ...(137) 198، 438
فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ (138) 198
صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ ...(139) 198
قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ ...(140) 201
اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ ...(141) 202
تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا ...(142) 202
سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ (143) 204
شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ (144) 77، 204
قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ ...(145) 204
وَلَئِنْ اَتَیْتَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا (146) 204
اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ ...(147) 204
اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ...(148) 204
وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّیْهَا ...(149) 212
وَمِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ ...(150) 212
وَمِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ ...(151) 212
كَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْكُمْ رَسُوْلًا ...(152) 212
فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ ...(153) 212
یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا (154) 216
وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ ...(155) 216
وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ ...(156) 216
الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ (157) 216
اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ ...(158) 216
اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ ...(159) 216
اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ ...(160) 216
اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا ...(161) 216
اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا (162) 216
خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یُخَفَّفُ (163) 216
وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ...(164) 216
اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ (165) 220
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ ...(166) 220
اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا ...(167) 220
وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ (168) 220
یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا ...(169) 223
اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ ...(170) 223
وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا ...(171) 223
وَمَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ...(172) 223
یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا ...(173) 223
اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةَ ...(174) 223
اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ (175) 223
اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ (176) 223
ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ (177) 223
لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ ...(178) 207-208، 227
یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ ...(179) 227
وَلَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوةٌ ...(180) 227
كُتِبَ عَلَیْكُمْ اِذَا حَضَرَ ...(181) 125، 227
فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا ...(182) 227
فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ ...(183) 227

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ ...(184)232
اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ كَانَ ...(185)232
شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ ...(186) 232، 288
يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ ...(186)288
وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ ...(187)232
اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ ...(188) 232-233، 296
وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ (189)233
يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ...(190)243
وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ...(191)243
وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ (192)243
فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ ...(193)243
وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ ...(194)243
اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ ...(195)243
وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ...(196)243
وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ...(197) 243-244
اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ...(198)253
لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ ...(199)253
ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ ...(200)253
فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ ...(201)253
وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ ...(202)253
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا ...(203)253
وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ... 253(204)
وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ (205)253
وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ ...(206)253
وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ (207)253-254
وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ ...(208)254
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا (209)254
فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا ...(210)254
هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ (211) 254
سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ ...(212)266
زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ (213)266
كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ...(214)266
اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا ...(215)266
يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ (216)266، 286
كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ (217)266
يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ ... (218) 279، 284
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ ...(219)279
يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ ...(220)279
فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ ... (221) 279
وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ ...(222)279
وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ (223)290
نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ...(224)290
وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً ...(225)290
لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ (226)290، 302
لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ (227)290
وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ ...(228)290
وَ الْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ... (229) 141، 290
اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌ ...(230)309
فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ ...(231)309
وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ ...(232)309
وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ (233)316
وَ الْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ ...(234)316

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ (235) 141، 316، 332
وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا ... (236) 316
لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ (237) 326
وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ (238) 326
حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ ... (239) 326
فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ ... (240) 326
وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ ... (241) 326
وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ ... (242) 326
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ ... (243) 326
اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا ... (244) 334، 367
وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ... (245) 334
مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ ... (246) 334
اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْ ... (247) 334
وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ ... (248) 334، 351
وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ ... (249) 334
فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ ... (250) 344
وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ ... (251) 344
فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ... (252) 344
تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا ... (253) 344
تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا ... (254) 344
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا ... (255) 355، 383
اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ ... (256) 355
لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ... (257) 355، 414
اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (258) 355، 383
اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ ... (259) 362، 382
اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ ... (260) 147، 362، 383
وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ ... (261) 362، 383
مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ (262) 380
اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ (263) 380
قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ ... (264) 380
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا ... (265) 380
وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ ... (266) 380
اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ (267) 380
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا (268) 394
اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ ... (269) 394
يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ... (270) 394
وَمَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ ... (271) 394
اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ ... (272) 394
لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ ... (273) 394
لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا ... (274) 394
اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ (275) 405
اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا (276) 172، 405
يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا ... (277) 405
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا ... (278) 405
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ ... (279) 405
فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا ... (280) 405
وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ ... (281) 405
وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ (282) 405، 419
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ (283) 416
وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ ... (284) 416
لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ ... (285) 132، 432
اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ (286) 432

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا ... 432(287)

آل عمران

یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ(41) 383،149
اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُنْ ...(61) 211
فَمَنْ حَآجَّکَ فِیْہِ ...(62) 211،121
کَیْفَ یَھْدِی اللّٰہُ قَوْمًا کَفَرُوْا (87) 11
اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُھُمْ اَنَّ عَلَیْھِمْ (88) 11
خٰلِدِیْنَ فِیْھَا لَا یُخَفَّفُ عَنْھُمُ (89) 11
لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا ...(119) 291
وَ تِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا ...(141) 147
وَ مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّغُلَّ ...(162) 386

النساء

اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰی (11) 287
یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ ...(12) 231
وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِھَا مِنْکُمْ فَاٰذُوْھُمَا (17) 296
وَ عَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (20) 296
قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ(35) 308
فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً(44) 430
لَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ ...(83) 139
اَرِنَا اللّٰہَ جَھْرَۃً ...(154) 155

المائدۃ

یَحْکُمُ مَا یُرِیْدُ ...(2) 149
اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (4) 215
یَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ(16) 388،325
نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَ اَحِبَّآؤُہٗ (19) 45، 62
وَ کَتَبْنَا عَلَیْھِمْ فِیْھَآ ...(46) 230
یَدُ اللّٰہِ مَغْلُوْلَۃٌ (65) 19
لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ...(79) 19
لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰہُ بِاللَّغْوِ ...(90) 302
قِیٰمًا لِّلنَّاسِ(98) 208
عَلَّامُ الْغُیُوْبِ(110) 101

الانعام

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی ...(22) 179
وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ ...(153) 287

الاعراف

سَحَرُوْٓا اَعْیُنَ النَّاسِ(117) 88
اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰـھًا کَمَا لَھُمْ ...(139) 155
بَلَوْنٰھُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّیِّاٰتِ(169) 189
اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ ...(173) 165

الانفال

وَ مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَ اَنْتَ فِیْھِمْ 249(34)

التوبۃ

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْھُرُ الْحُرُمُ ...(5) 284
اَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی ...(26) 343
ثُمَّ یَتُوْبُ اللّٰہُ مِنْۢ بَعْدِ ...(27) 343
عُزَیْرُۨ ابْنُ اللّٰہِ(30) 19
لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا(40) 409
فَاَعْقَبَھُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِھِمْ ... (77) 441،428
خُذْ مِنْ اَمْوَالِھِمْ صَدَقَۃً (103) 390
اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ(111) 357،12

ھود

قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُکَ ...(88) 434
فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ(108) 15، 27، 383

ابراھیم

اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ...(38) 194

الحجر

لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ ...(40) 270

بنی اسرائیل

وَ جَعَلْنَا الَّیْلَ وَ النَّهَارَ اٰیَتَیْنِ(13) 147

الکهف

فَلَا تُمَارِ فِیْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا(23) 211

فَعَسٰی رَبِّیْۤ اَنْ یُّؤْتِیَنِ خَیْرًا ...(41) 151

اَوْ یُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا ...(42) 151

وَ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ ...(44) 153

هُنَالِكَ الْوَلَایَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ...(45) 153

مریم

نَسْیًا مَّنْسِیًّا(24) 152

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ(91) 179

اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا(92) 179

طٰهٰ

فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ عِصِیُّهُمْ ...(67) 88

فَنَسِیَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا(116) 440

الانبیاء

لَا یُسْـَٔلُ عَمَّا یَفْعَلُ(24) 15

لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَ هُمْ ...(28) 95

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَیْمٰنَ (80) 93

الحج

ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَى الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ(34) 251

المؤمنون

وَ جَعَلْنَا ابْنَ مَرْیَمَ وَ اُمَّهٗۤ(51) 140، 147

كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ(54) 273

النور

لَوْ لَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ ...(13) 313

وَ لَوْ لَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ...(17) 313

لَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ(23) 291

الطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ(27) 299

وَ لَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ...(56) 409، 410

الشعراء

اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْۤ اُرْسِلَ ...(28) 157

النمل

اَسْلَمْتُ مَعَ سُلَیْمٰنَ لِلّٰهِ ...(45) 91

لقمان

اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ(14) 34

ص

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ ...(37) 85

وَ الشَّیٰطِیْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ ...(38) 85

وَّ اٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ ...(39) 85

مَا كَانَ لِیَ مِنْ عِلْمٍ ...(70) 239

الزمر

اَللّٰهُ یَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِیْنَ ...(43) 372

حم السجدة

ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِیْ ظَنَنْتُمْ(24) 391

تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ...(31) 409

الشوریٰ

عَلٰی جَمْعِهِمْ اِذَا یَشَآءُ قَدِیْرٌ(30) 149

الزخرف

اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ ...(52) 366

وَ لَا یَمْلِكُ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ ...(87) 359

الدخان

حٰمٓ(2) 239

وَ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ(3) 239

اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ ...(4) 239

فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ ...(5) 239

اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ...(6) 239

محمد

مَاذَا قَالَ اٰنِفًا(17) 274

الفتح

هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ السَّکِیۡنَۃَ...(5) 342

فَاَنۡزَلَ السَّکِیۡنَۃَ عَلَیۡہِمۡ(19) 342

وَ لِتَکُوۡنَ اٰیَۃً لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ(21) 343

فَاَنۡزَلَ اللّٰہُ سَکِیۡنَتَہٗ...(27) 343

الحجرات

یَمُنُّوۡنَ عَلَیۡکَ اَنۡ اَسۡلَمُوۡا (18)386

النجم

مِنۡۢ بَعۡدِ اَنۡ یَّاۡذَنَ اللّٰہُ...(27) 359

القمر

سِحۡرٌ مُّسۡتَمِرٌّ(3) 88

الحدید

اِنَّ الۡمُصَّدِّقِیۡنَ وَ الۡمُصَّدِّقٰتِ (19)72

المجادلة

وَ اُولَاتُ الۡاَحۡمَالِ اَجَلُہُنَّ...(5)141

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ نُہُوۡا...(9) 97، 119، 120، 121

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا تَنَاجَیۡتُمۡ (10)97

اِنَّمَا النَّجۡوٰی مِنَ الشَّیۡطٰنِ(11)97، 100

الملك

وَ قَالُوۡا لَوۡ کُنَّا نَسۡمَعُ...(11) 110

البروج

فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیۡدُ(17) 149

البیّنة

لَمۡ یَکُنِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا...(2) 128

النصر

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَ الۡفَتۡحُ(2) 2

احادیث

اِنَّ مِنَ الْبَیَانِ لَسِحْرًا 88
لَا وَصِیَّۃَ لِوَارِثٍ 231
بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَ جَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا 297
اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ 425

احادیث بالمعنیٰ

یہود رسول اللہ ﷺ کو السلام علیکم کی بجائے السام علیکم کہتے تھے 119
ضرور تم اپنے سے پہلی قوموں کی چالوں پر ایسے چلو گے جیسے ایک جوتی کا تلہ دوسری جوتی کے تلے سے برابر ہوتا ہے 155
احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی اس طور پر پرستش کرو کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو 162، 165
قیامت کو جب دوسرے انبیاءؑ سے تبلیغ کی شہادت طلب ہو گی تو امت محمدیہ کو وہ گواہ پیش کریں گے 208
ماہ رمضان میں شیطان مقید ہو جاتا ہے 236
صحف ابراہیم رمضان کی ابتداء میں اُترے اور توریت رمضان کے چھ دن گزرنے پر اور انجیل رمضان کی تیرہ کو اور قرآن مجید 24 کو 240
تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیرے گھر والوں کا بھی تجھ پر حق ہے 241
حج چند معروف مہینے ہیں: شوال ، ذی قعدہ، ذی الحج 257
یَوْمَیْنِ سے مراد ایام تشریق کے تین دنوں میں سے دوسرا اور تیسرا دن (12,13) مراد ہیں 262
شیطان اس سے ناامید ہو گیا ہے کہ عرب میں پھر شرک ہو 264
یہود کی عادت تھی کہ جب ان کے گھر میں عورت کو حیض آتا تو اس کو گھر سے نکال دیتے 293
صلوٰۃ وسطیٰ سے مراد نماز ظہر ہے 330-331
جو صدقہ دیا جاتا ہے وہ خدا کے ہاتھ میں پڑتا ہے 339
بعض بد ظنوں نے آنحضرت ﷺ کی تقسیم اموال پر کہہ دیا کہ یہ تقسیم انصاف اور عدل کے موافق ہر گز نہیں 386
ایک دفعہ نبی کریمؐ کچھ مال تقسیم فرما رہے تھے تو ایک شخص نے کہا کہ یہ تقسیم انصاف پر مبنی نہیں... 390
آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں اپنی زرہ گروی رکھی تھی 430

مضامین

اللہ تعالیٰ / خدا تعالیٰ
خداوند کریم نے مومنوں کی جانیں جنت کے ساتھ خریدی ہوئی ہیں 13
اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰؑ کو نبی اسرائیل کو پہاڑ کے نیچے لانے کا حکم 35
نبی اسرائیل کا اللہ تعالیٰ کے احکامات کا انکار 42
اللہ خیر ہی دیتا ہے خواہ ایمان والا ہو یا نہ ہو 108
اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھوڑا ثواب بھی بہت بہتر ہے 109-110
خدا تعالیٰ کی ربوبیت کے آثار عام ہیں 131
اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے 135
اللہ تعالیٰ کی شان کا ذکر 148-149
خدا تعالیٰ کی قدرت کا اظہار 149-150
حقیقی بادشاہت صرف خدا تعالیٰ کی ہے 150-151
اللہ تمہارے کاموں کو دیکھنے والا ہے 162
اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو نکما و بیہودہ و بیکار تجویز کرنا بڑی غلطی ہے 174
خدا تعالیٰ مشرق و مغرب کا مالک ہے اس کے اصل معنے 177
جاہلوں میں یہ گندہ اعتقاد تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں 179
اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کی طرح مسیحؑ کو کُنْ کے امر سے پیدا کیا ہے 180
اللہ کی ذات بیٹے یا متبنّٰی سے پاک ہے 180
حقیقی اصطباغ اللہ کی فرمانبرداری ہے 200
جس قوم کو اس کے قبلہ بنانے کی ہدایت ہو اس پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ وہ ہمیشہ اس کو صراط مستقیم پر رکھنا چاہتا ہے 208
اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وہ میانہ رو جماعت بنایا ہے جس میں افراط و تفریط نہیں 208
اللہ تعالیٰ کا خانہ کعبہ کو مسلمانوں کے لئے قبلہ بنانے میں مضمر وعدہ 209
اللہ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے۔ 221
اللہ تعالیٰ کی حدود کی پابندی کا ذکر 241-242
اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجے جو کہ اپنے متبعین کو خوشخبری دینے والے اور مخالفوں کو ڈرانے والے تھے 270
اگر تم سے کوئی غلطی ہو جائے تو اس کا علاج یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو 325
اللہ تعالیٰ کے احکام بڑی حکمتوں اور مصلحتوں پر مشتمل ہوتے ہیں 333
اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرنے والا ہے 376
اللہ تعالیٰ چونکہ حلیم ہے اس لئے مواخذہ میں جلدی نہیں کرتا 388
خداوند تعالیٰ غنی ہے وہ کسی کے صدقہ کا محتاج نہیں 388
مَنٌّ وَّ اَذًی اللہ تعالیٰ اور اس کے برگزیدہ بندوں کی بے قدری اور ان کی بدظنی پر مشتمل ہے، مومن کو ان کے نزدیک نہ آنا چاہئے 388
اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے 407
اللہ سود کو مٹائے گا اور صدقات کو بڑھائے گا 407
ہر ایک مذہب کے نزدیک حلال و حرام وہی ہوتا ہے

کہ جس کو اللہ تعالیٰ حلال اور حرام قرار دے 413

آرزو

یہود کی آرزوؤں کا بیان 45

یہود کی دو آرزوؤں کا خلاصہ اور ان کا انجام 46

آزمائش

مفسرین کی اس بات کی توجیح کہ ہاروت وماروت محض آزمائش کے لئے بھیجے گئے تھے 100

ہاروت ماروت کی آزمائش کا مطلب 100

فرشتے سکھانے سے پہلے بتا دیتے تھے کہ ہم آزمائش ہیں 104

ایمان لانے والوں کی آزمائش 273

آمد

پہلی اور دوسری آمد سے مراد 10

ہر ایک الہامی کتاب بعد آنے والے کی آمد کی خبر اس کے منجانب اللہ اور حق ہونے کی تصدیق کرتی ہے۔ 76

رسول کی آمد کے وقت یہود کا کتاب اللہ کو پس پشت ڈالنا کسی خاص رسول کے ساتھ مختص نہیں 78-79

ہر ایک رسول کی آمد پر پہلے عہد کو پورا کرنا ہوتا ہے اور نیا عہد باندھنا ہوتا ہے 80

آیت

مفسرین اور فقہاء کہتے ہیں کہ قرآن میں ایسی آیتیں آتی ہیں جو کہ بتاتی ہیں کہ فلاں آیت کے پڑھنے سے اب ثواب نہ ہوگا 135

عیسائی یہ کہتے ہیں کہ وہ آیت اللہ ہمارے گناہوں کے بدلے صلیب دیا گیا 140

قرآن مجید میں بہت سی چیزوں کو آیت قرار دیا گیا ہے 147

ضروری نہیں کہ آیت واقعہ کی مناسبت سے نازل ہو 156

قرآن کریم کی آیات کے سمجھنے میں ما قبل اور ما بعد کی اہمیت 246-247

اجر

جنت تو اللہ کریم کی طرف سے اجر قرار دیا گیا ہے 168

جو لوگ اپنے انفاق کے پیچھے احسان جتانے اور ایذا کو نہیں لاتے انہی کے لئے اپنے رب کے پاس ان کا اجر ہے 384

انفاق کے اجر کی زیادت کے موجب دو ہی امر ہیں 404

احباء اللہ

یہود لوگ جبریل کے عدو تھے۔ اور اسی سے خداوند کریم نے ان کے احباء اللہ ہونے کی تردید کی ہے 64

احباء اللہ اور اعداء اللہ کی تشریح 67

جو اتباع کرتے ہیں وہ احباء ہوتے ہیں 68

احسان

قرآن مجید کسی کا ممنون احسان نہیں 6

قرآن مجید کا احسانِ عظیم گزشتہ تعلیمات کے بارہ میں 7

احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی اس طور پر پرستش کرو کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو... 162

طلاق کے بعد یا رجوع کے ساتھ دستور کے مطابق روک لینا ہے یا احسان کے ساتھ جدا کر دینا ہے 312

تم آپس کے احسان کو نہ بھولو 327

جو لوگ اپنے انفاق کے پیچھے احسان جتانے اور ایذا کو نہیں لاتے انہی کے لئے اپنے رب کے پاس ان کا اجر ہے 384

اختلاف

سب الہامی کتابوں کی کچھ عرصہ کے بعد ظاہری صورت بالکل بدل جاتی تھی اور فرقوں کے اختلاف

مذاہب کے نیچے اس قدر روندا جاتا تھا کہ جس کی کوئی حد باقی نہ رہتی تھی۔4
رَاعِنَا میں مفسرین کا اختلاف ہے116

استفہام

مَنْ کس وقت استفہامیہ ہوتا ہے؟59
لغت کے ماہرین کے نزدیک حروف استفہام کا اَوَ
كُلَّمَا عَاهَدُوْا... والی آیت میں مطلب72
كَمْ۔ کبھی تو سوال کیلئے آتا ہے، جس کو كَمْ استفہامیہ کہتے ہیں267

اسلام

اسلام میں اعمال کے مدارج کا بیان37
نبی کریم ﷺ کے مدینہ منورہ میں تشریف لے آنے سے اسلام کی ترقی ہونے لگی اس سے یہود و نصاریٰ کی آتش عداوت وحسد بھی بڑھنے لگی96
اسلام کے معنی فرمانبردار ہونے اور قصد کرنے کے ہیں165
جب اسلام نے یہ کہا کہ میری اتباع سے تمہیں جنت ملے گی تو اس کے براہین اور نشانات بھی تم کو دیئے167
دین اسلام کی ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی اور یعقوبؑ نے (بھی)... 196
یہود اور نصاریٰ اہل اسلام اور بنی اسمٰعیل کو کہتے تھے کہ چونکہ ان میں اصطباغ نہیں لہٰذا ان پر خدا کا کوئی فضل نہیں ہو سکتا201
کہ سب انبیاء کی ملت ایک ہی تھی اور وہ اسلام ہے202
اہل کتاب کو حلال و حرام کا علم تھا۔ اس کے باوجود اسلام پر بعض چیزوں کی حلت و حرمت کی نسبت اعتراض کرتے تھے226
دور از عقل اور خلاف سنۃ اللہ فسانوں سے اسلام پاک ہے342

اعتکاف

اللہ کے لئے مسجد میں ٹھہرنے کو اعتکاف کہتے ہیں193

أعداء

احیاء اللہ اور اعداء اللہ کی تشریح67
کسی کو اعداء کی کثرت اور ان کا درپے اضرار ہونا خوف میں ڈال رہا ہے409

الزام

حضرت سلیمان پر جادو کا الزام اور جواب89
یہود و نصاریٰ حضرت سلیمانؑ پر شرک کا الزام بھی لگاتے تھے91
حضرت سلیمانؑ کا مقام اور ان پر الزامات112
حضرت سلیمان پر حکومت کی وجہ سے اسرائیلی مصنفوں نے الزام لگائے ہیں350

انفاق فی سبیل اللہ

بنی اسرائیل نے جس طرح جہاد سے جی چُرایا تھا اسی طرح انفاق سے بھی بھاگے250
جبائی کا قول ہے کہ انفاق میں اسراف کرنا ہلاکت میں پڑنا ہے251
ترقیات کیلئے انفاق فی سبیل اللہ کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسی کہ جہاد فی سبیل اللہ کی274
انفاق فی سبیل اللہ کرنے والوں کی خصوصیات384-385
ہر ایک مذہب میں کچھ انفاق بھی ہوتا ہے385
نفس اور شیطان انسان کو انفاق فی سبیل اللہ سے بہت ہی روکا کرتے ہیں357
جو لوگ اپنے انفاق کے پیچھے احسان جتانے اور ایذا کو نہیں لاتے انہی کے لئے اپنے رب کے پاس ان کا اجر ہے384

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اہم ترین انفاق فی سبیل اللہ جہاد ہی کے لئے ہوا کرتا تھا385
انفاق کا دنیوی اور اخروی اجر باغ کے ثمرات اور محاصل کی مانند ہے392
انفاق ایک مفید چیز ہے403
انفاق کے اجر کی زیادت کے موجب دو ہی امر ہیں404
انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب اور بخل و امساک کی ترہیب408-409

انعام

بنی اسرائیل پر انعام کیوں نہ نازل ہوا کا جواب28-29
ہر ایک فضل و انعام کا ایک خاص شکر اور خاص زکوٰۃ ہوتی ہے420-421

اہل کتاب

اہل کتاب کو کُتب سابقہ سے آنحضرتؐ اور آپ کی جامع اور کامل کتاب کی نسبت بہت کچھ معرفت حاصل تھی9
اہل کتاب کے قول کی تردید25
اہل کتاب ہونا اس بات کو چاہتا تھا کہ وہ حق پر شُھَدَاءُ لِلنَّاسِ ہوتے161
اہل کتاب اور ان کی جہالت173
اہل کتاب نے اللہ کی کس شہادت کو چھپایا؟ 207-206
اہل کتاب کو حلال و حرام کا علم تھا۔ باوجود اس کے اسلام پر بعض چیزوں کی حلت و حرمت کی نسبت اعتراض کرتے تھے226

ایمان

ایمان کی دوسری جزو یقین ہے7
مصدق پر ایمان لانے کا فائدہ25
ناقابل اعتبار پر ایمان کیوں30
یہود کے سابقہ کتابوں پر ایمان کی نفی کی دلیل31
یہود کے ایمان کی کیفیت40
اللہ خیر ہی دیتا ہے خواہ ایمان والا ہو یا نہ ہو108
تورات پر کامل ایمان لانے والے رسول کریمؐ پر ضرور ایمان لائیں گے186
ایمان لانے والوں کی آزمائش273
ایمان کا استعمال قرآن مجید میں299
ریاکاری سے صدقہ دینے والا گو بظاہر مومن ہو اور ایمان کا مدعی ہو پر ریاکاری ثابت کرتی ہے کہ حقیقت میں اس کا خدا پر اور قیامت پر ایمان نہیں389

بادشاہ

فرشتہ اور بادشاہ بھی ملک والا ہوتا ہے83
ہر ایک بادشاہ کو اپنی سلطنت میں اختیار ہوتا ہے کہ جو قانون چاہے وہی جاری اور نافذ کرے150
حقیقی بادشاہت صرف خدا تعالیٰ کی ہے150-151

باغ

دو باغوں کی مثال سے استنباط151
بنی اسرائیل کا باغ اب مٹ گیا152
انفاق کا دنیوی اور اخروی اجر باغ کے ثمرات اور محاصل کی مانند ہے392

بدعت

فیج اعوج کے زمانہ میں بدعات دنیا میں پھیل گئی تھیں390

بدلہ

بدلہ لینے اور پھر اس میں مساوات کرنے کی حکمت230
عزتیں مساوی بدلہ رکھتی ہیں245

برائی

برائی کے علم کے باوجود اس کا ارتکاب کرنا106
شراب اور جوئے میں بڑی برائی اور گناہ ہے285

بغاوت

جب وہ نبیؐ آیا اور انہوں نے ان کے منجانب اللہ اور وہی موعود ہونے کو خوب معلوم بھی کر لیا تو پھر بھی سرکشی اور بغاوت سے ان کا انکار کر دیا17

ہر قسم کی بغاوت سے بچنے کی تلقین226

بنی اسرائیل

بنی اسرائیل کی مدینہ کے قرب وجوار میں آکر آباد ہونے کی وجہ8

بنی اسرائیل کی سرکشی کا بیان اور اس کی تردید14

بنی اسرائیل قوم کا سرکشی کی وجہ سے انکار کرنا20

مدینہ کے بنی اسرائیلیوں کا آنحضرت ﷺ کو نہ ماننا26-27

بنی اسرائیل پر انعام کیوں نہ نازل ہوا کا جواب28-29

اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰؑ کو بنی اسرائیل کو پہاڑ کے نیچے لانے کا حکم35

بنی اسرائیل کو دراصل تین حکم دیئے گئے36

بنی اسرائیل کی طرف سے تین حکموں کا جواب37

نبی اسرائیل کا اللہ تعالیٰ کے احکامات کا انکار42

بنی اسرائیل کی بنی اسماعیل سے حسد کی وجہ145

بنی اسرائیل پر خدا تعالیٰ کی ایک تعریض کا ذکر242

بنی اسرائیل نے جس طرح جہاد سے جی چُرایا تھا اسی طرح انفاق سے بھی بھاگے250

بنی اسرائیل کا تبدیلِ نعمت کرنا اور سزا پانا269-270

بنی اسماعیل

نبوت جو کہ فضلی چیز ہے اور موروثی اور کسبی نہیں ہے یہ بنی اسرائیل کے ساتھ مختص نہیں اور بنی اسمٰعیل سے کچھ ممنوع نہیں16

بنی اسماعیل میں نبوت کی منتقلی16

آنے والا نبی بنی اسماعیل سے ہو گا145

بنی اسرائیل کی بنی اسماعیل سے حسد کی وجہ145

یہود اور نصاریٰ اہل اسلام اور بنی اسمٰعیل کو کہتے تھے کہ چونکہ ان میں اصطباغ نہیں لہٰذا ان پر خدا کا کوئی فضل نہیں ہو سکتا201

پیشگوئی

مکہ میں رہنے والے بنی اسمٰعیل سے آنحضرت ﷺ ہوں گے اور دار ہجرت حضورؐ کا مدینہ منورہ ہو گا اور پھر دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ مکہ میں واپس آویں گے08

جب تک فضل کا جاذب تم میں موجود رہے گا تب تک یہ فضل تم میں جاری رہے گا16

بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے موسیٰؑ جیسا رسول خداوند عالم مبعوث فرمائے گا...145

بہتان

حضرت سلیمانؑ پر لگنے والے بہتان کی نفی91-92

یہود و نصاریٰ جس طرح حضرت سلیمانؑ پر سحر کا بہتان باندھتے تھے اسی طرح شرک کا الزام بھی لگاتے تھے91

تابوت

لفظ تابوت کی لغوی بحث335

طالوت اور تابوت کا قصہ341

مفسرین نے تابوت کے معنی صندوق کے کئے ہیں341

حضرت مولانا خلیفۃ المسیحؑ (اول) کو رؤیا میں تابوت کے معنے قلب کے بتائے گئے ہیں342

تدبیر

کفار کی تدبیروں کا انجام ان کے لئے تکلیف کا باعث ہو گا103

تصدیق
تصدیق کے معنی 2،5
مصدق پر ایمان لانے کا فائدہ 25
تصدیق کے اصل معنے اور تشریح 76
تصدیق کے چار معنوں کا ذکر اور اصل معنے 77
تعریض
بنی اسرائیل پر خدا تعالیٰ کی ایک تعریض کا ذکر 242
تقویٰ
اے ایمان لانے والو! جب تم آپس میں کوئی خفیہ مشورہ کرو تو بھلائی اور تقویٰ کا مشورہ کرو 97
نیکی تو یہ ہے کہ کمال غضب کے وقت بھی انصاف اور تقویٰ اور دور اندیشی مد نظر رہے 229-230
کمال غضب کے وقت تقویٰ کا ثبوت دینے سے آئندہ زندگی بھی عمدہ ہو گی 230
خوبی کی بات تو خدا کا تقویٰ اختیار کرنا ہے 246
سب زادوں سے بہتر زاد تقویٰ ہے 259
ثواب
اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھوڑا ثواب بھی بہت بہتر ہے 109-110
مفسرین اور فقہاء کہتے ہیں کہ قرآن میں ایسی آیتیں آتی ہیں جو کہ بتاتی ہیں کہ فلاں آیت کے پڑھنے سے اب ثواب نہ ہو گا 135
جادو
حضرت سلیمان پر جادو کا الزام اور جواب 89
سب نصاریٰ اور اکثر یہود کا یہ اعتقاد ہے کہ سلیمانؑ کے گھر میں جادو ٹونوں اور مخفی رازوں کی کتابیں تھیں 91-92
جماعت
ہر ایک جماعت میں سب لوگ برابر نہیں ہوتے 121
ہر ایک جماعت میں بعض تو پورے پورے شیطان کے مظہر ہوتے ہیں 121
ایک جماعت اور ان کی تین باتوں کا ذکر 167
اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وہ میانہ رو جماعت بنایا ہے جس میں افراط و تفریط نہیں 208
انسان اپنی جماعت کی طرف پھرتا ہے 345
بہت سی قلیل جماعتیں اللہ کے حکم سے کثیر جماعتوں پر غالب آئی ہیں 348
جنت
خداوند کریم نے مومنوں کی جانیں جنت کے ساتھ خریدی ہوئی ہیں 13
جس قوم کا یہ عقیدہ ہو کہ ہماری قوم کے لئے جنت اللہ نے خاص کر دی ہے تو پھر اس کو اوامر و نواہی پر چلنے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟ 55
جب اسلام نے یہ کہا کہ میری اتباع سے تمہیں جنت ملے گی تو اس کے براہین اور نشانات بھی تم کو دیئے 167
جنت تو اللہ کریم کی طرف سے اجر قرار دیا گیا ہے 168
دنیا کی جنت اور آخرت کی جنت 168-169
اخروی جنت کا اجمالی بیان یہ ہے کہ جنتیوں پر نہ کسی قسم کا خوف و خطرہ ہو گا اور نہ کسی قسم کا کُڑھنا ان کو دامنگیر ہو گا 169
جنّت خاص لوگوں کے لئے ہے 169-170
جنت تو اجر ہے 170
جنت و دوزخ کوئی اور چیز نہیں بلکہ یہی اعمال وہاں پر جسمانی شکل قبول کر کے انسان کو واپس ملیں گے 415
جنگ
اَلْمَوْتَ سے مراد فیصلہ کن جنگ ہے 48

نبی کریمؐ کے لئے فتح مکہ کے موقعہ پر خاص ضرورت کے باعث خداوند کریم نے زمین حرم میں جنگ حلال کر دیا تھا100
کافروں سے جنگ میں تعدی سے بچنے کا ارشاد 247
احرام کی حالت میں جنگ جائز نہیں258
جنگ بدر کے متعلق پیشن گوئی264
حرام مہینوں میں جنگ حرام ہے284
عربوں کا دستور تھا کہ جب کسی قوم میں جنگ شروع ہوتا یا قحط سالی پیش آجاتی تو اس وقت ان کے امراء آپس میں جُوا کھیلتے پھر جو ہار جاتا تو سارا خرچ اس کے ذمہ ہوتا286
جنگوں کے موقعوں پر ضرورت سے زائد اموال خرچ ہوں287

جہاد

جہاد کی ضرورت250
بنی اسرائیل نے جس طرح جہاد سے جی چُرایا تھا اسی طرح انفاق سے بھی بھاگے250
بعض نے کہا ہے کہ جہاد کا ترک کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے251
ترقیات کیلئے انفاق فی سبیل اللہ کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسی کہ جہاد فی سبیل اللہ کی 274
جہاد کی ضروریات میں سے ضروری امر کا بیان357
آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں اہم ترین انفاق فی سبیل اللہ جہاد ہی کے لئے ہوا کرتا تھا385

حج

مکہ میں خاص دو عبادتیں ادا کرنے کو حج اور عمرہ کہتے ہیں217
حج میں حمس کہلانے والے لوگوں کے سوا باقی سب احرام کی حالت میں گھروں میں پُشت کی طرف آیا کرتے تھے247
نبی کریم ﷺ مکہ میں باامن داخل ہونے کی رؤیا کی بنا پر حج کے لئے تشریف لے گئے249
حج وعمرہ کے موقع پر قربانی کا ذکر251
حج کے دوران کن کن باتوں سے منع کیا گیا ہے255
حج کن کن مہینوں میں کیا جاسکتا ہے257
حج کی شرائط258
ناسمجھوں کی طرح حج کو محض رسم کے طور پر ادا نہ کرو259
زمانہ جاہلیت میں حج کے بعد کی رسومات 261

حرام

سید لوگ دعویدار ہیں کہ سید پر دوزخ کی آگ حرام ہے اور سید پاک ہے57
عوام نے یقین کر رکھا ہے کہ کلمہ شریف کی یہ برکت ہے کہ جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ دے اس پر دوزخ کی آگ حرام ہے58
بعض لوگوں کا اعتقاد ہے کہ اگر سید کسی غیر عورت سے بدنظر ہو جائے تو اس کا کنبہ بخشا گیا اور دوزخ کی آگ ان پر بھی حرام ہو گئی57-58
بہت سے لوگ محبت الٰہیہ کا یہ نشان قرار دیا کرتے ہیں کہ خدا کے بہت سے حلالوں کو اپنے پر حرام قرار دے دیں225
اہل کتاب کو حلال وحرام کا علم تھا۔اس کے باوجود اسلام پر بعض چیزوں کی حلت و حرمت کی نسبت اعتراض کرتے تھے226
بہت سے لوگ محبت الٰہیہ کا یہ نشان قرار دیا کرتے ہیں کہ خدا کے بہت سے حلالوں کو اپنے پر حرام قرار دے دیں225
لغو وہ قسم ہے کہ جس کے ساتھ اللہ کے حلال کو حرام کیا جاوے302
ہر ایک مذہب کے نزدیک حلال و حرام وہی ہوتا ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ حلال اور حرام قرار دے413

حرمت

نسخ کا اعتقاد نہایت خطرناک اور خلاف کتاب اللہ اور خلاف عظمت الٰہیہ اور خلاف حرمت قرآنیہ ہے142
اہل کتاب کو حلال و حرام کا علم تھا۔ باوجود اس کے اسلام پر بعض چیزوں کی حلت و حرمت کی نسبت اعتراض کرتے تھے226
مسجد حرام کی حرمت250
حرمت والے مہینے284
نبی کریم ﷺ کا حجۃ الوداع میں اشہر حرم کی حرمت کی تصریح کرنا نسخ کے خیال کو صاف صاف منسوخ کرتا ہے284

حسد

نبی کریم ﷺ کے مدینہ منورہ میں تشریف لے آنے سے اسلام کی ترقی ہونے لگی اس سے یہود و نصاریٰ کی آتش عداوت و حسد بھی بڑھنے لگی96
یہود کے حسد کی وجہ127
بنی اسرائیل کی بنی اسماعیل سے حسد کی وجہ145
اہل کتاب کو حلال و حرام کا علم تھا۔ اس کے باوجود اسلام پر بعض چیزوں کی حلت و حرمت کی نسبت اعتراض کرتے تھے226

حق

حق کا قبول کرنا رحمت الٰہیہ میں داخل ہونا ہے11
حق کے معنے24
جو معرفت کے بعد بھی حق کو نہ مانے اس کی سزا لعنت ہی ہے28
حق کھلنے کے بعد کفر کرنے والے ضرور بہک جاتے ہیں159
اہل کتاب ہونا اس بات کو چاہتا تھا کہ وہ حق پر شُهَدَاءَ لِلنَّاسِ ہوتے161
حق کو چھپانے والے فریق کا ذکر210-211

حق مہر

حق مہر کا بیان328-329

حکم / احکام

اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰؑ کو بنی اسرائیل کو پہاڑ کے نیچے لانے کا حکم35
بنی اسرائیل کو دراصل تین حکم دیئے گئے36
بنی اسرائیل کی طرف سے تین حکموں کا جواب37
بنی اسرائیل کا اللہ تعالیٰ کے احکامات کا انکار42
قرآن مجید کے احکام کا ماننا اور ان پر عمل و درآمد کرنا ہمارے لئے ضروری ہے138
نیکی تو یہ ہے کہ کمال غضب کے وقت بھی انصاف اور تقویٰ اور دور اندیشی مد نظر رہے۔ اور الٰہی احکام اور فوائد عامہ کی نسبت کوئی رعایت وغیرہ روک نہ ہو۔229-230
وراثت اور وصیت کے بارے میں احکام230-231
عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی قرآن مجید کے احکام کے علاوہ توریت کے باقی احکام کی بھی ساتھ ہی پیروی کرنی چاہتے تھے264

حکمت

عقل کو حکمت کہتے ہیں191
بدلہ لینے اور پھر اس میں مساوات کرنے کی حکمت230
قرآن مجید حکمت بالغہ کے باعث تدریجاً نازل ہوتا تھا246
زادراہ رکھنے کی حکمت258
نکاح مشرکات اور انکاح مشرکین کی ممانعت کی جو وجہ اور حکمت بیان فرمائی ہے اگر انسان اس پر غور کرے تو سب صحبتوں اور تعلقات میں اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے289
اللہ تعالیٰ کے احکام بڑی حکمتوں اور مصلحتوں پر مشتمل ہوتے ہیں333

جس کو حکمت دی گئی ہے اس کو خیر کثیر دی گئی 399
حکمت کے متعلق مفسرین کی آراء 400
صدقات کا چھپا کر اور ظاہراً دینے میں حکمت 401-400

حلال

نبی کریمؐ کے لئے فتح مکہ کے موقعہ پر خاص ضرورت کے باعث خداوند کریم نے زمین حرم میں جنگ حلال کر دیا تھا 100
اے لوگو! جو کچھ زمین میں ہے اس سے پاکیزہ حلال کو کھاؤ 224
بہت سے لوگ محبت الٰہیہ کا یہ نشان قرار دیا کرتے ہیں کہ خدا کے بہت سے حلالوں کو اپنے پر حرام قرار دے دیں 225
اہل کتاب کو حلال و حرام کا علم تھا۔ اس کے باوجود اسلام پر بعض چیزوں کی حلت و حرمت کی نسبت اعتراض کرتے تھے 226
روزوں کی رات میں اپنی عورتوں کی طرف رغبت کرنا حلال کیا گیا ہے 235
روزہ کی حد صبح صادق سے شام تک رکھی گئی اور رات میں سونے سے پہلے اور پیچھے کھانا وغیرہ حلال کیا گیا 241
روزہ میں تو حلال چیزوں سے بچنا ہوتا ہے 242
لغو وہ قسم ہے کہ جس کے ساتھ اللہ کے حلال کو حرام کیا جاوے 302
ہر ایک مذہب کے نزدیک حلال و حرام وہی ہوتا ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ حلال اور حرام قرار دے 413

حلالہ

مروجہ حلالہ یقیناً یقیناً محض ناجائز حیلہ اور سخت فحش اور بے حیائی ہے 314

حیلہ

معاندین کا حیلہ اور اس کا نقصان 121
مولوی محمد حسین صاحب اور مولوی ثناء اللہ حضرت مسیح موعودؑ کے باوجود بار بار بلانے کے اخیر وقت تک مباہلہ کیلئے حیلہ و حوالہ سے ٹالتے رہے۔ 121
مروجہ حلالہ یقیناً یقیناً محض ناجائز حیلہ اور سخت فحش اور بے حیائی ہے 314

خرید

اِشْتِرَاءٌ بمعنے خرید و فروخت 11
خرید کے معنے کرنے میں ایک دقّت اور اس کا حل 13
خرید و فروخت میں اغماض کرنے سے یہ مطلب ہوتا ہے کہ ردی چیز کے عوض میں قیمت مقررہ سے کمی کی جائے 395

خطاء

خطاء اور نسیان کے معنی 439-440
نسیان اور خطاء میں دو پہلو ہیں 440
نسیان، خطا، اور گناہ کا مؤاخذہ 440-441

خلع

خلع کے مسائل کا بیان 313
خلع کے بعد بھی نہ رجوع ہے اور نہ کوئی طلاق ہے 313

خوف

جنتیوں پر کسی قسم کا خوف و خطرہ نہ ہوگا 169
اِحْصَارٌ اس بندش کو کہتے ہیں جو کہ خوف اور مرض کے باعث سے ہو 244
جس قدر دنیوی مال اور جنجال زیادہ ہوتا جاتا ہے اسی قدر خوف و حزن زائد ہوتے جاتے ہیں 408-409

خیر

اللہ خیر ہی دیتا ہے خواہ ایمان والا ہو یا نہ ہو 108
خیر کے معنے مطلق بھلائی اور بہتری اور مال کثیر کے بھی آتے ہیں 125
خَیْرٌ سے مراد 146

جس کو حکمت دی گئی ہے اس کو خیر کثیر دی گئی 399

دشمن

کافروں کا جبرئیلؑ کا دشمن ہونے کی وجہ 61
کافروں کا جبرئیلؑ کا دشمن ہونے کی وجہ اور مفسرین کی روایات 62-63

دوزخ

دوزخ سے نجات یافتہ ہونے کا اعتقاد بدی اور بدکرداری اور شوخی اور بے حیائی میں دلیر و بے باک بناتا ہے 46
یہود قیامت اور بہشت و دوزخ کے قائل ہیں 51
سید لوگ دعویدار ہیں کہ سید پر دوزخ کی آگ حرام ہے 57
عوام نے یقین کر رکھا ہے کہ کلمہ شریف کی یہ برکت ہے کہ جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ دے اس پر دوزخ کی آگ حرام ہے 58
جنت و دوزخ کوئی اور چیز نہیں بلکہ یہی اعمال وہاں پر جسمانی شکل قبول کر کے انسان کو واپس ملیں گے 415

دَین

تداین میں جو دَین دے گا وہی آئندہ وصول کرنے والا بھی ہو گا 419

دَین کی اقسام 420

جو امور تم کو دَین کے متعلق بتائے جاتے ہیں ان کو اپنے دِین اور یوم الدین کے متعلق بھی ان کے مناسب حال یاد اور ملحوظ رکھو 420

رب

خدا رب العالمین ہے 127
رب کی ربوبیت تو عام ہے کسی خاص قوم کے ساتھ خاص نہیں 170
اس میں کوئی حرج اور گناہ نہیں کہ تم اپنے رب سے فضل چاہو 259
ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو کہ زندہ کرتا اور مارتا ہے 364
رب اور رحمٰن کا کام ہے کہ باوجود ناراض ہونے کے ضروریات عامہ دیتا رہتا ہے 431

رجوع

بِاَیۡدِیۡہِنَّ کے معنے مفسرین نے عام طور پر رجوع اور لوٹنے کے کئے ہیں 17
مفسرین کے مطابق رجوع سے مراد 17
جب تین طلاقیں مسنون طریق کے مطابق واقع ہو جاویں تو نہ رجوع ہو سکتا ہے اور نہ نکاح 307
دوسری طلاق کے بعد عدت میں رجوع اور بعد از عدت نکاح ثانی کیا جا سکتا ہے 311
خلع کے بعد بھی نہ رجوع ہے اور نہ کوئی طلاق ہے 313

رحمت

لَعۡنَۃُ اللّٰہِ جس پر ہو وہ ہمیشہ کے لئے رحمت الٰہیہ سے دُور اور محروم ہو جاتا ہے 11
اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل اور اپنی رحمت کے ساتھ خاص کرتا ہے 132

رسم

ہر ایک مذہب جب وہ رسمی مذہب ہو جاتا ہے تو اس کے اتباع میں کوئی خاص امر مذہب کا روح و رواں بن جاتا ہے 200
ناسمجھوں کی طرح حج کو محض رسم کے طور پر ادا نہ کرو 259
زمانہ جاہلیت میں حج کے بعد کی رسومات 261

رسول

وَ لَمَّا جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ... میں کسی رسول کی تخصیص نہیں 78
رسول کی آمد کے وقت یہود کا کتاب اللہ کو پس پشت ڈالنا کسی خاص رسول کے ساتھ مختص نہیں 78-79

رسول اللہ اور کتاب اللہ کے آنے کا ثبوت 194
اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجے جو کہ اپنے متبعین کو خوشخبری دینے والے اور مخالفوں کو ڈرانے والے تھے 270
رسولوں کی تفریق سے مراد 438

رضاعت

رضاعت کا بیان 321

روزے

نفلی روزوں کا ذکر 237
رمضان کی فرضیت سے پہلے حکم تھا کہ کچھ روزے بھی رکھا کرو 237
روزہ مکالمہ الٰہیہ کا ایک اعلیٰ ذریعہ 240
روزہ رکھنے کا وقت 240-241
روزہ کی حد صبح صادق سے شام تک رکھی گئی اور رات میں سونے سے پہلے اور پیچھے کھانا وغیرہ حلال کیا گیا 241
روزہ میں تو حلال چیزوں سے بچنا ہوتا ہے 242

رؤیا

نبی کریم ﷺ مکہ میں باامن داخل ہونے کی رؤیا کی بنا پر حج کے لئے تشریف لے گئے 249
حضرت مولانا خلیفۃ المسیحؑ (اول) کو رؤیا میں تابوت کے معنے قلب کے بتائے گئے ہیں 342
بعض رؤیا خواب بین کو کسی جسمانی نقشہ میں دکھائے جاتے ہیں 347

ریاکاری

ریاکاری سے صدقہ دینے والا گو بظاہر مومن ہو اور ایمان کا مدعی ہو پر ریاکاری ثابت کرتی ہے کہ حقیقت میں اس کا خدا پر اور قیامت پر ایمان نہیں 389

زاد

زادِ راہ رکھنے کی حکمت 258-259
سب زادوں سے بہتر زاد تقویٰ ہے 259

سحر

سحر کی تعریف اور علماء 87
سحر کی اصل تعریف اور حقیقت 88
حضرت سلیمانؑ سے سحر کی نفی مدلل انداز میں 90
یہود و نصاریٰ حضرت سلیمانؑ پر سحر کا بہتان باندھتے تھے 91
شیاطین لوگوں کو کفر کے علاوہ سحر بھی سکھاتے تھے 91
ظاہری اور حقیقی اسباب سے سحر کی نفی 92

سرکشی

بنی اسرائیل کی سرکشی کا بیان اور اس کی تردید 14
بنی اسرائیل قوم کا سرکشی کی وجہ سے انکار کرنا 20

سلطنت

مفسرین کے نزدیک شیطان سلیمان کی سلطنت کے خلاف کیا پڑھتے تھے؟ 86-87
مَا تَتْلُوا سے مراد خبیثوں کی وہ تقریریں اور تحریریں ہیں جو کہ انہوں نے حضرت سلیمانؑ کی سلطنت کے متعلق بیان کی ہوئی ہیں 89
خفیہ انجمن کی کارروائیوں سے بابل اور اس کی سلطنت تباہ ہو گئی 96
اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے 135

سود

بیع سود کی مانند ہے 172
اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے 407
اللہ سود کو مٹائے گا اور صدقات کو بڑھائے گا 407
سود خواروں کی حالت 411-412

سید

سیّدوں کے متعلق عقیدہ 57

سید لوگ دعویدار ہیں کہ سید پر دوزخ کی آگ حرام ہے57
بعض لوگوں کا اعتقاد ہے کہ اگر سید کسی غیر عورت سے بد نظر ہو جائے تو اس کا کنبہ بخشا گیا اور دوزخ کی آگ ان پر بھی حرام ہو گئی57-58

شریر

سحر کی جمہور علماء نے یہ تعریف کی ہے کہ وہ خارق العادت امور جو کہ شریر النفس انسان کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں87
شریروں کا راعنا راعنا کہنا123

شہید

جو لوگ تم سے شہید ہو جائیں گے ان کو مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ زندہ ہیں 218

شیطان

مفسرین کے نزدیک شیطان سلیمان کی سلطنت کے خلاف کیا پڑھتے تھے؟86-87
شیاطین لوگوں کو کفر کے علاوہ سحر بھی سکھاتے تھے91
ہر ایک جماعت میں بعض تو پورے پورے شیطان کے مظہر ہوتے ہیں121
شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو224
بدی، بے حیائی اور خدا پر افتراء پردازی یہ شیطانی کام ہیں225
ماہ رمضان میں شیطان مقید ہو جاتا ہے236
شیطان اس سے ناامید ہو گیا ہے کہ عرب میں پھر شرک ہو264
نفس اور شیطان انسان کو انفاق فی سبیل اللہ سے بہت ہی روکا کرتے ہیں357

صدقہ

کون سا مال صدقہ میں دینا چاہئے276
جو صدقہ دیا جاتا ہے وہ خدا کے ہاتھ میں پڑتا ہے339
خدا تعالیٰ صدقہ کو بڑھاتا ہے339
خداوند تعالیٰ غنی ہے وہ کسی کے صدقہ کا محتاج نہیں388
ریاکاری سے صدقہ دینے والا گو بظاہر مومن ہو اور ایمان کا مدعی ہو پر ریاکاری ثابت کرتی ہے کہ حقیقت میں اس کا خدا پر اور قیامت پر ایمان نہیں389
صدقات کا چھپا کر اور ظاہراً دینے میں حکمت 401-400
صدقات کی تفسیروں میں تقسیم401

صلوٰۃ

صلوٰۃ کو کھڑی کرو اور زکوٰۃ دو161
صلوٰۃ وسطیٰ کون سی نماز ہے؟330-331

طاغوت

طاغوت کے معنی83
طاغوت سے کیا مراد ہے؟361
طاغوت سے بعض نے شیطان لیا ہے361

طلاق

طلاق شدہ عورت خواہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو اس کی عدت تین حیض ہے141
طلاق کی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض آنے تک ٹھہرا رکھیں293
امام ابو حنیفہؒ کا مؤقف ہے کہ چار ماہ گذرنے پر خود بائن طلاق کے ساتھ طلاق ہو جاوے گی305
امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ حاکم کی معرفت طلاق دلوانی ضروری ہے305
جب تین طلاقیں مسنون طریق کے مطابق واقع ہو جاویں تو نہ رجوع ہو سکتا ہے اور نہ نکاح307
طلاق جدا جدا دو دفعہ ہے310
دوسری طلاق کے بعد عدت میں رجوع اور بعد از عدت نکاح ثانی کیا جا سکتا ہے 311

طلاق کے بعد یا رجوع کے ساتھ دستور کے مطابق روک لینا ہے یا احسان کے ساتھ جدا کر دینا ہے 312
خلع کے بعد بھی نہ رجوع ہے اور نہ کوئی طلاق ہے 313
چھونے سے پہلے طلاق کی صورت میں جو کچھ تم نے ان کے لئے مقرر کیا ہوا ہے۔ تو اس کا نصف (دینا ہے) جو کہ تم نے مقرر کیا تھا 327

عداوت

نبی کریم ﷺ کے مدینہ منورہ میں تشریف لے آنے سے اسلام کی ترقی ہونے لگی اس سے یہود و نصاریٰ کی آتش عداوت و حسد بھی بڑھنے لگی 96

عدت

طلاق شدہ عورت خواہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو اس کی عدت تین حیض ہے 141
بیوہ عورت کی عدت خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ بہر حال چار ماہ اور دس دن ہے 141
بیوہ کی عدت جب وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے 141
جب عدت کے دن گذر جائیں تو اس میں نئے نکاح کی ضرورت ہوتی ہے 307
ایام عدت میں بشرط ارادۂ اصلاح ان کے خاوند ان کے واپس لانے کے زیادہ حق دار ہیں 310
دوسری طلاق کے بعد عدت میں رجوع اور بعد از عدت نکاح ثانی کیا جا سکتا ہے 311
عدّت کا بیان 323-324

عذاب

عذاب کا ذکر کفر کے باعث ہے 19
کافروں کے دردناک عذاب کا ذکر اور اس کی وجہ 124
رسول کریم ﷺ کا وجود عذاب الٰہی سے بچانے کا باعث 249

عقائد

یہود کے بدیوں پر دلیر ہونے کی وجہ ان کے عقائد ہیں 54-55

علاج

مصیبتوں کے علاج کا گُر 162
اگر تم سے کوئی غلطی ہو جائے تو اس کا علاج یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو 325

علم

علم ہونے کے باوجود یہود نے نبی کریم ﷺ کا انکار کیا 17
یہود کی علم ہونے کے باوجود وہ لاپرواہی 79
علم مضر ہونے کے باوجود سیکھنا 105-106
برائی کے علم کے باوجود اس کا ارتکاب کرنا 106

عمرہ

مکہ میں خاص دو عبادتیں ادا کرنے کو حج اور عمرہ کہتے ہیں 217
حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے پورا کرو 245
حج و عمرہ کے موقع پر قربانی کا ذکر 251

عمل

اسلام میں اعمال کے مدارج کا بیان 37
یہودیوں کا اعمال کو غیر ضروری خیال کرنا 38

عہد / وعدہ

عہد کو یہود نے توڑا اور اس کا انجام 41
عہد جسمانی چیز نہیں 74
عہد کیا ہے؟ 74
مفسرین کی تشریح عہد توڑنے والوں کے بارے میں 75
ہر ایک رسول کی آمد پر پہلے عہد کو پورا کرنا ہوتا ہے اور نیا عہد باندھنا ہوتا ہے 80
اللہ تعالیٰ کا خانہ کعبہ کو مسلمانوں کے لئے قبلہ بنانے میں مضمر وعدہ 209

غضب

غضب پر غضب سے اکثر مفسرین نے دو غضب لئے ہیں18

یہود پر پہلا غضب تو قوم کے انبیاءؑ کی مخالفت سے ان پر نازل ہوا19

یہود پر دوسرا غضب آنحضرتؐ کی مخالفت اور عناد سے ان پر وارد ہوا19

نیکی تو یہ ہے کہ کمال غضب کے وقت بھی انصاف اور تقویٰ اور دور اندیشی مد نظر رہے230

کمال غضب کے وقت تقویٰ کا ثبوت دینے سے آئندہ زندگی بھی عمدہ ہو گی230

لغو قسم وہ ہے کہ غضب کی حالت میں کھائی جاوے302

فاسق

علماء کی عام اصطلاح ہے کہ کفر کے سواء اور بدیاں کرنے والے کو فاسق کہتے ہیں66

فاسق ہونے کا مطلب73

فاسق وہ لوگ ہوتے ہیں جو کہ اللہ کے عہد کو پختہ ہونے کے بعد توڑتے رہتے ہیں73

فرشتے

فرشتہ اور بادشاہ بھی ملک والا ہوتا ہے83

بابل کے دو فرشتے93

فرشتوں کی تشریح94-95

خفیہ کمیٹیاں اور فرشتوں کی حقیقت96

بابل کے دو فرشتے کیا سکھاتے تھے؟101

فرشتوں کے علم کا اثر اور اس کے نتائج101-102

فرشتے سکھانے سے پہلے بتا دیتے تھے کہ ہم آزمائش ہیں104

فرشتوں کی نصیحت کو بھولنے کا انجام113-114

جاہلوں میں یہ گندہ اعتقاد تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں179

فرقہ

سب الہامی کتابوں کی کچھ عرصہ کے بعد ظاہری صورت بالکل بدل جاتی تھی اور فرقوں کے اختلاف مذاہب کے نیچے اس قدر روندا جاتا تھا کہ جس کی کوئی حد باقی نہ رہتی تھی۔4

فیج اعوج

فیج اعوج کے زمانہ میں بدعات دنیا میں پھیل گئی تھیں390

قبلہ

جس قوم کو اس کے قبلہ بنانے کی ہدایت ہو اس پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ وہ ہمیشہ اس کو صراط مستقیم پر رکھنا چاہتا ہے208

تبدیل قبلہ سے سچی فرمانبرداری کرنے والوں میں اور واپس ہونے والوں میں کھلا کھلا امتیاز ہو جائے208

اللہ تعالیٰ کا خانہ کعبہ کو مسلمانوں کے لئے قبلہ بنانے میں مضمر وعدہ209

قتل

بخت نصر کو قتل کرنے سے جبرئیل نے روکا63

فتنہ قتل سے سخت ترین ہے245

نبی کریم ﷺ نے صحابہؓ کے قتل کو تلوار کے دندوں یا گائیوں کے ذبح کی شکل میں دیکھا تھا347

قحط

عربوں کا دستور تھا کہ جب کسی قوم میں جنگ شروع ہوتا یا قحط سالی پیش آجاتی تو اس وقت ان کے امراء آپس میں جُوا کھیلتے پھر جو ہار جاتا تو سارا خرچ اس کے ذمہ ہوتا286

قرآن کریم

قرآن کریم کی دوسری الہامی کتابوں پر افضلیت5

قرآن مجید کسی کا ممنون احسان نہیں ہے6

قرآن مجید کا احسانِ عظیم گزشتہ تعلیمات کے بارہ میں7

قرآن کریم نے کبھی گزشتہ کتب کے رطب و یابس کو سچ نہیں کہا7
قرآن کریم مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ ہے 21-22
مَا وَرَآءَہٗ سے مراد قرآن ہے22
قرآن مجید میں گزشتہ واقعات کا بیان بطور عبرت 57
مفسرین اور فقہاء کہتے ہیں کہ قرآن میں ایسی آیتیں آتی ہیں جو کہ بتاتی ہیں کہ فلاں آیت کے پڑھنے سے اب ثواب نہ ہو گا135
مفسرین کے نزدیک قرآن کریم میں نسخ135-136
نسخ کا اعتقاد نہایت خطرناک اور خلاف کتاب اللہ اور خلاف عظمت الٰہیہ اور خلاف حرمت قرآنیہ ہے142
قرآن مجید میں بہت چیزوں کو آیت قرار دیا ہے147
قرآن مجید حکمت بالغہ کے باعث تدریجاً نازل ہوتا تھا246
قرآن کریم کی آیات کے سمجھنے میں ما قبل اور ما بعد کی اہمیت246-247
عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی قرآن مجید کے احکام کے علاوہ توریت کے باقی احکام کی بھی ساتھ ہی پیروی کرنی چاہتے تھے264
ایمان کا استعمال قرآن مجید میں299
قرآن کے نزول پر دو گروہوں کا بننا436-437

قربانی

حج و عمرہ کے موقع پر قربانی کا ذکر251
مالی قربانی کر کے بد ظنی سے بھی بچیں 391

قسم

لغو قسم کون سی ہے؟301-302
لغو وہ قسم ہے کہ جس کے ساتھ اللہ کے حلال کو حرام کیا جاوے302
تمہاری قسموں میں سے لغو (قسموں) پر اللہ تمہیں سزا نہیں دے گا302

قوم

مشیئت ایزدی کسی قوم سے خاص نہیں16
بنی اسرائیل قوم کا سرکشی کی وجہ سے انکار کرنا20
جس قوم کا یہ عقیدہ ہو کہ ہماری قوم کے لئے جنت اللہ نے خاص کر دی ہے تو پھر اس کو اوامر و نواہی پر چلنے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟55
جس قوم کو اس کے قبلہ بنانے کی ہدایت ہو اس پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ وہ ہمیشہ اس کو صراط مستقیم پر رکھنا چاہتا ہے208

قیامت

یہود قیامت اور بہشت و دوزخ کے قائل ہیں51
قیامت سے مراد مصیبت کا دن174
ریاکاری سے صدقہ دینے والا گو بظاہر مومن ہو اور ایمان کا مدعی ہو پر ریاکاری ثابت کرتی ہے کہ حقیقت میں اس کا خدا پر اور قیامت پر ایمان نہیں389

کتاب

مصدق نبیؐ اور مصدق کتاب4
سب الہامی کتابوں کی کچھ عرصہ کے بعد ظاہری صورت بالکل بدل جاتی تھی4
آنحضرتؐ کامل کتاب کے لانے والے ہیں8
پہچانی ہوئی کتاب کے منکر کا انجام10
اہل کتاب کے قول کی تردید25
یہود کے سابقہ کتابوں پر ایمان کی نفی کی دلیل31
سب نصاریٰ اور اکثر یہود کا یہ اعتقاد ہے کہ سلیمانؑ کے گھر میں جادو ٹونوں اور مخفی رازوں کی کتابیں تھیں91-92
نسخ کا اعتقاد نہایت خطرناک اور خلاف کتاب اللہ اور خلاف عظمت الٰہیہ اور خلاف حرمت قرآنیہ ہے142
اہل کتاب اور ان کی جاہلیت173
رسول اللہ اور کتاب اللہ کے آنے کا ثبوت194

کتابت

کتابت میں بھی ثالث کی شرط موقوف نہیں ہوسکتی425

کتابت کے شہادت کا بیان425-426

کفر/کافر

عذاب کا ذکر کفر کے باعث ہے18

کفر پر رہنے کی وجہ سے گوسالہ کی محبت اور مفسرین38-39

کافروں کا جبرئیل کا دشمن ہونا اور اس کی وجہ61

کافروں کا جبرئیلؑ کا دشمن ہونے کی وجہ اور مفسرین کی روایات62-63

شیاطین لوگوں کو کفر کے علاوہ سحر بھی سکھاتے تھے91

کفار کی تدبیروں کا انجام ان کے لئے تکلیف کا باعث ہوگا103

شریر کافروں کا انجام120

کافروں کے دردناک عذاب کا ذکر اور اس کی وجہ124

کافروں کی تین درجہ کی مذمت129

عام کفر کی بجائے خاص کفر کا بیان130

حق کھلنے کے بعد کفر کرنے والے ضرور بہک جاتے ہیں159

کفر اور کفرانِ نعمت سے بچو تا کہ یہ نعمتیں نہ چھن جائیں215

کافروں سے جنگ میں تعدی سے بچنے کا ارشاد247

کلام

بنی اسرائیل نے خداوند تعالیٰ کا کلام سننے اور خداوند تعالیٰ کے دیکھنے کا حضرت موسیٰ سے سوال کیا تھا35

کلام الٰہی افعال الٰہیہ کی مانند ہیں137

روزہ مکالمہ الٰہیہ کا ایک اعلیٰ ذریعہ240

گناہ

عیسائی یہ کہتے ہیں کہ وہ آیت اللہ ہمارے گناہوں کے بدلے صلیب دیا گیا140

شراب اور جوئے میں بڑی برائی اور گناہ ہے285

لغو قسم وہ ہے کہ گناہ کے کرنے پر کھائی جاوے302

نسیان، خطا، اور گناہ کا موٴاخذہ440-441

گواہی

عورت کے مقابل مرد کی گواہی424-425

لعنت

بنی اسرائیل کے کافروں پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبانی لعنت کی گئی19

یہود پر لعنت پڑنے کی وجہ27

لعنت ہمیشہ کیلئے رحمت سے دُور ہونا ہے27

جو معرفت کے بعد بھی حق کو نہ مانے اس کی سزا لعنت ہی ہے28

لغت

کتب لغت میں بَاءَبِہٖ کے معنے اِحْتَمَلَہٗ کے آئے ہیں18

قَالَ کے معنے لغت عرب میں ظاہر کرنے کے ہوتے ہیں نہ فقط بات ہی کرنے کے36

لغت کے ماہرین کے نزدیک حروف استفہام کا اَوَ كُلَّمَا عَاهَدُوْا ... والی آیت میں مطلب72

سِحْرٌ۔ لُغت میں ایسی لطیف چیز کو کہتے ہیں جو کہ مرغوب ہو اور اس کا سبب پوشیدہ ہو82

اہل لغت نے لکھا ہے کہ بابل بڑی نہر کو کہتے ہیں83

حِكْمَةٌ۔ لغت میں روکنے والی چیز کو اور محکم اور مضبوط باتوں کو کہتے ہیں191

لغو

اللہ تم کو لغو اور بے فائدہ قسموں پر موٴاخذہ نہ کرے گا301

امام شافعیؒ نے لغو اس کو کہا ہے جو عام طور پر بے ارادہ بطور عادت لوگ وَاللّٰہِ، بِاللّٰہِ کہہ دیا کرتے ہیں جس میں قسم کا ارادہ نہیں ہوتا 301
لغو قسم کون سی ہے 301
لغو قسم وہ ہے کہ غضب کی حالت میں کھائی جاوے 302
لغو وہ قسم ہے کہ جس کے ساتھ اللہ کے حلال کو حرام کیا جاوے 302
تمہاری قسموں میں سے لغو (قسموں) پر اللہ تمہیں سزا نہیں دے گا 302

مال

بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس عوض خرید لئے کہ ان کیلئے جنت ہے 12-13
خیر کے معنے مطلق بھلائی اور بہتری اور مال کثیر کے بھی آتے ہیں 125
اپنے مال اپنے درمیان باطل کے ساتھ نہ کھاؤ 235
جنگوں کے موقعوں پر ضرورت سے زائد اموال خرچ ہوں 287
جس قدر دنیوی مال اور جنجال زیادہ ہوتا جاتا ہے اسی قدر خوف وحزن زائد ہوتے جاتے ہیں 408-409

مباہلہ

مولوی محمد حسین صاحب اور مولوی ثناء اللہ حضرت مسیح موعودؑ کے باوجود بار بار بلانے کے اخیر وقت تک مباہلہ کیلئے حیلہ وحوالہ سے ٹالتے رہے۔ 121

متبنّٰی

متبنیٰ کی تعریف 179
اللہ کی ذات بیٹے یا متبنّٰی سے پاک ہے 180

محبت

کفر پر رہنے کی وجہ سے گوسالہ کی محبت اور مفسرین 38-39
اکثر یہود کا یہ اعتقاد ہے کہ سلیمانؑ ایک مشرکہ عورت کی محبت میں شرک میں مبتلاء ہوگئے تھے 91-92

مخلوق

اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو نکما و بیہودہ و بیکار تجویز کرنا بڑی غلطی ہے 174

مذہب

ہر ایک مذہب جب وہ رسمی مذہب ہو جاتا ہے تو اس کے اتباع میں کوئی خاص امر مذہب کا روح ورواں بن جاتا ہے 200

مردہ

جو لوگ تم سے شہید ہو جائیں گے ان کو مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ زندہ ہیں 218
اللہ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتا ہے۔ 221
توفّی کے بعد روح کا واپس آنا اور مردہ کا پھر واپس دنیا میں آجانا بالکل محال ہے 372
اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرنے والا ہے 376

مساوات

بدلہ لینے اور پھر اس میں مساوات کرنے کی حکمت 230
جب عورت مرد کی مساوات کرے تو پھر معاشرت کا قائم رہنا مشکل ہے 308

مسجد

اللہ کے لئے مسجد میں ٹھہرنے کو اعتکاف کہتے ہیں 193
جب تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھے ہوئے ہو تو ان راتوں میں صحبت جائز نہیں 242
مسجد حرام کی حرمت 250

مسلمان

کوئی مسلمان کیونکر کسی آیت کو ردّ کر سکتا ہے 139

مسلمان خود آیات کو منسوخ کرتے رہے ہیں140
اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وہ میانہ رو جماعت بنایا ہے جس میں افراط و تفریط نہیں208
اللہ تعالیٰ کا خانہ کعبہ کو مسلمانوں کے لئے قبلہ بنانے میں مضمر وعدہ209

مصیبت

مصیبتوں کے علاج کا گُر162
قیامت سے مراد مصیبت کا دن174

منسوخ

مفسرین کے نزدیک قرآن کریم میں نسخ135-136
مسلمان خود آیات کو منسوخ کرتے رہے ہیں140
نسخ آیات کا قرآن کریم سے ردّ141
نسخ کا اعتقاد نہایت خطرناک اور خلاف کتاب اللہ اور خلاف عظمت الٰہیہ اور خلاف حرمت قرآنیہ ہے142
جب وراثت کی آیتیں نازل ہوئیں تو وصیت کا لازم ہونا منسوخ ہو گیا231
نسخ و منسوخ کہنے کا آغاز435-436

منصوبہ

یہود نے رسول اکرمؐ کے مقابلہ میں بھی خفیہ انجمن بنائی اور خفیہ منصوبے اور پوشیدہ کارروائیاں استعمال میں لانے لگے96
رسول کریم ﷺ کے خلاف بابل والوں کی طرح کے منصوبے بنانے کا ردّ102

موت

موت سے مراد47
اکثر مفسرین نے تو موت سے مطلق مرنا لیا ہے47
موت کی تمنا نہ کرنے کی وجہ49
یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ موت اور مصیبت کے دن کو بھی کہتے ہیں174
موت کے مجازی معنے نیند کے بھی ہوا کرتے ہیں372

مومن

خداوند کریم نے مومنوں کی جانیں جنت کے ساتھ خریدی ہوئی ہیں13
ضعیف القلب مومنوں کو بہکانے کا ذکر157
مومنوں پر ذلیل و تباہ کرنے والے دکھ نہیں آتے170
مَنۡ وَّ اٰذَی اللہ تعالیٰ اور اس کے برگزیدہ بندوں کی بے قدری اور ان کی بدظنی پر مشتمل ہے، مومن کو ان کے نزدیک نہ آنا چاہئے388

نصیحت / نصائح

فرشتوں کی نصیحت کو بھولنے کا انجام113-114

نبی

مصدق نبیؐ اور مصدق کتاب4
نبیؐ اور کتاب کے بارے میں پہلے خبر دی گئی تھی9
نبوت موروثی چیز نہیں بلکہ فضلی ہے15
بنی اسماعیل میں نبوت16
علم ہونے کے باوجود یہود نے نبی کریم ﷺ کا انکار کیا17
آنے والا نبی بنی اسماعیل سے ہو گا145
انبیاء اختلاف کی وجہ نہیں271

نسیان

خطاء اور نسیان کے معنی439-440
نسیان، خطا، اور گناہ کا مؤاخذہ440-441

نفل

نفلی روزوں کا ذکر237
اخفاء نفلی صدقات میں ہے401
فرض صدقات ہوں یا نفلی ہوں سب کا ظاہر اور پوشیدہ دینا درست ہے401

نکاح

نکاحِ مشرکات اور انکاحِ مشرکین کی ممانعت کی جو وجہ اور حکمت بیان فرمائی ہے اگر انسان اس پر غور کرے تو سب صحبتوں اور تعلقات میں اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے 289

جب تین طلاقیں مسنون طریق کے مطابق واقع ہو جاویں تو نہ رجوع ہو سکتا ہے اور نہ نکاح 307

نیکی

نیکی یہ نہیں کہ مشرق و مغرب کی طرف منہ پھیر دو 208

حقیقی نیک کون ہے 208

نیکی کا فلسفہ 229

نیکی تو یہ ہے کہ کمال غضب کے وقت بھی انصاف اور تقویٰ اور دور اندیشی مد نظر رہے۔ اور الٰہی احکام اور فوائد عامہ کی نسبت کوئی رعایت وغیرہ روک نہ ہو۔ 229-230

ایام صیام میں عموماً مخلص انسان بدیوں سے بچتا اور نیکی میں ترقی کرتا ہے 236

واقعہ

قرآن مجید میں گزشتہ واقعات کا بیان بطور عبرت 57

ضروری نہیں کہ آیت واقعہ کی مناسبت سے نازل ہو 156

وراثت

وراثت اور وصیت کے بارے میں احکام 230-231

جب وراثت کی آیتیں نازل ہوئیں تو وصیت کا لازم ہونا منسوخ ہو گیا 231

آیت وراثت میں ہر گز کوئی لفظ ایسا نہیں آیا جس سے یہ ثابت ہو کہ وصیت وارث کے لئے جائز نہیں اور دوسروں کے لئے ضروری نہیں۔ ہاں حدیث میں یہ تو آیا ہے کہ لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ۔ 231

ہاروت ماروت

مفسرین کے نزدیک ہاروت ماروت کے آنے کی غرض 100

مفسرین کی اس بات کی توجیح کہ ہاروت و ماروت محض آزمائش کے لئے بھیجے گئے تھے 100

ہاروت ماروت کی آزمائش کا مطلب 100

ہاروت و ماروت پر جو نازل ہوا اس کا مقصد 113

ہلاکت

جبائی کا قول ہے کہ انفاق میں اسراف کرنا ہلاکت میں پڑنا ہے 251

حضرت حسنؓ سے مروی ہے کہ بخل کرنا ہلاکت میں پڑنا ہے 231

دین میں کوئی جبر نہیں نجات کی راہ ہلاکت کی راہ سے صاف کھل چکی ہے 360

یہود

علم ہونے کے باوجود یہود نے نبی کریم ﷺ کا انکار کیا 17

یہود پر لعنت پڑنے کی وجہ 27

آیات وراثت ہی سے ثابت ہو گیا کہ میت کا سارا مال اب وارثوں کا ہو گیا ہے 332

وصیت

دین اسلام کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی 196

وراثت اور وصیت کے بارے میں احکام 230-231

جب وراثت کی آیتیں نازل ہوئیں تو وصیت کا لازم ہونا منسوخ ہو گیا 231

آیت وراثت میں ہر گز کوئی لفظ ایسا نہیں آیا جس سے یہ ثابت ہو کہ وصیت وارث کے لئے جائز نہیں اور دوسروں کے لئے ضروری نہیں۔ ہاں حدیث میں یہ تو آیا ہے کہ لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ۔ 231

یہود کے سابقہ کتابوں پر ایمان کی نفی کی دلیل 31
یہودیوں کا اعمال کو غیر ضروری خیال کرنا 38
یہود کے ایمان کی کیفیت 40
عہد کو یہود نے توڑا اور اس کا انجام 41
یہود کی آرزوؤں کا بیان 45
یہود کی دو آرزوؤں کا خلاصہ اور ان کا انجام 46
مفسرین کے مطابق لَنْ یَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا میں یہود سے مراد موجودہ زمانہ کے یہود ہیں 49-50
یہود قیامت اور بہشت و دوزخ کے قائل ہیں 51
یہود کے بدیوں پر دلیر ہونے کی وجہ ان کے عقائد ہیں 54-55
رسول کی آمد کے وقت یہود کا کتاب اللہ کو پس پشت ڈالنا کسی خاص رسول کے ساتھ مختص نہیں 78-79
یہود کی علم ہونے کے باوجود وہ لاپرواہی 79
سب نصاریٰ اور اکثر یہود کا یہ اعتقاد ہے کہ سلیمانؑ کے گھر میں جادو ٹونوں اور مخفی رازوں کی کتابیں تھیں 91-92
یہودیوں کی حالت کا بیان اور حدیث سے مثال 118-119
یہود کے کرتوت کی وجوہات 126-127
یہود کے حسد کی وجہ 127
یہود اور نصاریٰ اہل اسلام اور بنی اسمٰعیل کو کہتے تھے کہ چونکہ ان میں اصطباغ نہیں لہٰذا ان پر خدا کا کوئی فضل نہیں ہو سکتا 201

اسماء

آ۔ا

حضرت آدمؑ 272، 341، 440
حضرت ابراہیمؑ 188، 191، 192، 193، 194، 196، 199، 200، 202، 206، 207، 208، 214، 240، 251، 322، 364، 365، 366، 376، 377، 378، 379، 382، 383
ابن ابی حاتم 62
ابن ابی حماد 304
ابن ابی شیبہ 63
ابن ابی لیلی 116
ابن الزبیرؓ 257
ابن السماک عدوی 73
ابن صوریا 67
حضرت ابن عباسؓ 18، 50، 67، 86، 117، 176، 181، 190، 207، 237، 238، 257، 270، 272، 275، 276، 280، 287، 291، 322، 330، 359، 370، 371، 399، 428
آپؓ کی طرف منسوب اقوال 370
ابن عیینہ 423
ابن محیص 116
ابن مسعودؓ 257
ابن منذر 399
ابو العالیہ 45
حضرت ابو بکر صدیقؓ 300، 409
ابو جعفر 87
ابو جہل 130
امام ابو حنیفہؒ 252، 257، 258، 301، 304، 305
ابو حیان 164
ابو حیوۃ 116
ابو عثمانؓ 400
ابو لہب 130
ابی بن کعب 272، 331
ابی شیبہ 63
ابی صالح 276
اجاج 349
امام احمدؒ 240، 330
اخفش 70، 72، 108
حضرت ادریسؑ 272، 354
اساف 219
اسامہ 409
اسحٰقؑ 196، 198، 199، 202
ابنِ اسحٰق 239، 304
حضرت اسمٰعیلؑ 192، 193، 196، 198، 199، 202، 208، 214، 218، 251
حضرت الیاسؑ 351
حضرت انسؓ 293، 294

ب

امام بخاریؒ 48
بخت نصر 63، 367، 369
بخت نصر کو قتل کرنے سے جبرئیل کا روکنا 63
بخت نصر بابلی کے حملہ سے تباہ ہو گیا 367
حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانیؓ 142

بشیر بن النعمان، عبد اللہ بن رواحہؓ کے داماد 301
بلقیس 91، 112
امام بیہقی 48

ت، ث

علامہ تفتازانی کا سحر سیکھنے کے متعلق ذکر 90
مولوی ثناء اللہ 121

ج، ح، خ

جالوت 345، 346، 348، 350، 351، 352
جالوت ایک وصفی نام 350
جالوت کو حضرت داؤدؑ نے قتل کیا 352
حضرت جبرائیلؑ/جبریل 34، 60، 61، 62، 63، 65، 67، 68، 80، 99، 419
جبرائیل نام کا عرب میں 13 طریق سے پڑھا جانا 59، 60
جبیرؓ 190
ابن جریر 62، 86، 181
ابن جوزیؒ 45
امام جعفر صادقؒ 307
حاکم 86، 305
حام، حضرت نوحؑ کے بیٹے 272
حضرت حزقیلؑ 338، 374
حزقی ایل 375
امام حسنؓ 66، 116، 251، 257، 307، 330، 406
حسین بن علی مغربی 423
حضرت حفصہؓ 238، 331
حکم بن کیسان 283
حماد 304
حمیر 63
حضرت خضرؑ 367
امام خلیل 190

د، ر، ز

حضرت داؤدؑ 19، 79، 93، 346، 347، 350، 351، 352، 353، 371
آپؑ کا جالوت کو قتل کرنا 350، 352
حضرت دانیالؑ 374
امام رازی 91، 94، 95، 181
رافع بن خزیمہ 181
ربیع 45، 295، 367، 428
زجاج 290، 295
زُہرہ 94
زہریؒ 330
زید 138، 139، 154، 330، 422
زید بن اسلم 321

س

سام، حضرت نوحؑ کے بیٹے 272
سامری 39
ساؤل 341، 348، 349، 350
سدیؒ 39
سعد بن ابی وقاص 283
حضرت سعد بن عبادہؓ 117
سعید بن جبیرؓ 401
سعیدؓ بن المسیب 238
سفیان بن عیینہ 86
حضرت ام سلمہؓ 331
سلمہؓ بن الاکوع 236، 237
حضرت سلیمانؑ 78، 79، 84، 85، 86، 87، 89، 90، 91، 92، 93، 99، 102، 112، 350، 353، 371
آپؑ پر جادو کا الزام اور اس کا جواب 89
آپؑ سے سحر کی نفی 90

آپؐ پر لگنے والے بہتان کی نفی 91
آپؐ کا مقام اور الزامات 112
سموئل 350،349،348
امام سیوطیؒ 95

ش

امام شافعیؒ 252، 257، 292، 301، 304، 305، 306، 330، 332، 422
شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ 140
امام شعبیؒ 322
حضرت شعیاؑ 367
شمعون 338
شمویل 338
حضرت شعیبؑ 434
شہاب عراقی 94
شیخ ابو منصور 91

ط

طالوت 341، 342، 345، 347، 348، 350، 351، 356
طاؤسؒ 330
طیطوس رومی 176

ع

حضرت عائشہؓ 238،300،313،330،331
حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ 385
عبد اللہ بن جحش 282
عبد اللہ بن رواحہ 301
عبد اللہ بن سلام 264
عبد اللہ بن صوریا 63
حضرت عبد اللہ بن عباسؓ 48، 238، 264، 295، 307، 401، 406، 419
عبد اللہ بن عتبہ 322
عبد اللہ بن عمرؓ 50
عتبۃ بن غزوان 283
حضرت عثمانؓ 385
عثمان بن عبد اللہ بن المغیرۃ 283
حضرت عروہؓ 282
حضرت عزیرؑ 367
عزیر 19، 179، 368، 369
عطاءؒ 74، 274، 276، 322، 330، 400
عکرمہؓ 186، 238، 367
علقمہؒ 330
حضرت علیؓ 95
علی مہائمی 181
عمالیق 349
عمر 138، 139
حضرت عمرؓ 63، 409، 428
عمرو 154
عمرو بن الحضرمی 283
عمرو بن جموع 276
قاضی عیاض 94
حضرت مسیحؑ / حضرت عیسیٰؑ 18، 19، 78، 79، 140، 145، 180، 199، 200، 317، 346، 353، 354

ف

فرعون 40، 88، 157، 159، 337، 366
فرعون کے ساحروں کے سانپوں کے متعلق قرآن مجید میں ذکر 88

ق۔ک

قتادہ 18، 94، 190، 295، 304، 307، 322
امام کسائی 70، 72

کعبؓ بن مالک 241
کلبی 301، 367

ل

حضرت لوطؑ 367

م

ماروت 83، 85، 93، 94، 96، 99، 100، 113، 114
ماروت وہاروت کے آنے کی غرض از مفسرین 100
ماروت وہاروت پر جو نازل ہوا اس کا مقصد 112
امام مالکؒ 257، 302
مالک بن الصیف 74
مجاہدؒ 93، 190، 238، 295، 321، 322، 330، 399، 422
مولوی محمد حسین صاحب 121
حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ 8، 9، 10، 19، 28، 50، 63، 67، 68، 74، 76، 132، 136، 144، 146، 151، 152، 155، 156، 186، 192، 207، 208، 210، 283، 354، 419
آپؐ کی آمد کی بابت پیشگوئیاں 08
آپؐ کامل کتاب لانے والے ہیں 08
آپؐ کے مقابل پر کفار کا ایذا رسانی اور قتل و مقاتلہ کیلئے اتر آنا 09
آپؐ ہجرت سے پہلے کفار پر فتح پانے کیلئے دعا کیا کرتے تھے 09
آپؐ کے مبعوث ہونے کے بعد بنی اسرائیل کا آپؐ کے فتحیاب ہونے کیلئے دعائیں کرنا 10
آپؐ کی نبوت کا یہودیوں کو علم ہونے کے باجود انکار کرنا 17
حضرت مولوی محمد علی صاحب ایم اے 143
حضرت موسیٰؑ 19، 16، 32، 33، 35، 39، 40، 41، 42، 90، 92، 112، 144، 145، 146، 148، 151، 161، 199، 200، 240، 242، 247، 336، 337، 338، 341، 342، 347، 353، 354
آپؑ کی رسالت کی مخالفت کیوں کی؟ 33
آپؑ کو اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل کو پہاڑ کے نیچے لانے کا حکم صادر فرمانا 35
آپؑ کو اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل کو وعظ و نصیحت کرنے کا حکم صادر فرمانا 35
آپؑ کے آگے بنی اسرائیل کی التجا 35
مسروق 302
مسطح 300
مسیلمہ کذاب 409
معقل بن یسار 320
میکائیل / میکال 59، 60، 61، 62، 63، 65، 67
میکال نام کا عرب میں 06 طریق سے پڑھا جانا 60

ن

نافعؒ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے شاگرد 50
نائلہ 219
نخعی 304
نمرود 367
حضرت الحاج حکیم مولوی نور الدین صاحبؓ خلیفۃ المسیح الاول
12، 35، 48، 121، 177، 207، 360، 348
آپؓ کے نزدیک **الموت** کے معنے 48
آپؓ کو رؤیا میں تابوت کے معنے قلب کے بتائے گئے 342
حضرت نوحؑ 272
نوفل بن عبد اللہ 283

ہ

ہاجرہ 218
ہاروت 83، 85، 93، 94، 96، 99، 100، 113، 114
ہاروت وماروت کے آنے کی غرض از مفسرین 100
ہاروت وماروت پر جو نازل ہوا اس کا مقصد 112
ہارون 337، 341، 342
ہرقل 367
حضرت ہودؑ 272

و

واقد بن عبداللہ 283
واقدی 22
وہب 367

ی

یافث، حضرت نوحؑ کا بیٹا 272
حضرت یرمیاؑ 367، 374
یسی، حضرت داؤدؑ کے والد 350
یعقوب 196، 198، 199، 202
یوحنّا 52
حضرت یوسفؑ 347
یوشع بن نون 338

مقامات

ا،ب

اسرائیل 349، 351، 352، 374، 375، 376
بابل 63، 83، 85، 93، 94، 96، 99، 101، 102، 103، 113، 374
بغداد 83
بیت اللہ 193
بیت المقدس 63، 176، 207، 208، 214، 367
بیت لحمی 350

پ،ت

پنجاب 118
تبوک 385

د،ر

دجلہ 83
دیر سابر آباد (بستی) 367
رأس العین 94

س

سلام، دجلہ نہر کا نام 83
سابر آباد 367
سدی 367

ط،ع

طائف 190، 283
طبرانی 240، 440
عراق 94
عرب 36، 52، 53، 59، 74، 105، 109، 118، 126، 158، 164، 172، 176، 190، 261، 264، 284، 287، 306، 317، 329، 404، 409

ف،ق۔ک

فارس 113، 367
فدک 63
فرات 83
قریۃ العنب 367
کعبہ 207، 209، 214، 215، 219
کوفہ 94

م

مدینہ 08، 09، 10، 26، 27، 74، 96، 117، 207، 274، 409، 430
مدینۃ السلام 83
مسجد حرام 207، 209، 213، 249، 250، 251، 252، 282
مصر 39، 145، 337، 339، 347، 349، 366، 374
مکہ 08، 09، 10، 100، 193، 194، 207، 214، 215، 217، 249، 252، 254، 257، 263، 273، 285، 286، 288، 337، 409

ن۔ہ۔ی

نجران 121، 283
نخلہ 282
نصیبین 94
ہندوستان 118، 412
یروشلم 374، 375

کتابیات

ا

صحیح ابن خزیمۃ262،

سنن ابن ماجہ208،231،264،

سنن ابی داؤد236،237،331،

ب

صحیح بخاری88، 162، 165، 236، 237، 251،
257،263،297،306،320،386،390،430

ت

جامع / سنن ترمذی155،236،

تفسیر ثعلبی63،385

تفسیر درالمنثور48،50،283،401

تفسیر غرائب القرآن47

تفسیر صغیر 11،19،27،33،40،45،46،62،
68، 72، 73، 77، 78، 84، 85، 90، 93، 95،
98،99،100،101،104،110،111، 120،
121، 123، 125، 128، 130، 132، 140،
144، 151، 152، 156، 185، 187، 188،
194، 215، 230، 251، 270، 271، 273،
284، 287، 288، 296، 299، 300، 302،
308، 313، 332، 342، 343، 351، 357،
359، 366، 367، 372، 382، 383، 388،
390، 391، 409، 410، 414، 419، 436،
438،440،441

تفسیر کبیر علامہ امام رازی276،

تفسیر القرآن128،252،368،

تفسیر قرطبی (الجامع الحکام القرآن)419

تفسیر معالم التنزیل (بغوی)363

ح

حزقیل375،376

ر

رسالہ تعلیم الإسلام176،341،

رسالہ تفسیر القرآن40،

س

السنن الکبریٰ للنسائی119

ع

عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری440

ف

فیض الباری425

م

مختصر تاریخ دمشق425

صحیح مسلم236،241،260،293،339،436

مسند احمد بن حنبل240،331،

مصنف ابن ابی شیبہ 155

المعجم الکبیر للطبرانی240،

ن

سنن النسائی425